



بے سحر رات کے مسافر

اسلم راہی ایم اے

دیباچہ

یہ ایسے مجاہدوں کی داستانِ حیات ہے، جو عالم اسلام کے دشمنوں کی عداوت و رقابت، ان کے رشک و حسد اور ان کی حیوانی خواہشوں کے سامنے قہر مانی کا مد و جز را در اجل کے کاروانوں کے سالار بن کر سامنے آئے۔ پیانہ مشیت میں تکبیریں بلند کر کے دشمن کے خلاف حرکت میں آنے والے مجاہد ڈرے کو صحرا، ستاروں کو کہکشاں، قطرے کو سمندر میں تبدیل کرنے کا ہنر جان گئے تھے۔ زمین ان کے سامنے سمٹتی تھی۔ موت ان کے آگے بھاگتی تھی۔

”بے سحر رات کے مسافر“ ایسے اولوالعزم مجاہدوں کے کارناموں کی عکاسی ہے جن کی شجاعت و جوانمردی، جن کی شجاعت و دلیری کی ہر دور کے مورخین نے تعریف کی ہے۔ یہ رسول عربی ﷺ کی امت کے ان دلیر جوانوں، ملت کے ان جری پاسبانوں اور مسلم امہ کے ان دلاور انسانوں کا قصہ نام تمام ہے جو خود پیاسے رہ کر اوروں کے لبوں کا تریاق تلاش کرتے رہے۔ جو سارے جہانوں کے مالک کا نام لے کر شوقِ رزم آرائی میں بگولوں سے اٹل اور چٹانوں سے بڑھ کر غیر متزلزل ثابت ہوئے۔

یہ وہ شہر میں ایک فرانسیسی داخل ہوا۔ یہ پطرس راہب تھا جو فرانس کے شہر ایمیس کا رہنے والا تھا۔ کہتے ہیں یہ شخص جوانی میں ایک لشکری کی حیثیت میں کام کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد ایک شریف خاندان کی عورت سے شادی کر کے بیٹھ گیا، لیکن بعد میں مذہبی میلان کی وجہ سے پادری اور تارک دنیا بن گیا۔ یہی وجہ ہے، جو اس کے ہم عصر اسے راہب کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ پطرس نام کا وہ راہب ایک کوتاہ قامت، کم رو آدمی تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں عجیب سی انتقام کی لہریں اور جوش و خروش جھانکتا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ لمبی سفید ڈاڑھی والا یہ پست قد، نحیف ساسیہ قام راہب عیسائیوں میں انتہائی عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ وہ شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ تھوڑا سا آگے بڑھا اور ہر پہلا شخص اس کے سامنے آیا اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور اس شہر کے بطریق سے ملنا چاہتا ہوں۔“

جس کو روکا گیا تھا۔ اس نے ایک گہری اور غائر نگاہ پطرس راہب پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”اگر تم اس شہر میں اجنبی ہو اور شہر کے بطریق سے ملنا چاہتے ہو تو پھر سیدھا آگے جاؤ، پھر

دائیں ہاتھ مڑنا، وہیں سے پوچھ لینا۔ لوگ تمہیں بطریق کے گھر کا پتا بتا دیں گے۔“

اس پر راہب پطرس نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”کیا میں یہاں کے بطریق کا نام پوچھ سکتا ہوں۔“

اس پر وہ شخص کہنے لگا۔ ”اگر تم اس کے نام سے واقف نہیں ہو تو پھر کیوں اس سے ملنا چاہتے

ہو؟ بہر حال یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ اس کا نام شمعون ہے۔“

وہ شخص آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ پطرس نے پھر اس کے سامنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے روکا

اور کہنے لگا۔

”اس شہر میں زیادہ تر لوگ کون ہیں؟“

جواب میں وہ شخص کہنے لگا۔

”شہر میں زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔“

پطرس نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر اس کی نگاہیں اس شخص کے گلے میں لگی ہوئی

صلیب پر جم گئی تھیں، کہنے لگا۔

”تمہارے گلے میں لٹکتی صلیب بتاتی ہے کہ تم نصرانی ہو۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کے مسلمانوں کا

مقامی نصرانیوں سے سلوک کیا ہے؟“

اس پر وہ شخص کہنے لگا۔ ”مسلمان بڑے روادار ہیں۔ ہمارا بڑا احترام ہماری بڑی عزت

کرتے ہیں اور پھر یہاں لوگ اس قدر اتفاق اور یکجہتی سے رہ رہے ہیں کہ مقامی نصرانی اپنی

بیٹیوں کے رشتے مسلمانوں کے ہاں کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔“ یہ باتیں سن کر راہب

پطرس نے ناک منہ چڑھایا، غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”ایسا کیوں ہے؟ کیا مقامی نصرانیوں کو ایسا کرنا چاہئے۔“

اس پر وہ شخص مسکرایا اور کہنے لگا۔

”آپ چونکہ اس شہر میں اجنبی ہیں، لہذا یہاں کے حالات سے واقف نہیں۔ اگر نصرانی ایسا

کرتے ہیں تو یہ انسانیت کے اندر امن اور بھائی چارہ قائم کرنے کی ایک بہترین تدبیر ہے۔“

راہب پطرس نے اس سے آگے کچھ نہ کہا۔ بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

چنانچہ کچھ سوچ کر اس نے یروشلیم شہر کے بطریق شمعون کی طرف پہلے جانے کے بجائے اپنے ایک

جاننے والے کے یہاں قیام کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کا یہ جاننے والا ایک لاطینی عیسائی باشندہ

تھا۔ چنانچہ پطرس راہب نے اس کے ہاں قیام کیا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ پطرس راہب اس عیسائی

مالک مکان سے عام طور پر عیسائیوں کے موجودہ مصائب، مسلمانوں کے غلبہ اور یروشلیم کی قدیم

عظمت اور موجودہ تباہی پر گفتگو کرتا رہتا، جس مقام کی بزرگی کا حال سنتا، وہاں نہایت خشوع اور

خضوع کے ساتھ زیارت کیلئے حاضر ہوتا اور نماز و دیگر مراسم زیارت ادا کرتا۔ یہاں تک کہ اس

کے خیالات اور جذبات دیوانگی کی حد تک پہنچ گئے۔

در اصل پطرس طبیعت کے لحاظ سے تخیل پسند واقع ہوا تھا اور عموماً گرجے، خانقاہ اور حجرہوں

میں اسے بڑے بڑے نواب دکھائی دیتے تھے۔ اس طرح اس کی طبیعت کی عام روش عمارات

خیالی بنانے کی عادی ہو گئی تھی اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ ایک نہایت عجیب و غریب اور مجنونانہ

خیال میں پھنس کر ایک ایسے وہم باطل کا شکار ہو گیا، جس سے زیادہ دھوکہ عوام کو شاید کبھی نہ ہوا

ہوگا۔

آخر ان حالات اور واقعات کے ساتھ پطرس نے یروشلیم کے بطریق شمعون سے ملاقات

کی۔ بطریق شمعون بقول مؤرخین ایک بوڑھا آدمی تھا اور اس بوڑھے کے دل میں بھی وہی آگ

بھڑک رہی تھی کہ یروشلیم شہر پر مسلمانوں کی حکومت کیوں ہے؟ اس میں شک نہیں کہ بطریق شمعون

اور پطرس راہب کے مسلک میں فرق تھا۔ پطرس راہب کلیسائے اطالیہ کا پیروکار تھا اور بطریق

شمعون کلیسائے یونان کا تابع تھا۔ اس لئے اطالیہ والے ایسے لوگوں کو بے دین سمجھتے تھے۔

تاہم راہب کی نظروں میں وہ ایک پیروکار مسیح ضرور تھا اور جو حال اس نے یہاں کی تباہی

اور لوگوں کی مصیبتوں کا بیان کیا، اس سے راہب کی آنکھوں سے آنسو ہی نہیں بہنے لگے، بلکہ اس

نے یہ سوال کیا کہ آیا ان مصائب سے کسی طرح نجات حاصل کرنے کی کوئی شکل بھی ہے؟

چونکہ بطریق شمعون نے یروشلیم شہر کے اصل حالات اس کے سامنے پیش نہیں کئے تھے

خوآنخواہ میں اس نے مسلمانوں کے خلاف فرضی داستانیں تعصب کی بنیاد پر سنا ڈالی تھیں۔ چنانچہ

پطرس راہب خود ہی یروشلیم کے بطریق شمعون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ نے یروشلیم کے جو حالات مجھے سنائے ہیں اور یہاں مسلمانوں کی زیادتیوں کا ذکر

ہے۔ اگر یہ ساری باتیں جا کر میں یورپ والوں کو سناؤں گا تو وہ میری باتوں پر اعتقاد اور بھروسہ نہیں

کریں گے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ آپ میرے آقا پاپائے روم اور کلیسا روم اور بادشاہان و رئیسین

مغرب کے نام خط لکھیں اور اپنی مہر ثبت فرمائیں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں خود طلب نجات کے طور

پر ہر ایک کی خدمت میں خط لے کر حاضر ہوں گا اور آپ کی تکالیف اور مصائب کی داستانیں بیان

کروں گا اور منت کروں گا کہ ان مصائب سے چھٹکارا پانے کیلئے آپ کی مدد کریں۔“

بطریق شمعون نے اس تجویز پر رضامندی ظاہر کی اور تمام خطوط لکھ کر اور ان پر اپنی مہر ثبت

کر کے پطرس کے حوالے کئے۔

بقول مؤرخین یروشلیم کے بطریق شمعون نے یہ ساری باتیں اپنے پاس سے مرج مصلحہ لگا کر پیش کیں۔ ترکوں کے ہاتھوں مقدس مقامات کی وحشیانہ بے حرمتی کا خواخواہ میں ذکر کیا۔ حالانکہ یروشلیم پر جو ترکوں کی حکومت تھی تو ترکوں کی وحشیانہ بے حرمتی کے بجائے واقعات ان کی بے تعصبی ظاہر کر رہے تھے۔ ایسے مقامات کی ترک مسلمان کیسے بے حرمتی کر سکتے تھے، جن کی حرمت کرنا خود ان کا جزو مذہب تھا۔ بیت المقدس مسلمانوں کی نگاہ میں اس سے کہیں زیادہ قابل احترام ہے جتنا کہ عیسائیوں کی نگاہ میں ہے۔ ان کا پہلا قبلہ اور مسلمانوں کے نبی ﷺ کی معراج کی پہلی منزل ہے جس عزت اور حرمت کے ساتھ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا جو حقوق عیسائیوں کو عطا کئے اور جس طرح پھر صلاح الدین نے یروشلیم کو واپس لیا۔ عیسائیوں کے ساتھ جو مراعات مد نظر رکھیں۔ اگر اس کا مقابلہ عیسائیوں کے افعال سے کیا جائے کہ حضرت عمرؓ کی فتح سے قبل بیت المقدس کی کس قدر بے حرمتی ہوئی تھی اور نیز عیسائیوں کی فتح کے بعد کس قدر رکشت و خون ایسے محترم مقام پر ہوا اور کس قدر فحش عیسائی عورتوں اور مردوں میں پھیل گیا تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ وحشی کون تھے اور بے حرمتی کس نے کی؟

اس کے علاوہ اسٹیٹ لین پول لکھتا ہے کہ شہر کے عیسائیوں کی فحاشی اور آوارگی کی بونے حضرت مسیح علیہ السلام کی ناک کو بدبو سے بھر دیا تھا اور گنہگاروں کی دعائیں مقام رحم تک نہ پہنچ سکیں۔ مذہبی تعصب کی سیاہ چادر کو ہٹا کر اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں کی تعریف میں خود ایک عیسائی لین پول کے قلم سے فتح صلاح الدین کے وقت یہ الفاظ نکلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ یہ سارے تعصب پر مبنی پیغام لے کر راہب پطرس واپس اٹالیہ میں داخل ہوا۔ راہب نے پاپائے روم سے ملاقات کی کوشش کی پاپائے روم ارین ثانی نے جو اس زمانے میں پاپائیت کے تخت پر رونق افروز تھا اس سے نہایت الفت کا برتاؤ کیا اور حمایت صلیب میں جنگ کرنے کی تجویز کو دل و جان سے قبول کیا۔

اس موقع پر پطرس نے اپنا ایک فرضی خواب بیان کر کے اپنے کام کو اور زیادہ جلا بخشنے کی کوشش کی۔ اس کا لوگوں کے سامنے یہ کہنا تھا کہ ایک روز وہ کلیسا میں تمام رات دعا مانگتے مانگتے تھک کر فرش زمین پر سو گیا جہاں اس کے خیال کے مطابق سامنے حضرت مسیح السلام تشریف لائے اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”پطرس اٹھ اور جلدی کر اور دل کڑا کر کے اس فرض کو ادا کر جو تیرے سپرد کیا گیا ہے اور میں ہر وقت تیرے ساتھ رہوں گا“ کیونکہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میرے عبادت خواہوں سے ناپاکی کو دور کر دیا جائے اور میرے خادموں کی مدد کی جائے۔“

چنانچہ سب سے پہلے اپنا یہ خواب راہب پطرس نے پاپائے روم ارین ثانی کے سامنے پیش کیا اور بڑے جوش و جذبے کا اظہار کرنے لگا اور اس جوش و جذبے کی تحریک منجانب اللہ سمجھنے لگا۔ پاپائے روم کو اس کام پر آمادہ کرنے کے بعد پطرس کو ہستان الپس کو طے کر کے اٹالیہ سے نکلا اور تمام ممالک یورپ کا سفر کر کے ایک ایک دربار ایک ایک قلعہ میں پہنچا اور یروشلیم کی جابی کا حال بیان کر کے تجویز پیش کی کہ ان آفات سے اسے نجات دی جائے اور ترکوں سے انتقام لیا جائے۔ اس نے اپنی فریاد صرف روسا اور نوابوں ہی کی خدمت میں پیش نہیں کی، بلکہ شہر شہر قصبے قصبے جہاں سے اس کا گزر ہوتا بھی داستان بیان کرتا جاتا اور عام طور پر لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کرتا چلا جاتا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ راہب کی وضع قطع، لباس اور چہرے میں ایک ایسی بات تھی جس سے عوام اس کی طرف جھکنے لگے تھے اور وہ اپنے زمانے کے خیالات اور جذبات کی مجسم تصویر تھا اور لوگوں کو اس کی ذات میں تمام وہ صفات نظر آتی تھیں، جنہیں عظمت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے وہ عادی ہو رہے تھے۔

ایک کبیل کا لباس پہنے، جس میں آستینیں عداوتیں اور ایک بھوری چادر جو ایڑیوں تک لگتی تھی اوپر سے اوڑھے، ننگے پاؤں، خالی ہاتھ، ایک خچر پر سوار در مارا پھرتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ رقت قلب میں راہب اپنے زمانے کے تمام پادریوں اور دوسرے مذہبی پیشواؤں سے بڑھا ہوا تھا۔ مچھلی اور شراب کثرت سے استعمال کرتا تھا اور اسی میں مگن رہتا تھا۔ جہاں کہیں جاتا لوگ اسے گھیر لیتے تھے۔ تحائف کی بھر مار کرتے اور اس کی بزرگی اور صفت ثناء کرتے۔

فنا فی بھی اس میں بہت تھی، کیونکہ جو کچھ پاتا نہایت دریا دلی سے بانٹ دیتا تھا۔ ہر قدم پر اس کا اثر بڑھتا جاتا اور ایسا وہ اس لئے کر رہا تھا تاکہ مسلمانوں کے خلاف اس نے جو تحریک شروع کی تھی، اسے ہر صورت میں کامیابی تک لے جائے۔

حتیٰ کہ گمروں کے خانگی معاملات تک میں یہ اثر ظاہر ہونے لگا۔ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ اس

نے عورتوں کو جنہیں شوہروں نے چھوڑ دیا تھا، اپنے خاندان کے گھر پہنچا دیا۔ ان لوگوں میں جو باہم اختلاف رکھتے تھے پھر محبت قائم کر دی۔ بعض اسے انسانوں سے کچھ بالاتر سمجھنے لگے تھے۔ لوگ اس کے خچر کے بال اکھڑتے اور تبرک کے طور پر تعویذ بنا کر رکھنے لگے۔ اس کا وعظ نہایت زوردار ہوتا تھا۔ اس کی فصاحت کے سامنے قلوب کے تمام دروازے داہو جاتے تھے۔ لہذا گروہ کے گروہ اس کے کہنے پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شمشیر اور نیزہ ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اور اسی کی طرف پطرس انہی بلارہا تھا۔

ایک تاریک اور عقائد باطلہ سے بڑا اس زمانے کی واقعی یہ عجیب و غریب مثال خود فرہی تھی۔ وہ لوگوں سے کہتا کہ۔ ”ہمارے لئے شکر و مسرت کی جگہ ہے کہ خدا کی آواز نے ہمیں اس طرح اعمال کی مدد سے نہیں بلکہ ایک قربانی کی مدد سے نجات حاصل کرنے کی تعلیم دی، جو حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی ذات خاص سے ہمارے گناہوں کے کفارے میں صدقہ کر کے بارگاہ الہی میں پیش کی۔“

وہ یہ بھی کہتا کہ۔ ”شکر ہے کہ ہمیں روح القدس نے یہ تعلیم دی کہ عیسائیوں کیلئے مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ سفر کی تکلیف برداشت کر کے جان جو کھوں میں ڈال کر ارض کنعان یا کسی دنیوی شہر کو جا کر دیکھ آئیں، بلکہ برکت اس میں ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی مرضی میں اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ راضی برضا رہیں جس کے مسئلے میں آسانی ملک نصیب ہو اور ایک ایسا شہر ملے جس کی بنیاد مستحکم اور جس کا بنانے والا اور پیدا کرنے والا اللہ ہے۔“

وہ یہ بھی کہتا کہ ”یہ بھی شکر کا مقام ہو گا کہ اگر ہم یہ سیکھ لیں کہ ہماری لڑائی اس دنیا کی طاقتوں سے جنگ و خون ریزی کرنے میں نہیں ہے، بلکہ خود اپنی بد اعمالیوں، گناہوں اور بہت بڑی دشمن روح سے جنگ کرنے میں ہے۔ کاش ہم یہ لڑائی اچھی لڑ سکیں اور اپنا کام پورا کریں۔ اپنے مذہب پر قائم رہیں اور اس کے صلے میں وہ تاج جو دیانت داری اور ایمان داری کا تاج کہلاتا ہے اور جو انصاف پسندی اور راست باز حاکم ان سب کو عطا فرمائے گا، جو اس کی شکل سے محبت رکھیں گے۔“

بہر حال ایک طرف پطرس اپنا کام کامیابی سے سرانجام دے رہا تھا تو دوسری طرف پاپائے روم ابن نے اپنے وعدے سے انحراف نہیں کیا۔ اس نے فوراً ایک مجلس منعقد کی اور اس کے بعد

دوسری بھی منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ آخر ایک مجلس کلرمون میں منعقد ہوئی، جس میں فرانس اور جرمنی کے پادری رئیس نواب جمع ہوئے کہ پہلے کبھی سے نہیں گئے تھے۔ سب مشتاق تھے کہ پاپائے روم کیا کہتے ہیں اور ان کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ معمولی کام ختم کر کے پاپائے روم ابن ثانی گرجے سے برآمد ہوا۔ جہاں بڑے بڑے مذہبی لوگ جمع تھے اور اس بے شمار مجمع کے سامنے جو ایک بہت بڑے مربع میدان میں جمع ہوا تھا، ایک ایسی دلربا فصاحت کے ساتھ جس پر اسے زمانے کے بہت سے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ قدرت حاصل تھی، تقریر کی۔

”اس نے کہا کہ کس طرح شرقی اقصیٰ میں عیسائی بھائی، مسلمانوں کے پاؤں تلے روندے جارہے ہیں؟ جنہیں خدا نے اپنی روح القدس کی روشنی سے محروم رکھا ہے۔ کس طرح آگ اور تلوار نے فلسطین کے خوشنما میدانوں کو خاک سیاہ کر دیا ہے؟ کس طرح وہاں کے باشندے غلام بنائے جارہے ہیں یا ایسے کرب و تکلیف میں مبتلا ہو کر مر رہے ہیں، جس کا احاطہ نہیں ہو سکتا؟ کس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی عورتوں کی آبروریزی ہو رہی ہے اور وہ ان کے ناپاک شہوات حیوانی کا طمع بن رہی ہیں اور کس طرح بزرگوں کی قابل قدر یادگاریں مسلمانوں کے ہاتھوں مکروہ سے مکروہ برتاؤ کا نشانہ ہو رہی ہیں۔ اس نے یہ سب بیان کر کے پوچھا، اب بتاؤ کس کا کام ہے کہ ان سب کا انتقام لے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد ابن زکا، پھر کہنے لگا۔

”تمام مقدس مقامات کو مسلمانوں نے بے عزت کر رکھا ہے۔ چاہئے کہ فوراً ان خرابیوں کو دور کرنے کیلئے تم بھی آمادہ ہو۔ اے بہادر سپاہیو! فتح مندوں کی اولاد دو! اپنے ان بزرگوں کی خوبیاں یاد کرو جو تم سے آگے جا چکے ہیں۔“

مسیح کے یہ الفاظ یاد کرو کہ جو کوئی مجھ سے زیادہ اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے۔ وہ میرے قابل نہیں اور جو مجھ سے زیادہ لڑکے یا لڑکی سے الفت کرتا ہے، وہ میرے قابل نہیں اور جو کوئی اپنی صلیب لے کر میرے پیچھے پیچھے نہیں چلتا ہے، وہ میرے قابل نہیں۔ ایسا نہ ہو تمہارا مال و منال اس کام سے تمہیں باز رکھے۔ جو تمہارا ملک ہے، جس کے ایک طرف سمندر دوسری طرف پہاڑ حائل ہیں، تمہاری بے شمار آبادی کیلئے کافی نہیں ہے۔

دولت کماتا تو کجا، تمہاری زندگی کی ضروریات بھی یہاں نہیں مل سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم

رات دن لڑائی جھگڑوں میں پھنسے رہتے ہو۔ پس اب مرکز مقدس کی راہ اختیار کرو اور اس زمین کو فتح کرو جو اب مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ اس زمین کو خداوند نے آل اسرائیل کو عطا کیا تھا۔ وہ زمین جہاں کتب مقدس کے موافق دودھ اور شہد کی نہریں رواں ہیں۔

یہ وٹلم اس کا مرکز اور سب سے زیادہ سرسبز مقام ہے۔ جہاں رہنے میں یوں کہنا چاہئے فردوس بریں کا لطف آتا ہے۔ وہ زمین جسے نجات دہندہ بنی آدم نے اپنی تشریف آوری سے رونق دی اور اپنے وجود سے عزت عطا فرمائی۔ اپنے جذبات سے بزرگی بخشی اپنی وفا سے اسے خرید کیا اور اپنے مزار سے ممتاز فرمایا۔

یہ وٹلم امصار کی ملکہ ہے، جو ناف عالم میں واقع ہے۔ مسلمانوں کی غلامی میں تمہارے بھائی اسیر ہیں اور وہ اب تمہارے سامنے نجات کیلئے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں۔ سب سے زیادہ تم ہی لوگوں سے، اس لئے کہ خداوند نے تمہیں تمام قوموں سے زیادہ عظمت و قوت، دست و بازو عطا فرمائے ہیں۔ پس اب فوراً اس راستے کو اختیار کرو جو تمہارے سامنے کھلا پڑا ہے، تاکہ تمہارے گناہ دھل جائیں اور آسمانی بادشاہت کی رہنے والی عزت اور شوکت تمہیں حاصل ہو جائے۔“

پوپ کی اس تقریر کے سچ ہی میں مختلف قوموں کے اس جمع مجمع سے ایک ساتھ یہ آوازیں آنے لگیں۔

”خدا کی یہی مرضی ہے۔ خدا کی یہی مرضی ہے۔“ پس اربن ثانی نے موقع دیکھا اور جونہی شور و غل کم ہوا اس نے پھر اپنی تقریر شروع کی کہنے لگا۔

”یارے بھائیو! آج وہ منشاء پورا ہوا، جس کا ہمارے آقا انجیل میں یوں ذکر فرماتے ہیں۔“

”جب دو یا تین میرے نام سے جمع ہوں تو میں بھی تم میں موجود ہوں گا۔ اگر آقا اس وقت تم میں موجود نہ ہوتے تو ایک ہی آواز سب کی آواز نہ ہوتی، جو آواز اس مجمع سے نکلی ہے، اس کا منہ ایک ہی ہے۔ یعنی یہ خدا کی ذات ہے جس نے تمہارے دلوں میں یہ بات ڈالی ہے اور تمہیں من سے اسے نکالنے پر مجبور کیا۔ یہی آواز میدان جنگ میں تمہارا نعرہ جنگ ہونی چاہئے اور جب تم اس کے دشمنوں پر حملہ کرنے کیلئے جھکو تو سب ایک ہی آواز سے کہتے جاؤ۔۔۔۔۔“

”خدا کی یہی مرضی ہے، خدا کی یہی مرضی ہے۔“

ذرا رک کر پوپ اربن پھر کہہ رہا تھا۔

”جو لوگ بوڑھے یا کمزور ہیں۔ لڑائی سے ناواقف ہیں یا عورتیں جن کے شوہر کا بھائی یا وارث موجود نہیں ہیں، انہیں سفر کرنے کی نہ ہم صلاح دیتے ہیں اور نہ حکم کرتے ہیں۔ یہ لوگ بجائے کسی کام کے ایک طرح کا بار ہوں گے۔ امیروں کو چاہئے کہ غریبوں کی مدد کریں اور اپنے ساتھ جتنے آدمی لاسکیں میدان میں لائیں۔ کوئی پادری بغیر اپنے بپش کی اجازت کے قصد نہ کرے اور نہ کوئی دنیا دار بغیر اپنے پادری کی دعا کے عزم کرے، کیونکہ ایسے لوگوں کیلئے یہ ہم بے سود ہوگی۔

جو کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنی ذات کی پاک مقدس قربانی بارگاہ خدا میں پیش کرے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنے آقا کی صلیب سینے پر رکھے اور جو کوئی مقدس سفر اختیار کرنے والا ہو اسے چاہئے کہ اس مبارک نشان کو پشت پر لگائے۔ اس طرح وہ اپنے نشان دہندہ کے فرمان کو پورا کرے گا جس میں حکم ہے کہ صلیب کو لے کر اس کے پیچھے پیچھے چلے چلو۔“

اربن نے اب اپنی تقریر ختم کی۔ جتنے لوگ جمع تھے سجدے میں زمین پر گر گئے۔ ایک کارڈنیل نے کھڑے ہو کر اس ہم میں جانے کی پہلی رضامندی ظاہر کی۔

اس جلسے کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ نہایت حیرت انگیز تھا۔ اس کی خبر عجیب و غریب سرعت کے ساتھ تمام ممالک میں پھیل گئی اور عمارتین صلیب کی ایک بڑی جماعت فلسطین کی طرف کوچ کرتی نظر آئی۔ لوگوں کے دل اس خبر کو سننے کے منتظر تھے اور سب کے سب بیٹھے تھے۔ اس خبر نے گویا ایک جوش و جذبہ پیدا کر دیا، جہاد کی برق ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونج گئی اور اب صرف ایک اشارے کی منتظر تھی کہ تمام عالم میں چمک اٹھے۔



سورج غروب ہو گیا تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت گزر گیا تھا۔ ایسے میں ایک دراز قد اور نوجوان لڑکی جو اپنے جسم اور چہرے کو خوب ڈھانپے ہوئے تھی۔ شام کے شہزادہ کی ایک حویلی کے دروازے کے پاس آ کر رکھی اور دروازے پر اس نے دستک دی تھی۔

ایک بار دستک دینے کے بعد وہ دروازے کے پاس کھڑی رہی۔ چہرے سے اس نے نقاب ہٹا دیا تھا۔ نقاب ہٹا تھا کہ یوں لگا جیسے لولو امرت شکرنی اور نارنجی شعلوں کی سی وہ خوبصورت لڑکی نظر نظر میں اجالوں کی تقسیم، لہس لہس میں صبح کی پھواریں بکھیرنے کیلئے پیدا کی گئی ہو۔ بندگیوں کے ثار الماس و گوہر اور دیکھتے شفق کی سی اس کی خوبصورتی، زندگی اور حسنِ فطرت کی ترجمان بن کر سامنے آ گئی تھی۔

اتنے میں دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص تھا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکی نے اسے سلام کیا۔ لڑکی کو دیکھتے ہی دروازہ کھولنے والا بوڑھا چوکنے کے انداز میں بول اٹھا۔
”زور ابی تم؟“

اس پر لڑکی جو دراصل ایڈیہ شہر کے نصرانی حاکم کی بہن زور اتھی، دروازہ کھولنے والے بوڑھے کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا میں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آئی ہوں۔ کیا آپ مجھے باہر ہی کھڑا رہنے دیں گے، اندر آنے کیلئے نہیں کہیں گے۔“

اس پر وہ بوڑھا ایک طرف ہٹ گیا، کہنے لگا.....

”بیٹی یہ بھی تو نے خوب کہی، یہ گھر تیرا اپنا ہے۔ تجھے اس میں داخل ہونے کیلئے کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اندر آؤ۔“

چنانچہ لڑکی تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ بوڑھا بھی دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ ہولیا۔ دونوں آگے پیچھے دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ دیوان خانے میں اس وقت دروازہ کھولنے والے بوڑھے سے بھی ایک ضعیف العمر شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ڈھلی ہوئی عمر کی ایک خاتون بیٹھی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

زور نام کی اس لڑکی کو دیکھتے ہی دیوان خانے میں بیٹھی ہوئی خاتون اٹھی۔ زور کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا کر کئی بار اس کی پیشانی، اس کا چہرہ چوما، پھر اپنے قریب ہی بٹھایا اور کہنے لگی۔
”بیٹی خیریت تو ہے۔ تیرا اس وقت آنا کسی علت کے بغیر نہیں ہے۔“

اس خاتون کے ساتھ بیٹھنے کے بعد زور نام کی اس لڑکی نے ادھر ادھر دیکھا، پھر کہنے لگی۔
”بابا بدرالدین کہاں گئے ہوئے ہیں۔؟“

اس پر دروازہ کھولنے والا شخص بول اٹھا۔

”بیٹی سب سے پہلے تو میں تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تو میرے بیٹے بدرالدین کو پسند کرتی ہے۔ بیٹی میں جانتا ہوں وہ بھی تمہیں چاہتا ہے لیکن میری بیٹی.....“
یہاں تک کہتے کہتے اس بوڑھے کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ لڑکی مسکراتے ہوئے بول اٹھی۔

”بابا اب آپ یہ کہیں گے کہ جب میں آپ کے بیٹے بدرالدین کو پسند کرتی ہوں، وہ بھی مجھے چاہتے ہیں تو پھر ہم دونوں کا ملاپ اور وصال کیسے ہوگا۔ بابا میرا دل کہتا ہے وہ وقت عنقریب نہیں، بہت جلد آئے گا لیکن آج میں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں حاضر ہوئی ہوں۔“

اس موقع پر دروازہ کھولنے والا نام جس کا جمال الدین تھا اور اس کے قریب جو ڈھلی ہوئی عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا، وہ اس کا باپ یعنی بدرالدین کا دادا جلال الدین تھا، جبکہ جس خاتون نے زور کا استقبال کیا تھا۔ اسے اپنے ساتھ لپٹایا تھا۔ اس کا نام زمران تھا اور وہ جمال الدین کی بیوی اور بدرالدین کی ماں تھی۔

زور بات کو آگے بڑھانا چاہتی تھی کہ دیوان خانے میں ایک دراز قد اور خوبصورت نوجوان داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی زور کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نوجوان کو دیکھتے ہوئے زمران بول اٹھی۔

”بیٹے یہاں میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔“

وہ نوجوان آگے بڑھا، زمران کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ وہ جمال الدین اور زمران کا بیٹا بدر الدین تھا۔ ایک گہری نگاہ اس موقع پر بدر الدین نے زور پر ڈالی، پھر اپنے باپ جمال الدین اور اپنے دادا جلال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”لگتا ہے زور آج اس وقت کسی انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آئی ہے۔“

بدر الدین جب خاموش ہوا تب بڑے سنجیدہ بلکہ کسی قدر افسوسناک انداز میں زور بول اٹھی۔

”آپ کا اندازہ اور آپ کا کہنا بالکل درست ہے۔ ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہونے والا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ ایک آندھی اور ایک خونی طوفان اٹھنے والا ہے۔“ اس کے بعد چند لمحے رکنے کے بعد زور پھر بول اٹھی۔

اس نے فرانسسی راہب پطرس کے یروشلیم میں داخل ہونے اور پھر واپس جا کر اپنے وعظ اور اپنی آتش بیانی سے یورپ کے اندر ایک ہلچل اور انقلاب برپا کرنے کی تفصیل کہہ دی تھی اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ یورپ کے مختلف حصوں سے بڑے بڑے لشکر جمع ہو کر قسطنطنیہ کا رخ کرنے والے ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد زور جب رکی تب بدر الدین چاہت بھرے انداز اور غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”زور جو کچھ تو نے کہا ہے، اس کا ہمیں ہی نہیں بلکہ یہاں کے سب لوگوں کو پتا ہے۔ اس کے علاوہ.....“

بدر الدین کو رک جانا پڑا اس لئے کہ زور فکر مندی میں پھر بول اٹھی۔

”ابھی میں نے اپنی بات مکمل نہیں کی آپ سچ میں بول اٹھے۔ جو تفصیل سب جانتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر میں ایک خطرناک تفصیل کہنے آئی ہوں۔ میرا باپ ایڈیہ اور گردنواح کے علاقوں کی حکمران کی حیثیت سے ایک بہت بڑا فیصلہ کر چکا ہے۔ دراصل میرے باپ تھوروس کی ایک عرصہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ اس کے ارد گرد جو مسلمان چھوٹے بڑے حکمران ہیں ان کو اپنے سامنے زیر کرے۔ چنانچہ اب اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یورپ کے عساکر ارضی فلسطین پر

حملہ آور ہونے کیلئے جب یورپ سے ایشیا کی سر زمینوں میں داخل ہوں گے تو وہ ان کی طرف اپنے تیز رفتار قاصد بھجوائے گا اور ان میں سے کچھ عساکر کو ایڈیہ آنے کی دعوت دے گا تاکہ میرے باپ کی عسکری طاقت اور قوت میں اضافہ ہو اور اس قوت اور طاقت کو استعمال کرتے ہوئے آس پاس اور ارد گرد مسلمان حکومتوں کو اپنے سامنے زیر کر کے اپنے زیر حکومت علاقے میں وسعت پیدا کرے۔“

”اگر یورپ کے لشکر نے ایڈیہ کا رخ کر لیا تو پھر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ یورپ والے صلیبی کیا ذہنیت رکھتے ہیں۔ یہ آپ لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ وہ یہاں کسی مسلمان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ کلی کوچوں میں مسلمانوں کا خون بہائیں گے اور فخر کریں گے کہ انہوں نے مسلمانوں کا قتل کیا۔ کیا ان حالات میں یہاں رہنا مناسب ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زور ارکی پھر باری باری وہ بدر الدین کے باپ جمال الدین اور دادا جلال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں خود بھی یہاں کی زندگی سے تنگ اور بیزار آ چکی ہوں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے کبھی کسی بھی موقع پر آزادی کے ساتھ نہ نماز پڑھنے کا موقع ملا ہے اور نہ ہی روزہ رکھنے کی توفیق ہوئی ہے۔ جب شہر کے اندر کہیں اذان کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے بعد میں دیکھتی ہوں کہ مسلمان عورتیں اپنے مکانات کی چھتوں پر نماز ادا کرتی ہیں تو اسلام قبول کرنے کے بعد میرا بھی دل کہتا ہے کہ میں بھی آزادی کے ساتھ کہیں نماز ادا کروں، کہیں بیٹھ کر عبادت کروں، روزہ رکھوں اور اپنے لواحقین کے ساتھ بیٹھ کر سحری اور افطاری سے لطف اندوز ہوں، لیکن میں ایسی بد قسمت لڑکی ہوں کہ نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کرنے کے بعد میں اپنے چاروں طرف پابندیاں ہی پابندیاں دیکھتی ہوں۔ اپنے ماں باپ کے سامنے میں یہ اشارہ تک نہیں دے سکتی کہ میرا جھکاؤ اسلام کی طرف ہے۔ یہ بتانا تو بہت دور کی بات کہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔ اگر انہیں اس بات کی بھنک بھی پڑ جائے کہ میری ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ ہیں تو میرا بھائی میرا گلہ کانٹنے کے درپے ہو جائے۔ میری ماں جو مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ وہ مجھے زندہ درگور کر دے۔ جی چاہتا ہے کہ یہاں سے کسی ایسی جگہ چلی جاؤں، جہاں مسلمان ہی مسلمان ہوں، جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور جہاں رہتے ہوئے میں اپنے ارکان اسلام پر آزادی اور اپنی مرضی اور خواہش کے

مطابق عمل کر سوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زورارک گئی۔ اس نے دیکھا اس موقع پر خود بدرالدین اس کا دادا جلال الدین باپ جمال الدین اور ماں زمران گہری سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے زورابھی پریشان ہوگئی۔ یہاں تک کہ بدرالدین کا دادا جلال الدین بول اٹھا۔

”زورامیری بیٹی! ہم تیراجس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔ ہم تو پہلے ہی تیرے شکر گزار ہیں کہ تو ہمارے بیٹے بدرالدین کو پسند کرتی ہے۔ بیٹی اب تو نے ہمیں ایک خونی انقلاب اور ایک خونخوار تبدیلی کی اطلاع دی ہے اور ہم اس پر اپنے رد عمل کا اظہار ضرور کریں گے۔ میری بچی ذرا رُک میں پہلے بدرالدین اپنے بیٹے جلال الدین اور اپنی بہو زمران سے بات کر لوں۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جو حالات یہاں کے مسلمانوں پر عنقریب مسلط ہونے والے ہیں ان کے رد عمل کے طور پر ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

اس کے بعد جلال الدین کچھ دیر تک جمال الدین، اپنے پوتے بدرالدین اور اپنی بہو اور جمال الدین کی بیوی سے گفتگو کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے کس قدر بدسکون انداز میں زوراکو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”میری بچی! جس خطرے سے تو ہمیں آگاہ کرنے آئی ہے۔ اس سے متعلق ہم تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ دیکھ حیات اور شیزر شہر کے نواح میں ہماری کافی جانیداد اور وہاں ہمارے کچھ عزیز بھی ہیں۔ ہماری اپنی وہاں حویلی بھی ہے۔ کبھی میں اور میرا بیٹا جمال الدین وہیں رہا کرتے تھے۔ پھر ہم ایڈریس شہر منتقل ہوئے اور ہمیں آکر میں نے بدرالدین کے باپ جمال الدین کی شادی زمران سے کی۔ بیٹی! بدرالدین، جمال الدین اور اپنی بہو زمران سے بات چیت کرنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم یورپ کی طرف سے اٹھنے والے خونی طوفان سے پہلے ہی پہلے ایڈریس شہر سے نکل کر حیات اور شیزر شہر کے نواحی علاقے کی طرف چلے جائیں گے، جہاں ہماری اپنی جائیداد ہے، جہاں ہماری حویلی ہے۔ وہیں جا کر قیام کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد جلال الدین رکا۔ ایک گہری نگاہ اس نے زوراپر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”میری بچی! اب تو یہ کہہ گی کہ تیرا کیا بنے گا؟ میری بیٹی میرے بیٹے جمال الدین اور

میری بہو زمران کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تیری شادی میرے پوتے بدرالدین سے ہو۔ ہم یہ بھی چاہیں گے کہ تو ہمارے ساتھ حیات اور شیزر شہر کی طرف جائے۔ وہاں پہنچ کر میں چاہوں گا کہ تمہاری اور بدرالدین کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے اور وہاں ہم سب مل کے ہنسی خوشی اپنی زندگی کے دن بسر کریں۔ میری بچی کیا تو اس سے اتفاق کرتی ہے۔“

جلال الدین کے ان الفاظ پر حسین اور خوبصورت زوراکے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ کہنے لگی۔ ”دادا میں اس سے پوری طرح متفق ہوں، لیکن یہاں سے نکلنے کی منصوبہ بندی کیسے کی جائے گی؟“

اس پر جلال الدین نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”دیکھ بچی! تین دن بعد اپنی اس حویلی کا سارا سامان سمیٹ کر میں جمال الدین اور زمران تینوں یہاں سے نکل جائیں گے۔ یہاں سے صرف اپنا قیمتی اثاثہ لے کر جائیں گے۔ باقی سامان یہیں رہے گا۔ اس کی ہمیں پروا نہیں اس لئے کہ وہاں ہماری حویلی میں ہر چیز میسر ہوگی۔ وہاں ہمارے کھیت کھلیاں ہوں گے۔ بدرالدین یہیں رہے گا۔ میری بچی اس کے بعد تم اور بدرالدین یہاں سے کوچ کرنا۔ پہلے تو یہ بتا میں نے سنا ہے تو اکثر و بیشتر گھڑسواری کیلئے نکلتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو تم کس وقت اپنے بھائی تھوروس کے قصر سے نکلتی ہو۔“

اس پر زورابے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”ابھی سورج طلوع نہیں ہوا ہوتا میں گھڑسواری کیلئے نکلتی ہوں۔“

جواب میں جلال الدین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر کہنے لگا۔

”بس تو سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ ہمارے یہاں سے جانے کے بعد میری بچی دونوں کا وقفہ ڈالنا تیسرے دن بدرالدین ایڈریس شہر کے جنوب میں تمہارا انتظار کرے گا۔ تمہیں اپنے ساتھ کچھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس تم گھوڑے پر سوار ہو کر آ جانا، پھر بدرالدین اور تم دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جس قدر تیزی سے فاصلوں کو سمیٹ سکتے ہو سمیٹنا اور جنوب کا رخ کرنا۔ ایک بار تم اپنے بھائی تھوروس کے علاقوں سے نکل گئیں تو بالکل محفوظ ہو جاؤ گی۔ میں جانتا ہوں میرا پوتا بدرالدین بہترین بیچ زن ہے۔ لہذا راستے میں یہ تیری خوب حفاظت کرے گا۔ جب تم دونوں حیات اور شیزر شہر کے نواح میں ہماری غی رہا نگاہ میں پہنچو گے تو سب سے پہلے جو

کام کیا جائے گا، وہ تمہاری اور بدرالدین کی شادی ہوگی اور مجھے اُمید ہے کہ اس کے بعد حالات ہم پر مہربان ہی رہیں گے۔“

زور نے جب اس سے اتفاق کیا، تب بڑی شفقت اور محبت میں جلال الدین اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹی! اب تو واپس اپنے قصر میں جا۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا بھائی، تیری ماں یا کوئی اور عزیز و اقارب تم پر شک کرنے لگے۔“

”ہاں تمہارے بھائی سے متعلق ایک افواہ بھی سنی ہے کہ وہ دوسری شادی کرنے والا ہے۔“ اس پر زور مسکرائی اور کہنے لگی۔

”بابا! آپ کا اندازہ درست ہے۔ میرے بھائی کی پہلی بیوی کا نام شالوس ہے۔ وہ بانجھ ہے۔ اس کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ لہذا ایڈیسیہ ہی کی ایک خوبصورت اور حسین لڑکی میکسل کا انتخاب کیا گیا ہے اور میرے اندازے کے مطابق چند روز تک میرا بھائی میکسل نام کی اس لڑکی سے شادی کرے گا۔“ اس کے ساتھ ہی زور اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

”میں اب جاتی ہوں، جو منصوبہ بندی ہم نے طے کی ہے میں اس پر عمل کروں گی۔“ زور اے ان الفاظ سے سب خوش ہو گئے تھے۔ پھر چاروں زور کو صدر دروازے تک چھوڑنے گئے اور زور اپنا جسم اور اپنا چہرہ چھپاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

تین دن بعد جلال الدین، جمال الدین اور زمران تینوں اپنا ضروری سامان سمیٹ کر ایڈیسیہ شہر سے حمات اور شیرز شہر کے قریب اپنی آبائی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔ جہاں ان کی ناصرف حویلی تھی، بلکہ باغات اور قلعہ کاشت زمین بھی تھی۔

دودن بعد پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت بدرالدین بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی حویلی سے نکلا۔ حویلی کو اس نے یونہی رہنے دیا۔ باہر سے قفل نہیں لگایا۔ فضاؤں میں ابھی تاریکی ہی تھی۔ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا وہ ایڈیسیہ شہر کے جنوبی حصے کی طرف چلا گیا اور درختوں کے ایک جھنڈ میں جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ زور بھی اپنے گھوڑے کو دوڑاتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ بدرالدین نے جب زور کو، زور نے جب بدرالدین کو درختوں کے جھنڈ تلے کھڑا دیکھا، تب

دونوں کے چہروں پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے زور بدرالدین کے قریب آئی، خوش کن انداز میں اسے سلام کیا، پھر کہنے لگی۔

”میرے خیال میں ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، فوراً اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔“

بدرالدین نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا دونوں نے ایک ساتھ اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور انہیں جنوب کی طرف سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

شیرز شہر کے نواحی علاقے میں وہ ایک کافی بڑی حویلی تھی، جو جلال الدین کی ملکیت تھی۔ جلال الدین اور اس کے بیٹے جمال الدین اور زمران نے وہاں پہنچ کر مقامی لوگوں سے جو ان کے خوب جاننے والے تھے، اپنی حویلی کو آباد کر لیا تھا۔ اس کی خوب صفائی ستھرائی کر کے پوری حویلی کو دھو دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے باغات کی خود دیکھ بھال کرنے اور کاشت کاری کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ دودن بعد بدرالدین اور زور بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان کی آمد پر ناصرف جلال الدین، جمال الدین اور زمران نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا، بلکہ مقامی لوگ بھی خوشی اور اطمینان کا اظہار کر رہے تھے۔ ایک ہفتہ وہاں قیام کرنے کے بعد بدرالدین اور زور کی شادی کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔

گھر دوڑ کے بعد زور واجب لوٹ کے ایڈیسیہ شہر کے قصر میں نہ گئی، تب اس کا بھائی تھوروس اور ماں ساروق بے حد فکر مند اور پریشان ہوئے۔ زور کو تلاش کرنے کیلئے انہوں نے اپنے آدمی ادھر ادھر دوڑائے۔ جب دوپہر تک زور کا کوئی پتا نہ چلا، تب ان کی فکر مندی اور ان کے دکھ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اپنی ماں ساروق کے کہنے پر تھوروس نے اپنے کچھ آدمیوں کو مقرر کیا تاکہ وہ اس کی بہن زور کو تلاش کریں اور اس کا پتا لگائیں کہ وہ کہاں اور کدھر گئی؟



راہب پطرس کی وجہ سے یورپ کے اندر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کی ابتداء کرنے کیلئے ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر ایسے حالات اچانک پیدا نہیں ہو جاتے، بلکہ دنیا کے عظیم الشان واقعات جن کا اثر تاریخ عالم پر پڑتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ یکا یک اور اچانک واقعہ ہو جائے۔ ان کے مقدمات شاذ و نادر مخفی اور ہمارے علم سے باہر ہوتے ہیں۔ جب ظہور واقعات ہو چکتا ہے اور ان کے اسباب کی جستجو کی جاتی ہے تو بہت پہلے وہ کہیں نہ کہیں مضمر نظر آتے ہیں۔ یہی حالت بلاشبہ ان واقعات کی بھی تھی، جو بعد میں صلیبی جنگ کا باعث بنے۔

دراصل محاربات صلیب کی ابتداء اسلام کے عروج اور ترقی کے دامن ہی میں پوشیدہ نظر آتی ہے۔ جب اسلام کا دامن پھیلنا شروع ہوا تو عیسائیت کو اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں تمام اقوام مسیحی کو یہ نیا دین عالم سے نیست و نابود نہ کر دے۔

چنانچہ ان خدشات کو سامنے رکھتے ہوئے مشرق کے مسلمان اور مغرب کی برائے نام عیسائی قومیں ایک دوسرے کے مقابل ایک عزم مصمم کے ساتھ صف آراء ہوئیں کہ معاملہ یکسو ہو جائے۔ آپس میں مخالفت کی آگ مشتعل تھی۔ انتہائے ساتویں صدی سے زمانہ جنگ صلیب تک مسیحیت اور اسلام میں سخت کشمکش رہی اور جب پیر وان اسلام کے دن دو گنی رات چو گنی ترقی سے عیسائیوں کو یہ خدشہ پیدا ہونے لگا تو انہوں نے مسلمانوں پر فتح پانے کیلئے ترکیبیں سوچنا شروع کر دیں۔

دراصل اس زمانے میں مذہبی جوش عوام کا جوش تھا، لیکن ان کینہ اور باطل خیالات کے ساتھ ساتھ عسکری جوش و خروش بھی عام طور پر پھیلا ہوا تھا۔ تمام بڑے بڑے امیروں کی یہ حالت تھی کہ امن کا قیام زن کی مرضی پر منحصر تھا۔ وہ قریب قریب ہمیشہ کسی نہ کسی سے لڑتے رہتے تھے۔ صرف جرأت اور شجاعت ہی ایک ایسا جوہر تھا، جس کی ہر جگہ قدر تھی جس کی وجہ سے ایک دوسرے

پر ترجیح اور فوقیت دی جاتی تھی۔

صلیبی لڑائیاں بھی اسی زمانے کی حالت کا نمونہ تھیں۔ یہ زمانہ شجاعت اور جواں مردی کا زمانہ تھا اور عیسائیوں میں نامیت ہونا ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ گویا دنیا میں اس سے زیادہ کوئی اعزاز ہی نہیں ہے۔ بادشاہ اس خطاب کو حاصل کرتے تھے اور کوئی ایسا نہ تھا، جو اس کی تمنا نہ رکھتا ہو۔

ہر شخص کے حوصلہ کی انتہائی پرواز یہ تھی کہ ایک دن نامیت کے مرتبہ کو پہنچے۔ چنانچہ اس جماعت کا نظام انہی دو جذبات پر مبنی تھا جو ہر شخص میں سرایت کئے ہوئے تھے اور جن کے اثر سے جنگ ہائے صلیب کی بنیاد پڑی۔ یعنی مذہبی اور عسکری جوش و خروش، جو خواہ ایک دوسرے کی ضد ہی کیوں نہ ہوں، جو اس مردی اور شجاعت کے اثر سے ضرور وابستہ تھے۔

اس زمانے میں شہر میں جو سب سے بڑا گرجا ہوتا تھا۔ وہاں عطائے مرتبہ نامیت کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ تمام بپش اور پادری اور دیگر نامیت امیر امراء جلسہ میں شریک ہوتے تھے۔ بلند آواز سے دعا کی جاتی تھی اور وہ شخص جسے خطاب ہوتا تھا، میز کے پاس جا کر پادری کے ہاتھ میں ایک تلوار دیتا کہ اسے لے کر برکت کی دعا دیں اور نیک کاری کی حمایت میں تلوار اٹھانے کا وعدہ لیں اور جب وہ شخص اس بات کا عہد کرتا کہ اپنی جان و مال سے کیتھولک دین کی حمایت میں کبھی کوتاہی نہیں کرے گا، تب اسے یہ مایہ حیات یعنی نامیت ہڈ کا خطاب دیا جاتا تھا۔ یہی وقت تھا جبکہ صلیبی لڑائیاں ممکن ہو سکتی تھیں۔ ان لڑائیوں کیلئے جو خیالات اور جن جذبات کی ضرورت تھی، وہ یقیناً اس زمانے کی سوسائٹی میں موجود تھے۔

جو شے سب سے زیادہ صلیبی جنگوں کی باعث ہوئی۔ وہ مسیحی دنیا کے عقائد باطلہ تھے، جو ارض فلسطین کے متعلق عوام الناس کے قلوب میں سرایت کئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ زیارت ارض مقدس کا وہ شوق بھی محرک تھا، جو قدیم ایام سے لوگوں میں چلا آتا تھا۔

چوتھی صدی عیسوی میں قسطنطنیہ کا بادشاہ قسطنطین یروشلیم کی زیارت کو گیا، اس وقت اس نے اور اس کی ماں ہیلتا نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ اس مقام کو کسی طرح ڈھونڈ نکالیں، جہاں ان کے نئے مذہب نے پرورش پائی اور نشو و نما حاصل کی۔ اس وقت سے عیسائیوں کی یہ عام عادت ہو گئی تھی کہ ارض مقدس کی زیارت کو جاتے اور حضرت عیسیٰ کے مصائب اور تکلیفات کی علامتوں اور یادگاروں کا پتا لگاتے۔ آخر مسیحیت میں فق و فجور راہ پانے لگا اور کمالات انسانی کے اصول

پاپائے روم کی حمایت حاصل ہو جانے کے باعث جس جوش و خروش کے ساتھ پاپائے روم کی خواہشات کا جواب لوگوں نے دیا، اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یورپ سے ایک طوفان حرکت میں آ گیا اور مذہبی لڑائی کا جوش قریب قریب دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا۔ صرف براعظم یورپ تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ سمندر پار دور دراز کے جزیروں تک پہنچا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص جس کا نام والٹر عرف فلاش تھا اور برگنڈی کا رہنے والا ایک آوارہ گرد سپاہی تھا۔ سب سے پہلے اس نے ایک بہت بڑی جماعت کو صلیب کے جھنڈے تلے جمع کیا، خود سردار بنا اور قدم باہر نکالا۔ اس کے ہمراہ بہت سے نامیت بھی تھے۔ اتنی بڑی جماعت کی سرداری کرنا اور انتظام قائم رکھنا، جس میں بالکل ادنیٰ اور اعلیٰ جمع تھے جنہیں کبھی ہتھیار چلانے کی تعلیم نہیں دی گئی تھی، جن کے پاس ضروریات سفر تک کا سامان نہایت کم تھا، کوئی معمولی بات نہ تھی۔

تاہم ہنگری تک بغیر بیت و عافیت پہنچ گئے، جہاں کے بادشاہ نے ہر طرح سے ان کی مارت کی اور اپنے ملک سے گزرنے کا پروانہ راہداری عطا کیا اور اپنی رعایا سے تجارت کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہی والٹر برابر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک مقام میل دل تک پہنچا جو ہنگری کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں یہ اتفاق ہوا کہ اس کے ہمراہیوں میں سے دس آدمی ہتھیار خریدنے کیلئے پیچھے رہ گئے اور جب لشکر ایک چشمے کو جو ہنگری اور بلغاریہ کے حد فاصل پر تھا، عبور کر کے دوسری طرف پہنچ گئے تو پیچھے رہ جانے والوں پر حملہ کر دیا گیا اور ان کا مال اسباب لوٹ لیا گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بلغاریہ میں جب یہ لوگ پہنچے تھے تو وہاں کے باشندوں نے ان کی خاطر مارت کرنے سے انکار کر دیا اور شہر کے دروازے ان کیلئے بند کر دیے اور اشیائے خورد و نوش بھی مول لینے کی اجازت نہ ملی۔

اس برتاؤ نے سردار اور اس کے لشکر کو برا بیخیزہ کر دیا اور بھوک سے مجبور ہو کر انہوں نے مویشیوں کے گلوں کو جو میدان میں چر رہے تھے، زبردستی چھین لیا۔ اس پر بلغاریہ والوں نے اپنے لشکر جمع کر کے ان صلیبیوں پر حملہ کیا اور بہت سوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

اب والٹر کے ساتھیوں کی تعداد کم رہ گئی، لیکن وہ ایسے نامہربان میزبانوں کے ملک سے برابر آگے بڑھتا رہا اور آخر کار یونان کی حدود میں داخل ہوا۔ یہاں اس نے یونان کے بادشاہ سے

فراموش کر دیئے گئے اور رسومات کی بجائے آوری کی تاثیر قلوب انسانی پر غلبہ پائی تو لوگ ان مقدس مقامات کی زیارت کو عبادت عظیم سمجھنے لگے۔ چنانچہ وہ جوق در جوق زیارت کیلئے آنے لگے اور زیارت ارض مقدس میں بڑی ترقی ہو گئی۔

اس دلچسپی کے علاوہ اور بہت سے اثرات بھی تھے، جو دسویں صدی عیسوی میں اکٹھا ہو کر زائرین بیت المقدس کی تعداد بڑھانے کے باعث بنے۔

ایک عام خیال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ اب قیامت قریب ہے اور ہر شخص اس بات کا خواہشمند نظر آتا تھا کہ اس مقام کی جا کر زیارت کرے، جہاں یہ گمان تھا کہ حضرت عیسیٰ فیصلے کیلئے ظاہر ہوں گے۔ جیروان صلیب یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھاتے تھے کہ اس کام سے ان کے گناہ دھل جائیں گے اور حضرت عیسیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ پس مردوں اور عورتوں کے گروہ در گروہ یورپ سے ارض مقدس کا رخ کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے صرف ایک مقام یورپ سے ایک بار بار ہزار آدمی زیارت بیت المقدس کیلئے روانہ ہوئے تھے۔

چنانچہ ان حالات میں صلیب کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کا خیال سب سے پہلے دسویں صدی عیسوی کے آخر میں پاپائے روم سلوسٹر ثانی کے دل میں پیدا ہوا۔ اس نے ایک خط عام کر جا کے نام تحریر کیا کہ کلیسا یروشلم کو تباہی سے بچایا جائے۔ اس پیغام کے جواب میں صرف شہر پیسا کی طرف سے جواب آیا اور اس کی کوششیں عارت گری کی شکل میں ساحل شام پر ظاہر ہوئیں۔

چنانچہ پاپائے روم کو اس کوشش میں صرف اتنی کامیابی حاصل ہوئی کہ پچاس ہزار آدمی اس مہم کیلئے اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس کامیابی پر وہ پھولا نہیں ساتا تھا اور آئندہ فتح اور نصرت کے اس قدر سبب باغ نظر آتے تھے کہ اس نے خود اپنے لئے اس جماعت کی سرداری تجویز کی، لیکن یہ خیال بہت عرصہ تک اس کے دل میں باقی نہ رہا، کیونکہ کلیسائے مشرق کے معاصب دیکھ کر اسے اپنا خیال اس جانب متوجہ کرنا پڑا۔ حمایت صلیب میں لڑانے کے ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ کوشش بھی شروع کی کہ تمام مغربی ممالک میں کلیسا روم کو برتری حاصل ہو جائے، جس میں اسے ناکامی ہوئی اور اس ناکامی کے ساتھ وہ پاپائے روم جس کام کی ابتداء کرنا چاہتا تھا، آخر ناکام ہوا۔

اور اب اسی کام کا بیڑہ پطرس راہب نے اٹھا لیا تھا۔ چنانچہ پطرس کے جگہ جگہ جانے اور

اپنے لشکر کو تازہ دم کرنے پطرس راہب کے انتظار میں قیام کرنے کی اجازت حاصل کی۔ جبکہ پطرس راہب برابر ایک ایسی جماعت کے پیچھے چلا آ رہا تھا، جو اپنے پیش روؤں سے بھی کم منتظم اور منضبط تھی۔

اب والٹر یونان میں رک گیا تاکہ اپنے پیچھے آنے والے راہب پطرس اور دیگر کا انتظار کرے۔ پطرس کے حامیوں میں اس وقت مرد عورتیں بچے ہر جنس عمرو پیشہ کے لوگ شامل تھے۔ والٹر کی نسبت پطرس راہب کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلغاریہ سے گزرنے میں زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض آوارہ گرد جرمنوں نے جن سے بلغاریہ کے ایک سوداگر سے خرید و فروخت میں جھگڑا ہو گیا تھا، چند مکانوں کو آگ لگا دی۔ یہ لوگ اس پر غصے میں آئے اور ایک جماعت کی صورت باہر نکل کر پہلے مکانوں پر آگ لگانے والوں پر ٹوٹے اس کے بعد صلیبی جنگ کیلئے فلسطین کی طرف جانے والوں پر عقب سے حملہ آور ہوئے۔ یہ عام ہنگامہ شروع ہوا جس میں پطرس کے لشکر کو شکست کھا کر منتشر ہونا پڑا۔

ان حالات میں راہب پطرس بڑا مضطرب ہوا اور وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لے جہاں وہ یکا اور تنہا کئی دن تک تاریک اور وسیع جنگل کے ناموار ٹیلوں اور میدانوں میں ٹھوکرین کھاتا پھرا۔ اس کے ساتھ یورپ کے وہ لوگ جنہوں نے فلسطین کا رخ کیا تھا، سب تر ہتر ہو گئے تھے۔

آخر کار اتفاق سے ان کے ہمراہیوں میں سے لگ بھگ بیس جنگجو جو نائیٹ اس سے مل گئے۔ چنانچہ پطرس اور اس کے ساتھی اب یہ خیال کرنے لگے کہ باقی بھی ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ پس انہوں نے باقی ساتھیوں کو تلاش کرنا شروع کیا۔ جنگل میں جگہ جگہ علامتیں نصب کی گئیں ترنے بجائے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ سات ہزار کا ایک مجمع پھر پطرس کے گرد جمع ہو گیا۔ اس جماعت کو لے کر اس نے پھر فلسطین کا رخ کیا۔ راستے میں اور بھی اس کے بھگے ساتھی مل گئے اور اس کے ساتھ شریک ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ یونان میں داخل ہوا تو اس کے لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ان سب کو لے کر وہ یونان کے دار السلطنت میں داخل ہوا۔ جہاں پہلے سے والٹر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

صلیب کیلئے لڑنے اور فلسطین کا رخ کرنے والے ان وحشی اور ادا باشوں نے جو یونان کے

دار السلطنت میں جمع ہو گئے تھے، وہاں ناجائز زیادتیاں اور بے اعتدالیاں شروع کر دیں۔ مورخین کہتے ہیں لشکریوں نے گرجوں کی چھتوں کے پتھر اکھاڑ اکھاڑ کر یونانیوں ہی کے ہاتھ بچپنا شروع کر دیئے۔ یونان کے شہنشاہ نے پہلے تو ان سے بڑی مہربانی اور فیاضی کا برتاؤ کیا، ان کو قوم بھی اور سامان بھی مہیا کیا، لیکن ان کی بد معاشریاں اور اداشریاں دیکھ کر گھبرا گیا اور فوراً ہی بحر باسفورس کی دوسری جانب انہیں پہنچا دیا اور یہ صلاح دی کہ یہیں ٹھہر کر اپنے دیگر ساتھیوں کا انتظار کرو، جو تمہارے پیچھے پیچھے ارض فلسطین کا رخ کرنا چاہتے ہیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ آخر یہ لوگ ارض تھمیدیا پہنچے۔ جہاں ان لوگوں کیلئے کھانے پینے کی چیزیں با فراطیں تھیں۔ وہاں یہ سب کے سب کئی مہینے تک امن و امان سے رہ سکتے تھے اور کھانے پینے کی بھی فکر نہ تھی، لیکن انہوں نے وہاں بھی طرح طرح کی بدکاریاں اور فحاشی پھیلاتا شروع کیں نہ کسی کو حکومت کا خیال تھا اور نہ کوئی انتظام انہوں نے باقی رہنے دیا اور یہاں تک بد انتظامی پھیلی کہ پطرس راہب یہ خیال کر کے کہ اس کا اثر کچھ باقی نہیں رہا اور کوئی کچھ نہیں سنتا نہایت مایوسی کے ساتھ واپس قسطنطنیہ روانہ ہوا۔

پطرس راہب کے مایوس ہو کر واپس قسطنطنیہ جانے کے بعد اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ علیحدہ ہو کر مرقیہ یعنی ناکس شہر کی لوٹ مار کیلئے آگے بڑھا۔ یہ شہر مسلمانوں کا تھا۔ اناطولیہ کی سرزمینوں میں تھا۔ پطرس چونکہ واپس قسطنطنیہ چلا گیا تھا، لہذا والٹر ان ادا باش لوگوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ چنانچہ جب یہ مسلمانوں کے علاقوں میں لوٹ مار کرنے لگے تو مرقیہ شہر کا مسلمانوں کا لشکر حرکت میں آیا۔ وہ ان لوگوں پر حملہ آور ہوا۔ ایک خوفناک جنگ ہوئی، اس جنگ میں والٹر اپنے ان گنت اور بے شمار لشکریوں کے ساتھ مارا گیا۔ تھوڑے بہت جو لوگ باقی رہے ان کیلئے پطرس نے قسطنطنیہ شہنشاہ سے جا کر گزارش کی۔ چنانچہ اس نے اس سلسلے میں اناطولیہ کے مسلمانوں سے بات کی جس کے نتیجے میں ان سب کو روغن لشکر کی حراست میں قسطنطنیہ لایا گیا۔ وہاں قسطنطنیہ کے شہنشاہ الیکسیوس نے ان کے ہتھیار خرید لئے اور انہیں اپنے اپنے وطن واپس جانے کا حکم دیا۔ آخر پطرس راہب اور والٹر کی اس بڑی مہم کا خاتمہ ہوا۔

پطرس اور والٹر کے ساتھ جو آدمی فلسطین جانے کیلئے نکلے تھے، گو انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان کے پیچھے پیچھے اب لوگ کا ایک انبوہ تھا جو ان کی انکجیت پر فلسطین کا رخ کئے ہوئے

تھا۔ والٹر کے مارے جانے اور پطرس کے قسطنطنیہ چلے جانے کے بعد پندرہ ہزار کا ایک اور لشکر یورپ کی سرزمینوں سے نمودار ہوا اور ارضِ فلسطین کا رخ کرنے کیلئے اس نے پیش قدمی شروع کی۔ مورخین لکھتے ہیں پندرہ ہزار کے اس گروہ میں زیادہ تر جرمن تھے اور یہ لوگ ایک پادری گاڈ سکیلز کی ماتحتی میں فلسطین کی طرف پیش قدمی کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ پندرہ ہزار کا یہ گروہ بھی جب ہنگری پہنچا تو انہوں نے یہاں تمام قسم کی ناجائز حرکتیں شروع کیں جس سے ہنگری کے بادشاہ کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آتے ہوئے پندرہ ہزار ان صلیبیوں سے ان کے ہتھیار رکھوا لئے۔ چنانچہ ہنگری کے لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ نہتے ہیں تو انہوں نے اپنا بدلہ لینا شروع کیا اور ان پندرہ ہزار لوگوں کو جن میں مرد، عورتیں، بچے سب شامل تھے بلا امتیاز قتل کر ڈالا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ان پندرہ ہزار جنگجوؤں کے پیچھے ایک اور آوارہ گرد گروہ بھی مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کیلئے پیش قدمی کر رہا تھا اور اس گروہ کی تعداد مورخین دولاکھ کے قریب بتاتے ہیں۔ اس گروہ کا بھی نہ کوئی انتظام تھا، نہ انصرام نہ کوئی سردار تھا۔ اس گروہ میں بھی ہر عمر اور ہر جنس کے مختلف لوگ شامل تھے جنہوں نے صلیب کو اپنی علامت بنا کر یورپ کے مختلف ملکوں سے جہاد کا عزم کیا تھا اور اتفاقی طور پر یہ راہ میں ایک دوسرے سے مل گئے اور ان کی تعداد دولاکھ تک پہنچ گئی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ان میں بھی ایک ایسا جوش پایا جاتا تھا، جس سے زیادہ گندہ اور غلیظ دیکھنے میں نہ آیا۔ ان لوگوں نے اپنے آگے آگے ایک بٹخ اور ایک بکری رکھی ہوئی تھی اور کہتے تھے کہ روح القدس کی روح ان دونوں میں حلول کر گئی ہے اور مشہور یہ کیا کہ یہ دونوں ان کے لشکر کے سردار ہیں۔ اس بٹخ اور بکری کی وہ عبادت کرتے تھے۔ بالکل ایسے ہی جیسے خدا کی عبادت کی جاتی ہے۔ ان کی زندگی انتہاء درجہ کی بدکرداری اور فحاشی کی زندگی تھی اور جہاں کہیں کوچ کرتے ہوئے گزرتے تباہی، قتل و غارت گری پھیلاتے چلے جاتے تھے۔

ہنگری والے چونکہ یورپ کے مختلف علاقوں سے اٹھنے والے صلیبیوں کی زیادتیوں کا زیادہ شکار ہوئے تھے اور ان صلیبیوں کو ہنگری کے علاقوں سے گزر کر وہاں سے یونان اور پھر مسلمانوں کے علاقوں میں داخل ہونا تھا۔ لہذا ہنگری والوں کو ان سے زیادہ واسطہ اور پالا پڑا اور ان کی بے

ضابطگیوں سے انہیں سب سے زیادہ مددے بھی پہنچے۔ چنانچہ ہنگری والوں کو جب دولاکھ کے اس گروہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ ان سے بٹنے کیلئے تیار ہو گئے۔

چنانچہ دولاکھ کا آوارہ مزاج صلیبیوں کا گروہ جب ہنگری میں داخل ہوا تو ہنگری والے ان پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک خوفناک رن پڑا اور مورخین لکھتے ہیں کہ بیت ناک کشت و خون سے لاشوں کے انبار لگ گئے۔ خون کا دریا بہنے لگا اور دریائے ڈینیوب کا پانی سرخ ہو گیا۔

اس طرح ان دولاکھ صلیبیوں کا بھی خوب قتل عام ہوا۔ ان مختلف صلیبی مہموں کے درمیان جو لگ بھگ اڑھائی لاکھ صلیبیوں کا قتل عام ہوا تو اس قتل عام کا ایک نتیجہ صلیبیوں کے حق میں بہتر بھی نمودار ہوا اس لئے کہ اس قتل عام نے دوسری مہمات کیلئے ایک قسم کا مادہ پیدا کر دیا تھا۔ لوگ زور و شور سے صلیبی جنگ کی تیاری کرنے لگے اور اب آوارہ مزاج گروہوں کی صورت کے بجائے وہ منظم طریقے سے ارضِ فلسطین کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے تھے۔

بہر حال راہب پطرس اپنے ان پیروکاروں کے مارے جانے کے بعد زندہ رہا اور پھر لوگوں کے اندر ایک جنون پیدا کرنے لگا۔ اب لوگوں کے خیالات کافی حد تک اس سے متعلق تبدیل ہونے لگے اور اس کے چال چلن سے مختلف آرائیں ہونے لگیں۔ کچھ لوگ اسے ٹھگ خیال کرنے لگے اور کچھ یہ سمجھنے لگے کہ وہ سینٹ ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ پطرس راہب کو خود عیسائی مورخوں میں سے بعض نے دیوانہ کہا اور بعض نے جہلاً زفر میں ظاہر کیا۔ لیکن کچھ کا خیال تھا کہ وہ نہ تو بالکل دیوانہ تھا، نہ بالکل فریبی۔ بلکہ ایک طرح کا جاہ طلب نیم دیوانہ شخص تھا۔ اس کے دماغ کی حالت ضرور خراب تھی۔ مذہبی جوش و خروش نے اس میں ایک آگ لگا دی تھی۔ ان سب پر طرہ یہ کہ وہ عالم خیال میں اکثر زندگی بسر کرنے کا عادی تھا جہاں سے یہ سب عادتیں یکے بعد دیگرے اسے ملی تھیں۔

بے شک اس کی زبان نے اپنی خداداد طاقت کی مدد سے اس کے ہم مذہبوں میں اس کا سا جوش پیدا کر دیا تھا، مگر اس کی جاہ طلبی نے اس کے قبیحین کے اخلاق پر برا اثر ڈالا اور یہ برا اثر اتنا قوی ہوا کہ مذہبی جوش تک اس پر قربان ہو گیا اور بجائے اچھے عیسائیوں کی عادتوں کے انتہاء درجہ کے لچوں بد معاشوں اور رذیل انسانوں کی سی عادتیں پیر واپن پطرس میں آنے لگیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس میں بھی شک نہیں کہ اس کے ساتھ صلیبی جنگ کیلئے آمادہ ہونے والوں میں اکثر ادنیٰ

درجے کے لئے لپٹنے لوگ ہی تھے۔ مؤرخین مزید روشنی ڈالتے ہیں کہ پطرس راہب کی کوششیں جس طرح رائیگاں گئیں، کبھی کسی سچے آدمی کی کوششیں ایسا پھیکا رنگ نہیں ڈھال سکتیں۔ جو نتیجہ ہوا وہ خود صاف بتا رہا ہے کہ ان کا محرک نفسِ رحمانی نہیں، بلکہ نفسِ شیطانی تھا۔

بہر حال ایک ایسا بے قاعدہ اور ناشائستہ مجمع اور اس کا جوش و خروش جو پطرس اور والٹر وغیرہ کے ساتھ افتاں و خیراں میدانِ جہاد میں پہنچا تھا، موت کے گھونٹ پی کر سرد ہو چکا تھا اور ان کی ہڈیاں یا تو ان ممالک میں منتشر پڑی تھیں، جہاں سے ان کا گزر ہوا تھا یا ایشیا کے چینل تپتے میدانوں میں خشک ہونے کیلئے بکھری نظر آتی تھیں۔ لیکن اب صلیبی جنگ کی ابتداء کرنے کیلئے باقاعدہ لشکریوں نے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ میدان کی جانب رخ کیا اور یوں پہلی صلیبی جنگ کی لڑائی کی ابتداء ان کے کوچ کی تاریخ سے سمجھی جاتی ہے۔

مسلمانوں سے ٹکرانے، ارضِ فلسطین پر قبضہ کرنے کیلئے جولاکھوں کی تعداد میں مشتمل لشکر تیار ہوئے ان کی تعداد زیادہ تر چار بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک لشکر کا کمانڈر فرانس کے علاقے بولون کا حاکم گارڈ فرے تھا۔ دوسرے حصے کی کمانداری ایک شخص ہو کے پاس تھی۔ یہ فرانس کے بادشاہ کا بھائی تھا اور ورمندائی کے علاقے کا حکمران بھی تھا۔ تیسرے لشکر کی کمانداری ایک شخص ریمائڈ کے ہاتھ میں تھی اور یہ قہولوس کے علاقے کا حکمران تھا۔ چوتھے لشکر کی سپہ سالاری ایک شخص سراہٹ کر رہا تھا، جو نارمنڈی کا امیر تھا۔ ان کے علاوہ اسی ریمائڈ کا بھائی ایڈمیر ابولون کے حکمران آسٹین گارڈ فرے کے دو بھائی بالڈون اور ایلس اور ان کے علاوہ اور بہت سے نامور جنگجو اور سپہ سالار بھی شامل تھے جن میں زیادہ تر اہم کاؤنٹ آف سینٹ پال، کاؤنٹ آف گرے رینارڈس، بوماڈ اور اس کا رشتہ دار ٹاگرڈ یہ ارمنی تھے۔ ان چاروں بڑے بڑے لشکروں اور ان کے سالاروں اور کمانڈروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

اس میں سے جہاں تک ریمائڈ اور اس کے حصے کے لشکر کا تعلق ہے تو ریمائڈ ایک نہایت معزز زامیر و لیم لوں کا بیٹا تھا۔ گو یہ بہت بہادر سپہ سالار تھا۔ لیکن اس کی عمر آوارگی میں گزری تھی۔ مؤرخین اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس نے حمایتِ صلیب میں تلواریں لئے اٹھائی کہ اپنے کئے ہوئے گناہوں کی کچھ تلافی کر سکے اور مسلمانوں سے جنگ کر کے پچھلے گناہوں کے بارِ عظیم سے کچھ تو سبکدوش ہو جائے۔ اس کے لشکر میں زیادہ تر جنگجو اور وحشی گاتھ، مارکن اور ہیرائیز اور ایلس

کے جنگجو شامل تھے۔

دوسرا حصہ بوماڈ کی کمانداری میں تھا۔ بوماڈ سکونت کے لحاظ سے ایک اطالوی اور نسل کے لحاظ سے ایک نارمن تھا۔ یہ یورپ کے ایک مشہور معروف جنگجو ایرٹ گارڈ کار کا بیٹا تھا۔ اطالیہ اور صوبہ ٹسکن سے لے کر بحر ایڈریا تک اس کے ماتحت تھا۔

تیسرے حصے کی کمانداری ہیو کے ہاتھ میں تھی۔ اس کو ورمندائی کے علاقے کا حکمران خیال کیا جاتا ہے اور یہ فرانس کے بادشاہ کا بھائی تھا۔ اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا اچھا جنگجو تھا۔ سارے صلیبی دستوں کی کمانداری اس کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی اور سب سے پہلے اسی نے یورپ سے کوچ کرنا شروع کیا تھا۔

چوتھے حصے کی کمانداری گارڈ فرے کے ہاتھ میں تھی اور صلیبی سپہ سالاروں میں اسے سب سے زیادہ اہم خیال کیا جاتا ہے۔ یہ بولون کے حکمران یوشاس کا بیٹا تھا۔ لیکن ماں کی طرف سے اس کا نسب فرانس کے سابق بادشاہ شارلیمان سے جا ملتا تھا۔ بہر حال ان سارے لشکروں نے اپنی قسطنطنیہ کا رخ کیا تھا۔ سب سے پہلے گارڈ فرے اپنے لشکر کے ساتھ ہنگری کی قلم رو میں سے ہو کر گزرا۔ یہاں اس کی اور اس کے لشکریوں کی نگاہیں ہڈیوں کے ان ڈھیروں پر پڑیں جو ان صلیبیوں کی تھیں جو ان سے پہلے قسطنطنیہ کا رخ کرنے کیلئے روانہ ہوئے تھے اور راستے میں ٹکراؤ کے دوران مارے گئے تھے۔ اسی ٹکراؤ میں والٹر بھی مارا گیا تھا اور راہب پطرس بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ ایک عجیب خوفناک نظارہ تھا۔ گارڈ فرے نے نہایت اطمینان سے معاملے کی تحقیقات شروع کی اور اپنے سفیروں کو اس نے ہنگری کے بادشاہ کی طرف بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ جو سزا ان صلیبیوں کو ملی ہے، اگر اس کے وہ درحقیقت مستحق تھے تو بلا اظہارِ ناخوشی مکافاتِ عمل پر مبرا کیا جائے۔ لیکن اگر یہ بات ظاہر ہوئی کہ معصوم بے گناہوں کو بلاوجہ قتل کیا گیا ہے تو حامیانِ صلیب کسی طرح درگزر نہ کریں گے اور ضرور اپنے بھائیوں کے خون کا بدلہ لیں گے۔ بہر حال جو جوابات ہنگری کے بادشاہ نے دیئے اس سے صلیبیوں کا اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ صلیبیوں نے آخر کار ہنگری سے گزر کر قسطنطنیہ کا رخ کرنا شروع کیا۔

دوسری طرف قسطنطنیہ کا یونانی بادشاہ آلیکسی کو ان صلیبیوں کی پیش قدمی کی اطلاع ہو چکی تھی

اس نے اطالیہ کے راستے سفر کرنا شروع کیا تھا اور بحریڈریانک کو عبور کر کے ڈیورازو کے مقام پر جہاز سے اترا۔ اس وقت اس کے ہمراہ جو لشکر تھا، اس کے پیچھے ایک اور لشکر عقب میں چلا آتا تھا۔ چنانچہ جہاز سے اترنے کے بعد ہیونے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ ہیو کے بعد گارڈفرے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب فرانس کے بادشاہ کا بھائی ہیو اپنے جہاز سے قسطنطنیہ کے نواح میں اترا تو اس کی آمد کو قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ الیکسی نے ناپسند کیا۔ ایک موقع پر ہیو کو گرفتار بھی کر لیا گیا۔ چنانچہ جب گارڈفرے جو قسطنطنیہ کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اسے اس گرفتاری کی خبر ہوئی تو اس نے پیغام بھجوایا کہ ہیو کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ گارڈفرے کے کہنے پر ہیو کو تو چھوڑ دیا گیا، لیکن میگا رڈفرے کے آہن پوش لشکر قسطنطنیہ کے نواح میں نمودار ہوئے تو یونانی شہنشاہ بڑا فکرمند اور ہیبت زدہ ہوا۔ چنانچہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے ان صلیبیوں کے ساتھ دوستی اور دوستی کے ساتھ بظاہر پیش آنا شروع کیا۔ اس طرح سب سے پہلے ہیو اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچا اور اس کے بعد گارڈفرے بھی اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا۔“

اس کے بعد یورپ کے صلیبیوں کی آمد کا ایک سلسلہ اور تاننا بندھ گیا تھا اور قسطنطنیہ کے نواح میں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، خیمہ گاہ ہی دکھائی دیتی تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں قسطنطنیہ عجیب تماشا گاہ بنا ہوا تھا اور ایسا منظر نظر آتا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں دنیا کے کسی شہر میں کبھی نظر نہ آیا ہوگا۔ مغرب کی ذی جبروت سپاہ اور لشکر اس کے دروازے پر خیمہ زن تھے اور اندرون سلطنت مشرق سے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ گزار رہے تھے۔ سب سے آخر میں ارمنی سپہ سالار بوماٹ اور ناگرید قسطنطنیہ پہنچے اس طرح قسطنطنیہ کے نواح میں جو لشکر جمع ہوئے ان کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یورپی مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان صلیبی جنگجوؤں کا قسطنطنیہ میں یہ تھوڑے دن کا قیام بہ مقابلہ دیگر معائب مہم کے سب سے زیادہ مصیبت ناک تھا۔ الیکسی کی سازشانہ طبیعت نے جو اختلافات رشک و حسد کے خیالات ان کے دلوں میں پیدا کر دیے تھے، ان سے نجات کبھی نہ ملی۔ اس کے علاوہ لوگوں کی ادنیٰ ادنیٰ اغراض بڑی بڑی بحثوں، تجویزوں اور بعض بعض لوگوں کی خاص خاص ترقی اور سرفرازی نے رشک حسد کی آگ بھڑکا کر ان کے کام میں سب سے زیادہ رخنہ اندازی کی اور تمام جوش و خروش کو سز دے کر دیا۔

اور قسطنطنیہ کے شہنشاہوں کو کبھی بھی ان محاربتیں صلیبی سے دلی ہمدردی نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اہل مغرب کی مدد کی خواہش گاری اپنے اور ان کے دشمن ترکوں کے مقابلے میں کی تھی۔ لیکن انہیں وہم گمان بھی نہ تھا کہ تمام یورپ اس جنگ کے واسطے ہتھیار لے کر اٹھ کھڑا ہوگا اور جب انہوں نے اس نقل و حرکت پر نظر ڈالی تو اس کی وسعت پر دنگ رہ گئے۔ ان حالات میں جبکہ صلیب کیلئے لڑنے والوں کو یورپ سے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ الیکسی نے یقیناً فکرمندی کا اظہار کیا۔ صلیبیوں کے اس ان گنت لشکر کے قسطنطنیہ کی طرف بڑھنے اور قسطنطنیہ کے شہنشاہ الیکسی کے رد کو مؤرخ فور نے اپنی سیدھی سادھی زبان میں اس طرح تصویر کھینچنا شروع کی ہے وہ کہتا ہے۔

”قسطنطنیہ کے شہنشاہ اور اس نے امراء کا گمان تھا کہ ان مغربی عیسائیوں نے برائے نام تو یروشلم پر حملہ آوری کی ہے، لیکن درحقیقت ان کا مقصد قسطنطنیہ کو نقصان پہنچانا ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے قسطنطنیہ کے شہنشاہ الیکسی نے دورنگی حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ یعنی ایک طرف تو محاربتیں صلیب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جانے اور دوسرے ان سے زبردستی اس بات کا عہد کر لیا جائے کہ اس کی حکومت کے ساتھ وہ دوستی و فاداری برقرار رکھیں گے۔

اس نے یہ بھی ارادہ کیا کہ یورپی صلیبیوں کو یقین دلایا جائے کہ جس کام کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے اس میں صلیبیوں کی بہت ہمت افزائی کی جائے گی، لیکن انجام کار جہاں تک ہو سکے ان کے کام میں دخل اندازی بھی کی جائے۔ قسطنطنیہ کا شہنشاہ الیکسی بقول مؤرخین چاہتا تھا کہ صلیبیوں کی مدد بھی کرتا رہے، لیکن ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے ان کی کامیابی میں مہم جوئی بھی ہوتا رہے۔“

ایک اور پرانا مغربی مؤرخ اس موقع پر قسطنطنیہ کے شہنشاہ الیکسی سے متعلق لکھتا ہے۔

”گو اس کے دل میں ایک طوفان برپا تھا، لیکن چہرہ ایسا بنا رکھا تھا کہ گویا سب طرح امن اور عافیت ہے اور جب اس نے دیکھا کہ اس کے سہمان اتنے قوی اور اتنے زیادہ ہیں کہ اپنی خاطر خدمت خود کرا سکتے ہیں تو اس نے محبت سے نہیں زیادہ تر خوف سے ان کی آؤ بھگت کرنا شروع کی۔“

سب سے پہلے فرانس کے بادشاہ کا بھائی ہیو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچا۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ وہ کہانی جو اس وقت جوش و خروش سے نہایت زور کے ساتھ حرکت کر رہی تھی، وہی پڑ گئی۔ آخر کار قسطنطنیہ کے شہنشاہ اکیسی نے ان صلیبیوں سے اپنی جان چھڑانے کیلئے انہیں ایشیا کے ساحل پر اترنے میں مدد کی اور بقول مؤرخین آخر یہ سب صلیبی لشکر ایشیا کے میدان میں جمع ہوئے۔ اس وقت ان کی تعداد سات سے آٹھ لاکھ تھی اور ایک ایسا نظارہ پیش کرتی تھی، جس سے زیادہ زرق برق اور شاندار کہیں نہ نظر آیا ہوگا۔ ارغوانی طلائی اور دیگر شوخ رنگارنگ پھریوں نے فضا کے اندر ایک عجیب ساں برپا کر دیا تھا۔ مغربیوں کی قطار در قطار سپہ کو ایسا شاندار منظر بنا دیا تھا، جس سے زیادہ کبھی نظر نہ آیا ہوگا۔ ایشیا کے ساحل پر اترنے کے بعد نائٹوں کے ہتھیاروں کی چمک نے اس منظر کو اور دوبالا کر دیا۔ ان صلیبیوں کی منزل مقصود یروشلم تھی، لیکن یروشلم تک کے سفر کے دوران راستے میں جس قدر شہر آئے تھے، ان صلیبیوں نے انہیں فتح کر کے روندنا تھا اور مسلمانوں سے اپنی شکستوں کا انتقام لیا تھا۔ بہر حال ایشیا کے ساحل پر اترنے کے بعد ان سات سے آٹھ لاکھ صلیبی جنگجوؤں نے اتنا طویلہ کے میدانوں میں مسلمانوں کے شہر نہتہ یعنی نائیس کا رخ کیا تھا۔



جس وقت صلیبیوں کا یہ سیلاب مسلمانوں پر ضرب لگانے کیلئے ایشیا میں داخل ہوا تھا۔ مسلمانوں پر مکمل جمود اور سکوت طاری تھا۔ دراصل مسلمان جب تک اسلام کے خاص اصولوں کو مضبوطی سے تھامے رہے، انہیں اپنا لیاوہ برابر ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے۔ جب انہوں نے ان اصولوں کو ترک کر دیا تو پھر کوئی بھی تدبیر ان کو تہذیب میں گرنے سے نہ بچا سکی۔ قوموں کو اوج کمال تک پہنچانے کیلئے جو عوامل کار فرما ہوتے ہیں ان میں اتحاد بے غرضی اور جفاکشی کو ہمیشہ نمایاں اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جب کوئی قوم باہمی نفاق اور بے اتفاقی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اعتماد سے ہٹ کر اصراف اور عیش پرستیوں میں مصروف ہو جاتی ہے تو اس پر تنزل اور ادبار کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ذلت اور مسکنت کے مہیب عفریت آنا فانا اسے اپنے جڑوں میں دبوچ لیتے ہیں۔

ان ہی حالات کا سامنا مسلمانوں کو بھی پانچویں صدی کے آخر میں کرنا پڑا جس کی وجہ سے دنیائے اسلام کا سیاسی زوال اور قومی تنزل کی آخری حد تک پہنچ گیا۔ خلافت راشدہ کے بابرکت دور کے بعد عالم اسلام کی زمام اختیار بنو امیہ کے ہاتھ آئی۔ امویوں کی شخصی حکومت کی ہزار خرابیوں کے باوجود ان کے دور میں اسلامی دنیا کی مرکزیت قائم رہی۔ دینی سیاسی اور نسلی یکجہتی کے لحاظ سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہا۔ اسی مرکزیت اور یکجہتی کی بدولت انہوں نے اسلامی فتوحات کو وسعت دے کر مشرق اور مغرب میں دور تک پھیلا دیا۔

دوسری صدی ہجری میں جب گردش زمانہ نے بنو امیہ کے قصر اقتدار کو منہدم کر دیا تو بنو عباس نے ان کے کھنڈروں پر اپنی شان و شوکت اور سطوت کی عمارت تعمیر کی، عباسیوں کے اقبال کی بہار حقیقی معنوں میں صرف ایک صدی تک رہی۔ اس زمانے میں ہارون الرشید اور

مامون الرشید جیسے فرماں رواؤں نے دولت عباسیہ کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ خلافت عباسیہ کے آغاز ہی میں مسلمانوں کی مرکزیت اور یکجہتی کا شیرازہ بتدریج بکھرنا شروع ہو گیا تھا۔

عباسیوں نے سب سے برا کام یہ کیا کہ حصول سلطنت کیلئے عربوں کے خلاف عجمیوں کو استعمال کیا۔ اس طرح ملتِ اسلامیہ کے جسد میں نسلی عصبیت کا زہر گھول دیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا عربی اور عجمی عناصر میں عصبیت کا جذبہ شدید ہوتا گیا اور ہارون الرشید اور مامون الرشید کے عہد تک پہنچتے پہنچتے انہوں نے دو متحارب فریقوں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہاں تک کہ منقسم باللہ کے عہد میں ان کے جوڑ توڑ نے عباسی سلطنت کو نمایاں خطرے سے دوچار کر دیا تھا۔

بنو عباس میں کمزوری اور انحطاط کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ بنو بویہ ان پر غالب آ گئے اور خلافت کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے لگے۔ بنو عباس کی نا اتفاقی اور ضعف کا یہ عالم تھا کہ ان کے دور میں مسلمان حکومتوں کی کمزوری اور دینی حیثیت کے فقدان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں اس قدر کمزوری پیدا ہو چکی تھی کہ اسماعیلیوں کی ایک شاخ قرامطہ نے اپنے سردار ابو طاہر کی قیادت میں عین حج کے زمانے میں مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور ہزاروں آدمیوں کو طواف کی حالت میں شہید کر ڈالا اور بنو عباس کے خلیفہ کو اتنی جرأت اتنی جسارت اور اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ اس ابو طاہر کا ہی قلع قمع کرتا۔

یہ وہ دور تھا جب عباسی خلافت پر نزع کی کیفیت طاری ہو چکی تھی اور خاص اس کے دار الخلافہ بغداد میں فاطمیوں کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا۔ عین اس وقت سلجوقی ترکوں نے ترکستان سے اٹھ کر عباسی خلافت کو شٹن سے بچا لیا۔ سلجوقیوں کے نامور سردار طغرل بیگ کو جو نہی عباسی خلافت کی حالتِ زار کا علم ہوا وہ فاتحانہ یلغار کرتا ہوا بغداد پہنچا اور فاطمی کے نمائندے بساہری کا اقتدار ختم کر کے خلیفہ کو تختِ خلافت پر بٹھایا اور خود ملکی اختیارات سنبھال کر اپنی تلوار اور ارادے کے زور سے حکومت کرنے لگا۔ اس طرح بویہ خاندان کے سرداروں کی جگہ سلجوقی حکمران بغداد کی قسمت کے مالک بن گئے۔ تاہم سلجوقیوں نے خلیفہ کی ظاہری شان و شوکت اور جلال و احترام کو برقرار رکھا۔

عباسی خلافت کی زمام اقتدار یکے بعد دیگرے تین نامور سلجوقی سلطانوں کے ہاتھوں میں

رہی۔ ان کے عہد میں عباسی حکومت کی گہڑی ہوئی ساکھ پھر بن گئی اور اس کی کمزوری کے دن پلٹ گئے۔ سلجوقیوں نے چھوٹی چھوٹی تمام خود مختار اور سرکش حکومتوں کو مٹا کر عباسی سلطنت کو پھر متحد کر دیا۔ سلجوقیوں کا یہ دور اقبال ان کی فتوحات، عظیم الشان علمی، سیاسی اور رفاہی کارناموں اور وسعت سلطنت کے لحاظ سے تاریخ اسلام کے بہترین زمانوں میں شمار ہوتا ہے۔

جب تک سلجوقی سلطان ملک شاہ سلجوقی حکومت کرتا رہا، نہ کسی منگول کو مسلمانوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت اور جسارت ہو سکی اور نہ کسی صلیبی کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ مسلمانوں کے علاقوں پر چڑھ دوڑے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بعد جب اس کی سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہوئی اور وہ باہم دست و گریبان ہوئے اور آپس کی لڑائیوں میں پھنس کر رہ گئے، جب مسلمانوں کو اپنے سامنے زیر کرنے اور ماضی کی اپنی شکستوں کا انتقام لینے کیلئے صلیبیوں کو بہترین موقع ملا اور انہوں نے مسلمانوں کو اپنا ہدف بنانے کا تہیہ کیا۔ آخر کار مسلمان حکمرانوں کی باہمی رقابتیں اور خانہ جنگیاں رنگ لائیں۔ فرمان خداوندی کو فراموش کر دینے کا جو ہولناک انجام ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ عین اس زمانے میں جب مسلمانانِ عالم میں اتحاد و عمل بیکسر مفقود ہو چکا تھا، ان کی مرکزیت فنا ہو چکی تھی اور افتراق ان کے شجر اقبال کو گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ یورپ کی نصرانی اقوام نے متحد ہو کر سرزمین اسلام یعنی ایشیائے کوچک، شام اور فلسطین پر یلغار کر دی۔ یہ وحشیانہ یلغار ان صلیبی جنگوں کی تہہ پختی، جن میں پوری دو صدیوں تک دنیا کی دوسب سے بڑی قومیں یعنی مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے سامنے کھڑی نظر آتی ہیں۔ تاریخ عالم میں ان جنگوں کو حروب صلیبیہ کہتے ہیں۔ تاریخ میں ان جنگوں کی بڑی اہمیت بھی ہے۔ یورپ میں آج تک ان جنگوں کے بارے میں صدائے بازگشت گونجتی ہے۔



شیرز شہر سے چند فرسنگ دور ایک خاصے بڑے قصبے میں ایک روز جلال الدین، جمال الدین، بدر الدین، زمران اور بدر الدین کی بیوی زورا پانچوں شام کا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تھے۔ زورا نے کھانے کے بعد سب کے ہاتھ دھلائے، جب وہ پانی کا برتن رکھ کر لوٹی اور اپنے شوہر بدر الدین کے قریب آ کر بیٹھ گئی، تب بدر الدین نے باری باری ایک گہری نگاہ اپنے دادا جلال الدین اور باپ جمال الدین پر ڈالی، پھر دھیسے سے لہجے میں کہنے لگا۔

”دادا اور بابا صلیبیوں کا ایک بہت بڑا لشکر یورپ سے نکل کر ایشیا کی سرزمینوں میں داخل ہو چکا ہے۔ بابا یہاں سے کچھ مجاہد جنگوں میں حصہ لینے کیلئے کل روانہ ہونے والے ہیں۔ اس سلسلے میں، میں نے ماں اور زورا دونوں سے بات کی ہے۔ میں ان مجاہدوں کے ساتھ روانہ ہو کر ان جنگوں میں حصہ لینا چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرا دادا اور میرا باپ مجھے ایسا کرنے کی اجازت دے دیں گے۔“

اس موقع پر جمال الدین نے اپنے باپ جلال الدین کی طرف دیکھا، شاید اس کا اپنے باپ کی طرف مخصوص اشارہ تھا۔ چنانچہ لمحہ بھر کیلئے جلال الدین کی نگاہیں باری باری اپنی بہو اور جمال الدین کی بیوی زمران اور حسین خوبصورت زورا پر جم گئی، پھر اپنے پوتے بدر الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بدر الدین بچے! میری اور جمال الدین کی طرف سے اجازت ہے۔“

جلال الدین دم لینے کیلئے رکا، پہلے اس نے گہری نگاہ زمران اور بدر الدین کی بیوی زورا پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”بیٹے سب سے پہلے تو تمہیں اپنی ماں اور اپنی بیوی زورا سے اجازت لینی چاہئے۔ اس

لئے کہ.....“

جلال الدین کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ بدر الدین مسکراتے ہوئے بول اٹھا تھا۔

”بابا! میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ میری بات اماں اور زورا سے ہو چکی ہے اور یہ دونوں بخوشی مجھے جانے کی اجازت دے چکی ہیں۔ بابا دوروز تک ایک لشکر یہاں سے اٹھا کیہ کی طرف جانے کیلئے گزرے گا۔ یہ لشکر موصل کا حکمران امیر کر بوغا لے کر جا رہا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ انا طولیہ کے سلجوقی سلطان قیج ارسلان کے ساتھ مل کر یورپ سے ایشیا میں داخل ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے صلیبیوں پر ضرب لگائے گا۔ اب مجھے آپ اور بابا کی اجازت کی ضرورت ہے کہ دو دن بعد یہاں سے امیر کر بوغا کے لشکر میں شامل ہو جاؤں۔“

جلال الدین اور جمال الدین دونوں نے باری باری بدر الدین کو جانے کی اجازت دے دی۔ پھر جلال الدین، بدر الدین کی بیوی زورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹی! اس کیلئے اچھا سا زورہ بھی تیار کرنا اور میں یہ بھی جانتا چاہوں گا کہ.....“

جلال الدین کو خاموش ہو جانا پڑا، اس لئے کہ زورا مسکراتے ہوئے بول اٹھی۔

”دادا! آپ بے فکر رہیں۔ بدر الدین میرے شوہر ہیں اور میں انہیں بخوشی اس جنگ میں

حصہ لینے کی اجازت دے چکی ہوں اور اماں بھی ایسا ہی کر چکی ہیں۔“

زورا کے ان الفاظ پر جلال الدین اور جمال الدین دونوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ جلال الدین مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اتنے میں اذان کی آواز سنائی دی۔ چنانچہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوروز بعد بدر الدین موصل کے حکمران امیر کر بوغا کے لشکر میں شامل ہو کر اٹھا کیہ کا رخ کر گیا تھا۔



صلیبیوں کا سات لاکھ لاکھ کالکراہ مسلما نوں کے شہر بقیہ یعنی نائیسیا کے سامنے آ نمودار ہوا۔
مورخین لکھتے ہیں کہ اس شہر کو قدرت اور صنعت دونوں نے بہت مضبوط بنا رکھا تھا اور ایک دم ہم
کے شروع ہی میں اسے فتح کر لینا آسان نہیں تھا۔ صلیبیوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کے اس
شہر میں ایک چھوٹا سا لشکر ہوگا، جسے وہ لمحوں کے اندر زیر کر کے شہر پر قبضہ کر لیں گے۔ چنانچہ بقیہ
پہنچتے ہی انہوں نے شہر پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ صلیبی حملہ آور جب بقیہ شہر کی دیواروں کے قریب پہنچتا کہ شہر
پر حملہ آور ہوں، تیر اندازی کریں یا شہر کی فصیل پر رسوں کی سیڑھیوں کے ذریعے چڑھنے کی کوشش
کریں تو شہر کے اندر جو ترکوں کا لشکر تھا۔ اس نے بہترین رد عمل کا اظہار کیا اور انہوں نے فصیل
کے برجوں اور غلاں کے اندر سے گھات میں رہتے ہوئے صلیبیوں پر ایسی تیز زہر آلود تیروں کی
بارش کی کہ ان گنت صلیبیوں کو انہوں نے موت کی گہری نیند سلا دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ صلیبیوں کو
اپنی اس حماقت پر افسوس ہوا کہ انہوں نے آتے ہی شہر کو اپنا ہدف بنانے کا تہیہ کیوں کیا اور بغیر
سوچے سمجھے اور بغیر کسی منصوبہ بندی کے انہوں نے ایک دم سے شہر کی طرف پیش قدمی کر کے شہر کی
فصیل پر چڑھنے کی کوشش کیوں کی۔

یورپی اور دیگر مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ شہر کے اندر جو ترکوں کا چھوٹا سا ایک لشکر تھا۔ اس
نے بے انتہا زیادہ استقلال اور تحمل سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ اس لئے کہ انہیں باہر سے کمک اور
مدد ملنے کی امید تھی۔ یہ شہر سلجوق سلطان قلیج ارسلان کا تھا۔ جس کا مرکزی شہر اناطولیہ کے میدانوں
میں قونیہ شہر تھا۔ لہذا جب زہر آلود تیروں کی بارش سے اپنے لشکر کا ایک خاصا بڑا حصہ گوانے کے
بعد صلیبی پیچھے ہٹے تاکہ نئی منصوبہ بندی کے تحت شہر پر حملہ آور ہوں تب ان کے اندر یہ خبریں گشت

کرنے لگیں کہ قونیہ کا سلطان قلیج ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا ہے اور تھوڑی ہی دیر بعد
صلیبیوں نے دیکھا قریب کے کوہستانی سلسلے کے اوپر سب سے پہلے سلطان قلیج ارسلان نمودار ہوا
تھا اور اس کے پیچھے اس کا لشکر تھا۔

گو سلطان قلیج ارسلان نے بہترین ہمت اور جواں مردی کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن جو لشکر وہ
لے کر آیا تھا، یا اس کے پاس جو لشکر تھا اس کا مقابلہ اگر صلیبیوں کے لشکر سے کیا جائے تو عددی لحاظ
سے یہ چیونٹی اور ہاتھی کا مقابلہ تھا۔ بہر حال لشکر کی تعداد کچھ بھی ہو قونیہ کے سلجوقی سلطان قلیج
ارسلان نے بقیہ شہر سے باہر صلیبیوں سے ٹکرانے کا عزم کر لیا تھا۔

صلیبیوں کا سات لاکھ لاکھ لشکر ابھی کوہستانی سلسلے کے اوپر نمودار ہونے والے سلطان قلیج
ارسلان اور اس کے لشکریوں کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ وہ کیسے رد عمل کا اظہار کرتے ہیں کہ قلیج
ارسلان اپنے سالاروں اور اپنے لشکریوں کے ساتھ مقدرات کی تمہیانی کرنے والے خشکیوں
عناصر، روز ازل سے ابدی قربان گاہوں کے متلاشیوں اور وقت کے نیلے غلاء میں چراغوں سے
آندھیاں برپا کر دینے والے تہذیب اور تمدن کے طوفانوں کی طرح حرکت میں آیا۔ اس کے بعد
ماتھے کی شکنوں سے انقلاب برپا کرتی بتوں کی طرح رقص کرتی تلواروں، ہر منزل پر منزلوں کے
سنگ میل کھڑی کرتی، تدبیروں کی صداؤں کی بازگشت کی طرح اس نے اپنے کام کی ابتداء کی۔
اس کے بعد سلطان قلیج ارسلان صلیبیوں کے لشکر کے ایک حصے پر آندھیوں کے دوش پر دیئے
قلمت کے شانوں پر کر نہیں لے کر پیش قدمی کرنے والے خیر و مہر کے علم برداروں، خونی ہیٹکوں،
گناہوں کے نشین اور تاریک اوطاق میں روشن شمعوں کی مانند ضیاء بن کر داخل ہونے والے
مجاہدوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک گھمسان کارن پڑا، اس ٹکراؤ کے دوران سلطان قلیج ارسلان اور اس کے
سالاروں اور لشکریوں نے صلیبیوں کے ہزاروں لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔
سلطان قلیج ارسلان کا لشکر چند ہزار پر مشتمل تھا، جبکہ صلیبی لشکر کی تعداد سات سے آٹھ لاکھ
تھی۔ چنانچہ قلیج ارسلان نے جب دیکھا کہ صلیبی اب ہر سمت سے سمٹ کر اس کا گھیراؤ کرنے
والے ہیں، تب وہ اپنے لشکر کو لے کر ایک دم پیچھے ہٹا اور بچتا بچتا آ سیب اور چھلاؤں کے
دھوں، آن بان بھلا دینے والی، روندنے اور پامال کر دینے والی موت کی طرح اپنے لشکر کے

ہوئیں، لیکن جو پھل ملا وہ یورپ کے صلیبیوں کو نہیں، بلکہ یونانیوں کو ملا۔ چنانچہ یورپ کے صلیبیوں کو اس نتیجہ میں ایک طرح کی مایوسی ہوئی۔ لیکن چونکہ کوئی علاج نہ تھا، مجبور ہو کر چپ ہو رہے اور جو تھے تحائف قسطنطنیہ کے شہنشاہ نے ان کیلئے بھیجے تھے، انہیں قبول کر کے بظاہر اپنی خدمات کا اعتراف سمجھا۔ لیکن درحقیقت اپنے غصے کی آگ کو فرو کیا۔

ایک اور مؤرخ اس جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتا ہے۔

سلطان قلیچ ارسلان کو جونہی ان درندوں کے لرزہ خیز مظالم کی اطلاع ملی، اس نے ان کو قرار واقعی سزا دینے کیلئے زور و شور سے تیاریاں شروع کیں تو اس نے صلیبیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں خوب پامال کیا۔

لیکن وقت کی ستم ظریفی کہ سلطان قلیچ ارسلان کے پاس صلیبیوں کے مقابلے میں بہت کم اور چھوٹا لشکر تھا۔ صلیبی سات سے آٹھ لاکھ کا لشکر لے کر آئے تھے، جبکہ سلطان قلیچ ارسلان کے پاس چند ہزار پر مشتمل لشکر تھا۔ اس کے باوجود اس نے بڑے زوردار انداز میں حملے کئے اور ان گنت صلیبیوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا۔

جہاں تک سلطان قلیچ ارسلان کا تعلق ہے تو یہ عظیم سلجوقی فرماں رواں سلطان ایلچ ارسلان کے چچا زاد بھائی سلیمان بن قنقش کا فرزند تھا۔ سلیمان بن قنقش نے ارض روم کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ ایک دانا حکمران اور ماہر سپہ سالار تھا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصے میں اپنی سلطنت کی حدود کو شمال کی طرف درہ دانیال کی طرف اور مغرب کی طرف بحر روم کی طرف بڑھا دیا اور قیصر روم کو خراج دینے پر مجبور کیا۔

اس نے بقیہ کو اپنا مرکز حکومت بنایا۔ چنانچہ سلیمان کے بعد اس کا فرزند قلیچ ارسلان ارض روم کا حکمران بنا۔ اس نے اپنا دار الحکومت قونیہ منتقل کیا۔ سلطان قلیچ ارسلان نے پہلی صلیبی جنگ میں بڑا نام پیدا کیا۔ اس نے صلیبیوں پر پہلی ضرب لگائی۔ اس کے بعد اپنی بساط کے مطابق ان کو سخت پریشان کرتا رہا۔ گو صلیبی جنگ کے دوسرے دور میں اس کے بعض علاقوں کو پامال کرنے میں صلیبی کامیاب ہوئے۔ لیکن اس نے ان کے قدم ارض روم میں نہ جمنے دیئے۔ یہ اسی کے عزم و ہمت کا نتیجہ تھا کہ ارض روم کی سلجوقی سلطنت ہجری سات سو یعنی سن تیرہ سو تک اس کی اولاد کے قبضے میں رہی۔ عثمانی ترک انہیں سلجوقیوں کے جانشین ہوئے اور آج بھی یہ سرزمین ترکی کے

ساتھ کو ہستانی سلسلوں کے اندر غائب ہو گیا تھا۔

صلیبیوں کو اپنے ہزاروں لشکریوں کے سلطان قلیچ ارسلان کے ہاتھوں مارے جانے کا بے حد دکھ اور صدمہ ہوا۔ لیکن وہ اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کر سکے۔ اس لئے کہ کوہستانی سلسلوں کے اندر سلطان قلیچ ارسلان غائب ہو چکا تھا اور صلیبی یہ خیال کر رہے تھے کہ اگر ان کوہستانی سلسلوں کے اندر انہوں نے قلیچ ارسلان کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو کہیں ایسا نہ ہو کوہستانی سلسلوں کے پڑ پڑ راستوں کے اندر اچانک قلیچ ارسلان ان کے ساتھ چھاپے مار جنگ کی ابتداء کر دے اور ان کی ساری جرات مندی، ان کی ساری جسارت کو مٹی اور خاک میں ملا کر رکھ دے۔

سلطان قلیچ ارسلان جانتا تھا کہ بقیہ شہر میں ترکوں کا ایک چھوٹا سا لشکر ہے، جو زیادہ دن تک صلیبیوں کے ساتھ سات لاکھ کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر قلیچ ارسلان نے صلیبیوں کو سیاسی مار مارنے کا فیصلہ کیا۔

قلیچ ارسلان نے تیز رفتار قاصد قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ کی طرف روانہ کئے اور اسے پیشکش کی کہ وہ سات لاکھ صلیبی لشکر کے سامنے بقیہ شہر اس کے حوالے کرے۔

اس پیشکش پر اکیسی نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ قلیچ ارسلان نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ ماضی میں قسطنطنیہ کے شہنشاہ سلجوقی سلطانوں کے باج گزار رہے تھے۔ اس پر کسی توازن پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اس پر اکیسی نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس نے بھی اپنے کچھ سفیر بقیہ بھجوائے جن کے کہنے پر بقیہ کے دروازوں پر قسطنطنیہ کے شہنشاہ اکیسی کے علم بردارے گئے اور سات لاکھ کے صلیبی لشکر کے سالاروں کے اندر اپنے سفیروں کے ذریعے قسطنطنیہ کے شہنشاہ اکیسی نے قیمتی تحائف تقسیم کر دیئے تھے تاکہ بقیہ ان کے بجائے قسطنطنیہ کو ملنے پر وہ کسی ناخوشی اور دکھ کا اظہار نہ کریں۔

بقیہ کی اس جنگ کی تفصیل مؤرخین کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بقیہ والوں نے سات لاکھ صلیبیوں کے سامنے قسطنطنیہ کے شہنشاہ اکیسی کے سامنے سر جھکا دیا، جس کے جھنڈے کا بقیہ کی دیواروں پر لہرانا اس بات کی علامت تھی کہ اب لڑائی بند ہو گئی ہے۔ اس معرکہ میں سات ہفتے گزر گئے تھے اور سخت مقابلے ہوئے اور کثرت سے جانیں ضائع

فرزند ان توحید کے قبضے میں ہے۔

بہر حال بقیہ شہر پر قسطنطنیہ کے شہنشاہ کا علم لہراتا دیکھ کر صلیبی بہت جھلائے۔ لیکن قیصر نے تحائف کی بارش کر کے ان کے منہ بند کر دیئے تھے۔ چنانچہ آنتیس جون سن دس سو ستاونے کو صلیبی لشکر اٹھائیہ کی طرف روانہ ہوا جہاں جہاں سے یہ صلیبی لشکر گزرتا مسجدوں کو یہ جلاتے اور اکثر مسجدوں کو یہ گرجوں میں تبدیل کرتے جاتے تھے۔ اب یہ لشکر اٹھائیہ کی طرف بڑھا تھا۔

اٹھائیہ کی طرف جاتے ہوئے ایک بار پھر سلجوقی سلطان قلیچ ارسلان اپنے مختصر لشکر کے ساتھ اجالوں کے ضمیر، قصا کے سفیر، موت کے پیغامبر، بد بختیوں کے طول میں حادثوں، آندھیوں، بجلیوں اور زلزلوں کی طرح نمودار ہوا۔ اس وقت سات سے آٹھ لاکھ کا صلیبی لشکر مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر آگے پیچھے اٹھائیہ کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ چنانچہ سلطان قلیچ ارسلان نے صلیبیوں کے لشکر کے پچھلے حصے کو اپنا ہدف بنانے کا عزم کیا۔ یہ ارادہ کرتے ہی وہ کوہستانی سلسلوں کے اردوں کے اندر سے اچانک اپنے لشکر کے ساتھ ہر گھڑی قیامت، ہر لمحہ جزا احساسات صلیب پر مصلوب کر دینے والے قانون فطرت کے بدترین عذابوں اور لہو میں آگ کے شعلے بھڑکاتی مہیب طوفانی قوتوں کی طرح نمودار ہوا۔ پھر وہ صلیبیوں کے لشکر کے پچھلے حصے پر امیدیں لہو لہو، آرزوئیں شکستہ کرتے، آگ اگلنے صحرا نظر کی بستیوں میں اشک ندامت بھرتی اذیتوں کی بے ازانوں، دل کی وادیوں کے چراغ بجھاتی، بیٹھیاں بجاتی قضا کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اپنے تیز اور جان لیوا حملوں کے باعث سلطان قلیچ ارسلان نے صلیبیوں کے لشکر کے پچھلے حصے کی حالت بڑی تیزی سے تیزابی تلخیوں، مشکل اور دردناک سموں، نادرادیوں کی دھند درد و کرب کی آگ، کرم خوردہ ہنگاموں، کرب کے اندھے جنگل میں ڈکھ کے پیلے پتوں سے بھی زیادہ المناک کرنا شروع کر دی تھی۔

کچھ دیر تک ہولناک اور اذیت خیز معرکہ ہوا اور اس معرکہ میں قونیہ کے سلطان قلیچ ارسلان نے تیز اور جان لیوا حملے کرتے ہوئے صلیبی لشکر کے پشتی حصے میں ہزاروں صلیبی جنگجوؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور پھر قبل اس کے کہ سارا صلیبی لشکر مرکز سلطان قلیچ ارسلان کو اپنا ہدف بناتا، قلیچ ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلوں کے اندر اپنے جانے پہچانے راستوں اور دروں میں روپوش ہو گیا تھا۔

سلطان قلیچ ارسلان کے اس حملے اور اس جنگ کو یورپی مؤرخین کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

صلیبیوں نے بقیہ سے اپنے لشکریوں کی باقاعدہ صف بندی کر کے کوچ شروع کیا۔ لیکن ایک ساتھ نہیں، بلکہ جدا جدا جماعتیں بنا کر ایسا کیا تا کہ گزشتہ کارناموں سے زیادہ وسیع پیمانے پر قتل و غارتگری کرتے چلیں۔ چنانچہ سلطان قلیچ ارسلان ایک بار پھر اپنے لشکر کو مجتمع کر کے عقب میں روانہ ہوا۔ صلیبیوں کے پچھلے حصے یعنی عقب میں بومائے کے زیرِ کمان لشکری تھے۔ اسی پر سلطان قلیچ ارسلان نے حملہ کیا اور ایسا غضب کا مینہ تیروں کا برسایا کہ دشمن کی ایک بہت بڑی تعداد قتل اس کے کہ ان کے بھائی مدد کو آئیں قتل ہو کر موت کے گھاٹ لگی۔

آخر سارے صلیبی سالار جن میں گارڈ فرے، ہیو اور ریمائٹ تھے اپنے اپنے حصے کے لشکر کو لے کر پلٹے اور ایک سخت خون ریز ہنگامہ برپا ہوا۔ کشتوں کے پستے لگ گئے، کبھی ترک جیتتے، کبھی عیسائی جیتتے، مگر یہ صورتحال دیکھتے ہوئے سلطان قلیچ ارسلان کوہستانی سلسلوں کے اندر روپوش ہو گیا تھا۔

یہی مؤرخین اس جنگ کو جنگ دور یلیوم کا نام دیتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو جنگ دور یلیوم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ وادی جہاں پہ جنگ ہوئی، اس وادی کا نام یہی تھا۔ اس میں بے انتہا کشت خون ہوا اور اپنے پہلے ہی حملے میں سلطان قلیچ ارسلان نے چار ہزار کے لگ بھگ فرانسیسیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

قونیہ کے سلطان قلیچ ارسلان نے معاملے کو یہیں نہیں ختم کیا، جوں جوں صلیبی اٹھائیہ کی طرف بڑھتے گئے۔ وہ بار بار اپنی گھات سے نمودار ہوتا اور صلیبیوں کے لشکر کے مختلف حصوں پر ضرب لگا کر کوہستانی سلسلوں کے اندر روپوش ہو جاتا اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان قلیچ ارسلان کے ان حملوں کا اثر یہ ہوا کہ صلیبیوں پر سلطان قلیچ ارسلان کا خوف طاری ہو کر رہ گیا تھا۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ سلطان قلیچ ارسلان نے وقفے وقفے سے صلیبیوں پر حملہ آور ہونے کے بجائے ایک اور کام کیا۔ صلیبی لشکر کے راستے میں آنے والے تمام علاقوں کی فصلیں اس نے جلا ڈالیں اور وہاں کے باشندوں کو محفوظ مقامات پر پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی صلیبیوں پر طوفانی چھاپے مارنے شروع کر دیئے اور جگہ جگہ ان کی لاشوں کے انبار لگا دیئے۔ رسد کی قلت، پانی

کی کیا بی اور دشوار گزار راستوں نے صلیبیوں پر اور بھی ستم ڈھایا۔ سلجوقی سلطنت میں کہیں بھی قدم جمانے کے بجائے انہوں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ تونیہ کے سلطان قلیج ارسلان کے علاقوں سے نکل جائیں۔ چنانچہ اسی بھاگ دوڑ اور افراتفری میں صلیبی لشکر نے کوہستان طاروس کو عبور کیا اور شام کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ ان کے نکلنے ہی سلطان قلیج ارسلان نے نا صرف یہ کہ اپنا کھویا ہوا شہر بقیہ واپس لے لیا بلکہ دوسرے شہروں کی حالت بھی پہلے جیسی خوشحال بنا کر رکھ لی تھی۔



موزخین لکھتے ہیں کہ شام کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی صلیبی سالاروں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ بیشتر کی رائے تو یہی تھی کہ اپنی منزل مقصود کی طرف پیش قدمی جاری رکھی جائے۔ یعنی یروشلم کی طرف پیش قدمی کو جاری رکھا جائے۔ تاہم ان میں کچھ ایسے بھی تھے۔ جن کے دلوں میں دوسروں کے علاقے ہتھیانے اور اپنی جاگیریں پیدا کرنے کا شوق چٹکیاں لے رہا تھا اور ان میں دوسرے آوردہ سردار یعنی کارڈفرے کا بھائی بالڈون اور ارمی سالار ٹینکرڈ تھے۔ ابھی یہ انہی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ان کی امیدیں ان کی آرزوئیں بھڑ آئیں۔ اس لئے کہ بالڈون اور ٹینکرڈ کے پاس ایڈریہ شہر کے حکمران تھوروس کے قاصد پہنچے اور بالڈون اور ٹینکرڈ کو اس نے اپنے اپنے لشکر کے ساتھ اٹھا کر یروشلم کی طرف جانے کے بجائے ایڈریہ طلب کیا۔ ایسا کر کے تھوروس اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا چاہتا تھا اور اس کے آس پاس اور پڑوس میں چھوٹی بڑی مسلمان ریاستیں تھیں۔ ان پر غلبہ کر کے اپنی حکمرانی کو وسیع کرنے کے درپے تھا۔

بالڈون اور ٹینکرڈ تو پہلے ہی اس انتظار میں تھے کہ انہیں ان سرزمینوں میں کوئی علاقہ ہاتھ آ جائے اور وہ اس پر حکمرانی کرنے لگیں۔ چنانچہ تھوروس کی اس پیشکش کو بالڈون اور ٹینکرڈ نے فوراً قبول کر لیا۔ چنانچہ لشکر کا ایک خاصا بڑا حصہ لے کر بالڈون ایڈریہ پہنچا۔ تھوروس تو اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ چاہتا تھا اور بالڈون سے مدد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بالڈون عرب کے روایتی اونٹ کی طرح خود ہی ایڈریہ پر قابض ہو گیا اور وہاں صلیبیوں کی پہلی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس صورت حال نے ایڈریہ کے حکمران تھوروس کو مایوس کر دیا اور پھر جب تھوروس یہ محسوس کرنے لگا کہ بالڈون اس کا خاتمہ کرنے کے درپے ہے تب تھوروس اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کو لے کر ایڈریہ شہر سے نکلا اور دریائے اورنٹس کے قریب ایک گناہمستی میں جا کر آباد ہو گیا۔

جہاں تک ارمنی سالار ٹینکرڈ کا تعلق ہے تو وہ بھی بالڈون سے پیچھے نہیں رہا۔ اس کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر تھا۔ چنانچہ اس نے طرطوس کا رخ کیا اور اس کے نواحی علاقے پر قبضہ کر لیا اور عارضی طور پر وہاں مقیم ہو گیا۔ ان دوسرے داروں کے الگ ہو جانے کے باوجود صلیبیوں کے دم غم میں کوئی فرق نہ آیا اور ان کا بڑا حصہ بڑی تیزی سے اٹھانے کی طرف بڑھا۔ ان کی پیش قدمی اپنے جلو میں ہولناک قتل و غارت گری، تباہی اور بربادی لئے ہوئے تھی۔

بالڈون اور ٹینکرڈ کے علاوہ کچھ دوسرے صلیبی سالار بھی حکومت میں آئے۔ وہ بھی اپنے اپنے حصے کے لشکر کو لے کر اٹھانے کا رخ کرنے کے بجائے مڑے اور دریائے اورٹس کے آس پاس مختلف علاقوں پر قابض ہو کر وہاں انہوں نے اپنی اپنی حکومت قائم کر لی۔ ان میں زیادہ تر کاؤنٹ آف سینٹ پال، کاؤنٹ آف گرے اینڈلس، سسٹس اور کچھ دیگر نوجوان صلیبی سالار بھی تھے۔

ایڈیبرہ کا سابق حکمران تھوروس ایک روز دریائے اورٹس کے قریب اپنی نئی رہائشگاہ میں اپنی ماں ساروق، اپنی دوسری بیوی میکس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ کسی موضوع پر تینوں گفتگو کر رہے تھے۔ اس لئے کہ تھوروس کی پہلی بیوی شالوس مر چکی تھی۔ اتنے میں جس کمرے میں وہ تینوں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ اس کمرے کے دروازے پر ڈھلتی ہوئی عمر کا ایک شخص نمودار ہوا، اسے دیکھتے ہی تھوروس اور اس کی ماں ساروق دونوں غور سے اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اس موقع پر ان دونوں کے چہروں پر ایک تجسس بھی تھا۔ دوسری طرف تھوروس کی بیوی میکس کی بھی یہی حالت تھی۔ ہاتھ کے اشارے سے اس شخص کو تھوروس نے اندر آنے کیلئے کہا، وہ آگے بڑھا۔ تھوروس نے اسے سامنے بیٹھنے کیلئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گیا تب تھوروس نے اسے مخاطب کیا۔

”اب یہ بتا کیا تجھے میری بہن زور سے متعلق کچھ پتا چلا؟“

اس پر اس شخص کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، کہنے لگا۔

”آپ نے ہمیں اس کام کیلئے مقرر کیا تھا اور میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پوری شدت

کے ساتھ حرکت میں آیا۔ لہذا ہم نے زور خاتون کا پتا لگا لیا ہے۔“

اس کے ان الفاظ پر تھوروس اور اس کی ماں ساروق چونکے تھے۔ چہروں پر تبسم نمودار ہوا تھا۔ میکس بھی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ تجسس بھرے انداز میں تھوروس کی ماں

ساروق نے پوچھ لیا۔

”اگر یہ بات ہے تو رکستے کیوں ہو؟ تاؤ میری بیٹی ان دنوں کہاں ہے؟“

اس پر آنے والے اس شخص نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

”محترم خاتون! آپ جانتی ہیں ایڈیبرہ شہر میں جلال الدین نام کا مسلمان رئیس تھا۔ اس

کے بیٹے کا نام جمال الدین اس کے پوتے کا نام بدر الدین ہے۔ آپ کی اس حویلی کے چند میل

کے فاصلے پر ان کی ایک آبائی جائیداد بھی ہے۔ ان دنوں وہ وہیں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی بڑی

اہلی اور شاندار حویلی بھی ہے۔ زوراجو آپ کی بہن ہے وہ جلال الدین کے پوتے اور جمال

الدین کے بیٹے بدر الدین کی بیوی ہے۔ بدر الدین ان دنوں صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے موصل

کے حکمران کروہا کے لشکر میں شامل ہو کر اٹھانے کی طرف جا چکا ہے۔ اسے گئے ہوئے کئی ہفتے

بیت چکے ہیں، جبکہ اس کی غیر موجودگی میں چند دن پہلے زوراکے ہاں ایک بیٹا بھی ہوا ہے۔ ہم

نے اس بچے کا نام جانے کی کوشش کی، لیکن ایسا نہیں کر سکے۔ اگر آپ اپنی بہن کو حاصل کرنا

چاہتے ہیں تو میرے خیال میں اس سے بہتر سنہری موقع آپ کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ

اس کا شوہر بدر الدین ان دنوں اپنے گھر نہیں ہے۔ لہذا زوراکو وہاں سے نکال کر یہاں لانا بڑا

آسان ہے۔“

اس پر تھوروس نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”تمہارے خیال میں زوراکو وہاں سے نکالنے کیلئے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ کیا

دو چار آدمیوں سے کام چل سکتا ہے۔“

اس پر اس نے نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگا۔

”نہیں اس کیلئے چھوٹا سا ایک لشکر چاہئے، کیونکہ جس بستی میں زورارہتی ہے اس کے شوہر

بدر الدین کا دادا اور باپ بستی کے رئیس اور ایک طرح کے سربراہ ہیں اور آس پاس کی ساری

بستیاں بھی مسلمانوں کی ہیں۔ لہذا ایک لشکر کے ذریعے ہی زوراکو وہاں سے نکالا جاسکتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا شخص جب خاموش ہوا تب غور سے اس کی طرف دیکھتے

ہوئے تھوروس کی ماں ساروق بول اٹھی۔

”زوراکو وہاں سے نہیں نکالا جائے گا۔ اس لئے کہ میں اپنی بیٹی کو وہاں خوش اور پھلتا پھولتا

دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم اپنے آدمیوں سے یہ بھی کہنا کہ اگر تمہارا ادھر ادھر جانا ہو تو میری بیٹی کی حفاظت کا سامان بھی کریں۔ اس کو کوئی گزند اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس بناء پر کہ میں پہلے سے جانتی تھی کہ میری بیٹی زور جلال الدین کے بیٹے بدرالدین کو پسند کرتی ہے اور وہ میری ایسی صاحب کردار بیٹی ہے کہ اس نے اپنی محبت کی اطلاع مجھے کر دی تھی۔ وہ صرف اپنے بھائی سے ڈرتی تھی کہ بھائی اس پر کہیں سختی نہ کرے اور اسے بدرالدین سے شادی کرنے سے روک نہ دے۔ گو بعد میں تھوروس کو بھی میری بیٹی زور کی اس محبت کا علم ہو گیا تھا اور اس نے کوئی مزاحمت بھی نہ کی تھی اور پھر تھوروس نے جو ایک بڑی غلطی کی اس کی سزا ہم سب کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔ اگر تھوروس وہ غلطی نہ کرتا تو زور ابھی تک اپنے شوہر اس کے باپ دادا اور دوسرے اہلخانہ کے ساتھ ایڈیہ شہر میں ہی قیام کئے ہوئے ہوتی۔

تھوروس نے جو پہلے فیصلہ کیا کہ وہ کچھ صلیبی سرداروں کو دعوت دے گا کہ وہ ایڈیہ کا رخ کریں تاکہ ایڈیہ کے آس پاس مسلمانوں کی جو چھوٹی بڑی ریاستیں ہیں ان پر قابو پا کر اپنی سلطنت کو وسعت دے۔ چنانچہ اس کے ان ارادوں کی خبر زور کو ہو گئی۔ زور کے علاوہ دوسرے لوگوں کے کانوں میں بھی یہ خبر جا پہنچی۔ لہذا بہت سے مسلمانوں نے یہاں سے اٹھ کر محفوظ مقامات کی طرف جانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ بدرالدین کا خاندان بھی یہاں سے ہجرت کر کے اپنی آبائی سرزمینوں کی طرف چلا گیا۔ زور ابھی ان کے ساتھ چلی گئی۔ میں سمجھتی ہوں میری بیٹی نے اپنے تحفظ کیلئے یہ بہترین اقدام کیا اور میں اس کے اس فعل سے مطمئن اور خوش ہوں۔

مجھے اس بات کی بھی خوشی ہوئی کہ اس کے ہاں ایک بیٹا ہوا ہے۔ میں عنقریب وقت نکال کر تم لوگوں کے ساتھ جاؤں گی، اپنی بیٹی سے ملوں گی۔ اپنے نواسے کو پیار کروں گی اور چند دن اپنی بیٹی کے پاس رہوں گی۔ اس طرح اسے تسلی اسے حوصلہ ہوگا کہ وہ اس دنیا میں اکیلی نہیں ہے۔ اس کا پیچھا خالی نہیں ہے، بلکہ اس کی ماں حتیٰ کہ اس کا بھائی بھی اس کے ساتھ ہے۔

ساروق جب خاموش ہوئی تب متاثر کن لہجے میں تھوروس بول اٹھا۔

”میری ماں ٹھیک کہتی ہے۔ زور نے اپنی محبت تک پہنچنے کیلئے جو قدم اٹھایا، ایک بھائی کی حیثیت سے میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ اگر کبھی حالات نے اجازت دی تو میں خود اپنی بہن سے ملنے کیلئے جمال الدین اور جلال الدین کی حویلی کی طرف جاؤں گا۔ میں اپنے اس اقدام کو

غلط تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ان صلیبیوں کو ایڈیہ آنے کی دعوت دی اور اس کا انجام جو ہوا وہ سب کی نگاہوں میں ہے۔ میں خود ان کی وجہ سے ایڈیہ کی حکمرانی سے محروم ہو کر یہاں تنہائی میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یورپ کے یہ صلیبی اس قدر قصاب قسم کی نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ ثابت ہوں گے۔ میرے عزیز! تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کبھی کبھی جلال الدین اور جمال الدین کی حویلی کی طرف جاتے رہنا اور مجھے ان سب کی خیر و عافیت کے علاوہ میری بہن زور سے متعلق بتاتے رہنا۔ اب جلال الدین، جمال الدین اور بدرالدین سے ہمارا ایک رشتہ ہے۔“

تھوروس کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹنے ہوئے اس کی ماں ساروق بول اٹھی۔

”ایک اور بات تو بتا دیکھ بدرالدین اب میری بیٹی زور کا شوہر ہے۔ اس لحاظ سے بدرالدین اب میرا بیٹا ہے۔ ایسے ہی مجھے عزیز ہے، جس طرح تھوروس مجھے پیارا ہے۔ میری عزیز بدرالدین کی ماں کا نام زمران تھا۔ وہ بڑی صاحب کردار بڑی اعلیٰ اخلاق کی خاتون تھی۔ میری اس سے چند ملاقاتیں بھی ہوئیں، کیونکہ زور نے جب بدرالدین سے اپنی محبت کا اظہار کیا تب میں نے اس خاندان کے افراد سے ملنا شروع کیا۔ اب تو مجھے یہ بتا کہ کیا زمران زندہ ہے۔“

اس پر وہ شخص خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بالکل زمران زندہ ہے اور اس کی صحت بھی اچھی ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں وہ دوڑتی بھاگتی ہے۔“

اس پر ساروق نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”کہنے لگی اگر یہ بات ہے تو زمران میری بیٹی زور کا بہت خیال رکھتی ہوگی۔ اس لئے کہ میں نے ان کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران یہ محسوس کیا تھا، جہاں بدرالدین میری بیٹی سے محبت کرتا تھا۔ وہاں اس کی ماں زمران، باپ جمال الدین اور دادا جلال الدین بھی زور کو اپنی بیٹی ہی کی طرح چاہتے اور پسند کرتے تھے۔ اب تم جاؤ جا کر آرام کرو جس دن میں نے جانا ہوا میں تمہیں بلا لوں گی اور میں چند دن اپنی بیٹی کے پاس رہ کر آؤں گی۔“

ساروق کی اس گفتگو سے تھوروس اور اس کی بیوی میکل نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پھر وہ شخص وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

گو صلیبی محاصرین تعداد اور قوت کے لحاظ سے محصور مسلمانوں سے بیس گنا تھے اور پھر ان کو اطالوی بیڑہ رسد اور کمک بھی پہنچا رہا تھا، لیکن اس تفوق کے باوجود ایک نام نہاد مسلمان کی غداری ان کے آڑے نہ آئی تو شاید وہ اٹلا کیہ کو فتح نہ کر پاتے اور اٹلا کیہ کی دیواروں سے سرو توڑ توڑ کر واپس جانے پر مجبور ہو جاتے۔

یہ غدار ایک ارمنی نو مسلم بہروز تھا۔ وائی اٹلا کیہ کو اس شخص پر بے حد اعتماد تھا۔ اس نے بہروز کو تین خاص برجوں کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا، لیکن اس مارا آستین نے صلیبیوں سے ساز باز کر لی اور ایک مقررہ رات کو غدار بہروز نے فسیل کے نیچے رے لٹکا دیئے۔ صلیبی ان کے ذریعے فسیل پر چڑھ گئے۔ محافظوں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اس کے ساتھ ہی سارے صلیبی لشکری نعرے لگاتے ہوئے شہر میں گھس گئے اور ہر طرف قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا طوفان مچا دیا۔ ہزاروں بچے بوڑھے عورتیں اور جوان ان کی تیغ خون آشام کی نذر ہو گئے۔ کئی کو بچے بازار اور شاہراہیں مسلمانوں کی لاشوں سے پر ہو گئیں۔ یاغی سیان بھی اس ہنگامے میں ایک ارمنی کی تلوار کا شکار ہو گیا۔ شہر پر قبضہ کر کے صلیبیوں نے تین دن تک مسلمانوں کی لاشوں پر جشن منایا اور اس میں شرمناک بدتمیزیوں اور خرمستیوں کی انتہا کر دی۔

صلیبی ابھی انہی بدتمیزیوں، بد اعمالیوں اور خرمستیوں میں مصروف تھے کہ موصل کا ترک حکمران کر بوغا اپنے لشکر کے ساتھ اٹلا کیہ کے سامنے آ پہنچا اور شہر کو اس نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہی وہ لشکر تھا، جس میں بدرالدین بھی شامل تھا۔

صلیبیوں نے حاکم موصل کر بوغا کے اس لشکر کو کوئی اہمیت ہی نہ دی۔ کر بوغا کا لشکر ان کے مقابلے میں چونکہ مختصر سا تھا۔ لہذا صلیبیوں نے اس لشکر کا ٹھٹھہ اور مذاق اڑایا، جوان کا مقابلہ کرنے کیلئے اٹلا کیہ سے باہر نمودار ہوا تھا۔ چنانچہ صلیبیوں نے اپنے تہمرد اور اپنے گھمنڈ میں رہتے ہوئے اپنے لشکر کا صرف ایک حصہ باہر نکالا تاکہ کر بوغا کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اسے مار بھگائے۔

چنانچہ صلیبیوں کا یہ لشکر اٹلا کیہ کی شہر پناہ کے ایک دروازے سے الاؤ کی اچلی تہارت میں گھس جانے والی گناہوں اور غلطیوں کی کدورتوں، دھوئیں کے میلے سندیوں، ستاروں کے اُجلے جھروکوں میں اسیری کی سیاہ ساعتوں اور درد کی جوئے رواں طرح جاری ہونے کے انداز میں کر بوغا کے لشکر کی طرف بڑھا۔ اس کے بعد وہ کر بوغا کے لشکر پر امن کی شیریں یادوں میں بدی کی

اٹلا کیہ شام کا پہلا اہم شہر تھا، جو صلیبی طوفان کی زد میں آیا۔ صلیبیوں کی نظر میں یہ ساحلی شہر بڑا مقدس تھا، کیونکہ دین مسیح نے اس کی گود میں پرورش پائی تھی اور اس میں عیسائی بزرگوں کی بہت سی یادگاریں تھیں۔

صلیبی حملے کے وقت شہر پر ایک سلجوقی امیر یاغی سیان کی حکومت تھی جسے سلجوقیوں کے نامور سلطان کر شاہ سلجوقی نے کئی سال پہلے یہاں کا امیر مقرر کیا تھا۔

طوائف الملوکی کے اس دور میں اٹلا کیہ کی حفاظت کی ذمہ داری تنہا اس کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔ اس کی عسکری قوت صرف سترہ ہزار نو جوانوں پر مشتمل تھی، جس میں دس ہزار پیادہ، دو ہزار سوار اور پانچ ہزار عام ملازمین تھے۔

اس کے برعکس اٹلا کیہ پر دھاوا بولنے والے صلیبیوں کی تعداد کچھ سالاروں کے الگ ہو جانے کے باوجود تین لاکھ سے زیادہ تھی۔

یاغی سیان نے صورتحال کی نزاکت کو بھانپ لیا اور قلعہ کے ایسے سخت حفاظتی اقدام کئے کہ اسے قریب قریب ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔

بیس اکتوبر سن دس سو ستانوے کو صلیبی لشکر نے اٹلا کیہ کا محاصرہ شروع کیا۔ جو نو ماہ تک بڑی شدت سے جاری رہا۔ اس دوران میں مسلمان وقتاً فوقتاً قلعہ سے باہر نکل کر صلیبیوں پر حملے کرتے، لیکن صلیبیوں کے مڈی دل کے ہاتھوں نقصان اٹھا کر واپس جانے پر مجبور ہو جاتے۔

حلب، دمشق اور حمص کے مسلمان حاکموں نے بے دلی سے محصورین کی امداد کیلئے کچھ سپاہ بھیجی، لیکن وہ صلیبیوں کا حصار توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکی اور معمولی جہز پوں کے بعد واپس چلی گئیں۔

تاریکی پھیلاتے، شیطان کے پھندوں، صدیوں کے سکوت زاروں میں آگ کے لاوے بھرتی
بربادیوں اور زندگی کے ہر رقی کو اپنا نشانہ بناتی بدی کی تاریکیوں اور موت کی ہولناکیوں کی طرح
حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف امیر کر بوغا جو ترکوں کی طرح جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ اس نے بھی اپنے
لشکر کے ساتھ اپنے کام کی ابتداء خوب کی۔ پہلے اس نے وقت کی سانتوں اور سنگریزوں کے
سکوت میں کسی حدی خواں کی آوازوں، اشجاروں کے خم آلود پتوں کی سرسراہٹوں میں چوکتے
پرواز کرتے پرندوں کی صداؤں اور دریا کی نمی سے نا آشنا زمینوں میں بہتی ندیوں کی نفرتی
آوازوں اور ممکن ممکن کر دینے والی انوکھی نئی تہذیب کی آندھیوں کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ اس
کے بعد جوابی کارروائی کرتے ہوئے حاکم موصل امیر کر بوغا صلیبیوں کے ایک لشکر پر کائنات کی
تقدیر بدل دینے والے مشعل بکف کروبیوں، وقت کے ناپاس لحوں میں قہرمانیت تابدار، منافق
راتوں میں خونی سرکش موجوں اور وقت کے سردنجد لحوں میں دھول اڑاتے بربادیوں کے
جھکڑوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں اٹلا کیہ شہر کے نواح میں صلیبیوں کے لشکر اور امیر کر بوغا کے ٹکرانے سے رزم گاہ میں
موت کی آتشیں برسات زندگی کی حرارت پر دستک دینے لگی تھی۔ لاوے کی صورت حرکت کرتے
کرودھ، فنا کی دھول اڑاتے گولوں کی طرح اپنا کام کرنے لگے تھے۔ نفرت کی سنگباری، دہکتی
آگ کے خروش، تہذیب کے کالے سرطان، بھو کی خونخواہ جلیتیں اور غم کے چڑھتے سحاب رزم گاہ
کے اندر ناچ اٹھے تھے۔

صلیبیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کر بوغا کو مار بھگائیں، لیکن امیر کر بوغا اور
اس کے ساتھ لڑنے والے ترک لشکر ایسی جانثاری اور ایسے سرفر شانہ انداز میں حملہ آور ہوئے کہ
ہزاروں صلیبیوں کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا، صلیبی لشکر کا وہ حصہ تعداد میں کر بوغا کے
لشکر سے بہت زیادہ تھا، پھر بھی کر بوغا نے تیز حملے کرتے ہوئے بڑے خوش کن انداز میں ان کی
حالت ملگجے اندھیروں کی ٹوٹی زنجیروں، داستان گو کے نجد ہونٹوں، درد کے فاصلوں میں ٹھہرے
ٹیور گناہوں کی دلیزروں پر اندھی تھکی کے پہروں، سکوت کے صحرا اور ادھام کے کالے بادلوں سے
بھی زیادہ مری بنانا شروع کر دی تھی۔

امیر کر بوغا نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر اب صلیبیوں کے اس لشکر پر حاوی ہوتے جا
رہے ہیں اور چاروں طرف انہوں نے صلیبیوں کی لاشوں کے بستر بچھا دیئے ہیں۔ تب اس نے
صداؤں کے خوفناک ارتعاش میں آتش فشاں کے پھٹنے کے انداز میں تکبیریں بلند کیں اور اپنے
لشکر یوں کو لکارا کہ دشمن اب شکست اٹھا کر بھاگنے والا ہے۔ لہذا اپنے حملوں میں تیزی پیدا
کریں۔

امیر کر بوغا کی اس لکار نے ترکوں کے خون میں آگ بھر کر رکھ دی تھی۔ لہذا وہ مجرد و
حراما نصیب کرتی غیر فانی جذبول کی سرکش آندھیوں، در ماندہ اور فرو ماندہ کر کے اپنی ضرورتوں کا
امیر کرتے موت کے کاروانوں اور شعلوں کے لرزاں گولوں کی طرح حملہ آور ہونا شروع ہوئے
تھے۔

ترکوں کا یہ حملہ ایسا تیز اور جان لیوا تھا کہ صلیبی بھاگ کھڑے ہوئے اور شہر کے اندر چلے
گئے۔ اپنے پیچھے وہ ہزاروں لاشیں چھوڑ کر شہر کے اندر محصور ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔
امیر کر بوغا کے اس قتل عام اور اپنے ساتھیوں کے شہر سے باہر اس قدر مارے جانے سے
صلیبیوں کے سالاروں اور ان کے لشکر یوں کے اوسان خطا ہو کر رہ گئے تھے۔

امیر کر بوغا کے اس طرح آنے اور صلیبیوں کے ایک لشکر کو شکست دینے اور ان کی ان گنت
لاشیں اٹلا کیہ کے نواح میں بکھیرنے سے متعلق صلیبیوں پر جو بددلی طاری ہوئی تھی اس سے متعلق
مورخین لکھتے ہیں۔

اس سے پہلے صلیبیوں نے اٹلا کیہ شہر کا محاصرہ کیا تھا، اب خود محصور ہو گئے تھے۔ عام
احتیاطیں جو صلیبیوں نے اس سے پہلے اٹلا کیہ شہر کے مسلمانوں کے مقابلے میں اختیار کی تھیں
اب خود ان کے مقابلے میں اختیار کی جانے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلیبی اب شہر سے باہر نکل کر
امیر کر بوغا کا سامنا کرنے سے کترانے لگے۔ شہر کے اندر ہی محصور رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر
کے اندر قحط شروع ہو گیا اور جو مصائب اس سے پہلے شہر کے مسلمانوں نے عیسائیوں کے محاصرہ
کرنے کے دوران اٹھائے تھے، وہی مصائب اب انہیں خود بھی برداشت کرنا پڑ رہے تھے۔
مورخین مزید لکھتے ہیں کہ یہ مصائب پہلے مصائب سے کہیں زیادہ تھے۔ ان مصائب کی وجہ سے
انہیں مجبوراً اپنے چھوڑوں کو مار مار کر کھانا پڑا اور یہی نہیں ان کا گوشت کھاتے، بلکہ ان کا خون بھی پی

لیتے تھے۔ جب قحط نے مزید شدت اختیار کی تب لشکر اسلحے کے ساتھ جو چڑا ہوا کرتا اور جانوروں کی کھالیں دم پخت کر کے کھانے کے کام میں لانے لگے۔ درختوں کی پچاں اور سڑی ہوئی بودار ترکاریاں ابالی جاتی تھیں اور کھانے کیلئے استعمال کی جاتی تھیں۔

جتنے مصائب قحط کے ساتھ ساتھ ہوا کرتے ہیں سب ہی موجود تھے۔ لوگوں میں کسی قسم کا صحیح امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ ضابطہ اور تہذیب بالائے طاق تھی۔ بدکاری، شہوت پرستی اور بد اعمالیوں کا بازار گرم تھا۔

مورخین مزید لکھتے ہیں کہ دو شیزہ لڑکیوں کا دامن عصمت و حیا اور سن رسیدہ عورتوں کی حرمت اور عزت کچھ بھی ان کے دستِ تقدی سے محفوظ نہ تھی۔ چنانچہ صلیبوں کے لشکر پر ان کے سالاروں سمیت ایک قسم کی مایوسی چھا گئی تھی۔ ایسے میں بقول مورخین صلیبی لشکر کے اندر دو پادریوں کی جلسازی اور ان کا مکر و فریب ہی صلیبوں کے کام آیا۔

صلیبیوں کے لشکر میں دو بڑے پادری تھے۔ ان میں سے ایک کا نام پطرس بار تھلی دوسرے کا نام اڈم تھا۔ یہ دونوں ایک جگہ جمع ہوئے دونوں چونکہ ایک دوسرے کے رازدار تھے۔ لہذا گفتگو کا آغاز بڑی سرگوشی کے انداز میں پطرس نے کیا اور اپنے ساتھی پادری اڈم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! یہ جو موصل کے حکمران کر بوعانے شہر سے باہر ہمارے لشکر کو بدترین شکست دی ہے اور ہزاروں لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اس سے ہمارے لشکر پر بدلی چھا گئی ہے۔ سالار مایوس دکھائی دے رہے ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو یاد رکھنا صلیبی لشکر اٹھا کیہ سے نکل کر یروشلم جانے کے بجائے واپس یورپ کا رخ کرے گا۔ اگر یہ ایسا کریں گے تو ان پر وہ تباہی نازل ہوگی جس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ انہیں اناطولیہ کے میدانوں میں سے گزرنا ہوگا اور اناطولیہ کا سلطان گنج ارسلان پہلے ہی ان کے ہاتھوں زخم کھائے ہوئے ہے اور وہ زخمی سانپ کی طرح ان پر حملہ آور ہوگا اور کسی کو ڈسے بغیر نہیں چھوڑے گا اور کسی صلیبی کو بچ کر یورپ جانا نصیب نہیں ہوگا۔

میرے بھائی! میں چاہتا ہوں کہ صلیبی لشکر کامیابی سے اٹھا کیہ شہر سے نکل کر یروشلم کا رخ کرے۔ یروشلم پر قبضہ کرے۔ لیکن جو حالت اس وقت چھائی ہوئی ہے اس کے تحت صلیبی کسی بھی

صورت اٹھا کیہ سے نکل کر مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ کریں گے نہ یروشلم کا رخ کریں گے بلکہ واپسی اختیار کریں گے اور اب تو میں کچھ سالاروں اور لشکریوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سن چکا ہوں کہ ہمیں اکاؤ کا کر کے شہر سے باہر نکل کر واپسی اختیار کرنی چاہئے۔

میرے بھائی! اس پسپائی اور اس فرار کو روکنے کیلئے میرے پاس ایک تجویز ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد پادری پطرس جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے اڈمیر کہنے لگا۔

”ایسی ہی ایک تجویز میرے پاس بھی ہے۔“

اس پر پطرس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پہلے تم اپنی تجویز بیان کرو۔“

اڈمیر کہنے لگا۔ ”گفتگو کا آغاز چونکہ تم نے کیا ہے لہذا اپنی تجویز بیان کرو۔ اس کے بعد میں اپنی تجویز پیش کرتا ہوں۔“ اس پر پطرس مان گیا کہنے لگا۔

”میں چاہتا ہوں کہ چند دن کا وقفہ ڈال کر اپنے لشکر کے اندر یہ افواہ پھیلائی جائے کہ میں نے خواب میں یسوع مسیح کے حواری ایڈریو کو دیکھا ہے اور اس نے مجھے یہ نصیحت کی ہے کہ اٹھا کیہ شہر کے بڑے گرجا گھر کے ایک خاص مقام پر وہ بھالا مدفون ہے جسے یروشلم کے لشکریوں نے یسوع مسیح کے پہلو میں چھپایا تھا اور میں اپنے صلیبی سالاروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کروں گا کہ اگر وہ بھالا کہیں مل جائے اور لشکر کے ساتھ ساتھ رہے تو مسلمانوں کے حملوں سے ہمیں نجات مل جائے گی اور فتح ہر صورت میں ہماری ہوگی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد پطرس رکا، کچھ سوچا، پھر ایڈمیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ایڈمیر! میرے عزیز دوست بھائی! میں چاہتا ہوں آج رات کی گہری تاریکی میں ہم دونوں حرکت میں آئیں۔ میں نے اس مقصد کیلئے ایک قدیم اور پرانی طرز کے بھالے کا بھی اہتمام کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں جب رات گہری ہو جائے تو اٹھا کیہ شہر کے بڑے گرجا گھر میں ایک مخصوص جگہ اس بھالے کو دفن کر دیا جائے۔ اس کے بعد میں صلیبی سالاروں کے سامنے اپنا خواب بیان کروں گا اور ان سے کہوں کہ اٹھا کیہ کے بڑے گرجا میں مخصوص جگہ وہ بھالا دفن ہے۔ اگر اسے نکال کر لشکر میں رکھا جائے تو ہماری فتح یقینی ہو جائے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد راہب پطرس رکا پھر پادری ایڈمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اب تم کہو تمہاری کیا تجویز ہے۔“

اس پر ایڈمیر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”میری تجویز پطرس تم سے کسی حد تک ملتی جلتی ہی ہے۔ لیکن دونوں کا انجام یا آخری حصہ کچھ مختلف ہے۔ جس طرح تم اپنے صلیبی سالاروں سے کہو گے کہ تم نے خواب میں یسوع مسیح کے حواری اینڈریو کو دیکھا ہے اور اس نے بھالے کی نشاندہی کی ہے کہ اگر اٹھا کیہ کے بڑے گر جا گھر سے بھالا نکال کر لشکر کے آگے رکھا جائے تو فتح یقینی ہے۔ ایسا ہی ایک معاملہ میں بھی صلیبی سالاروں کے سامنے پیش کروں گا۔ میں ان سے کہوں گا کہ رات کو میں نے بھی ایک عجیب و غریب خواب دیکھا میں مزید کہوں گا کہ خواب میں مجھے یسوع مسیح دکھائی دیئے اور مجھے یہ اشارہ دیا کہ صلیبی اگر مسلمانوں سے جنگ کی ابتداء کر دیں تو جس کو ہستانی سلسلے کے قریب ان کا مسلمانوں سے ٹکراؤ ہوگا، اس کو ہستانی سلسلے کے اوپر عالم عیسائیت کے تین بڑے شہید سینٹ نمودار ہوں گے اور وہ صلیبیوں کی فتح کا باعث بن جائیں گے۔ ان تین سینٹ میں سے سینٹ جارج، سینٹ ڈیمیٹریس اور سینٹ تھیوڈورڈ کے نام لوں گا اور کہوں گا کہ یہ تینوں سینٹ سفید لباس میں عمدہ گھوڑوں پر سوار چمکدار زر ہیں پہنے ایک مسلح جماعت کے ساتھ کو ہستانی سلسلے پر نمودار ہوں گے اور ان کا نمودار ہونا اس بات کی نشانی ہوگی کہ مسلمانوں کے مقابلے میں فتح صلیبی لشکر کی ہوگی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ایڈمیر رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہنے لگا۔

”پطرس میرے بھائی! جس طرح تو نے اٹھا کیہ کے بڑے گر جا گھر میں دفن کرنے کیلئے ایک بھالے کا اہتمام کر لیا ہے اس طرح میں نے بھی تین خوب قد کاٹھ کے بہترین سواروں کا اہتمام کیا ہے۔ سارا معاملہ انہیں سمجھا بھی دیا ہے۔ وہ بڑی رازداری سے یہ سارا معاملہ بھائیں گے اور کسی پر اصلیت ظاہر نہیں ہونے دیں گے۔ میں چاہتا ہوں آج رات کے پچھلے حصے میں ہی وہ اپنے خوبصورت اور چمکتے ہوئے لباس لے کر شہر سے نکل جائیں۔ ان کے ان لباس کے علاوہ ان کے اخراجات اور ان کے کھانے پینے کا اہتمام بھی کر دیا گیا ہے اور جس وقت ہمارا لشکر

مسلمانوں سے ٹکرانے کیلئے نکلے گا تو وہ تینوں کو ہستانی سلسلے پر نمودار ہوں گے اور جب میرے خواب کے مطابق نشانی کے طور پر وہ تینوں پہاڑ کے اوپر نمودار ہوں گے تو پطرس میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ہمارے صلیبی لشکریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر جان توڑ کر حملہ آور ہوں گے جس کے نتیجے میں کامیابی ہمیں ہی نصیب ہوگی۔“

ایڈمیر جب خاموش ہوا تب پطرس بڑی رازداری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جس طرح میں نے اپنے دو آدمیوں کو راز میں رکھا ہے کہ وہ میرے ساتھ آج رات کی تاریکی میں اٹھا کیہ کے بڑے گر جا گھر میں پرانے بھالے کو نصب کریں گے۔ اسی طرح میرے بھائی تم ان تین آدمیوں کو تاکید کرنا کہ اس معاملے کو بالکل راز اور ایک انتہائی مقدس بھیہ سمجھ کر اس کی حفاظت کریں۔ اگر اصلیت اور حقیقت کسی پر کھل گئی تو پھر یاد رکھنا ایڈمیر صلیبی لشکر کی مسلمانوں کو بھول کر ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ یہ دعویٰ کریں گے کہ ہم نے انہیں موت کے منہ میں دھکیلنے کیلئے یہ کھیل کھیلا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ دھوکہ فریب اور جلسازی کا کام کیا ہے۔“

اس پر ایڈمیر چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

”پطرس اس سلسلے میں تم فکر ہی نہ کرو اگر تم اپنے دوستاھیوں کے ساتھ معاملے کو راز میں رکھو گے تو پھر دیکھنا میں اپنے ان تین ساتھیوں کے ساتھ کیسے اس رازداری کو نبھاتا ہوں۔“ اس گفتگو سے پطرس بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ چنانچہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی رات پطرس نے اپنے دو مخصوص ساتھیوں کے ساتھ اٹھا کیہ کے بڑے گر جا میں ایک مخصوص جگہ بھالا نصب کر دیا تھا جبکہ ایڈمیر نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی اور اس نے بھی تین عمدہ قسم کے سواروں کو سارے ساز و سامان سے لیس کر کے بڑی رازداری کے ساتھ اٹھا کیہ شہر سے نکال دیا تھا۔



لشکر کا نشان بناؤ تو یہ تہماری نجات اور فتح مندی کا ضامن ہوگا۔

صلیبیوں نے بڑی غیر یقینی سی کیفیت کے بعد بے دلی سے اس جگہ کو کھودا تو انہیں فی الواقع مخصوص بھالال گیا۔ اس بھالے کے ملتے ہی مایوسیوں کے بادل چھٹ گئے اور صلیبیوں میں ایسا زبردست جوش پیدا ہوا کہ وہ اسی وقت مرنے مارنے کیلئے تیار ہو گئے۔

دوسری طرف مسلمان بھی محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اگر تعداد کا موازنہ کیا جائے تو مسلمانوں کے لشکر کی تعداد صلیبیوں کے مقابلے میں کچھ نہ تھی۔

چنانچہ صلیبی جب مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کیلئے ایک دروازے سے نکلے تو کر بوعنا اور سلطان قلیج ارسلان نے اپنے تیز حملوں سے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن چونکہ صلیبیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، لہذا صلیبی اٹھائیے کے دوسرے دروازوں سے بھی نکل کر مسلمانوں کی طرف لپکے، اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو گھیرنے کی کوشش کی، شروع میں تو موصل کے حکمران کر بوعنا اور تونیہ کے سلطان قلیج ارسلان نے صلیبیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ عین اسی لمحہ پادری ایڈمیر کی تجویز سامنے آئی سامنے کے کوہستانی سلسلے کے اوپر تین سوار نمودار ہوئے انہیں دیکھتے ہی ایڈمیر زور زور سے چلایا اور کہنے لگا۔

”وہ دیکھو خدا کی مدد آ پہنچی، مقدس شہید جارج ڈیمیٹریس اور تھیوڈو تہماری مدد کیلئے پہنچ گئے ہیں۔ صلیبیوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو تین سوار سفید لباس اور چمکدار زر ہیں پہنے ایک چوٹی کے اوپر نمودار ہوئے تھے۔

یہ شعبہ بازی کامیاب رہی۔ صلیبیوں کی خوش قسمتی کہ ابھی تک تو کر بوعنا اور سلطان قلیج ارسلان کے لشکر نے صلیبیوں کو روک رکھا تھا، بلکہ ان کا خاصا نقصان بھی کیا تھا اور ان کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور بقول مؤرخ جمال الدین عین ہنگامہ کارزار میں ترکوں اور عربوں میں کسی معاملے میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ صلیبیوں سے لڑنے کے بجائے ایک دوسرے سے دست گریبان ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلیبیوں کے مقابلے میں انہیں پسپا ہونا پڑا اور وہ اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے۔ اس طرح امیر کر بوعنا اور سلطان قلیج ارسلان کے تیز حملوں سے صلیبیوں کی جان چھوٹ گئی، ورنہ ان کے محاصرے سے وہ یقینی تک آئے ہوئے تھے اور موت انہیں اپنے سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن ترکوں اور عربوں کی آپس کی لڑائی اور

جب موصل کے حکمران کر بوعنا نے اٹھائیے شہر سے باہر ہزاروں صلیبیوں کو موت کی گہری نیند سلا دیا، تب صلیبیوں کے اندر ایک خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا۔ اسی اثناء میں تونیہ کا سلطان قلیج ارسلان بھی اپنا لشکر لے کر اٹھائیے کر بوعنا کی مدد کیلئے پہنچ گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان قلیج ارسلان کے آنے سے صلیبیوں کو اپنی تباہی یقینی نظر آنے لگی۔ خوف و ہراس کے عالم میں سینکڑوں صلیبیوں نے اٹھائیے سے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں چند خوش قسمت ہی کامیاب ہوئے، باقی سمندر میں غرق ہو گئے یا مسلمان محاصرین کی تلواروں کا شکار ہو گئے۔

چنانچہ اب صلیبیوں کو امیر کر بوعنا کے سامنے محصور ہوئے پچیس دن گزر گئے تھے کہ پطرس اور دوسرے پادری ایڈمیر کی جلسہ بازی ان کا دھوکہ فریب کام آیا۔ پطرس نے اعلان کیا کہ اس نے خواب میں یسوع مسیح کے حواری اینڈریو کو دیکھا ہے۔ اس نے کہا کہ اٹھائیے کے سب سے بڑے گرجا گھر کے خاص مقام پر وہ بھالا نصب ہے جو یسوع مسیح کو مارا گیا تھا۔ اگر اس کو نکال کر سامنے رکھا جائے تو فتح یقینی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایڈمیر نے بھی اپنا خواب بیان کیا کہ اس نے خواب میں یسوع مسیح کو دیکھا اور اس نے یہ ہدایت کی ہے کہ جس وقت صلیبی مسلمانوں سے ٹکرائیں گے تو سامنے والے پہاڑ کے اوپر سے تین سینٹ نمودار ہوں گے اور ان سینٹ کا کوہستانی سلسلے سے نمودار ہونا صلیبیوں کی فتح مندی اور کامیابیوں کی ایک نشانی ہوگا۔

چنانچہ اس مایوسی کے اٹھاہ سمندر میں غرق جب صلیبیوں کو یکایک یہ نوید سنائی گئی کہ اس کو سینٹ اینڈریو یعنی عیسائیوں کے بڑے سینٹ نے خواب میں آ کر فتح کی بشارت دی ہے اور حکم دیا ہے کہ میرے بھائی پطرس گرجا میں جا کر قربان گاہ کی زمین کھودو وہاں سے تمہیں ایک آہنی بھالا یا برجھی کا پھل ملے گا۔ یہ وہی بھالا ہے جو یسوع مسیح کے پہلو میں مارا گیا تھا۔ اس بھالے کو تم

چقشل نے ان کے سارے کام سیدھے کر دیئے اور وہ اپنی کامیابی اور حتمی کا اعلان کرنے لگے۔

اتھاکہ کو فتح کرنے کے بعد بوہمہنڈ کو وہاں کا حاکم اور حکمران مقرر کیا گیا۔ اس طرح ارض شام میں یہ نصرانیوں کی دوسری ریاست قائم ہوئی۔ پھر ارد گرد کے مقامات کو فتح کرتے ہوئے صلیبی معرۃ النعمان کی طرف بڑھے، جبکہ بوہمہنڈ ایک لشکر کے ساتھ اتھاکہ کے حکمران کی حیثیت سے اتھاکہ شہر ہی میں قیام کر گیا تھا۔

معرۃ النعمان شام کا ایک نہایت بارونق شہر تھا اور اس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی؛ کاؤنٹ ریمینڈ کی سرکردگی میں صلیبیوں نے اس شہر کو اپنا ہدف بنایا اور چند دن کے اندر اندر اسے فتح کر لیا اور اس کے اسی ہزار باشندوں کو نہایت سفاکی سے قتل کر ڈالا اور باقی کو غلام اور کنیز بن کر بردہ فروشی کیلئے اتھاکہ بھیج دیا۔

ان ظالم صلیبیوں نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ ایک خوبصورت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس کے در و دیوار کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ صلیب کے یہ نام لیوا جوشِ تعصب میں اس قدر اندھے ہو گئے تھے کہ اپنے بڑاؤ میں وہ مسلمانوں کا گوشت کھلم کھلا فروخت کرتے تھے اور مزے لے لے کر کھاتے تھے۔

معرۃ النعمان کو فتح کرنے اور تباہ اور برباد کرنے کے بعد صلیبی حضرات کو اہم مقام کی طرف بڑھے اور اسے فتح کرنے کے بعد حضرات الاکراد کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے قلعے کا نہایت شاندار طریقے سے دفاع کیا اور صلیبیوں کی تمام کوششیں اس کو فتح کرنے میں ناکام ہو گئیں۔ حضرات الاکراد ہی کے مقام پر کچھ صلیبی سالاروں اور لشکریوں کو یہ شک ہو گیا تھا کہ پادری پطرس اور پادری ایڈمیر نے جو بھالے اور کوہستانی سلسلے پر تین سینٹ کے نمودار ہونے کا خواب دیکھا تھا، وہ ایک مجلسازی بلکہ دھوکہ اور فریب تھا۔ اس لئے کہ حضرات الاکراد شہر اور اس کا قلعہ جب صلیبیوں کے ہاتھوں فتح نہ ہو سکا اور محاصرہ طویل پکڑ گیا تو یہاں بھی پادریوں اور راہبوں نے معجزے دکھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس بار بقول مؤرخین ان کی باتوں پر یقین نہ آیا اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ اپنی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے سارے لشکر کیلئے دہکتی ہوئی آگ میں سے گزریں۔ چنانچہ مجبوراً انہیں ایسا کرنا پڑا اور جب انہوں نے ایسا کیا تو وہ آگ میں جھلس گئے اور

چند دن کے بعد مر گئے۔

بہر حال جب صلیبیوں سے مسلمانوں کا شہر اور قلعہ حضرات الاکراد فتح نہ ہوا تو صلیبیوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد وہ سمندر کے کنارے کنارے بجانب جنوب ہمدون، صیدہ، صور، مکر، قیساریہ اور ارسوف سے گزرتے ہوئے رملہ پہنچ گئے جو یروشلیم سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا۔

یہاں انہوں نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ لشکریوں کو خوب سستانے کا موقع فراہم کیا۔ چنانچہ رملہ میں چند دن قیام کرنے کے بعد صلیبیوں کا یہ لشکر یروشلیم کی طرف بڑھا۔

اس دور میں جب صلیبی مسلمانوں کے خلاف فتح پر فتح حاصل کرتے جا رہے تھے اس دور سے متعلق مشہور مؤرخ شیطیلین پول مسلمانوں سے متعلق لکھتا ہے۔

”اس زمانے کی مسلمان سلطنتوں کی سیاسی حالت عجیب و غریب تھی۔ ملک شاہ سلجوقیوں کے عظیم الشان سلطان نے اس دنیا سے کوچ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ہی اس کی اولاد میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئی تھیں۔ اس حادثہ کے چار برس بعد پہلی صلیبی جنگ کی ابتداء ہو گئی، جس کے نتیجے میں ایڈیسہ اور اتھاکہ وغیرہ فتح ہوئے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے یروشلیم پر قبضہ کر لیا۔ چند برس بعد فلسطین کے اکثر حصوں اور ساحل شام یعنی طرطوس، عکہ، طرابلس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔“

یہی مؤرخ مزید لکھتا ہے کہ اس سر بلج کامیابی کا باعث کچھ تو اقوام شمال کی جسمانی برتری اور ذاتی شجاعت تھی، لیکن سب سے زیادہ یہ وجہ تھی کہ مسلمانوں میں کوئی منضبط اور مرتب جماعت تھی ہی نہیں؛ جو ان یورپی صلیبی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتی۔ مسلمانوں میں ان کا سب سے بڑا دانشور نظام الملک طوسی اپنے آقا سے پہلے ہی انتقال کر چکا تھا اور کوئی ایسا مدبر موجود نہیں تھا جو شہنشاہ کی اولاد کے باہم تفرقے دور کرتا اور ملک کی اصلاح کرتا۔

جبکہ سلجوقی شہزادے آپس میں لڑ لڑ کر اپنی سلطنتیں کھو رہے تھے۔ ان کے رئیس اور امراء میں ماتحت ہونے کے باوجود خود مختاری کی بو پیدا ہو چکی تھی۔ انہیں اپنی قوت کا صحیح علم ہی نہیں ہونے پایا تھا سب کے سب شکستہ تاج کے ٹکڑوں کیلئے باہم لڑ جھگڑ رہے تھے۔

ہر رئیس اپنے پڑوسی کو دیکھ دیکھ کر جلا جاتا تھا۔ لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی جو رہنمائی کرتا۔

خاندان ہائے سلطنت کی بنیاد ڈالنے والے بھی میدان جنگ میں مصروف تھے اور کسی سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔

شام میں ابھی تک سلجوقیوں کی برائے نام حکومت باقی تھی اور شہروں اور حلقہ جات کے بیچارہ کاموں کو اب صرف یہ معلوم ہونے لگا تھا کہ سلجوقیوں کی حکومت اب صرف بمنزلہ آواز کی باز گشت کے باقی رہ گئی ہے اور جو سب سے زیادہ قوی ظاہر ہوگا، اسی کے نام کا سکہ جاری ہوگا۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ ہر کوئی شک اور گوگو کی حالت میں تھا۔ ایک عظیم الشان سلطنت کی سمرات و موت کے بعد گویا ہر شخص ایک دم بخود حالت میں دیکھ رہا تھا۔ یہ بدامنی اور بدانتظامی کا وہ درمیانی زمانہ تھا، جو ایک سلطنت کے شکستہ ہونے اور دوسری کے قائم ہونے کے مابین واقع ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہی وہ ٹھیک وقت تھا، جبکہ یورپ کو کسی حملے میں کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔

ورنہ ایک نسل پہلے سلجوقیوں کی ناقابل ہزیمت تھی اور اگر ایک نسل اور گزر جاتی تو پھر تاریخ عالم پر کوئی نور الدین زنگی، کوئی صلاح الدین ایوبی نظر آ جاتا اور شاید یورپ کے حملہ آوروں کو وہ شکست دے کر اور مار مار کر سمندر میں دھکیل دیتا۔ بہر حال یورپ کے صلیبیوں کو یہ انتہائی کامیابی اور کامرانی کا موقع ملا کہ وہ حملہ آور ہو کر فلسطین اور شام کے علاقوں پر قبضہ کر لیں۔ یہ ہیں وہ الفاظ جن کا اظہار نصرانی مؤرخ سیٹیلین پول نے مسلمانوں سے متعلق کیا۔

بہر حال نامور سلجوقی سلطان ملک شاہ سلجوقی کے فوت ہونے کے بعد سلجوقی سلطنت میں کمزوری، تفرقہ اور اندرونی کشمکش جیسے عناصر پیدا ہو چکے تھے اور صرف اتنا طویلہ میں ان سلجوقیوں کی تین سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں اور بقول مؤرخین اس وقت سلجوقیوں کی حالت ایک موٹے تنے کی نازک اور پتلی شاخوں کی طرح تھی اور ان قوتوں سے زیادہ دیر تک مزاحمت نہ کر سکتے تھے جو یورپ سے نکل کر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوئی تھیں۔

بہر حال یروشلم کی طرف کوچ کرتے وقت صلیبی جنگجوؤں سے ایسے ایسے افعال شنیعہ سرزد ہوئے کہ مغربی مؤرخین بھی نہایت مذمت کے ساتھ ان کا اعتراف کرتے ہیں۔ صلیبی لڑائیاں صحیح معنوں میں اہل یورپ کی جہالت اور وحشت کا نقشہ کھینچتی ہیں۔ ان لڑائیوں میں شامل ہونے والے صلیبیوں کو پوپ اور دوسرے مذہبی رہنماؤں نے گناہوں کی معافی عطا کی اور عیش پسندوں کو مشرقی عورتوں کے دل فریب حسن کی ترغیب اور شرق کی سرور انگیز شراہوں کی تحریص دے کر یہ

یقین دلایا کہ مسیح کا خدا ان کے ساتھ ہے۔

صلیب کے جھنڈے تلے ان لوگوں نے ایسے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا کہ ارض و سما کا پٹ اٹھے۔ بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالے۔ بوڑھوں اور پاپاؤں تک کے بند بندا کاٹ کر ہوا میں بکھیر دیئے گئے۔ اگر مسلمان نہ ملے تو بے گناہ یہودیوں پر اپنی چھریاں تیز کیں۔ جوش جنوں میں یہ لوگ اس قدر بدست ہو گئے تھے کہ انسانی گوشت کھانا شروع کر دیا۔ عیسائی مؤرخ ملزاوروان سبل اعتراف کرتے ہیں کہ عیسائی لشکر کے کیمپوں میں مسلمانوں کا گوشت دن دھاڑے بکتا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود یورپی تاریخوں میں ان کے لکھنے والوں نے ان لڑائیوں کے گرد و مان کا ایک ہالہ کھینچ دیا ہے۔ بہر حال صلیبیوں کا یہ لشکر اب یروشلم کی طرف بڑھا تھا۔



مسلل چار سو ساٹھ برس تک یروشلیم اسی قوم کے فرزندانِ توحید کے قبضے میں رہا۔

یہ قوم جوہ امن انداز میں اس شہر میں داخل ہوئی، یہ مسلمان تھے۔ ہجری سولہ عیسوی سن چھ سو ستینیس میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب یروشلیم کی دیواروں کے نیچے پہنچا تو عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقدور بھر مقابلہ کیا۔ جب مقابلے سے عاجز آ گئے تو صلح کی درخواست کی، جس پر یہ شرط رکھی گئی کہ مسلمانوں کا خلیفہ خود یہاں آئے اور معاہدہ صلح پر دستخط کرے۔

سہ سال اراکلی حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت عمر فاروق کو خط لکھا کہ یروشلیم پر قبضہ آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ فاروق اعظم نے یہ خط ملنے پر کاروبار خلافت حضرت علیؑ کے سپرد کیا اور خود بیت المقدس کیلئے روانہ ہو پڑے۔ سفر کے دوران ان کے ساتھ فہارہ اور نوبت خدام حشم لاؤ لشکر ایک طرف معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا، سواری تھی۔ چند مہاجرین اور انصار تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کے سفر کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

فاروق اعظم نے یروشلیم کے قریب جاہیر کے مقام پر قیام کیا۔ اول یروشلیم کے محصورین عیسائیوں کے نمائندے پہنچے اور معاہدہ صلح لکھا گیا۔ اس کے بعد فاروق اعظم اپنے معمولی لباس میں پیادہ پاسر دارانِ لشکر کے ہمراہ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سر ولیم میور کے الفاظ میں یروشلیم میں پہنچ کر مسلمانوں کے خلیفہ نے بطریق اور اہل شہر سے مہربانی اور شفقت سے ملاقات کی اور ان کو وہی حقوق عطا کئے جو ان کے شایانِ شان تھے۔ یہ ان کی نہایت مہربانی اور عنایت تھی، ان کے معبد اور گرجوں کو بالاشتغال، ان کے قبضے میں دے دیا گیا۔ حضرت عمرؓ جب یروشلیم کے مقدس مقامات کو دیکھ رہے تھے تو نماز کا وقت آ گیا۔ پادری نے وہیں کپڑا بچھا دیا اور کہا کچھ حرج نہیں آپ یہیں گرجے کے اندر نماز ادا کر لیں۔ فاروق اعظم نے انکار کیا اور فرمایا۔

”اگر میں آج اس گرجے کے اندر نماز پڑھ لوں گا تو میرے بعد مسلمان یہ دعویٰ پیش کر کے کہ عمرؓ نے اس میں نماز پڑھی تھی۔ یہ گرجا تم سے چھین لیں گے۔ اس کے بعد فاروق اعظم نے گرجے سے باہر بیڑھیوں پر نماز ادا کی اور ایک تحریری وثیقہ لکھ کر پادریوں کے حوالے کیا، جس میں لکھا تھا۔

”اس بیڑھی پر نہ کوئی نماز ادا کرے اور نہ اذان دے۔“

ساری دنیا میں اپنی قدامت اور عظمت کے لحاظ سے بہت کم شہر یروشلیم یا بیت المقدس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں سبھی کے نزدیک یہ شہر بے حد مقدس اور حبرک ہے۔ اس کے چپے چپے پر ان تینوں قوموں کے نہایت مقدس مقامات پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ عظیم شہر بے شمار انبیاء علیہ السلام کا ماں اور مسکن رہا ہے اور کتنے ہی جلیل القدر نبیوں کے مزارات اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔

اپنی تینتیس صد سالہ سے بھی زیادہ تاریخ میں یہ شہر دنیا کی تمام عظیم الشان سلطنتوں کی یوژنیں برداشت کرتا رہا ہے۔ یہ کم و بیش اکیس مشہور حملوں اور محاصروں کا ہدف بنا۔ دنیا کی کئی قوموں نے اسے مسخر کیا۔ عبرانی، یونانی، رومن اور دوسری قومیں صدیوں تک اس شہر میں اپنے اقتدار کا ڈنکا بجاتی رہیں۔ اڑھائی ہزار سال تک اس مقدس اور قدیم شہر پر مہاجر جاہلیاں نازل ہوتی رہیں۔ ہر قوم اور ہر سلطنت نے اس پر حملے کئے اور کسی نے اس کی عمارت گری میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔

ظلم و جور کا کوئی طریقہ ایسا نہیں تھا جو فاتحین نے اس شہر کے بد قسمت باشندوں پر استعمال نہ کیا ہو، لیکن سن چھ سو ستینیس میں ایک عجیب قوم نے اس شہر کا محاصرہ کیا اور اس پر فتح پائی، فاتحین جن میں اس قوم کا سربراہ اعلیٰ بھی تھا، اس میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح تسلیم سرکش میں داخل ہوتی ہے۔ کسی عمارت کی ایک اینٹ تک گری اور نہ کسی انسانی رگ سے لہو کا ایک قطرہ تک بہا۔ اب تک جتنے حملے ہوئے تھے ان سب میں بیت المقدس بری طرح تباہ ہوتا رہا تھا۔ لیکن اس عجیب حملے نے باشندگان شہر کی قسمت بدل ڈالی۔ غلام ہونے کے بجائے وہ ہر قسم کی بندشوں اور پابندیوں سے آزاد ہو کر راحت اور آرام کے صحیح مفہوم سے پہلی مرتبہ آشنا ہوئے۔ اس کے بعد

بہر حال یہ شہر بڑے امن انداز میں فاروق اعظمؓ کے دور میں فتح ہوا، پھر بنو امیہ کی خلافت کے زمانے میں عیسائیوں کو بیت المقدس میں جو آرام اور امن میسر تھا۔ عیسائی مؤرخ آرجر نے اسے عیسائی زائرین کی زبان سے بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ صرف بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان ثانی کے رویے کے متعلق فرانسیسی مؤرخ مچاؤ نے شکایت کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کہتا ہے کہ مروان ثانی عیسائی اور مسلمان دونوں قوموں کے حق میں یکساں طور پر جاہل تھا اور جب اسے اور اس کے خاندان کو دشمنوں نے مغلوب کر لیا تو عیسائی اور مسلمان دونوں خدا کا شکر بجا لائے۔

عباسی حکمرانوں میں سے تو اکثر کے زمانے کو یورپ مؤرخین نے عیسائیوں کے حق میں رحمت قرار دیا۔ جب عباسی خلافت ضعیف ہو گئی تو مصر میں بنی فاطمہ نے طاقت پکڑی اور اپنی علیحدہ خلافت قائم کر کے بیت المقدس سمیت شام اور فلسطین کے اکثر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

عیسائی مؤرخین مصر کے فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ کے مظالم کے بے حد شاک ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق اس خلیفہ کے مظالم نے ناصرف یونانی عیسائیوں بلکہ تمام یورپ کے عیسائیوں کو شام اور بیت المقدس پر حملہ کرنے کیلئے برا بیختہ کیا۔ مگر دراصل اس محبوط الحواس خلیفہ کا یہ رویہ کچھ عیسائیوں پر ہی مخصوص نہ تھا، بلکہ مسلمان بھی اس کے رویے سے بے زار تھے۔

گیارہویں صدی کے آخر میں آل سلجوقی نے یروشلم مصر کی فاطمی حکومت سے چھین لیا۔ سلطان تاج الدولہ تمش ابن الپ ارسلان سلجوقی نے اپنے لشکر کے ایک ترکمانی سالار اور توفیق کو یروشلم کا حاکم مقرر کیا اور توفیق نے جب وفات پائی تو اس کے دو بیٹے سلمان اور نجم الدین الغازی اس کے جانشین ہوئے۔ صلیبی جب ارض شام میں داخل ہوئے تو اس وقت یروشلم پر یہی دونوں بھائی قابض تھے۔ اٹھا کیہ اور معرۃ النعمان کو براہِ ذکر کرنے کے بعد جب صلیبیوں نے عرقہ کا محاصرہ کیا تو مصر کی فاطمی حکومت نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے محصور مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے کے بجائے ایک طاقتور لشکر یروشلم پر حملہ کرنے کیلئے بھیج دیا۔ ترکمانوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن مصریوں نے انہیں مغلوب کر لیا اور یروشلم پر قابض ہو گئے۔ سلمان یروشلم سے نکل کر کیدہ شہر یعنی دیار بکر کی طرف چلا گیا اور اس کا چھوٹا بھائی نجم الدین الغازی بھی نکل کر عراق کا رخ کر گیا تھا۔

صلیبیوں کی اندھی یلغار جب یروشلم کی دیواروں کے نیچے پہنچی تو اس وقت یروشلم شہر پر مصر کے فاطمی خلیفہ ابوالقاسم کا علم اقتدار لہرا رہا تھا۔ مصر کا یہ حکمران اپنی ہمسایہ مسلمان حکومتوں کا بدترین دشمن تھا۔ اس کو بغداد کے عباسی حکمران سے اسے عباسی حکمران کو اس سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ آل سلجوق کا تو فاطمی حکمران نام سننا بھی گوارا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ یروشلم کے مسلمانوں کی کوئی عملی مدد کر سکتا۔ مختصر یہ کہ یروشلم کے دفاع کی ذمہ داری تنہا افتخار الدولہ کے کندھوں پر آن پڑی تھی جو خلافت مصر کی طرف سے اس شہر کا حاکم تھا۔

صلیبیوں نے بڑے جوش و خروش سے یروشلم کا محاصرہ کر لیا کہ جنگجوؤں کے سامنے یروشلم کا دفاع کرنے والے مسلمان لشکر کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ صلیبیوں کو یقین تھا کہ وہ یروشلم کی قلیل محافضہ سپاہ کو دو تین دن کے اندر مغلوب کر لیں گے۔ لیکن ان کی یہ توقع اکارت ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے حیرت انگیز بہادری سے صلیبیوں کا مقابلہ کیا اور ان کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

لیکن یروشلم کے عیسائی باشندے مسلمانوں کیلئے مارا ستین ثابت ہوئے۔ وہ مسلمانوں کے دفاعی انتظامات کی ذرا ذرا خبر صلیبیوں کو چوری چھپے پہنچا دیتے تھے جس سے ان کے جوش اور ہمت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ صلیبیوں نے محاصرے کے دوران بہت سے مخفیاتی تیار کر لیں اور ان کے ذریعے یروشلم کے شہر پناہ پر بے پناہ سنگباری کی۔ لیکن اپنے تمام جتنوں کے باوجود وہ چالیس دن تک شہر فتح نہ کر سکے۔

آخر تیس شعبان بمطابق پندرہ جولائی کو صلیبیوں نے اپنی تمام قوتیں مجتمع کر کے شہر پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا۔ مسلمانوں نے سروں پر کفن باندھ کر اس مہیب یلغار کو روکا اور لگ بھگ آدھا دن تک خوفناک لڑائی میں صلیبیوں کو لوہے کے چنے چبوا دیئے۔ اس وقت جب صلیبی ہمت ہار بیٹھے تھے ان کے پادریوں نے اپنے پرانے حربے مکر فریب سے کام لیا اور جملہ زیتون کی طرف اشارہ کر کے چلائے وہ دیکھو سینٹ جارج تمہاری مدد کیلئے آیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی صلیبیوں نے جملہ زیتون کی طرف نگاہ اٹھائی تو اس کی چوٹی پر سوار دکھائی دیا جو پادریوں نے پہلے سے وہاں مقرر کر دیا تھا۔

چنانچہ ان پادریوں کے بقول آسمانی سوار کے نمودار ہوتے ہی صلیبیوں میں زبردست جوش کی آگ بجڑک اٹھی۔ انہوں نے ایک خوفناک حملے میں مسلمانوں کے تمام دفاعی انتظامات درہم

برہم کر دیئے اور شہر میں گھس گئے۔ یہ گھڑی مسلمانوں پر قیامت سے کم نہ تھی۔

صلیب کے نام لیاؤں نے شہر میں داخل ہو کر ایسی بربریت اور ظلم کا ثبوت دیا کہ شرافت اور انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ ان قصاؤں کے ہاتھوں ستر ہزار انسان بے دردی سے ذبح ہو گئے۔ نہ کوئی مسلمان بچا نہ کوئی یہودی نہ یوڈھوں کو امان ملی نہ عورتوں اور بچوں کو اس مہیب ہنگامے میں گریہ و آہ و زاری اور موت کی چیخوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔

ریمنڈ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”مسجد اقصیٰ کے گھن میں خون گھٹنوں بلکہ گھوڑوں کی باگوں تک پہنچا تھا۔“

البرٹ کا بیان ہے کہ:

”یروشلیم کے تمام مخلوق عبادت گاہوں اور کوچوں میں لاشوں کے انبار لگ گئے تھے۔ حتیٰ کہ ویران اور تنہا جگہوں میں بھی لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا یہ ہنگامہ سات دن تک جاری رہا۔“

اس دوران میں ان غارت گروں نے شہر کی ہر ایک چیز لوٹ لی۔ مسجد عمر میں آرائش کا اس قدر سامان تھا کہ اس سے چھ بڑے چھڑے بھرے جاسکتے تھے۔ اس میں سونے کے تیس اور چاندی کے ایک سو تیس شمع دان اور بے شمار دوسری قیمتی اشیاء شامل تھیں۔ ٹکڑے جو صلیبیوں کا سالار تھا وہ اس سامان کو دو دن تک لوٹنے میں مصروف رہا۔ اس طرح محتول مسلمانوں کے آراستہ ہیرا ستہ مکانوں میں جو صلیبی پہلے داخل ہوا اس نے اس پر قبضہ جمالیا۔ جب صلیبی یروشلیم کے بد قسمت باشندوں کے خون سے اپنی آتش غضب فرو کر چکے تو انہیں یروشلیم پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کی فکر ہوئی۔

انہوں نے ایک اجلاس عام میں گارڈ فرے کو شہر مقدس کا بادشاہ منتخب کیا اور پادری اور ظلف کو اپنا بڑا مذہبی پیشوا مقرر کیا۔ گارڈ فرے بڑا احتصب صلیبی تھا۔ اس نے اپنے لئے کلیسا القیام کے محافظ کا لقب اختیار کیا اور یروشلیم کو مرکزی صلیبی ریاست قرار دیا۔ ایڈیوہ اور اٹھاکہ کے بعد یہ تیسری ریاست تھی جو صلیبیوں نے سرزمین مشرق میں قائم کی۔

عیسائی مؤرخین یروشلیم پر صلیبیوں کے حملے کو بظہر کو کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

”صلیبیوں نے جب یروشلیم کا محاصرہ شروع کیا تو اپنے جوش کے زور میں عیسائی برابر بڑھتے چلے گئے اور ایک دم سے حملہ شروع کر دیا۔ پہلے خیال ہوا کہ بس انہیں جلد فتح ہو جائے گی لیکن شہر کے اندر جو ترک لشکری تھے۔ انہوں نے تیروں کی ایسی بوچھاڑ اور آتش یونانی کی بارش کی کہ محاصرین کو دیواروں کے پاس سے پسپا ہونا پڑا۔

آتش یونانی ہی بارود کا پیش خیمہ تھی۔ کیونکہ ایک یونانی نے اسے ایجاد کیا تھا۔ اس لئے اس کے نام سے موسوم ہوئی۔ قسطنطین باریطرس شہنشاہ قسطنطنیہ کے زمانے میں اس کی ایجاد ہوئی۔ اس سے قبل یونانی جہاز یہ آتش استعمال کرتے تھے۔ آتش یونانی کی دریافت کے بعد اس کا استعمال خشک اور تری دونوں جگہ کیا جانے لگا۔

جن جہازوں میں اسے لے جاتے اس کے اگلے حصے میں تانبے کے بڑے بڑے چوٹے لگائے جاتے تھے۔ ان چوٹوں میں سے وہ دشمن کے جہازوں پر پھینکی جاتی تھی۔ اسی طرح خشکی پر بھی سپاہیوں کو چوٹے دیئے جاتے تھے۔ اس آتش کو شیشوں اور برتنوں میں بھی رکھتے تھے اور اسے تیروں کے سرے پر بھی لگاتے تھے۔ قلعہ کی دیواروں پر سے اسے بڑی بڑی دیگوں میں بھر کر پھینکتے تھے۔ کبھی دیکھتے ہوئے آہنی برتنوں میں رکھ کر مارتے تھے۔ اس کی شکل ایسی معلوم ہوتی تھی، گویا ایک لمبی نالی سی تھی جس کی ایک نیربے کے برابر لمبی دم ہو۔ جب یہ چھوٹی تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا بادل گرج اٹھا اور ہوا میں اڑتی ہوئی اڑ رہی کی طرح نظر آتی تھی۔ جان واکل بیان کرتا ہے کہ اس آگ میں ایسا شعلہ لگتا تھا اور ایسی روشنی ہوتی تھی کہ ہمیں اپنے خیمے ایسے نظر آتے تھے، جیسے کہ دن کو نظر آتے ہیں۔ اس آگ کی ترکیب میں رال اور دوسری قسم کی ایسی ہی اشیاء گندھک کے ساتھ ملی ہوتی تھیں۔ ان سب کو پٹیں لیا جاتا تھا۔ چار سو برس تک اس ترکیب کو لوگوں پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔

چنانچہ جب مسلمان لشکریوں نے اس آتش یونانی لگے تیرے برائے تب صلیبیوں کو معلوم ہوا کہ بغیر معمولی حالات کے استعمال کے تسخیر شہر ناممکن ہے۔ اس خیال سے انہوں نے مینار ہائے متحرک اور قلعہ شکن اربابے تیار کرنے شروع کئے۔ چند میل کے فاصلے پر ایک جنگل تھا وہاں سے لکڑی کاٹ کر لائی گئی اور عینو کے ملاحوں کی ایک جماعت جو بندرگاہیافہ میں موجود تھی کام کرنے کیلئے مجبور کی گئی۔ اس جماعت سے انہیں ان آلات حرب کے استعمال میں بڑی مدد ملی۔

پہلے دن کا حملہ بری طرح ناکام رہا۔ دوسرے دن اور زیادہ جوش و خروش شروع ہوا۔ دوپہر تک مساوی حالت رہی، نتیجہ کی صورت مشتہر رہی۔ مسلمان نہایت بہادری سے جان توڑ کر لڑے۔ محاربین صلیب قریب قریب تھکان سے بے دم ہو گئے اور اس پر آمادہ ہو گئے تھے کہ اپنے مقصد کی ناکامیابی پر صبر کر لیں۔ اس نازک وقت پر وہی پادریوں کا فریب اور کرکام آیا اور انہوں نے ایک لشکری کو کوہ زیتون پر کھڑا کر دیا جس سے صلیبیوں کے اندر ایک جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد شہر میں صلیبی گھنٹے میں کامیاب ہو گئے۔

عیسائی مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کا داخلہ ایسا ہوا جیسا کہ گناہوں سے منفعل اور توبہ کرنے والوں کی عبادت گزاروں یا زائرین مقام مقدس کا ہوتا ہے، بلکہ دیوبھوت بھی ان سے زیادہ بے رحم نہ ہوں گے، جنہوں نے نہ تو کسی کو چھوڑا اور نہ کسی میں تمیز کی۔ باشندگان شہر بھاگنے لگے، مگر اس گھبراہٹ میں جس سپاہی کے سامنے پڑتے اس کی سیر نہ ہونے والی شمشیر کا شکار ہو جاتے۔ بہت جلد قتل عام شروع ہو گیا۔ مسلمان سڑکوں پر ملے یا مکانوں میں ہر جگہ تہ تیغ کئے گئے۔ یروٹلم میں مفتوحین کیلئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ بعض لوگوں کی بھیڑ کی بھیڑ محلات شاہی بنیادوں اور سب سے زیادہ مسجدوں کی طرف دوڑی۔ لیکن مسجدینار محلات سب کے سب مسمار کر کے زمین سے لگا دیئے گئے۔

سوائے مرنے والوں کی چیخ و پکار، آہ و زاری کی آوازوں کے کوئی اور آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ فاتحین ان لوگوں کے تعاقب میں جو بے سودان سے بھاگتے تھے۔ لاشوں کو روندتے جاتے تھے۔ شاہراہیں یا دونوں طرف درختوں کی صفیں استادہ تھیں۔ لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ بلا مبالغہ خون کا سیلاب سڑکوں پر جاری تھا۔ بہر حال صلیبیوں کے ہاتھوں یروٹلم شہر فتح ہوا اور شہر پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔

یروٹلم کے سقوط اور وہاں کے مسلمانوں کے قتل عام کی خبر تمام عالم اسلام میں انتہائی دکھ کے ساتھ ہی گئی۔ یروٹلم کے ایک عالم قاضی ابوسعید حردی کچھ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ قح نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے بغداد پہنچ کر عباسی خلیفہ کے دربار میں صلیبیوں کے ہولناک مظالم بیان کئے تو ہر طرف نالہ اور آہ و زاری کی آوازیں آنے لگیں۔

اسی طرح دمشق کے قاضی نے بغداد پہنچ کر اپنی ڈاڑھی کے بال نوچے ہوئے مسلمانوں کی

مظلوٰی کی دردناک داستان سنائی تو خلیفہ اور اس کے سب درباری زار و قطار رونے لگے۔ مسلمان شعراء نے دردناک مرعے لکھے جن میں مظفر ابی وردی کا مرثیہ بہت مشہور ہوا۔

اس زمانے میں سلجوقیوں کے جانشین سلطان برکیاروق اور سلطان محمد باہمی جنگ میں مشغول تھے۔ عباسی خلیفہ نے ان کو خدا اور رسول کا واسطہ دے کر متحد ہو جانے کو لکھا۔ لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مصر کی فاطمی خلافت کو یروٹلم کے ہاتھ سے نکل جانے کا صدمہ تو بہت ہوا، لیکن آنسو بہانے اور دعائیں مانگنے کے سوا اس سے کچھ بن نہ پڑا۔ غرض مسلمانوں کے اور ضعف و انفراتق کی بدولت صلیبیوں کو ارض شام اور فلسطین میں قدم جمانے کا خوب موقع مل گیا۔

گارڈفرے جسے یروٹلم کا بادشاہ مقرر کیا گیا تھا، زیادہ عرصہ حکومت کرنا اسے نصیب نہ ہوا۔ ایک سال بعد اسے پیغام اجل آ گیا، اب صلیبیوں نے گارڈفرے کے چھوٹے بھائی بالڈون اول کو ایڈیسیہ سے بلا کر اس کا جانشین مقرر کیا۔ گارڈفرے یروٹلم کا بادشاہ بننے کے بعد اپنی ریاست میں کوئی توسیع نہ کر سکا۔ بالڈون جو اس کا چھوٹا بھائی تھا اس نے بادشاہ بننے ہی ملک گیری کی مہم کا آغاز کر دیا اور اگلے چند سالوں کے اندر حیفہ، بیسان، ارسوف، کنیساریہ، صور، حکہ، سیدون، طرابلس اور بیروت کو فتح کر لیا۔

اس زمانے میں بحر روم کے یہ ساحلی شہر بڑے خوشحال اور بارونق تھے۔ صلیبیوں نے ان پر قبضہ کر کے وہاں کے مسلمان باشندوں کو بڑی بے دردی سے ذبح کر ڈالا اور ان کے گھر اور معبد جلا ڈالے۔ ان بد قسمت شہروں میں طرابلس کا شہر خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

میں ہزار کی آبادی کے اس شہر میں، بنو عمار کی حکومت تھی، جو علم و ہنر کے بڑے سرپرست تھے۔ شہر میں کئی اعلیٰ درجے کے کتب خانے اور مدارس تھے۔ بلور نما کاغذ، اون، ریشم اور کتان اس کی خاص صنعتیں تھیں۔ جو ہزار ہا کارگیروں کا ذریعہ معاش تھی۔ مشہور ایرانی سیاح ناصر خسرو اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے۔

”طرابلس ایک خوبصورت شہر ہے۔ یہ نہایت سرسبز شادوات کھیتوں اور باغوں سے گھرا ہوا ہے۔ انگوڑ کی بیلین، نارنگی سکتہ، کھجور اور دوسرے پھل دار درختوں کے باغ عجیب بہار دیتے ہیں۔ اس شہر میں اس قدر رونق ہے کہ کھوے سے کھوا جھلتا ہے۔ چار پانچ یہاں تک کہ چھ منزلہ مکانات بھی بنے ہوئے ہیں۔ دوکانیں نہایت شاندار ہیں اور ہر قسم کے سامان سے بھری ہوئی

ہیں۔ منڈیوں میں دنیا جہاں کی چیزوں کی وہ بہتات ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ چوکوں اور گلیوں میں فوارے جاری ہیں۔ شہر کی جامع مسجد سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ بڑی وسیع اور شاندار ہے۔ یہاں کا غنہ بنانے کا ایک کارخانہ ہے جس میں نہایت نفیس کاغذ تیار ہوتا ہے۔“

صلیبیوں نے طویل محاصرے کے بعد آ خرین گیارہ سو نو میں طرابلس کو فتح کر لیا اور پھر جو کچھ انہوں نے شہر کے اندر کیا وہ تہذیب انسانی کے دامن پر ایک بدنما داغ ہے۔ مسلمان آبادی کو تہ تیغ کرنے کے ساتھ انہوں نے طرابلس کا وہ عظیم الشان کتب خانہ بھی جلا دیا جس کی تمام مشرق میں شہرت تھی۔ مختلف روایتوں کے مطابق اس کتب خانے میں ایک لاکھ سے تین لاکھ تک نادر اور نایاب کتابیں تھیں۔

مورخ مچاؤ اس دردناک سانحہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

”طرابلس کے مشہور کتب خانوں میں یونانیوں، مصریوں اور عربوں، ایرانیوں کے قدیم علوم کے ہزاروں قابل قدر یادگاریں تھیں۔ ایک سو آدمی ان کی نقل پر ملازم تھے۔ قاضی (مہتمم کتب خانہ) تمام ممالک میں نایاب اور قیمتی کتابیں خریدنے کیلئے آدمی بھیجتا رہتا تھا۔ شہر کی فتح کے بعد ایک پادری کی سرکردگی میں صلیبیوں نے اس عظیم کتب خانے کو نذر آتش کر دیا۔“

مشہور مورخوں نے بڑے درد کے ساتھ اس ناقابل تلافی نقصان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ہمارے ہم عصر مغربی مورخین اس کا ذکر نہیں کرتے۔ ان کی خاموشی سے معلوم ہوتا ہے کہ فرنگی سپاہیوں نے انتہا درجہ کی لاپرواہی سے اس آگ کو دیکھا جس نے ایک لاکھ کتابوں کے قیمتی ذخیرے کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ مشہور مورخ مچاؤ کے الفاظ ہیں۔

طرابلس کے محل وقوع اور اہمیت کے پیش نظر صلیبیوں نے وہاں اپنی چوتھی ریاست قائم کی۔ اب ایلیسیر، اطالیکہ، یروشلیم اور طرابلس ارض مشرق میں عیسائی ٹوٹ کا مرکز بن گئے۔ اس کے علاوہ ان گنت چھوٹی چھوٹی ریاستیں انہوں نے قائم کر لیں اور ان ریاستوں کے لہرائی حکمران مسلمانوں پر مظالم کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ گو یہ سب ریاستیں مقامی طور پر خود مختار تھیں، لیکن ان پر یروشلیم کو بالادستی حاصل تھی اور وہ رومی طور پر یروشلیم کے بادشاہ کے ماتحت تصور ہوتی تھیں۔

جلال الدین، جمال الدین، بدر الدین تینوں ایک روز اپنے دیوان خانے میں بیٹھے ہوئے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ جمال الدین کی بیوی زمران بھی وہیں موجود تھی، جبکہ بدر الدین کی بیوی زورا بھی ان کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اپنے بیٹے کو ساتھ والی نشست پر بٹھائے اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے تھی۔

ایسے میں حویلی میں کام کرنے والا ایک شخص دیوان خانے کے دروازے پر نمودار ہوا اور بوڑھے جلال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مالک کچھ مہمان آئے ہیں اور آپ لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں۔“

جلال الدین اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا، اس پر ضعف اور بڑھاپے نے زور کر لیا تھا، بمشکل چلتا تھا۔ اس شخص کے اس انکشاف پر جلال الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کا بیٹا اور بدر الدین کا باپ جمال الدین بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ آنے والے کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟“

اس پر اس شخص نے پہلے ایک گہری نگاہ بدر الدین کے قریب ہی بیٹھی زورا پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”آنے والے ہماری بیٹی زورا کے رشتہ دار ہیں۔“

”زورا کے رشتہ دار۔“ تعجب اور حیرت میں زمران نے کہا تھا۔

اس پر وہ شخص کہنے لگا۔

”جی وہ زورا کے رشتہ دار ہیں۔ ان میں زورا خاتون کی ماں سارون، اس کا بھائی تھوروس

اور تھوروس کی بیوی میکیل ہیں۔“

یہ الفاظ سن کر زور کارنگ پیلا ہو گیا تھا، پریشان اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اس کی اس کیفیت! بدرالدین بڑی گہری نگاہ سے جائزہ لے رہا تھا۔ چنانچہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا.....

”تم پریشان کیوں ہو رہی ہو تم میری بیوی ہو تم لاوارث، اکیلی اور بے آسرا تو نہیں ہو کوئی تمہاری طرف میلی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ جس کسی نے بھی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی وہ اپنی جان اپنی روح اپنی زندگی سے محروم ہو جائے گا۔“

بدرالدین کے اس رویے اور اس کے ان الفاظ پر زور کو کچھ تقویت ہوئی، پھر بدرالدین اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

”میں انہیں خود اپنے ساتھ لے کر آتا ہوں۔“

اس پر زور ایک دم بھرنے کے انداز میں اٹھی۔ بدرالدین کا بازو پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا کہنے لگی۔

”آپ کو اس طرح جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یہیں بیٹھیں۔“ پھر جس شخص نے یہ اطلاع دی اسے مخاطب کر کے زور کہنے لگی۔

”آنے والوں کو اندر دیوان خانے میں بھیج دو۔“ اس پردہ شخص وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ دیوان خانے میں تھوروس اس کی ماں ساروق اور بیوی میکمل داخل ہوئیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے سب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر زور کی عجیب حالت تھی۔ بڑے کرب بڑے تجسس میں پڑی ہوئی تھی۔ اس حالت میں تھی کہ اس کی ماں ساروق تیزی سے آگے بڑھی اس نے زور کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ کئی بار اس کا منہ اس کی پیشانی چوٹی والہانہ انداز میں کئی بار اسے گلے لگایا، پھر زور کے بیٹے کو کچھ دیر چوتی رہی، پھر کہنے لگی۔

”میں جانتی ہوں یہ تیرا بیٹا ہے، پر اس کا نام تو نے کیا رکھا ہے؟“

اپنی ماں کے اس رویے پر زور اخوش ہو گئی تھی، کہنے لگی۔

”اماں آپ کا بہت شکریہ آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ اس طرح میرے ساتھ پیش

آئیں۔ یہ میرا بیٹا ہے اس کا نام کبیر الدین ہے۔“

زور ابھی تک کہنے پائی تھی کہ اتنی دیر تک تھوروس آگے بڑھا۔ اس نے زور کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔

”تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیرا بھائی تیرے ساتھ ہے اور میں جانتا ہوں تو نے بدرالدین کو پسند کیا تھا۔ لہذا اگر تو نے بدرالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے تو اس شادی پر نہ ہم تم سے ناراض ہیں اور نہ ہمیں تم سے کوئی گلہ شکوہ ہے۔“

زور کے ساتھ باقی سب لوگ بھی مسکرا دیئے تھے، پھر میکمل آگے بڑھی اور بڑے جوش انداز میں وہ اور زور ایک دوسرے سے لپٹ گئی تھیں۔

شاید وہ دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے جانتی تھیں۔ اس کے بعد سب بیٹھ گئے، کچھ دیر خاموش رہی، پھر تھوروس بدرالدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بدرالدین میرے عزیز بھائی! اب تمہارے ساتھ میرا ایک رشتہ ہے۔ تم میرے بہنوئی ہو میری بہن زور کے شوہر ہو۔ اس موقع پر میں تم سے اپنی ایک غلطی پر بھی معذرت خواہ ہوں۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ تم لوگوں نے ایڈیسہ شہر کو اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ جب شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ میں صلیبیوں کو ایڈیسہ آنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ یہ میری بہت بڑی غلطی بلکہ زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اور مجھے ایسا کرنے کی سزا بھی خوب ملی۔“

”میں نے بالڈون کو ادھر منگوانا چاہتا تھا کہ وہ میری مدد کرے گا۔ لیکن مدد کرنے کے بجائے الٹا اس نے مجھے میرے ہی شہر کی حکمرانی سے محروم کر کے ایک طرح سے شہر بدر کر دیا، اب میں بھی تمہاری طرح یہاں سے چند میل دور دریائے اورنٹس کے قریب ایک حویلی لے کر اس میں آباد ہو چکا ہوں۔ تم لوگوں نے اچھا کیا یہاں اپنی آبائی جائیداد کی طرف آ گئے۔ اس لئے کہ ایڈیسہ کا حکمران بننے کے بعد بالڈون نے آس پاس کے مسلمانوں پر جبر و تشدد کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے دولت سمیٹنے کیلئے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے اور یہ سب کچھ میری غلطی اور میری حماقت کی وجہ سے ہوا۔“

تھوروس جب خاموش ہوا تب ساروق اپنی بیٹی زور کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی تیری حالت دیکھتے ہوئے میں یہ اندازہ لگا رہی ہوں کہ تو یہاں بہت خوش ہے۔“ اس

پر زور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں میں یہاں کتنی خوش ہوں اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ میرے شوہر میرے

سر میری ساس میرے شوہر کے دادا سب مجھ پر ایسے ہی مہربان ہیں جیسے ایک ماں اپنے بچوں

مہربانی کرتی ہے۔ سب میرا بہترین خیال رکھتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر اماں میرے شوہر بدرالدین.....“

یہاں تک کہتے کہتے زورا کو خاموش ہو جانا پڑا۔ شاید شرم کے باعث وہ جو الفاظ ادا کرنا چاہتی تھی نہ کر سکی۔ اس کی اس حالت پر اس کی ماں ساروق مسکرا دی کہنے لگی۔

”میں جانتی ہوں اگر تم بدرالدین کو پسند کرتی رہو تو وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ اس بنا پر وہ تمہارا بہترین خیال رکھتا ہوگا۔“

ساروق جب خاموش ہوئی، تب جمال الدین بولا اور اپنے بیٹے بدرالدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بدرالدین میرے بیٹے! اٹھو مہمانوں کے کھانے کا اہتمام کرو! ان سے بڑھ کر ہمارے قریبی رشتہ دار نہ ہیں، نہ ہوں گے، نہ آئیں گے۔ بیٹے بہترین میز دہن کرو اور کھانے کا اہتمام کرو۔ جتنے دن یہ یہاں قیام کریں گے ان کی بہترین ضیافت کا اہتمام کیا جائے گا۔“

جمال الدین کے ان الفاظ پر سب خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی بدرالدین اٹھ کر باہر نکل گیا۔ زمران اور زورا بھی اس کے ساتھ چل دی تھیں۔ اس موقع پر ساروق بھی ان کے ساتھ ہوئی تھی۔

چنانچہ ان حالات میں تھوروس، ساروق اور میکمل نے چند روز تک وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے تھے۔ اب وقفے وقفے سے ان کا وہاں آنا جانا شروع ہو گیا تھا اور اکثر بیشتر زورا، زمران، بدرالدین اور جمال الدین بھی تھوروس کے ہاں چلے جایا کرتے تھے۔ اس طرح دونوں خاندانوں کے اندر دشمنی کے بجائے پیارا اور محبت کا ایک رشتہ استوار ہو گیا تھا۔



وقت گزرتا چلا گیا۔ جلال الدین فوت ہو گیا۔ بدرالدین اور زورا کے ہاں تین بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام کبیر الدین، اس سے چھوٹے کا نام مجدد الدین اور سب سے چھوٹے کا نام زین الدین تھا۔ دوسری طرف تھوروس اور میکمل کے ہاں دو بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام یوقاس اور رادعا اور بیٹیوں کے نام سبتہ اور سرایا تھے۔

کبیر الدین اور مجدد الدین نے مقامی طور پر ہی اپنی حربی تربیت مکمل کر لی تھی، جبکہ زین

الدین کو اس کے کہنے پر اس کے باپ بدرالدین اور دادا جمال الدین نے دینی اور حربی تربیت کیلئے حلب شہر بھیج دیا تھا۔

ایک بار جب تھوروس، اس کی ماں ساروق اور میکمل اپنے بچوں کے ساتھ زورا کے ہاں آئے تو یہ سب بڑے بڑے جوش انداز میں آپس میں ملے۔ خصوصیت کے ساتھ زورانے اپنے بھائی تھوروس کے چاروں بچوں یعنی یوقاس، رادعا، سبتہ اور سرایا کو جی بھر کر پیار کیا۔ سب ملنے کے بعد جب دیوان خانے میں بیٹھ گئے، تب کچھ دیر تک ساروق اپنے پہلو میں بیٹھی ہوئی زورا پر گہری نگاہ ڈالتی رہی، پھر ادھر ادھر دیکھا یہاں تک کہ اپنی بیٹی زورا کو مخاطب کر کے بڑی محبت میں کہنے لگی۔

”زورا میری بچی! میں دیکھتی ہوں تیرے دونوں بڑے بیٹے کبیر الدین، مجدد الدین یہیں ہیں۔ یہ اپنے چچنے سے نکل کر جوانی میں داخل ہونے کے بعد خوب قد آور اور کڑیل ثابت ہوئے ہیں، لیکن تیرا چھوٹا بیٹا اپنے بھائیوں میں زیادہ خوبصورت، زیادہ کڑیل اور قد آور جوان ہے۔ میری بیٹی تو نے اسے کہاں بھیجا ہوا ہے۔ وہ ہم سے ملنے نہیں آیا۔“

زورا کچھ اداس ہو گئی تھی کہنے لگی۔

”اماں آپ کا کہنا درست ہے اماں وہ مجھے بھی سب سے زیادہ پیارا اور عزیز ہے۔ لیکن وہ

گھر نہیں ہے۔ اپنی دینی اور حربی تربیت کیلئے وہ حلب جا چکا ہے۔“

اس پر شکوہ بھری آواز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے ساروق کہنے لگی۔

”وہی تیرا کام کا بیٹا تھا اور اسے تو نے گھر سے نکال دیا ہے۔“

اس پر زورا کہنے لگی۔

”ماں گھر سے نہیں نکالا جب وہ لوٹے گا اپنی تربیت مکمل کر لے گا تو اماں میں اور تم ہی نہیں

بہت سے لوگ اس کی ذات پر فخر کریں گے۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس دوران زورانے پہلے ایک گہری نگاہ اپنے بھائی تھوروس کی بیوی

میکمل پر ڈالی، پھر اس کی نگاہیں باری باری میکمل کی دونوں بیٹیوں سبتہ اور سرایا پر جم گئیں۔ سرایا

بڑی اور سبتہ چھوٹی تھیں۔ سرایا بھی بڑی خوبصورت اور انتہا درجہ کی پرکشش تھی۔ لیکن جہاں تک

سبتہ کا تعلق تھا تو اس کا جواب نہیں تھا۔ وہ ڈالیوں پر چبکتے شگوفوں، صدف صدف گوہر گل رنگ

مردوں جیسی حسین، امیدوں کی شبنم، خواہشوں کے گلابوں، وصال وعدوں جیسی خوبصورت تھی۔

اس کی سحر آفریں نگاہوں میں نشے کی گھلاوٹ، مہتاب چہرے پر ابریشمی لہریں، اس کے اٹھنے بیٹھنے میں لذتوں و نیکوئی کی مستی، زمزموں کی ساحری تھی۔ اس کی گنگو میں منزلوں کا قرب، اس کے شہاب گلاب رنگ چہرے پر اداؤں کے بکھرے نیلم اس کی گرم سانسوں کی خوشبو، مہکتے خوابوں کی صندلی کشش کا ساں باندھتی تھی۔ اس کے شفق رنگ بدن، پیشانی کے نور چاندنی کی نرم لہر سے چہرے اور سرخ ہونٹوں کے سرور نے اسے شہابی رنگوں کی لالہ کاری کا طوفان بنا کر رکھ دیا تھا۔

زوراً کچھ دیر تک دونوں بہنوں کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیتی رہی، پھر اپنی ماں ساروق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اماں کیا ایسا ممکن نہیں کہ میرے بڑے بیٹے کبیر الدین کو آپ سرایا کا اور میرے سب سے چھوٹے بیٹے زین الدین کو سیدہ کا رشتہ دے دیں۔ اماں اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گی۔ یہ دونوں بچیاں مجھے بے حد پسند ہیں۔ اماں آپ اس سلسلے میں بھائی اور میکمل سے بات کیجئے گا۔“

میکمل بھی کیونکہ قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ لہذا اس نے بھی یہ گفتگوں لی تھی۔ اس پر وہ فوراً زوراً کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”زوراً میری بہن اس سلسلے میں مجھے کوئی اعتراض اور کوئی احتجاج نہیں ہے۔ کبیر الدین مجدد الدین اور زین الدین بھی ہمارے اپنے ہی بیٹے ہیں۔ تم جس کیلئے بھی میری جس بیٹی کا رشتہ مانگو وہ ہمارے لئے قبول ہوگا۔ پر یہ تو بتاؤ تم نے مجدد الدین کیلئے کچھ نہیں کہا۔“

اس پر زوراً مسکرائی اور کہنے لگی۔

”میکمل میری بہن مجدد الدین کیلئے یہاں مقامی طور پر ایک رشتہ ہماری نگاہ میں ہے۔ وہ لوگ خود مجدد الدین کو رشتہ دینا چاہتے ہیں۔ لہذا اس سے متعلق مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زوراً کی پھر میکمل کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میکمل میری بہن تم اور اماں کوئی مناسب موقع دیکھ کر اس موضوع پر بھائی سے بات کرنا۔“ اس پر میکمل مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”جہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ واپس جا کر تمہارے بھائی سے اس موضوع پر گفتگو کروں گی۔“ میکمل کے ان الفاظ پر زوراً مطمئن و خوش ہو گئی تھی۔ تھوڑے سا روق، میکمل

یوٹاس، راؤنڈ سببہ اور سرایا نے دودن وہاں قیام کیا، اس کے بعد وہ واپس چلے گئے تھے۔



یروٹلم کے سابق حکمران جودو بھائی تھے اور سلطان ملک شاہ سلجوقی کے ایک سالار اور توتق کے بیٹے تھے۔ دونوں اس وقت یروٹلم کی حکمرانی سے محروم ہو گئے تھے۔ جب مصر کے فاطمی حکمران نے غداروں سے کام لیتے ہوئے صلیبیوں کی آمد سے پہلے یروٹلم پر حملہ کر دیا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ صلیبیوں کے مقابلے میں یروٹلم کے حکمران بھائیوں نجم الدین الغازی اور سکمان کی مدد کرتا، ان پر حملہ آور ہو کر ان سے اس نے یروٹلم چھین لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نجم الدین الغازی شام کے علاقوں میں کچھ عرصہ دھکے کھاتا رہا اور سکمان عراق کی سرزمینوں میں سرگرداں رہا۔

نجم الدین الغازی ایک روز شیزر شہر کے نواح میں ایک سرارے میں قیام کئے ہوئے تھا کہ سرارے کے خدام میں سے ایک اس کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ سے ایک شخص ملنا چاہتا ہے، نام اپنا سکمان بتاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہ آپ کا بھائی ہے۔“

سکمان کا نام سن کر نجم الدین الغازی چونکا تھا۔ لہذا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اسے فی الفور میرے پاس لے کر آؤ وہ میرا بھائی ہی ہے۔“

اس پر سرارے کا وہ آدمی باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا۔ اس کے ساتھ نجم الدین الغازی کا بھائی سکمان بھی تھا۔ دونوں بھائی پڑ جوش انداز میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ نجم الدین نے سکمان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپنے سامنے بٹھایا، پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دکھ بھرے انداز میں سکمان بول اٹھا۔

”میرے عزیز بھائی! ہم دونوں ایک عرصے بعد ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔ میں ایک عرصہ عراق کے مختلف شہروں میں سرگرداں رہا کہ کوئی جمعیت اکٹھی کروں اور ایک ایسا لشکر تیار ہو جائے جس کی مدد سے ہم صلیبیوں پر حملہ آور ہو کر اپنے کھوئے ہوئے وقار اور مسلمانوں کی عزت کو بحال کر سکیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سکمان رکا، پھر کہنے لگا۔

”لیکن بد قسمتی سے مجھے اس سلسلے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ تاہم وہ آدمی اس کام

”من میرے بھائی! دریائے اورنٹس کے کنارے تم جانتے ہو شیزر نام کا قلعہ اور شہر بہت اہم ہیں۔ اس شہر اور قلعے کے بالکل سامنے دریائے اورنٹس ہی کے کنارے بلند بالاعودی چٹانوں جیسے کوہستانی سلسلے ہیں جن پر چڑھنا آسان نہیں ہے۔ ان کوہستانی سلسلوں کے اندر ایک بہت بڑی اور وسیع وادی ہے جس کی اندر ان گنت بستیاں آباد کی جاسکتی ہیں اور جہاں ہزاروں نہیں لاکھوں انسان بڑے محفوظ طریقے سے رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ اس وادی کے ایک طرف اور کوہستانی سلسلوں کی ڈھلوانوں پر درختوں اور گھاس کی فراوانی ہے جس سے ہزاروں لاکھوں جانور بڑی آسانی سے پالے جاسکتے ہیں اور کوہستانی سلسلوں کے دامن میں پھل دار درختوں کی بھی ایسی بہتات ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی محفوظ ٹھکانہ ہو چنانچہ میں نے یہاں کے کچھ سرکردہ لوگوں سے بات کی ان کی بڑی مہربانی انہوں نے مجھے بھاری رقوم بھی مہیا کی اور ساتھ ہی انہوں نے اس کام میں میرا ساتھ دیا جس کی بناء پر میں اس وادی کے اندر کچھ مسلح جوانوں کو بھی اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں اور اب میں نے ان کی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ آج میں ان علاقوں کی طرف آیا تھا۔ یہاں سے بھی میں نے بہت سے لشکریوں کو نامزد کر کے اپنی اس وادی کی طرف بھجوایا ہے، جہاں وہ بھی زیر تربیت رہیں گے۔ میں چاہتا ہوں جب ہمارے پاس ایک خاصا مضبوط اور مستحکم لشکر ہو جائے تو پھر اس کوہستانی سلسلے کے محفوظ حصے سے نکل کر ہم سب سے پہلے ان نصرانی نائٹوں اور ڈیوکوں کو اپنا ہدف بنانا شروع کریں، جو مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر نہ صرف لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی بستیاں اجاڑ کر آگ لگاتے چلے جاتے ہیں۔“

میرے بھائی! ان علاقوں میں چار پانچ عیسائی قوتیں بڑی اہم ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی چھوٹی بڑی ریاستیں قائم کر لی ہیں اور وہاں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کے خاصے بڑے لشکر ہیں۔ مسلمانوں کو یہاں چونکہ کوئی قوت نہیں۔ لہذا کوئی ان کا دفاع کرنے والا نہیں۔ ان علاقوں میں زیادہ تر جو نصرانی سالار حملہ آور ہوتے ہیں ان میں رینالڈس کاؤنٹ آف گرے، کاؤنٹ آف سینٹ پال اور اسٹس بڑے اہم ہیں۔ یہاں مسلمانوں کی ایک ایسی قوت ہے کہ میں اس سے بھی اب رابطہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم تھوڑی دیر تک نہ آتے تو میں یہاں سے روانہ ہو چکا ہوتا اور ان سے ملتا۔“

کیلئے بڑی سرگرمی سے حرکت میں آچکے ہیں۔ ایک یروٹلم کے سابق قاضی اور دوسرے دمشق کے قاضی دونوں نے مختلف مسلمانوں کے پاس جا کر انہیں حمیت اور غیرت دلاتے ہوئے صلیبیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی التماس کرنے کا عہد کر لیا ہے۔

میرے بھائی! حالات عجیب و غریب رخ اختیار کر رہے ہیں۔ نصرانیوں کی جہاں چار بڑی ملکیتیں قائم ہو چکی ہیں وہاں یورپ کے ان گنت نائٹوں اور ڈیوکوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر کے اور ان کا حکمران بن کر آس پاس کے مسلمانوں کے علاقوں کو اپنا ہدف بنانا شروع کر دیا ہے اور یہ معاملہ مسلمانوں کیلئے بڑا نقصان دہ ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سکمان جب خاموش ہوا، تب نجم الدین الغازی تھوڑی دیر تک دکھ بھرے انداز میں گردن جھکائے خاموش رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی گردن سیدھی کی اور اپنے بھائی سکمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سکمان میرے عزیز! تمہارا کہنا درست ہے۔ تم سے علیحدہ ہونے کے بعد اتنے برس میں بھی خاموشی سے نہیں بیٹھا۔ میں بھی ادھر ادھر سرگرداں رہا کہ مسلمانوں کی کوئی جمعیت اکٹھی کروں اور اگر ہم نصرانیوں کی ان چار ملکیتوں پر ضرب نہیں لگا سکتے تو کم از کم شیزر اور حمات شہر کے نواح سے جو صلیبی اٹھ کر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں انہی کو روک سکیں۔ ان کے حملوں کا سدباب کر سکیں۔ ان علاقوں کی حالت بھی ان دنوں اچھی نہیں ہے۔ مختلف نصرانی قوتیں افامیہ شیزر اور حمات کے مسلمانوں کو اپنا ہدف بنا رہی ہیں اور ان کی راہ روکنے اور ان کی کارروائیوں پر ضرب لگانے کیلئے میرے بھائی مجھے کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔“

نجم الدین الغازی کے ان الفاظ پر سکمان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی تھی کہنے لگا۔

”میرے بھائی کسی کامیابی ذرا مجھے بھی تفصیل سے سناؤ کہ میں سنو کہ تم نے کیا کیا ہے۔“

اس پر نجم الدین الغازی نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کہنے لگا۔

”تم سے جدا ہونے کے بعد کچھ عرصہ نو میں شام کے مختلف علاقوں میں سرگرداں رہا۔ اس میں میرے کئی برس لگ گئے پھر میں نے ایک ایسا ٹھکانہ تلاش کر لیا، جو بڑا محفوظ ہے۔ جس سے حملہ آوروں کی ضرب سے بچا جاسکتا ہے۔ جہاں سے نکل کر دشمن پر بڑی آسانی سے ضرب لگائی جاسکتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نجم الدین الغازی جب خاموش ہوا، تب سکمان کہنے لگا۔
 ”میرے عزیز بھائی! ان علاقوں میں کون سی قوت ہے جس سے تم ملنا چاہتے ہو جو
 مسلمانوں کے استحکام کیلئے کام دے سکتی ہے۔“
 اس پر مسکراتے ہوئے الغازی کہنے لگا۔

”بھائی شیزر شہر کا نام تم نے سن رکھا ہے۔ یہ شہر اور اس کا قلعہ بڑے محفوظ ہیں۔ اس شہر اور
 قلعے کا حکمران تاج الدولہ ابن ابی عساکر ہے۔ یہ مسلم امہ اور عام مسلمانوں کیلئے بڑی ہمدردی اور
 دردمندی رکھنے والا ہے۔ کہتے ہیں جس روز بیت المقدس فتح ہونے کی خبر ان علاقوں میں پہنچی یہی
 ابن عساکر ساری رات روتا رہا تھا۔ اچھا ہوا تم آگئے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ دونوں بھائی یہاں
 سے پہلے شیزر شہر کے حاکم تاج الدین ابن ابی عساکر کی طرف جاتے ہیں جسے لوگ زیادہ تر ابن
 ابی عساکر ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں اس سے بھی ایک بہت بڑا کام لینا چاہتا ہوں اور
 مجھے امید ہے کہ وہ میری بات مان جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نجم الدین الغازی جب خاموش ہوا، تب سکمان کی آنکھوں میں
 چمک پیدا ہوئی اور وہ الغازی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”نجم الدین میرے عزیز بھائی! میرے پاس بھی کچھ اچھی خبریں ہیں۔ بھائی تم سے علیحدہ
 ہونے کے بعد میں بھی عراق کے مختلف شہروں میں دھکے کھاتا رہا اور مسلمانوں کو حملہ آور نصرانیوں
 کے خلاف ابھارتا رہا۔ اس دوران میری تین اہم شخصیتوں سے ملاقات ہوئی اور یہ شخصیتیں آنے
 والے دور میں ہمارے بہترین کام آسکتی ہیں۔“

”میرے عزیز بھائی! پہلے تو موصل کا امیر کر بوغا ہے۔ وہ عالم اسلام اور مسلمانوں کیلئے
 ہمدردی اور محبت رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی بڑا لشکر تیار ہو، جسے حرکت میں لاتے ہوئے
 نصرانیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں اپنے علاقوں سے مار بھاگایا جائے۔“

اس کے علاوہ دو اور بڑی اہم شخصیتیں ہیں ایک عماد الدین اور زین الدین میں بڑے اچھے اور
 والا ایک نوجوان زین الدین ہے۔ ان دونوں عماد الدین اور زین الدین میں بڑے اچھے اور
 بہترین مراسم ہیں اور امیر کر بوغا بھی ان دونوں پر اپنی جان ٹاٹا کرتا ہے۔ زین الدین شیزر شہر کے
 نواحی علاقوں کا ہی رہنے والا ہے اور ان دونوں وہ حلب شہر کے ایک کتب میں دینی اور حربی تعلیم

حاصل کر رہا ہے۔ بڑا زندہ دل، بڑا قد آور، کڑیل جسم والا جوان ہے۔ میں اس سے کئی ملاقاتیں
 کر چکا ہوں۔ تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی تیغ زنی اور دوسرے حربی امور میں
 ہنرمندی ہی کی وجہ سے اس کی ملاقات امیر کر بوغا اور عماد الدین کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ یہ تینوں
 مل کر یہی اب صلیبیوں کے خلاف حرکت میں آنے کا سوچ رہے ہیں۔ عماد الدین، زین الدین کو
 اپنا چھوٹا بھائی سمجھنے لگا ہے اور ہر معاملے میں زین الدین پر بھروسہ اور اعتماد کرنے لگا ہے، بلکہ امیر
 کر بوغا اور عماد الدین دونوں چند دن کیلئے زین الدین کو حلب سے موصل بھی لے گئے تھے اور
 وہاں وہ ان دونوں کے ہاں چند دن ایک معزز مہمان کی حیثیت سے رہا۔ میرے خیال میں چند روز
 تک وہ بھی اپنی دینی اور حربی تربیت سے فارغ ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں اسے ہی ہم یہاں
 لائیں۔ اگر اسے لشکر کے کسی حصے کا سالار بنا کر کوئی مہم سونپی جائے تو بھائی میرا دل کہتا ہے وہ ہر مہم
 میں کامیاب اور کامران نکلنے کی جرات اور جسارت رکھتا ہے۔“

سکمان جب خاموش ہوا، تب نجم الدین الغازی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے بھائی جیسا تو چاہ رہا ہے ایسا ہی ہوگا۔ میرے خیال میں تو نے ابھی تک کھانا نہیں
 کھایا ہوگا۔ میں پہلے تیرے لئے کھانا منگواتا ہوں پھر اپنی مہم کی طرف نکلتے ہیں۔“

اس پر سکمان چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

”سراے میں داخل ہونے کے بعد میں کھانا کھا چکا ہوں اور کھانا کھانے کے بعد ہی مجھے پتا
 چلا کہ آپ نے اس سراے میں قیام کر رکھا ہے۔“

اس پر الغازی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”اگر یہ بات ہے تو آؤ پھر چلیں۔“ اس
 کے ساتھ ہی دونوں بھائی اٹھ کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر بعد وہ اس سراے سے نکل کر شیزر شہر اور
 قلعے کا رخ کر رہے تھے۔



سے گزرتا پڑتا تھا اور شہر کی حفاظت کیلئے شہر کا لشکر جب چاہتا اس پل کو ہٹا کر اور غار نما دروازے کو بند کر کے شہر کو محفوظ کر دیا کرتا تھا۔

دریائے اورنٹس کے پل کو عبور کرنے کے بعد نجم الدین الغازی اور اس کا بھائی سکمان جب دونوں اس پل کے پاس گئے جسے عبور کر کے شہر میں داخل ہوا جاتا تھا، تب وہاں کھڑے محافظوں نے انہیں روکا اور ان کا تعارف چاہا۔

ان کے پوچھنے پر انہیں جواب دیتے ہوئے نجم الدین الغازی کہنے لگا۔

”میرا نام نجم الدین الغازی ہے۔ میرے ساتھ میرا بھائی سکمان ہے اور ہم دونوں سلطان ملک شاہ سلجوقی کے سالار اور قی کے بیٹے ہیں۔“

”اس کے علاوہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے نجم الدین الغازی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ وہاں جو محافظ تھے

ان کا سربراہ اور سالار قریب آیا۔ پڑ جوش انداز میں دونوں سے مصافحہ کیا، پھر کہنے لگا۔

”اس سے مزید آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے آگے ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ یروٹلم شہر کے حاکم تھے، لیکن براہو مصر کے فاطمی خلیفہ کا کہ اس نے صلیبیوں کے مقابلے میں آپ دونوں بھائیوں کی مدد کرنے کے بجائے آپ پر حملہ آور ہو کر یروٹلم شہر پر قبضہ کر لیا اور فاطمی خلیفہ ایسا بد بخت ثابت ہوا کہ اس کے بعد صلیبیوں کے سامنے یروٹلم شہر کی حفاظت کا بھی کوئی سامان نہ کر سکا۔“

اس کے ساتھ ہی اس سالار نے ایک لشکری کو مخصوص اشارہ کیا جس پر وہ حرکت میں آیا اور

بھاگتا ہوا چھوٹے سے اس پل اور غار نما دروازے کو عبور کرتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

وہ سالار پھر نجم الدین الغازی اور اس کے بھائی سکمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں اپنا ایک پہرے دار آپ کے ساتھ بھیجتا ہوں اگر آپ نے شہر میں کچھ دن قیام کرنا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے اس سالار کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ نجم الدین الغازی پھر بول

اٹھا۔

”میرے عزیز بھائی! ہم شہر میں قیام نہیں کرنا چاہتے۔ شہر کے حاکم تاج الدولہ ابن ابی

مورخین لکھتے ہیں کہ شیزر شہر کھیتوں، درختوں، پھلوں اور پانی کی کثرت کیلئے بڑا مشہور تھا۔ یا تو ت لکھتا ہے کہ شیزر ایک شہر اور ایک قلعے کا نام ہے اور اگر دیکھا علاقہ جو اورنٹس کے قریب واقع ہے اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کے اور حمت شہر کے درمیان ایک دن کی راہ ہے۔ قلعے کے نیچے دریائے اورنٹس بہتا ہے اور اس پر یہاں ایک پل بنا ہوا ہے جس کا دوسرا سرا شہر کے وسط میں ہے۔ یہ بہت قدیم شہر ہے اور حمت کی تسخیر کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوسعیدہ بن جراح نے اسے امان دے کر بھری سترہ میں فتح کیا تھا۔

دشقی شیزر شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ شیزر ایک قلعہ بند شہر ہے مگر طاعون کے اس پر حملے ہو چکے ہیں۔ یہ خوب سیراب ہے اور لوگ دریائے اورنٹس کا پانی پیتے ہیں۔ شیزر کا قلعہ عرف عام میں حص الا ایک کے نام سے بھی یاد کیا جاتا، جس کے معنی ہیں مرغ کا کلس اور اس شہر کے تین اطراف میں دریائے اورنٹس بہتا ہے جس نے اسے محفوظ کر دیا ہے۔ چوتھی طرف کو ہستانی سلسلے کا کچھ حصہ بھی ہے۔

مورخ ابوالفتح لکھتا ہے کہ شیزر ایک شہر اور مضبوط قلعہ رکھتا ہے۔ اس کے شمال سے دریائے اورنٹس گزرتا ہے اور تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پل ہے جسے نیچے گرتا ہے جو دس ہاتھ بلند ہے۔ شہر میں درخت باغ اور بہت سے میوے خاص کر انار ہوتے ہیں۔ دریائے اورنٹس پر یہاں پل بھی بنا ہوا ہے۔ شیزر کا فاصلہ حمت شہر سے نو حص شہر سے تینتیس اور اٹاکیہ سے چھتیس میل ہے۔ دھوپ کی پکی اینٹوں سے اس کی شہر پناہ جتنی گئی تھی اور اس میں تین دروازے تھے شہر پناہ سے باہر اور بستی کے شمال میں دریائے اورنٹس بہتا ہے۔

بہر حال شیزر شہر میں داخل ہونے کیلئے ایک پل اور اس کے بعد ایک غار نما دروازے میں

عسا کر سے ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں۔“

اس پر وہ سالار حرکت میں آیا اور اس کا اشارہ پا کر ایک لشکری دونوں بھائیوں کے ساتھ ہولیا اس پر وہ سالار پھر کہنے لگا۔

”آپ اس لشکری کے ساتھ جائیں اس سے پہلے جو میرا ایک ساتھی بھاگ کر آگے گیا ہے وہ ہمارے حاکم تاج الدین ابن ابی عسا کر کو آپ کے آنے کی اطلاع کرے گا۔“

چنانچہ دونوں بھائی اس لشکری کے ساتھ ہوئے تھے۔ وہ لشکری دونوں بھائیوں کو شیر شہر کے قصر کے سامنے لے گیا۔ ابھی وہ وہاں جا کر رہے ہی تھے کہ بہت سے مسلح جوانوں کے جلو میں ایک شخص قصر کے بیرونی دروازے پر آیا۔ خوب جبک کر اس نے باری باری نجم الدین الغازی اور اس کے بھائی سکمان سے مصافحہ کیا پھر بڑی عاجزی اور اعساری میں کہنے لگا۔

”میں شیر شہر کا حاکم تاج الدولہ ابن ابی عسا کر ہوں۔“

اس کے اس تعارف پر نجم الدین اور سکمان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ کھل گئی تھی۔ اس پر نجم الدین پھر آگے بڑھا۔ تاج الدولہ کو گلے لگا کر دُش جوش انداز میں پھر ملا ایسا ہی سکمان نے بھی کیا پھر شیر شہر کا حاکم ابن ابی عسا کر دونوں بھائیوں کو قصر کے اندر لے گیا تھا، جبکہ وہاں کھڑے محافظان کے گھوڑوں کو قصر کے اصطبل کی طرف لے گئے تھے۔

ابن ابی عسا کر ان دونوں کو لے کر اپنے قصر کے ایک کمرے میں داخل ہوا جو نبی وہ بیٹھے ایک نوجوان اس کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی طرف اشارے کرتے ہوئے نجم الدین الغازی اور سکمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن ابی عسا کر کہنے لگا۔

”یہ میرا بیٹا سامہ ہے۔“

اس پر نجم الدین الغازی اور سکمان دونوں نے اٹھ کر پر جوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف بھی کرایا۔ دوبارہ سب بیٹھ گئے اور پھر گفتگو کا آغاز ابن ابی عسا کر نے کیا کہنے لگا۔

”جس دن مصر کا حاکم یروٹلم پر حملہ آور ہوا اور آپ کو یروٹلم کی حاکمیت سے محروم کر دیا میں سمجھتا ہوں وہ دن عالم اسلام کیلئے بڑا غصہ کا دن تھا اور پھر فاطمی خلیفہ ایسا بد بخت ثابت ہوا کہ آپ دونوں بھائیوں کو یروٹلم کی حکمرانی سے محروم کرنے کے بعد صلیبیوں کے سامنے یروٹلم شہر کی حفاظت کا بھی کوئی سامان نہ کر سکا۔ بہر حال میں آپ دونوں کو اپنے شہر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

میرے لائق کوئی خدمت ہو تو آپ مجھے ہمہ وقت حاضر پائیں گے۔ آپ کو مالی امداد کی ضرورت ہو یا اس کے علاوہ آپ کو کچھ چاہئے تو بولیں میں ہر طرح سے آپ کی مدد کروں گا۔“

تاج الدولہ ابن ابی عسا کر کے ان الفاظ پر دونوں بھائیوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر نجم الدین الغازی بولا اور کہنے لگا۔

”ابن ابی عسا کر میں جب تک زندہ رہوں گا آپ کے یہ الفاظ میرے ذہن میں رہیں گے اور میں آپ کا شکر یہ ادا کرتا رہوں گا۔ بات یہ ہے کہ ان وحشی صلیبیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ہماری ان گنت بہنیں بے شمار بیٹیاں ہماری مائیں بوڑھے بچے سب جانوروں کی طرح ان لوگوں نے ذبح کئے اور اس سارے نقصان پر ہم خاموش تو نہیں بیٹھیں گے۔ ہم صلیبیوں کو بتائیں گے کہ ابھی ہم زندہ ہیں اور زندہ انسان ہونے کی وجہ سے ہمارے کچھ جذبات بھی ہیں تو پھر ایک بہت بڑا انقلاب بھی آئے گا۔ ابن عسا کر میرے بھائی میرے عزیز! یروٹلم کی حکمرانی سے محروم ہونے کے بعد میرا بھائی کچھ عرصہ عراق کی سرزمینوں میں دھکے کھاتا رہا اور میں یہاں ارض شام کے مختلف شہروں میں گھوم پھر کر جائزہ لیتا رہا اب شیر، حما، اور اقامیہ کے شہروں کے اطراف میں جو صلیبیوں نے چھوٹی بڑی اپنی ریاستیں قائم کر لی ہیں وہاں سے نکل کر وہ مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان لٹیروں وحشیوں اور قاتلوں کی راہ روکنے کیلئے میرے عزیز بھائی آپ کے شہر کے بالکل سامنے ایک کوہستانی سلسلہ ہے جس کے تین اطراف میں دیوار جیسے عمودی کوہستانی سلسلے ہیں۔ ایک طرف سے اس میں داخل ہونے کا راستہ ہے اور اندر وسیع آبادیاں ہیں۔ میں نے اپنے کام کی تکمیل کیلئے انہیں کوہستانی سلسلوں اور انہی وادیوں کا انتخاب کیا ہے۔ گزشتہ ایک سال سے بھی زائد عرصے سے میں ان وادیوں میں ہوں لیکن میں نے اب تک کسی کو نہ بتایا ہے نہ ذکر کیا ہے۔ وادی کے اندر میں نے اس وقت لگ بھگ دو ہزار کے قریب اپنے جنگجو ساتھی بھی اکٹھے کر لئے ہیں۔ میں مزید لشکری ان وادیوں میں جمع کروں گا۔ ان وادیوں کے اندر رہائش کیلئے ہم نے پتھروں سے عمدہ مکان بھی بنانے شروع کر دیئے ہیں۔ کوہستانی سلسلے کے راہ پر چند ایک برج بھی بنادیئے گئے ہیں اور ان میں مزید اضافہ کیا جائے گا۔ میں اور میرا بھائی مزید کوشش کریں گے کہ ان وادیوں کے

اندر اپنے اس مسکن میں ایک بڑا لشکر تیار کریں اور پھر اپنے کام کی ابتداء کریں اور صلیبیوں پر جوابی حملوں کی ابتداء کریں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نجم الدین الغازی جب خاموش ہوا، تب ابن ابی عساکر بولا اور کہنے لگا۔

”اس سلسلے میں میری طرف سے آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہوئی آپ بالکل بے فکر رہیں میں اسے پورا کروں گا۔“

جواب میں ایک بار پھر مسکراتے ہوئے نجم الدین الغازی کہنے لگا۔

”آج میں آپ کے ساتھ صرف یہ گفتگو کرنے آیا ہوں کہ صلیبیوں کی نگاہیں اب آپ کے شہر اور قلعے پر بھی جمی ہوئی ہیں۔“

اس پر ابن ابی عساکر کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! جمی ہوئی نہیں ہیں بلکہ وہ دوبارہ شہر اور قلعہ پر حملہ آور بھی ہو چکے ہیں اور ہم ان کے حملوں کو پسپا کر چکے ہیں۔“ اس پر فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے نجم الدین الغازی کہنے لگا۔

”میں جس کام کیلئے آج اپنے بھائی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے مطابق میں چاہتا ہوں کہ جب میرا مسکن تیار ہو جائے گا اور وہاں ایک عسکری قوت جمع ہو جائے گی، تب اگر کوئی دشمن شہر اور اس کے قلعے پر حملہ آور ہوتا ہے تو سامنے کی طرف سے آپ ضرب لگائیں گے اور اس کی پشت کی جانب سے میں حملہ آور ہو کر دشمن کو ناکام اور نامراد کریں گے۔“

اور اگر نصرا نیوں کی کوئی قوت ہمیں اپنا ہدف بناتی ہے، ہمارے مسکن پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتی ہے تو ایسی صورت میں سامنے کی طرف سے ہم حملہ آور ہوں گے اور پشت کی جانب سے آپ نکل کر اس پر ضرب لگائیں گے تو میرا اندازہ ہے ان علاقوں میں کوئی صلیبی قوت ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کرے گی اور جب ایسا ہوگا تو پھر ہم ان کے علاقوں میں داخل ہوں گے اور اب تک وہ جو مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہے ہیں، اس کا انتقام لیتے ہوئے ان پر ہم ایسی ضرب لگائیں گے کہ تاریخ کے اوراق میں مسلمان معرکہ آرائیاں فخریہ انداز میں رقم کریں گے۔“

نجم الدین الغازی جب خاموش ہوا، تب لشکر آمیز انداز میں ابن ابی عساکر نجم الدین

الغازی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! میں آپ کی اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ مل کر میں کیسے دشمن کے خلاف حرکت میں آتا ہوں۔“

ابن ابی عساکر جب خاموش ہوا، تب اس کا بیٹا اسامہ بول اٹھا، کہنے لگا۔

”آپ نے جس مقدس کام کی ابتداء کی ہے خداوند قدوس سے ہماری دعا ہے کہ اس میں آپ کامیاب اور کامران رہیں۔ میں خود بھی گا ہے گا ہے آپ کے مسکن میں آؤں گا اور آپ لوگوں کے پہلو بہ پہلو دشمن کے خلاف آپ کا ساتھ دیتے ہوئے جنگ کروں گا۔“

جہاں تک اس تاج الدولہ ابن ابی عساکر کے بیٹے اسامہ کا تعلق ہے تو اس سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے طویل عمر پائی تھی۔ اس نے جہاں صلیبیوں کے حملوں کے سامنے دفاع میں حصہ لیا، وہاں اس نے نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کا بھی دور دیکھا اور مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ اسامہ صلاح الدین ایوبی کی بھی خدمت میں حاضر ہوا۔ صلاح الدین ایوبی نے اس کی اور اس کے باپ کے کاموں کی قدر کی تھی اور اسامہ صلاح الدین ایوبی کا بڑا قدر دان اور بڑا جاثار بھی رہا تھا۔

اس کے ساتھ ہی نجم الدین الغازی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا بھائی سکمان بھی کھڑا ہو گیا، پھر ابن ابی عساکر کی طرف دیکھتے ہوئے نجم الدین کہنے لگا۔

”اب ہم دونوں بھائیوں کو جانے کی اجازت دیں۔ ہم اپنے مسکن میں جائیں گے اور آج کے بعد اپنے جنگجو ساتھیوں کی تعداد بڑھانے میں ہم اپنی ساری کوششوں کو یکجا کریں گے۔“

اس پر ابن ابی عساکر نے اٹھ کر دونوں بھائیوں کے بازو پکڑ لئے، کہنے لگا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ لوگ چند روز میرے یہاں بسر کریں۔ یہ میرے لئے بڑی سعادت کے لمحات ہوں گے۔“

اس پر نجم الدین کہنے لگا۔

”اس سلسلے میں، میں آپ کا ممنون اور شکر گزار ہوں، لیکن میرا مسکن میں جانا بہت ضروری ہے، کیونکہ جس کام کیلئے میں آیا تھا وہ ہو چکا۔ لہذا میں بہت خوش ہوں۔ اس خوشی میں اپنے مسکن میں واپس جا کر میں اپنے کام کی رفتار تیز کر دوں گا۔ آپ برائے مایہ گا، کبھی وقت ملا تو آپ کے

ہاں قیام ضرور کریں گے۔“

ابن ابی عساكر نے جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے ساتھ ہی نجم الدین اور سکمان دونوں وہاں سے نکل گئے تھے۔

دونوں بھائی ایک ساتھ دریائے اورنٹس کے دوسرے کنارے بلند کوہستانی سلسلوں کے اندر گھری ہوئی وادیوں میں داخل ہوئے۔ اندر کچھ لوگ ادھر ادھر گھوڑے دوڑا رہے تھے اور چند ایک جگہوں پر کچھ نوجوان تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے۔ کچھ تربیت لے رہے تھے جو بیٹھے ہوئے تھے وہ نجم الدین الغازی کی آمد پر اس کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ نجم الدین نے ان سے اپنے بھائی سکمان کا تعارف کروایا۔ اپنے چند سالاروں کے ساتھ نجم الدین الغازی نے اپنے بھائی سکمان کو وہ وادیاں دکھائیں، جن کے اندر کچھ بستیاں آباد ہو چکی تھیں اور کچھ بستیوں کے مکان ابھی زیر تعمیر تھے۔ ان وادیوں کو دیکھ کر سکمان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اپنے بھائی نجم الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”نجم الدین میرے عزیز بھائی! تم نے وہ معرکہ سر کیا ہے جس کی میں اُمید بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان وادیوں کو اپنا ٹھکانہ اور مسکن بنانے کے بعد یقیناً ہم دشمن کے خلاف ناقابلِ تلافی ضرب لگا سکتے ہیں۔“ سکمان کے ان الفاظ پر نجم الدین خوش ہو گیا تھا، پھر نجم الدین الغازی سکمان کو اپنے ساتھ ان وادیوں میں اپنی رہائشگاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔



سبتہ اور سرایا دونوں بہنیں ایک روز اپنی حویلی کے ایک کمرے میں بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں کہ کمرے میں ان کی ماں میکمل اور دادی ساروق دونوں ایک ساتھ داخل ہوئیں۔ دونوں کو دیکھتے ہوئے احتراماً وہ دونوں بہنیں کھڑی ہو گئی تھیں۔ آگے بڑھ کر میکمل اور ساروق جب نشستوں پر بیٹھ گئیں، تب سبتہ اور سرایا بھی نشستوں پر ہو بیٹھیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر گفتگو کا آغاز ساروق نے کیا اور ان دونوں بہنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میری دونوں بچیو! پچھلی بار جب ہم تمہاری پھوپھی زورا کے ہاں گئے تھے تو اس نے تم دونوں بہنوں کا رشتہ مانگا تھا، سرایا تمہارا رشتہ اس نے کبیر الدین کیلئے اور سبتہ کا رشتہ اس نے زین الدین کیلئے مانگا ہے۔ دیکھو میری بچیو! اس سلسلے میں تمہارا باپ تم سے گفتگو کرنا چاہتا تھا، لیکن میں نے ہی اسے مشورہ دیا کہ تم چپ رہو میں خود بچیوں سے بات کروں گی۔ اب بولو اس سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ دیکھو بات کو جھٹک اور اندھیرے میں نہ رکھنا، تم دونوں اپنی پھوپھی سے بھی مل چکی ہو، اس کی حویلی ان کے باغات آمدنی کے ذرائع بھی دیکھ چکی ہو۔ سرایا تم کبیر الدین سے مل چکی ہو، ان سبتہ نے زین الدین کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ ابھی شباب میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد چونکہ وہ عسکری اور دینی تربیت کیلئے حلب چلا گیا تھا۔ لہذا سبتہ اسے نہیں دیکھ سکی، اب بولو تم کیا کہتی ہو۔“

اس موقع پر سرایا اور سبتہ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ سبتہ نے گھورنے کے انداز میں سرایا کی طرف دیکھا، نفی میں گردن ہلائی، لیکن سرایا نے کوئی تاثر نہ لیا اور اپنی دادی ساروق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”داوی میں کبیر الدین کے ساتھ شادی کرنے کیلئے تیار ہوں۔ وہ میرا پھوپھی زاد ہے اور

پھر اچھا بیچ زن ہے۔ عمدہ اور بہترین شخصیت کا مالک ہے۔ لہذا ایسے نوجوان سے شادی سے انکار کرنا میں کفرانِ نعمت سمجھتی ہوں۔“

سرایا کا جواب سن کر ساروق اور میکمل دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، پھر ساروق کے بجائے میکمل نے اپنی چھوٹی بیٹی سبیدہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

”سبیدہ تم بھی اپنے خیالات کا اظہار کرو۔ میری بچی چپ رہنے سے تو معاملہ حل نہیں ہوتا۔“
اپنی ماں کے اس طرح پوچھنے پر سبیدہ جو الاکھی کی طرح پھٹ پڑی، انتہائی غصے میں کہنے لگی۔

”سرایا احمق اور بیوقوف ہے جو اس نے کبیر الدین کے ساتھ شادی کرنے کیلئے ہاں کر دی ہے۔ میں زین الدین سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہوں۔ کیا میں ایک ایسی عورت یا دوسرے معنوں میں یہ کہہ لیں کہ اپنی ایک ایسی پھوپھی کے بیٹے سے شادی کر لوں جو ایک مسلمان کے ساتھ اپنے گھر سے بھاگ گئی تھی۔ میں کسی نصرانی نوجوان سے شادی کروں گی۔ زین الدین کیلئے میری نہ ہے۔“

سبیدہ کا یہ جواب سن کر میکمل کا رنگ غصے میں سرخ ہو گیا تھا، کہنے لگی۔

”تو بکواس کرتی ہے۔ آئندہ تو نے اپنی پھوپھی سے متعلق ایسے الفاظ ادا کئے تو یاد رکھنا میں تیری ماں تیرا منہ نوح لوں گی۔ زور آنے بدر الدین کو پسند کیا تھا۔ اپنی پسند کا اظہار اس نے اپنی ماں ساروق سے کیا تھا۔ لہذا تمہاری دادی تمہاری پھوپھی کی اس محبت سے واقف تھی اور زور آنے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اگر شادی کرے گی تو بدر الدین سے ورنہ نہیں۔ چنانچہ جب تمہارے باپ سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے ایڈریسہ کی طرف بالڈون کو مدد کیلئے طلب کر لیا اور بالڈون نے بے عزت کر کے ہمیں ایڈریسہ کی حکمرانی سے معزول کر دیا، تب ہم آسمان سے گر کر زمین پر پڑے رہ گئے۔ جس وقت تمہارے باپ نے یہ غلطی کی تھی اور بالڈون کو مدد دینے کا ارادہ کیا تھا اسی وقت ہی بدر الدین کے اہلخانہ ایڈریسہ شہر سے نکل کر اپنی اس آبائی جائیداد کی طرف آ گئے تھے۔ اپنی ماں ساروق سے پوچھنے کے بعد تمہاری پھوپھی بھی یہاں آ گئی اور یہاں باقاعدہ اس کا نکاح بدر الدین سے ہوا۔ سبیدہ گھر کے اندر کوئی بغاوت سرکشی کھڑی کرنے کی کوشش مت کرنا۔ سرایہ کبیر الدین کے ساتھ شادی کرنے کیلئے ہاں کر چکی ہے۔ میں آج سے ہی اس کی شادی کی تیاری

شروع کروں گی اور چند روز تک سرایا اور کبیر الدین کی شادی ہو جائے گی۔ جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تم نے چونکہ جواب دے دیا ہے لہذا کوئی تمہاری منت نہیں کرے گا۔ یاد رکھنا زندگی میں ایسا موقع بھی آتا ہے کہ جس چیز کو کوئی ٹھکراتا ہے بعد میں اسی چیز کو حاصل کرنے کیلئے ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں، دھکے کھانے پڑتے ہیں، لیکن پھر وہ چیز ملنے کی نہیں ہوتی۔ میری یہ بات بھی سن لو نصرانی نوجوان کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ کر لو تو مجھے اور اپنی دادی کو بتا دینا۔ ہم تمہاری راہ کی رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ خوشی سے اس کے ساتھ تمہیں رخصت کر دیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی میکمل غصے میں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور ساروق بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ چند دن بعد سرایا اور کبیر الدین کی شادی کا اہتمام کر دیا گیا تھا اور سرایا اپنے باپ تھوروس کی حویلی سے کبیر الدین کی بیوی کی حیثیت میں جمال الدین اور بدر الدین کی حویلی میں منتقل ہو گئی تھی۔

اس شادی کے چند ماہ بعد ایک روز جمال الدین، اس کا بیٹا بدر الدین، بدر الدین کی بیوی زوراً بدر الدین کی ماں زمران اور کبیر الدین اور اس کی بیوی سرایا ایک کمرے میں سب اکٹھے بیٹھے اپنے باغات کے پھل توڑنے سے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ قریب ہی کبیر الدین اور سرایا کا بیٹا سورا تھا۔ ایسے میں حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔

اس پر کبیر الدین اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا جہاں پر بیٹھا تھا وہیں بیٹھا جب اس کے باپ بدر الدین نے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”کبیر الدین میرے بیٹے کیا ہوا دستک دینے والا کون تھا اور تم کچھ ادا اس اور فکر مند سے ہو گئے ہو۔“

اس پر کبیر الدین سنبھلا اور کہنے لگا۔

”نہیں بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

اس پر اس کا دادا جمال الدین بول اٹھا۔

”بیٹے کچھ تو ہے جس کی بناء پر تمہارے چہرے پر ادا سی کے یہ آثار ہیں۔“

اس پر کبیر الدین بولا اور کہنے لگا۔

”دادا دراصل دستک دینے والے کچھ مسلح جوان تھے۔ وہ موصل شہر کی طرف سے آئے تھے۔ انہوں نے میرے چھوٹے اور عزیز بھائی زین الدین سے متعلق خبر دی ہے جسے سن کر میں اداس ہوا ہوں ورنہ فکر مندی کی کوئی بات نہیں۔“ ان الفاظ پر زور اچوکی زمران کی حالت بھی عجیب ہو گئی تھی۔ بدرالدین اور جمال الدین بھی جستجو بھرے انداز میں کبیر الدین کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ بدرالدین فکر مندی میں کہنے لگا۔

”بیٹے انہوں نے زین الدین سے متعلق کیا کہا ہے۔ کوئی بات مجھ سے چھپانا نہیں تو جانتا ہے میں زین الدین کو کس قدر پسند کرتا ہوں اور اس سے میری محبت کتنی گہری ہے۔“ اس موقع پر کبیر الدین کہتے کہتے رک گیا۔ اس لئے کہ اس سے چھوٹا اس کا بھائی مجدد الدین جو گھوڑ دوڑ کیلئے اس وقت باہر گیا ہوا تھا، وہ بھی حویلی میں داخل ہوا۔ کبیر الدین اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اپنے گھوڑے کو اصطبل میں باندھنے کے بعد مجدد الدین بھی کبیر الدین کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ کبیر الدین بول اٹھا۔

”بابا جو مسلح جوان تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں۔ انہوں نے زین الدین کے متعلق یہ کہا ہے کہ زین الدین موصل شہر میں اپنی دینی اور اپنی عسکری تربیت بہترین انداز میں مکمل کر چکا ہے اور اس نے واپس آنے کے بجائے موصل کا رخ کیا ہے جو مسلح جوان آئے تھے وہ زین الدین کا یہی پیغام لے کر آئے تھے کہ وہ کچھ عرصہ تک گھر واپس نہیں آ سکے گا۔ اس لئے کہ قیم الدولہ کا بیٹا عماد الدین اور موصل کا حکمران کر بوغا اسے اس کی تعلیم و تربیت مکمل ہونے کے بعد موصل لے گئے ہیں۔ اب دیکھیں وہ اس سے کیا کام لیتے ہیں۔ بابا میرے اداس اور افسردہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ میرا چھوٹا بھائی زین الدین اب بہت جلد گھر آئے گا، اس لئے کہ اس کی تربیت مکمل ہونے والی ہے اور میں یہ چاہ رہا تھا کہ ہم تینوں بھائیوں میں سے کم از کم مجدد الدین گھر پر رہے گا۔ میں اور زین الدین دونوں دریائے اورنٹس کے کنارے نجم الدین الغازی اور اس کے بھائی سکمان نے جو مسکن بنایا ہے، جہاں وہ بڑی تیزی اور بڑی جدوجہد کے بعد مسلح جوان اکٹھے کر رہے ہیں ہم اس لشکر میں شامل ہوں گے اور مسلمانوں کے خلاف متحرک ہونے والی قوتوں کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ بابا جو خبریں اب تک مجھے میرے بھائی زین الدین سے متعلق ملتی رہی ہیں، ان کے مطابق جہاں اس نے اپنی دینی تعلیم بہترین انداز میں مکمل

کی ہے، وہاں وہ حربی تربیت میں بھی سب سے آگے رہا ہے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب اس کی حربی تربیت مکمل ہوئی تو حلب کے اس کتب میں میرے بھائی زین الدین کو بہترین تیغ زن اور حرب ضرب کے فنون میں سب سے اعلیٰ اور ارفع قرار دیا گیا۔“

کبیر الدین جب خاموش ہوا تو اس کا باپ بدرالدین بولا اور کہنے لگا۔

”بیٹے اس میں اداس اور افسردہ ہونے کی کیا بات ہے۔ تمہارا بھائی اپنی دینی اور حربی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اگر حلب سے موصل کی طرف چلا گیا ہے اور وہاں موصل کا حکمران امیر کر بوغا عماد الدین کے ساتھ مل کر اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو بیٹے یہ ہماری خوش قسمتی اور ہماری خوش بختی کے علاوہ ہمارے لئے بہت بڑی سعادت ہے۔ بیٹے میرا دل کہتا ہے کہ تمہارا چھوٹا بھائی زین الدین کسی روز بہت بڑا نام پیدا کرے گا۔“

بدرالدین کے ان الفاظ پر سب خوش ہو گئے تھے۔ اتنی دیر میں قریبی مسجد سے مغرب کی اذان سنائی دی تھی۔ لہذا سب نماز کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔



جوان ہوا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قیم الدولہ کو اپنے مرحوم مربی اور محسن سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بھائی
تمش نے قتل کر دیا تھا۔

عماد الدین اسی قیم الدولہ کا بیٹا تھا۔ جب قیم کا انتقال ہوا تو عماد الدین کی عروس برس کی
تھی۔ الجزائرہ میں اس زمانے میں سب سے بڑا حاکم امیر موصل کر بوغا تھا جو خود ملک شاہ سلجوقی
کے لڑکے اور جانشین کا باجگوار تھا اور اپنے پرانے دوست آق قمر کو یعنی قیم الدولہ کو بھولانہ تھا۔

اس لئے اس نے قیم الدولہ کے بیٹے عماد الدین کو یہ کہہ کر اپنے پاس بلالیا کہ لڑکے کو میرے
پاس لاؤ کیونکہ وہ میرے جنگ کے ساتھی قیم الدولہ کا بیٹا ہے اور مجھے لازم ہے کہ میں اس کی
پرورش کروں۔

موصل میں عماد الدین کا حاکم موصل کر بوغا کے ساتھ ساتھ رہا۔ ایک مرتبہ آمد کے قریب
ایک جنگ میں جب شکست اور فتح کا پلہ کسی طرف جھٹکا نظر نہ آتا تھا، کر بوغا نے تمام لشکر کے
روبرو عماد الدین کو اپنے سینے سے لگا کر اس کے تحت کام کرنے والے لشکریوں کو خطاب کرتے
ہوئے کہا۔

”دیکھو یہ تمہارے پرانے آقا کا لڑکا ہے۔ اس کیلئے لڑو وہ سب یہ سن کر عماد الدین جو اس
وقت لڑکا تھا اس کے گرد جمع ہو گئے اور مل کر ایک ایسا حملہ کیا کہ ان کی فتح یقینی ہو گئی۔ یہ عماد الدین
کی پہلی جنگ تھی اور اس وقت اس کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ اس طرح ایک عرصہ تک وہ دربار
موصل سے منسلک رہا۔ اڑتیس برس کی عمر تک وہ الجزائرہ یعنی میسوپوٹیمیا کی جنگوں اور وہاں کی
سیاسی حالت میں دوسرے امیروں کے ساتھ شریک ہو کر حصہ لیتا رہا۔ ایک بار محاصرہ طبرہ میں
اس نے محصورین کے ایک زبردست حملے کا مقابلہ کیا اور انہیں ہٹا کر پسپا کر دیا اور خود تعاقب کرتا
ہوا دروازہ شہر تک چلا گیا۔ یہاں تک پہنچ کر اس نے اپنا نیزہ دروازے پر مارا لیکن پیچھے مڑ کر
دیکھا تو کوئی شخص ہمراہ نہ تھا اور اس کے تمام لشکری لڑائی ختم ہونے کے بعد ٹھہر گئے تھے اور خود ہی
تہہ دشمن کا تعاقب کرتا چلا آیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس حال میں بھی وہ لڑتا رہا، لیکن جب دیکھا کہ
کوئی ساتھ نہیں ہے تو آہستہ آہستہ واپس ہوا۔ اس حملے کی شہرت اس قدر ہوئی کہ لوگ خصوصیت
کے ساتھ اس کو الشامی کہہ کر پکارنے لگے۔

جہاں تک عماد الدین کا تعلق ہے تو سلطان ملک شاہ سلجوقی کے ایک معزز اور صاحب حیثیت
سالار آق قمر بن عبد اللہ کا فرزند عظیم تھا۔ آق قمر ترکی نژاد تھا اور سلطان ملک شاہ سلجوقی کے مصاحبوں
میں شامل تھا۔ آق قمر جس کو تاریخ کے اوراق میں قیم الدولہ کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے۔ سلطان ملک
شاہ کا بچپن کا ساتھی تھا۔ وہ سلطان کے ساتھ کھیل کود کر بڑا ہوا تھا۔ جب سلطان ملک شاہ سلجوقی
کے باپ سلطان الپ ارسلان کی شہادت کے بعد ملک شاہ مند آرائے حکومت ہوا تو اس نے قیم
الدولہ کو اپنے خاص دوستوں اور قابل قدر امراء میں شامل کر لیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس کا شمار
ملک شاہ کے خاص مصاحبوں میں ہونے لگا۔ یہاں تک کہ سلطان نے اسے وزیر سلطنت خواجہ
نظام الدین طوسی کی تحریک پر حلب کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

سلطان ملک شاہ نے قیم الدولہ کو پہلے قعر شامی کا حاکم بھی مقرر کیا تھا اور جب اس نے
حلب کا حاکم مقرر کیا تو اس نے اپنے زیر حکومت علاقوں کا انتظام کچھ اس قدر خوش اسلوبی سے
انجام دیا کہ جب وہ ملاقات کرنے کیلئے ملک شاہ سلجوقی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے علاقوں
کی صورتحال سلطان کو پیش کی تو سلطان نے فرط مسرت سے اس کی پیشانی چوم لی اور حلب کے
علاقے کے علاوہ کچھ دیگر علاقے بھی اس کے تحت کر دیئے۔

وہ ایک بہادر لشکری اور صاحب رائے مشیر ہی نہیں تھا، بلکہ خداوند قدوس نے اسے نہایت
اعلیٰ انتظامی قابلیت سے بھی نوازا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر اس کے ماتحت علاقوں میں
کوئی قافلہ لوٹا جائے تو جائے حادثہ کے نواحی دیہات کو نقصان پورا کرنا پڑے گا۔ اس حکم کا نتیجہ یہ
ہوا کہ اس کے ماتحت شہروں اور قصبوں میں راہزنی اور لوٹ مار کا یکسر خاتمہ ہو گیا تھا۔ قیم الدولہ کو
یہ اعزاز اور سعادت بھی حاصل تھی کہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا برکیاروق اسی کے ہاتھوں پل کر

شیزر اور حیات شہر کے گرد و نواح میں اب دو بڑی قوتیں سر اُبھار چکی تھیں۔ آدھے علاقے پر حکمرانی کاؤنٹ آف سینٹ پال کی تھی۔ دوسرے آدھے حصے پر کاؤنٹ آف گرے حکمرانی کر رہا تھا۔ کاؤنٹ آف سینٹ پال کے ساتھ اس کے سالار اعلیٰ کی حیثیت سے اسٹس کام کر رہا تھا، جبکہ کاؤنٹ آف گرے کا سپہ سالار اعلیٰ رینارڈس تھا۔ ایک روز کاؤنٹ آف گرے اپنے علاقوں سے نکل کر کاؤنٹ آف سینٹ پال کے علاقے میں گیا۔ اس موقع پر اس کے ساتھ اس کا سپہ سالار رینارڈس بھی تھا۔ کاؤنٹ آف سینٹ پال کو جب ان دونوں کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے سپہ سالار اسٹس کے ساتھ شاندار انداز میں ان دونوں کا استقبال کیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر اپنی رہائشگاہ کی طرف گیا۔ جب سب ایک بہترین آراستہ اور پیراستہ کمرے میں بیٹھ گئے، تب کاؤنٹ آف سینٹ پال کچھ دیر تک باری باری کاؤنٹ آف گرے اور اس کے سالار رینارڈس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس کمرے میں اس کی آواز گونجی تھی۔

”سب سے پہلے تو میں اپنے علاقوں میں آپ دونوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی پوچھوں گا کہ کیا ان علاقوں میں آپ کسی نئی منصوبہ بندی کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔“

کاؤنٹ آف سینٹ پال خاموش ہوا، تب کاؤنٹ آف گرے کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ اس تبسم میں عیاری اور طنز تھا، پھر کہنے لگا۔

”بات یہ ہے کہ میں اپنے علاقوں میں وسعت پیدا کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی پسند کروں گا کہ آپ کے علاقوں میں بھی وسعت ہو، اس وقت میرا ہدف شیزر شہر ہے۔ شیزر شہر دریائے اورنٹس کے کنارے پر ہے۔ یہ انتہائی آمدنی والا شہر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا قلعہ ناقابلِ تخریب ہے۔ اگر ہم شیزر پر قبضہ کر لیں تو آنے والے دور میں سینکڑوں برس تک ان علاقوں

اس شاندار فتح کے بعد عماد الدین سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے برکیاروق کے دربار میں گیا، جہاں اسے کربوعا کی موت کے بعد موصل کی حکمرانی عطا ہوئی اور سلطان کے دو بچوں کی اطاعت کی عزت نصیب ہوئی، جس کی وجہ سے اس کا لقب اتابک پڑا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ عماد الدین زنگی کہلاتا تھا۔ اب عماد الدین اتابک کے نام سے مشہور ہوا۔ رفتہ رفتہ موصل کے حکمران کی حیثیت سے خود مختار ہوتا چلا گیا تھا اور قریب قریب جزیرہ یعنی حلب پر تسلط کر لیا۔ اس کے زمانے میں انصاف اور داد رسی خوب ہوئی۔

مشہور مؤرخ لین پول لکھتا ہے کہ کسی لشکر کی مجال نہ تھی کہ گھاس کا ایک تنکا بھی بغیر قیمت ادا کئے لے لے۔ غریبوں پر ٹیکس وہ کم لگاتا تھا، مگر امیروں سے اپنے اخراجات جنگ خوب وصول کرتا تھا۔

لین پول مزید ایک مقام پر لکھتا ہے کہ اس کے سالاروں میں ظلم اور اوباشی مطلق نہ تھی۔ عورتوں پر دست درازی کے جرم میں عماد الدین سے زیادہ اس زمانے میں کوئی سزا نہ دیتا تھا۔ اس کے لشکریوں کی بیویاں اس کی خاص نگرانی میں سمجھی جاتی تھیں اور کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے شوہروں کی غیر موجودگی میں انہیں نظر بد سے دیکھ سکے۔

انتظام قاعدہ قانون میں وہ بہت سخت تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف فراغ بالی اور سرسبزی کے آثار آنے لگے تھے۔ موصل میں اس نے شہر پناہ کی دیواریں دو گنی بلند کر دیں۔ خندق زیادہ گہری کر دی اور ایک پھانک تعمیر کیا جو باب عمادی کے نام سے مشہور ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے زمانے سے پہلے موصل میں میوہ جات اس قدر کم ملتے تھے کہ سوداگر جب انگوٹھا بچا کرتے وزن کرنے کیلئے خوشہ جات انگوٹھ کو پٹی سے کاٹا پڑتا تھا، لیکن جب عماد الدین کی حکومت نے ہر طرف سرسبزی اور فراغ بالی پیدا کر دی تو اس قدر میوہ کی وہاں افراط ہوئی کہ انار ڈانٹا پاتی، سیب، انگوٹھ سال بھر تک نہیں پکتے تھے اور دوسری فصل تک بہ کثرت باقی رہتے تھے۔



میں ہماری حکومت قائم اور دائم رہ سکتی ہے۔“

کاؤنٹ آف گرے جب خاموش ہوا، تب کاؤنٹ آف سینٹ پال کچھ دیر تک غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”یہ خیال تمہیں اس سے پہلے کیوں نہ آیا۔“ اس پر کاؤنٹ آف گرے مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میرے بھائی تیرا کہنا درست ہے۔ پہلے بھی مجھے اس کا خیال تھا اور پہلے بھی میری نظریں شہر کے علاوہ حیات شہر پر بھی تھیں اور اس کے ارد گرد کے علاقے بھی میری نظروں میں تھے۔ لیکن اس وقت ہمارے سامنے ایک ایسی دیوار تھی، جسے ہم گرا نہیں سکتے تھے بلکہ وہ دیوار ہم پر گر کر ہمارا خاتمہ کر سکتی تھی اور یہ موصول کا حاکم کر بوجھا تھا۔ اب جبکہ کر بوجھا مر چکا ہے تو اس کی جگہ موصول کا حکمران ایک شخص عماد الدین ہے۔ اگر یہ کام ہم کر بوجھا کے دور میں کرتے تو وہ یقیناً ایک بہت بڑا لشکر لے کر ہماری سرکوبی کیلئے لکھتا اور جو علاقے اس وقت ہمارے ماتحت ہیں جن پر ہماری حکومت ہے ان سے بھی ہمیں محروم کر کے رکھ دیتا۔

کاؤنٹ آف سینٹ پال ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے اندر نا اتفاق ہے۔ وہ آپس میں دست و گریبان ہیں۔ مسلمانوں کے آخری سلطان ملک شاہ سلجوقی کے دور میں مسلمانوں کی طاقت اپنے عروج پر تھی۔ لیکن اب اس کی مملکت اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور وہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔

لہذا انہیں ہماری طرف توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ لے دے کر ایک کر بوجھا رہتا تھا، وہ بھی اب چونکہ اس دنیا میں نہیں ہے لہذا ہمارا کام مزید آسان ہو گیا ہے۔ شیزر شہر کا حاکم ان دنوں تاج الدولہ ابن ابی عسا کر ہے۔ یہ عرب ہے۔ کہتے ہیں جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ اس کا ایک بیٹا ہے نام اس کا اسامہ ہے۔ وہ بھی انتہائی جنگجو اور تیغ زن خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم آگے بڑھ کر شیزر شہر کا محاصرہ کریں اور محاصرے میں تنگی پیدا کر دیں تو فتح یقیناً ہمارا ہی استقبال کرے گی۔“

کاؤنٹ آف گرے جب خاموش ہوا، تب اس بار کاؤنٹ آف سینٹ پال کا سالار ایسٹس کچھ دیر کے تفکر کے بعد بولا اور کہنے لگا۔

”جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ درست ہے۔ اگر ہم ایسا کر گزریں تو یقیناً یہ ہماری طرف سے

ایک بہت بڑا محرکہ اور ایک عمدہ کامیابی ہوگی۔ لیکن اس سلسلے میں ہمیں انتہا درجہ کا محتاط بھی رہنا ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ایسٹس رکا، پھر پہلے کی نسبت زیادہ خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہمیں اس عماد الدین سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا۔ اس کا باپ کسی دور میں سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بہترین سالاروں میں سے ایک تھا۔ حلب اور کئی دوسرے شہروں کا حاکم تھا۔ اب سنا ہے موصول کے علاوہ حلب بھی عماد الدین کو دے دیا گیا ہے۔ لہذا موصول اور حلب پر حکمرانی کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے بڑی تیزی سے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں اس موقع پر یہ بھی کہوں گا کہ یہ عماد الدین کسی بھی طور موصول کے سابق حاکم کر بوجھا سے کم نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں ایک بار طبریہ کی جنگ میں جبکہ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اس نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ صلیبیوں کو اس نے شکست خوردہ کر کے رکھ دیا تھا۔“

ایسٹس جب خاموش ہوا، تب کاؤنٹ آف گرے کا سپہ سالار رینارڈس بولا اور کہنے لگا۔

”ایسٹس کا کہنا یقیناً درست اور بجا ہے۔ لیکن ہم چونکہ شیزر اور آس پاس کے مسلمانوں کے علاقوں کو اپنا ہدف بنانا چاہتے ہیں۔ لہذا حلب اور موصول یہاں سے کافی دور ہیں اور جب تک ان علاقوں کے مسلمانوں کی مدد کیلئے عماد الدین پہنچتا ہے، اس وقت تک ہم شیزر شہر ہی نہیں حیات شہر کے علاوہ دیگر بہت سے علاقوں کو بھی فتح کر کے ان پر اپنا تسلط قائم کر کے وہاں کے مسلمانوں کا یروٹلم کی طرح قتل عام کر چکے ہوں گے۔“

رینارڈس کی اس تجویز سے کاؤنٹ آف سینٹ پال کاؤنٹ آف گرے اور ایسٹس تینوں نے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے باقاعدہ ایک دن مقرر کیا جس دن دونوں کے لشکریوں نے ایک جگہ جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنے کام کی ابتداء کرنا تھی۔

اسی دوران صلیبیوں کے اندر بھی ایک تبدیلی رونما ہو چکی تھی اور وہ یہ کہ یروٹلم کا حاکم گارڈ فرے ایک جنگ میں زخمی ہونے کی وجہ سے زخم ٹھیک نہ ہونے پر مر چکا تھا اور اس کا بھائی جوان دنوں ایڈیسیہ شہر کا حاکم تھا وہ ایڈیسیہ سے نکل کر یروٹلم جا چکا تھا اور اسے یروٹلم کا بادشاہ بنا دیا گیا تھا جبکہ ایڈیسیہ شہر کا حاکم اسی بالڈون نے اپنے ایک ہم نام کو مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح تاریخ کے

اوراق میں وہ بالڈون جو گارڈ فرے کے بعد یروخلیم کا بادشاہ بنا، بالڈون اول کہلاتا ہے اور جو بالڈون اول کی جگہ ایڈیسیہ شہر کا حکمران بنا۔ تاریخ کے اوراق میں وہ بالڈون دوم کہلاتا ہے۔ یہی شخص بالڈون اول کے انتقال کے بعد یروخلیم کا بادشاہ بنا تھا۔

بہر حال یروخلیم کا بادشاہ اب بالڈون تھا جبکہ ایڈیسیہ شہر کا حکمران بھی بالڈون ہی تھا اور دونوں نے اپنی عسکری طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ بھی کر لیا تھا۔



نجم الدین الغازی اور اس کا بھائی سکمان دونوں ایک روز چند سالاروں کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے اپنے مستقر کے استقامات سے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ان کے کچھ مجر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے مسکن میں داخل ہوئے تھے۔ وہ سیدھے اس طرف آئے جہاں نجم الدین الغازی اور سکمان دونوں اپنے سالاروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے قریب آ کر وہ گھوڑوں سے اترے بلند آواز میں سلام کیا پھر نجم الدین کے قریب بیٹھ گئے۔ نجم الدین نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔ کچھ پوچھتا ہی چاہتا تھا کہ ان میں ایک پہلے ہی بول اٹھا۔

”امیر ہم ایک بری خبر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ شیزر اور حمات شہر سے منسلک جو علاقے صلیبیوں کے قبضے میں ہیں۔ ان پر کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں قابض ہیں اور ان دونوں نے اپنی عسکری طاقت اور قوت میں خوب اضافہ بھی کر لیا ہے۔ کاؤنٹ آف سینٹ پال کے سالار کا نام ایسٹس اور کاؤنٹ آف گرے کے سپہ سالار کا نام رینالڈس ہے۔ ہم آپ کو یہ اطلاع دیتے ہیں کہ کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں کے سپہ سالار اپنا اپنا جہاز لشکر لے کر متحد ہوں گے۔ مسلمانوں کے علاقوں میں یلغار کرتے ہوئے وہ شیزر شہر فتح کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان کے ارادے یہ ہیں کہ شیزر شہر کو فتح کرنے کے بعد یہاں ایک ایسی صلیبی مملکت قائم کی جائے جو صدیوں تک قائم رہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ شیزر شہر کے اندر ایک بڑا لشکر رکھا جائے تو کوئی بھی حملہ آور شیزر کے قلعے کے استحکام کو توڑ کر قلعے میں محصور لشکر پر قابو نہیں پاسکتا۔ چنانچہ اپنے ان ارادوں کی تکمیل کیلئے وہ اب شیزر اور حمات شہر کے نواح میں جس قدر مسلمانوں کے علاقے ہیں ان پر حملہ آور ہوں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ شخص جب خاموش ہوا، تب نجم الدین الغازی نے اس کا شکریہ ادا

کیا انہیں آرام کرنے کے بعد پھر اپنے کام میں لگ جانے کا مشورہ دیا۔ ساتھ ہی اپنے سالاروں میں سے ایک کو مخاطب کر کے نجم الدین الغازی کہنے لگا۔

”میرے عزیز! تو ابھی اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دوڑاتا ہوا شیرز کے حاکم تاج الدولہ ابن ابی عسا کر کی طرف جا، اسے اور اس کے بیٹے اسامہ کو خبر کرو کہ چند روز تک صلیبیوں کا ایک لشکر شیرز شہر پر حملہ آور ہوگا۔ چنانچہ قلعے کے اندر محصور رہ کر وہ ڈٹ کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں جبکہ باہر سے ہم ان پر ضرب لگائیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم صلیبیوں کو شیرز فتح نہیں کرنے دیں گے۔“

نجم الدین الغازی کا یہ حکم پا کر وہ سالار بھاگتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتا ہوا مسکن سے نکلا اور شیرز شہر کا رخ کر رہا تھا۔

جہاں تک نجم الدین کا تعلق ہے تو اس سے متعلق مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ نجم الدین عالم اسلام کا وہ مجاہد تھا، جس نے ایک عرصہ تک صلیبیوں کی ناک میں گلیل ڈال کر رکھی اور انہیں کئی مواقع اور کئی جگہ پر پساپی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

اس سالار کے شیرز شہر کی طرف جانے کے بعد نجم الدین الغازی نے نام لے کر دو افراد کو طلب کیا، جب وہ اس کے سامنے آئے تب نجم الدین کچھ دیر تک غور سے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

”میرے دونوں عزیزو! مجھے پتا چلا ہے کہ عماد الدین نے ان دونوں حلب شہر میں قیام کر رکھا ہے۔ تم ابھی اسی وقت اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر حلب کا رخ کرو عماد الدین مجھے اور میرے بھائی سکمان دونوں کو خوب جانتا ہے۔ عماد الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے التماس کرنا کہ ان علاقوں میں صلیبیوں کا زور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ عماد الدین سے میری طرف سے یہ التماس کرنا کہ ہم آپ سے یہ گزارش کرتے ہیں کہ آپ اپنے سالار زین الدین کو حلب سے یہاں ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم نے اس کی بڑی شہرت، اس کے بڑے کارناموں کی خبریں سن رکھی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے ساتھ کام کرتے ہوئے وہ صلیبیوں کے خلاف خوب حرکت میں آئے گا۔ مجھے امید ہے کہ عماد الدین ہماری اس التماس کو رد نہیں کرے گا۔“

چنانچہ نجم الدین الغازی کا حکم پا کر وہ دونوں اشخاص اپنے مسکن سے کوچ کر گئے تھے۔

دوسری طرف کبیر الدین کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوا تھا۔ وہ اب پانچ سال کا ہو چکا تھا اور کبیر الدین نے اس کا نام اپنے باپ کے نام پر بدر الدین رکھا تھا۔ اس طرح حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہونے لگے تھے۔ ایک طرف نجم الدین الغازی اس کا بھائی سکمان اور دوسرے سالار اپنی عسکری حیثیت کو دن رات بہتر بنانے لگے تھے، جبکہ شیرز شہر کا حاکم تاج الدولہ ابن ابی عسا کر بھی اپنے بیٹے اسامہ کے ساتھ صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے مستعد اور چوکنا رہنے لگا تھا۔ آس پاس کی مسلمان بستیوں کو بھی اطلاع ہو چکی تھی کہ صلیبیوں کا ایک متحدہ لشکر شیرز شہر پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ لہذا شیرز اور حمت شہر کے گرد و نواح میں جو مسلمانوں کی بستیاں تھیں ان کے اندر بھی ایک طرح کا خوف و ہراس پیدا ہو گیا تھا۔ اس حالت میں چند ہفتے گزر گئے۔ یہاں تک کہ کاؤنٹ آف سینٹ پال کا سپہ سالار اسٹس اور کاؤنٹ آف گرے کا سپہ سالار رینارڈس دونوں اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ نکلے۔ شیرز اور حمت شہر کے ارد گرد جو مسلمان تھے ان کا خیال تھا کہ صلیبیوں کا یہ لشکر شیرز شہر پر حملہ آور ہو کر شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ چونکہ مسلمان جانتے تھے کہ شیرز شہر کا قلعہ بڑا مضبوط اور مستحکم ہے اور صلیبی اس پر قبضہ نہیں کر پائیں گے۔ لہذا اپنی طرف سے مطمئن تھے۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ صلیبی شیرز شہر پر حملہ آور ہونے کے ساتھ ساتھ شیرز اور حمت شہر کے گرد و نواح میں جو مسلمانوں کی بستیاں ہیں وہاں بھی وہ لہو رنگ کھیل کھیلنے کی کوشش کریں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسٹس اور رینارڈس دونوں اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے۔ دونوں کا یہ متحدہ لشکر بہت بڑا اور جرار قسم کا تھا۔ چنانچہ پہلے یہ شیرز اور حمت شہروں کے آس پاس مسلمانوں کی جو بستیاں تھیں، ان پر حملہ آور ہوئے اور وہاں کے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ مسجدوں کو انہوں نے جی بھر کر آگ لگائی، جہاں جہاں کلیسا زیادہ تھے ان بستیوں کو محفوظ رکھا۔ ہزاروں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اس قتل عام میں جمال الدین، بدر الدین، کبیر الدین اور محمد الدین تک موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ کبیر الدین کی ماں زمران، کبیر الدین کی بیوی سرایا بھی اس وحشت ناک کھیل کا شکار ہو گئے تھے۔ ان کا گھر ان کی حویلی ایک طرح سے اجڑ کر رہ گئی تھی۔ صرف کبیر الدین اور سرایا کا خورد و سالہ بیٹا جس کا نام بدر الدین تھا، وہ کسی نہ کسی طرح اپنی حویلی کے اندر محفوظ رہ گیا، جسے اس بستی کے بچنے والے لوگوں

نے تھوروس کی ماں ساروق اور بیوی میکمل کے پاس پہنچا دیا تھا۔ اس کے بعد اسٹس اور رینارڈس دونوں سالاروں نے شیزر شہر کا رخ کیا اور شیزر شہر کے قلعے اور شہر کا انہوں نے ایک طرح سے محاصرہ کر لیا تھا۔

نجم الدین الغازی اور شیزر شہر کے حکمران تاج الدولہ ابن ابی عسا کر کے درمیان چونکہ باقاعدہ رابطہ اور پیغام رسانی کا ایک سلسلہ قائم تھا۔ چنانچہ دونوں نے حالات کو ایک دوسرے سے آگاہ کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ خاص مخبر بھی دونوں کے درمیان خفیہ راستوں کے ذریعے رابطہ بحال کئے ہوئے تھے۔

انہی رابطوں کے تحت نجم الدین الغازی اور تاج الدولہ ابن ابی عسا کر کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ جب اسٹس اور رینارڈس دونوں شیزر شہر کا محاصرہ کریں تو رات کے وقت ان دونوں کے خلاف حرکت میں آیا جائے گا۔ حرکت میں آنے کا طریقہ کار یہ رکھا گیا تھا کہ نجم الدین کے مسکن سے جلتے ہوئے پروں کا ایک تیر بلند ہونا تھا۔ اس تیر کے بلند ہونے کے بعد نجم الدین نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنے مسکن سے نکل کر حملہ آور صلیبیوں کی پشت پر ضرب لگائی تھی، جبکہ اسی وقت شہر پناہ سے نکل کر ابن ابی عسا کر اور اس کے بیٹے اسامہ نے دشمن پر حملہ آور ہونا تھا۔

کاؤنٹ آف سینٹ پال کے سالار اسٹس اور کاؤنٹ آف گرے کے سالار رینارڈس دونوں کو چونکہ نجم الدین الغازی کے مسکن اور اس کے اندر جنگجوؤں کی موجودگی کا کوئی علم نہیں تھا لہذا ان کی پوری توجہ شیزر شہر کی طرف تھی وہ دن کے پچھلے حصے ہی میں شیزر کے نواح میں پہنچے تھے اور ایک طرف اپنا پڑاؤ قائم کرنے کے بعد انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔

چنانچہ رات جب گہری ہو گئی، تب اندھیرے کے اندر نجم الدین الغازی کے مسکن سے جلتے ہوئے پروں کا ایک تیر فضا کے اندر بلند ہوا تھا۔ یہ تیر ابن ابی عسا کر اور اس کے بیٹے اسامہ کیلئے نشاندہی تھی کہ نجم الدین ایک لشکر لے کر اپنے مسکن سے نکلے گا ہے۔ لہذا ابن ابی عسا کر بھی سامنے کی طرف سے دشمن پر حملہ آور ہونے کیلئے تیار اور مستعد ہو جائے۔

آخر کار شیزر شہر اور قلعے کا حاکم ابن ابی عسا کر اور اس کا بیٹا اسامہ دونوں اپنے لشکر کے ساتھ شیزر سے فرتوں کے سیاہ اندھیروں میں آرزوؤں کے سنہرے موسموں، پناہ کے محفوظ حصار سے نجم روشن کی شمعوں کی طرح نکلے۔ اس کے بعد وہ اسٹس اور رینارڈس کے لشکر پر روجوں

تک کو بے آباد کر دینے والی بیٹے دونوں کی کرب خیز داستانوں کو بہتانوں کے جگر شق کرتی صدیوں کی پیاسی قہرمانیت اور بصارتوں کی جھل مل میں درد کی جوئے رواں کھڑی کرتے انوکھے جذبوں کی یلغار کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے اسٹس اور رینارڈس بھی ابن ابی عسا کر اور اس کے بیٹے اسامہ پر اتحاد و تعاون پر قدغن لگاتے لمحوں کے خونی غبار موت کی وادیوں کی طرف دھکیلنے بد بختیوں کے سیرابوں اور قضا کے کرب ناک مناظر کھڑے کرتے بدست قربانیوں کے اندھے بگولوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

چونکہ اسٹس اور رینارڈس دونوں کے متحدہ لشکر کے مقابلے میں ابن ابی عسا کر کا لشکر بالکل مختصر اور چھوٹا تھا۔ لہذا یہ دونوں صلیبی سالار بڑے خوش تھے کہ شیزر شہر کے حاکم ابن ابی عسا کر نے شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنے کی حماقت کی ہے۔

اسٹس اور رینارڈس اس سے پہلے بڑے فکر مند تھے کہ اگر ابن ابی عسا کر نے شیزر کے قلعے میں محصور رہ کر مقابلہ شروع کر دیا تو یہ معاملہ طویل ہو جائے گا اور اگر وہ شیزر شہر کو فتح نہ کر سکے تو کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں ان سے ناراض ہوں گے۔ اب جوابی ابن ابی عسا کر اپنے مختصر لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ابن پر حملہ آور ہوا تو اسٹس اور رینارڈس بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے بے حد خوش اور مطمئن تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد ابن ابی عسا کر کو وہ شکست دیں گے اور فاتح کی حیثیت سے مسلمانوں کے شہر شیزر میں داخل ہو کر قتل عام کی ابتداء کریں گے۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ان کی پشت کی طرف سے ٹھہرے وقت کے جلال میں رتوں پر چھا جانے والی آہنی ہیبت، اندھیروں کی گہری عبائیں، بے غبار تمدن کی روجوں کی طرح نجم الدین الغازی اس کا بھائی سکیان اور دیگر سالار اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے پھر وہ اسٹس اور رینارڈس کے لشکر کی پشت کی جانب سے بلند باز گشت کی غم انگیز آوازوں میں وقت کی رچی کے سیلاب کھولتے قہر آلود موسموں میں پسا کر دینے والی سحر آفریں قوت اور دلوں کو سخت سخت کر دینے والی آتش ناک گرم رو کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اب اسٹس اور رینارڈس کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ پہلے وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ان

کے مقابلے پر ابن ابی عساکر کا مختصر سا لشکر ہے، جسے وہ روند کر شیرز شہر میں داخل ہو جائیں گے جب نجم الدین الغازی سکمان اور ان کے سالار اپنے لشکر کے ساتھ پشت کی جانب سے ان حملہ آور ہوئے، تب ان کے اوسان خطا ہوئے اور انہیں یہ احساس ہوا کہ شیرز شہر کا حاکم اپنے مخفیہ سے لشکر کے ساتھ بلاوجہ شہر سے باہر نکل کر ان سے نہیں ٹکرایا تھا۔

یوں شیرز شہر سے باہر دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے زمین کے چھتروے اڑاتے غم فراز کے قہے جنم لینے لگے تھے۔ گورکھ دھندوں کے پھیلاؤ میں رزم گاہ کے بدن پر اضطراب و عتاب کے خنجر چلنے لگے تھے۔ بد بختیوں کی آہیں بغض و عداوت کے قہے قضا کی خونی بارش ویرانیاں پھیلاتے بگولے میدان جنگ میں چار سو رقص کرنے لگے تھے۔

کیونکہ اسٹس اور رینارڈس دونوں پر سامنے اور پشت کی طرف سے حملے شروع ہوئے تھے اور یہ حملے بڑے خوفناک تھے اس لئے کہ جہاں سامنے کی طرف سے شیرز کا حاکم ابن ابی عساکر اور اس کا بیٹا اسامہ زوردار انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے صلیبوں پر ضربیں لگا رہے تھے وہاں پشت کی جانب سے نجم الدین الغازی اور اس کا بھائی سکمان بھی انہیں کے انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے بڑی تیزی سے پشت کی طرف حملہ آور ہوتے ہوئے ان کی تعداد کو کم کرتے چلے جا رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر کی جنگ کے بعد شیرز شہر سے باہر ان میدانوں اور وادیوں میں اسٹس اور رینارڈس کے لشکر کی حالت شاہراہوں پر کراہتی ویرانوں، خزاں رسیدہ اشجار، پت جھڑوں کی بیزار داستانوں بدترین دریا کی لہروں، فضا کی ہلاکت خیزیوں، شعلوں میں سلگتے دامن دلوں کے آنکھوں میں جگر کے ماتم جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ اسٹس اور رینارڈس نے رات کی تاریکی میں جب یہ اندازہ لگایا کہ مسلمانوں نے دو طرفہ حملے کر کے ان کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے تب وہ اپنے بچے بچے لشکر کو سمیٹتے ہوئے اور شکست قبول کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

ابن ابی عساکر اور نجم الدین الغازی نے کچھ دور تک بڑے خوفناک انداز میں ان کا تعاقب کیا، پھر وہ پلٹ کر اس طرف آئے جہاں جنگ ہوئی۔

مگر ابھی وہاں انتظار کیا گیا اور جب مشرق سے سورج طلوع ہوا تب اسٹس اور رینارڈس

کے پڑاؤ پر قبضہ کیا گیا۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا، اس مال غنیمت میں سے ابن ابی عساکر اور اس کے بیٹے اسامہ نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا اور وہ سارے کا سارا سامان ان دونوں باپ بیٹے نے نجم الدین الغازی اور سکمان کے حوالے کر دیا تھا تا کہ اپنے مسکن کے اندر عسکری طاقت اور قوت بڑھانے میں اس مال اسباب سے ان کو مدد ملے۔

جس وقت ابن ابی عساکر اور نجم الدین الغازی، اسامہ، سکمان اور کچھ دوسرے سالار ایک جگہ کھڑے اپنی شاندار فتح مندی پر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ اس فتح سے متعلق گفتگو کر رہے تھے کچھ ممبر جن تعلق نجم الدین الغازی کے مسکن سے تھا۔ وہ اپنے گھوڑوں کو سر پٹ دوڑاتے ہوئے وہاں آئے، قریب آ کر وہ اپنے گھوڑوں سے اترے۔ سب کو بلند آواز میں انہوں نے سلام کہا۔ پہلے آنے والوں نے ابن ابی عساکر اور نجم الدین الغازی کو اسٹس اور رینارڈس کے خلاف اس شاندار فتح پر مبارکباد دی، پھر ان میں سے ایک باری باری ابن ابی عساکر اور نجم الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”جہاں آپ لوگوں نے شیرز شہر کے باہر صلیبی لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد صلیبوں کو بدترین شکست دی ہے وہاں ہم بھی آپ کیلئے ایک اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔“

آنے والوں کے ان الفاظ پر ابن ابی عساکر اور نجم الدین چونکے کے انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھنے لگے تھے، پھر ان میں سے کوئی اس خبر سے متعلق استفسار کرنا ہی چاہتا تھا کہ آنے والوں میں سے پھر وہی بول اٹھا۔

”خبر یہ ہے کہ ایڈیہ شہر کے حکمران بالڈون کی ایک شہزادی نے اس کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی ہے۔“ دراصل بالڈون کی دو شہزادیاں ہیں۔ ایک کا نام میلیسڈ اور دوسری کا نام مقیاس ہے۔

(یاد رہے کہ جہاں تک شہزادی میلیسڈ کا تعلق ہے تو جس وقت بالڈون ایڈیہ شہر سے نکل کر یروٹلم کا بادشاہ بنا تو اس نے فرانس میں اپنے ایک عزیز کو یروٹلم بلایا۔ اس کا نام فوک تھا اور اس کو یہ ترغیب دی کہ اگر وہ فرانس سے نکل کر یروٹلم آئے تو وہ اپنے بڑی شہزادی میلیسڈ کی اس سے شادی کر دے گا۔ چنانچہ فوک نام کا وہ شخص یروٹلم آیا اور بالڈون نے اپنی شہزادی میلیسڈ کی شادی اس سے کر دی تھی۔ یہی فوک بالڈون کے بعد یروٹلم کا بادشاہ بھی بنا تھا اور میلیسڈ اس کی

بیوی رہی تھی۔)

مقیاس میلنڈا کی چھوٹی بہن اور بالڈون کی چھوٹی بیٹی ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا وہ خبر کا اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

”جس وقت شیرز شہر کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اسٹس اور رینارڈس دونوں نے مسلمانوں کے علاقوں میں تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلا اور ان گنت مسلمانوں کو قتل کر کے مسلمانوں کی ان گنت بستیوں کو آگ لگائی اجاڑا اور ان کی لوٹ مار کی تو مسلمانوں کی اس بربادی اور قتل عام پر شہزادی مقیاس نے اپنے باپ بالڈون سے بری طرح احتجاج کیا تھا کہ وہ چونکہ ایڈریس کا بادشاہ ہے۔ کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں ایک طرح سے اس کے ہمسائے اور کم تر حاکم ہیں۔ لہذا بالڈون ان پر گرفت کرے کہ انہوں نے مسلمانوں پر یہ مظالم کیوں کئے۔ مقیاس کا کہنا تھا کہ آج اگر صلیبی مسلمانوں پر مظالم کر رہے ہیں تو کل کو اگر مسلمان متحد ہو گئے اور انہوں نے طاقت اور قوت پکڑ لی تو پھر جب وہ صلیبیوں کا قتل عام کریں گے تو پھر صلیبیوں کو پناہ لینے اور چھپنے کیلئے کوئی جگہ نہ ملے گی۔

چنانچہ مقیاس کے اس احتجاج پر جب اس کے باپ بالڈون نے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا اور اس نے مسلمانوں کے اس قتل عام اور مسلمانوں کی اس تباہی اور بربادی پر خوشی کا اظہار کیا تب کہتے ہیں مقیاس اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں گئی ہے کس جگہ پہنچی ہے اور کہاں اس نے پناہ لی ہے۔ کچھ خبریں یہ بھی اڑ رہی ہیں کہ اس واقعہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مقیاس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور کہیں اس نے پناہ لے رکھی ہے۔“

نجم الدین الغازی اور ابن ابی عسا کرنے اس پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد سارے سامان کو سمیٹ کر ابن ابی عسا کر کے کہنے پر نجم الدین الغازی اور اس کا بھائی سکمان اپنے لشکر کو لے کر اپنے مسکن کی طرف چلے گئے تھے، جبکہ ابن ابی عسا کر اور اس کا بیٹا اسامہ فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے اپنے شہر شیرز میں داخل ہو رہے تھے۔



عماد الدین حلب میں ایک روز زین الدین اور اپنے چند دوسرے سالاروں اور عمائدین کے ساتھ بیٹھا اسٹس اور رینارڈس کے ہاتھوں مسلمانوں کے علاقوں کی تباہی اور بربادی سے متعلق بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے ایک سالار نے نجم الدین الغازی کے قاصد کے آنے کی اطلاع دی۔

یہ خبر سن کر عماد الدین نے فوراً نجم الدین الغازی کے قاصدوں کو طلب کر لیا۔ چنانچہ قاصد جب عماد الدین کے سامنے گئے، تب عماد الدین نے والہانہ انداز میں ان کا استقبال کیا۔ پُر جوش انداز میں ان سے مصافحہ کیا، اپنے قریب ہی عمدہ نشستوں پر انہیں بٹھایا، پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”عزیز ساتھیو! نجم الدین الغازی اور سکمان دونوں بھائی عالم اسلام کیلئے اجنبی اور نا آشنا نہیں ہیں۔ انہوں نے جو صلیبیوں کے خلاف اپنا مسکن بنا کر کارروائیوں کی ابتداء کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ عالم اسلام کی بہترین خدمت ہے۔ کہو نجم الدین الغازی کی طرف سے تم میرے لئے کیا پیغام لے کر آئے ہو۔“

اس پر آنے والوں میں سے ایک دکھ برے انداز میں بولا اور کہنے لگا۔

”امیر ہمیں نجم الدین الغازی نے آپ کی طرف یہ اتنا س دے کر بھیجا ہے کہ آپ اپنے سالار زین الدین کو نجم الدین کے مسکن میں بھیج دیں، تاکہ ایک سالار کی حیثیت سے وہ وہاں کام کرے۔ اس لئے کہ شیرز شہر اور آس پاس کے علاقوں کے علاوہ حمات شہر اور اس کے گرد و نواح میں جس قدر مسلمانوں کے علاقے ہیں ان پر صلیبیوں کے حملوں کا تا صرف آغاز ہو چکا ہے، بلکہ صلیبیوں نے ان علاقوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور اس کام

میں کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں اور ان کے سالار بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی خبریں آئی ہیں کہ بادشاہ بالڈون کی طرف سے بھی انہیں مدد مل رہی ہے۔ اس کے علاوہ اطالیکہ کے فرانسیسی حکمران بوہیمینڈ اور فرانس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیو کی طرف سے بھی انہیں عسکری اور اخلاقی و سیاسی حمایت اور مدد حاصل ہو رہی ہے۔

نجم الدین الغازی نے اس سے پہلے آپ کے سالار زین الدین کو نہیں دیکھ رکھا۔ اس کے بھائی سکمان کی زین الدین سے ملاقات ہو چکی ہے۔ لہذا سکمان نے ہی اپنے بھائی نجم الدین الغازی کو زین الدین سے متعلق بتایا ہے۔ چنانچہ اپنے بھائی سے تفصیل جاننے کے بعد نجم الدین الغازی عابنانہ طور پر آپ کے سالار زین الدین کا شیدائی ہو چکا ہے اور اس کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ زین الدین اس کے پاس ایک سالار کی حیثیت سے مسکن میں رہے۔ نجم الدین یہ بھی خیال کرتا ہے کہ زین الدین کے وہاں جا کر کام کرنے سے یقیناً صلیبیوں پر ہم ایسا بوجھ ڈالیں گے کہ ان سے مسلمانوں کے قتل عام اور مسلمانوں کی بستیوں جلانے کا انتقام ضرور لیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا قاصد جب خاموش ہوا۔ تب عماد الدین نے اپنے پہلو میں بیٹھے زین الدین کی طرف ایک غائر نگاہ ڈالی پھر اس سے سرگوشی کے انداز میں صلاح مشورہ کیا۔ آخر اس کے لیوں پر۔ ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر آنے والے ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”دو روز ہمارے پاس قیام کرو آرام کرو۔ میں زین الدین سے اس کا عندیہ لے چکا ہوں۔ یہ نجم الدین الغازی کے پاس جا کر کام کرنے کیلئے تیار ہے۔ دو دن بعد زین الدین تمہارے ساتھ یہاں سے روانہ ہو کر نجم الدین الغازی کی طرف جائے گا۔ اس وقت ہمارے پاس بہت سے لشکری ہیں جن کا تعلق حماہ شہر اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کے علاوہ شیر شہر اور اس کے مضافات کے قصبوں اور بستیوں سے ہے۔ لہذا یہ سارے لشکری اور چھوٹے سالار بھی زین الدین کے ساتھ کام کرنے کیلئے نجم الدین الغازی کی طرف جائیں گے۔“

عماد الدین کا یہ جواب سن کر نجم الدین الغازی کے دونوں قاصد بے حد خوش ہو گئے تھے۔

چنانچہ دو دن انہوں نے حلب میں قیام کیا اور دو دن بعد وہ زین الدین اور اس کے ساتھ حرکت میں آنے والے لشکریوں کے ساتھ شیر شہر کے نواح میں نجم الدین الغازی کے مسکن کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

زین الدین ایک روز نجم الدین کے قاصدوں اور اپنے ساتھ حرکت میں آنے والے لشکریوں کے ساتھ نجم الدین الغازی کے مسکن میں داخل ہوا۔ اس کی آمد کی اطلاع پہلے ہی وہاں ہو چکی تھی۔ جونہی وہ مسکن میں داخل ہوا نجم الدین الغازی اس کے بھائی سکمان کے علاوہ ابن ابی عساکر اور اس کے بیٹے اسامہ نے بھی وہاں آ کر شاندار اعزاز میں اس کا استقبال کیا تھا۔ زین الدین اور اس کے ساتھ آنے والے لشکر کا بہترین انداز میں استقبال کیا گیا۔ مسکن کے اندر شادیانے بجائے گئے اور ایک شاندار جلوس کی شکل میں بڑے طمطراق اور شان و شوکت کے ساتھ نجم الدین، زین الدین کو اپنے مسکن میں لے گیا۔ آنے والی شب کو زین الدین کو آرام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا اور اگلے روز نجم الدین الغازی سکمان اور دوسرے سالار ایک جگہ جمع ہوئے پھر لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دیا گیا۔ لشکر کی اکثریت کو زین الدین کے تحت رکھا گیا تھا اور نجم الدین الغازی کے بعد زین الدین کو مسکن کا نائب امیر مقرر کرنے کے ساتھ لشکریوں کا ایک طرح سے سپہ سالار بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ جب یہ سارے انتظام ہو چکے، تب بڑے دکھ بھرے انداز میں زین الدین، نجم الدین الغازی اور سکمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مجھے راستے میں ہی علم ہو چکا تھا کہ اسٹس اور رینارڈس نے ہماری بستیوں پر حملہ آور ہو کر جابئی اور بربادی کا کھیل کھیلایا ہے۔ مجھے یہ بھی خبر ہو گئی تھی کہ اس حملے میں میرے ماں باپ میرا دادا میرے سب بھائی اور میرے بڑے بھائی کبیر الدین کی بیوی تک ان صلیبیوں کے ہاتھوں ماری جا چکی ہے۔ میرے بڑے بھائی کبیر الدین کا ایک بیٹا ہے نام اس کا میرے باپ پر بدر الدین ہے۔ اس سے متعلق مجھے خبر ہوئی ہے کہ اسے اس کے نکمیاں پہنچا دیا گیا ہے۔ لہذا میں آج اپنے اس بھتیجے سے ملنے کیلئے جاؤں گا۔ اس کے بعد چند دن اپنی تیاریوں کو آخری شکل دوں گا۔ پھر میں ان صلیبیوں کے خلاف ایسا حرکت میں آ جاؤں گا کہ انہیں اس ساری جابئی اس ساری شکست اور رنج کا جواب دینا ہوگا، جو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ان علاقوں میں کی ہے۔“

نجم الدین الغازی اور سکمان دونوں نے زین الدین کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔

چنانچہ زین الدین اسی روز اپنے نخیال کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس کو بتائے بغیر نجم الدین الغازی نے اپنے کچھ دستے مقرر کر دیئے تھے، تاکہ اس کے اطراف میں رہ کر صلیبیوں سے اس کی حفاظت کا سامان کریں۔



تھوروس، اس کی بیوی میکمل، دونوں بیٹے یوطاس اور راوند اور نوخیز اور نو جوان اور حسین ترین بیٹی سببہ ایک روز اپنی حویلی میں اکٹھے بیٹھے باہم کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ دستک کی آواز سن کر تھوروس کا بڑا بیٹا یوطاس اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے؟“

اس کے ساتھ ہی یوطاس تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا حویلی کے صدر دروازے کی طرف گیا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا دروازے پر زین الدین اپنے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ گو زین الدین کئی برس بعد ان کے سامنے آیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی یوطاس اسے پہچان گیا۔ والہانہ انداز میں آگے بڑھا۔ زین الدین کو گلے لگا کر ملا اس کے بعد پلٹا اور شور کرنے لگا۔

”بھائی زین الدین آئے ہیں۔“

اتنی دیر تک زین الدین نے اپنے گھوڑے کو حویلی سے باہر ہی باندھ دیا تھا، پھر وہ یوطاس کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہوا تھا۔

زین الدین کی آمد کا سن کر تھوروس اور اس کی بیوی میکمل اور بیٹا راوند تینوں بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے، جبکہ سببہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر حویلی کے دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

زین الدین جب آگے آیا، تب تھوروس سب سے پہلے اسے گلے لگا کر ملا، ساتھ ہی میکمل نے بھی اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ جب سب بیٹھ گئے تو تھوروس اپنی بیوی میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرا بیٹا ایک عرصے کے بعد ہمارے گھر میں آیا ہے، اس کی ایسی توضیح اور خدمت کرو کہ جس کی کہیں مثال نہ ملے۔“

اس پر زین الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ماموں آپ کو ایسی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں زیادہ دیر یہاں رکوں گا نہیں، ایک چھوٹے سے کام کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ پہلے یہ بتائیں میری نانی ساروق کہاں ہے۔“

زین الدین کے اس سوال پر تھوروس، میکمل، یوطاس اور راوند سب پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ پھر تھوروس کہنے لگا۔

”میرے بچے جب اسٹس رینارڈس دونوں صلیبی سالاروں نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ بول دیا اور مسلمانوں کا قتل عام کیا اور اس قتل عام میں تمہارے ماں باپ کے علاوہ تمہارے دونوں بھائی اور میری بیٹی سرایا بھی ماری گئی، تب اس غم کو میری ماں برداشت نہ کر سکی اور اس روز وہ بھی اس دنیا سے کوچ کر گئی۔“

یہ خبر سن کر تھوروی دیر تک زین الدین کی گردن غم اور دکھ میں جھکی رہی۔ اس کی آنکھوں کے اندر نمی اتر آئی تھی۔ پھر اس نے اپنی ممانی میکمل کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”ممانی میرے بھائی کبیر الدین کا ایک بیٹا تھا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کا نام بدر الدین رکھا گیا ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ بچ گیا تھا اور آپ کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔ کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟“

اس موقع پر میکمل عجیب سے انداز میں کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

”بیٹے آج کے بعد تو مجھے ممانی نہیں کہے گا۔ تیری ماں چونکہ ظالموں کے ہاتھوں ماری گئی ہے۔ لہذا ممانی کے بجائے وعدہ کرو آج کے بعد تم مجھے ماں کہہ کر پکارو گے۔ میں جانو گی کہ میرے دونوں تین بیٹے ہیں اور پھر میرے بچے کبیر الدین اور میری بیٹی سرایا کا بیٹا یقیناً یہاں پہنچ چکا ہے۔ یہ باتیں والے کمرے میں وہ اس وقت سویا ہوا ہے۔ تم اسے دیکھ سکتے ہو۔ اسے مل سکتے ہو۔ وہ تمہارا بھتیجا ہے۔ سب بڑا اور سب سے گہرا رشتہ اس کا تمہارے ساتھ ہی ہے۔“

اس پر زین الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھنے پر تھوروس، یوطاس، راوند اور میکمل بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے بائیں جانب والے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک مسہری پر کبیر الدین اور سرایا کا بیٹا بدر الدین گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس وقت حسین خوبصورت سببہ بیٹھی ہوئی تھی اور جب زین الدین کے ساتھ سب اس کمرے میں داخل ہوئے

تب سب سے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

زین الدین آگے بڑھا، کچھ دیر تک بدر الدین کی مسہری کے پاس کھڑے ہو کر سوتے کی حالت میں اسے دیکھتا رہا، پھر اس کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔ یہاں تک کہ آنسوؤں کی کچھ لڑیاں اس کے لباس سے سرکتی ہوئی زمین میں جذب ہو گئی تھیں۔ اس کی اس حالت سے قہوروس، میکمل، یوطاس، راوند پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ زین الدین جھکا، کئی بار اس نے گہری نیند سوتے زین الدین کے گال اور پیشانی چوٹی پھر پیچھے ہٹا اور قہوروس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں تمہارا وقت نکال کر یہاں آیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں رک نہیں پاؤں گا۔ میں حلب سے ان علاقوں میں منتقل ہو چکا ہوں اور میرے ذمے ایک انتہائی اہم کام لگایا گیا ہے جسے پورا کرنے کیلئے مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ لہذا میں آپ کی اجازت چاہتا ہوں، میں رخصت ہوں گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر قہوروس، میکمل، یوطاس اور راوند سب چونکے تھے۔ یہاں تک کہ قہوروس بولا تھا۔

”بیٹے یہ کیسے ممکن ہے کہ تم لمحہ بھر کیلئے اس گھر میں آؤ اور بغیر کچھ کھائے بیٹے یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ یہ تمہارا انھیال ہے۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔ دیکھو بچے.....“ قہوروس کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ زین الدین بڑی سنجیدگی میں کہنے لگا۔

”آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں درست ہے۔ لیکن میری کچھ مجبوریوں ہیں، آپ مجھے مجبور نہ کیجئے گا۔ میرا جانا ضروری ہے۔“

اس پر قہوروس اور میکمل مان گئے۔ لہذا زین الدین باہر نکلا۔ قہوروس، میکمل، یوطاس اور راوند دروازے تک اسے رخصت کرنے آئے۔ پھر زین الدین نے اپنے گھوڑے کو کھولا، سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا تا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

اب مسکن میں زین الدین نے اپنی عسکری قوت بڑھانے میں دن رات ایک کر دیئے تھے۔ اس نے قسم کھالی تھی جب تک حملہ آور صلیبیوں سے اپنے عزیز واقارب اور دوسرے مسلمانوں کے جان و مال کا انتقام نہیں لے لیتا اس وقت تک نیا لباس زیب تن کرے گا اور نہ ہی

مسہری پر سونے گا۔

زین الدین کیونکہ انہی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ لہذا اسٹس اور ینارؤس کے وحشیانہ حملوں کے باعث جو نوجوان متاثر ہوئے تھے اور پناہ لینے کی خاطر اور اپنی جانیں بچانے کیلئے ادھر ادھر بھاگ گئے تھے۔ پہلے اس نے انہیں اکٹھا کرنا شروع کیا۔ کہیں وہ خود گیا، کہیں اپنے کچھ ساتھیوں کو بھیجا اور جوان علاقوں کے نوجوان ادھر ادھر بکھر گئے تھے انہیں بلا بلا کر اپنے مسکن میں جمع کرتے ہوئے ان کی عسکری تربیت کا کام بڑی تیزی اور زور و شور سے شروع کر دیا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ زین الدین گا ہے گا ہے اپنے پیچھے بدر الدین کو ملنے کیلئے قہوروس کے ہاں بھی چلا جایا کرتا تھا۔ اس علاقے کے نوجوان کیونکہ زین الدین کو اچھی طرح جانتے تھے اور پھر اسٹس اور ینارؤس کے ہاتھوں ان علاقوں کو بے پناہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لہذا ان علاقوں کے وہ نوجوان جن کے المیخانہ کے اکثر افراد مارے جا چکے تھے۔ مسکن کے اندر بڑی تیزی اور تندہی کے ساتھ اپنی عسکری تربیت مکمل کرنے لگے تھے۔ اس لئے کہ صلیبیوں نے کیونکہ انہیں بے پناہ نقصان پہنچایا تھا۔ لہذا ان سے انتقام لینے کیلئے وہ بے چین اور بے تاب ہو رہے تھے۔

زین الدین نے ایک روز قہوروس کی حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ پہلی ہی دستک کے قہوڑی دیر بعد قہوروس کی بیوی میکمل نے جب دروازہ کھولا اور دروازے پر اس نے زین الدین کو کھڑے دیکھا، تب اس نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا، کہنے لگی۔

”بیٹے تم پہلے دروازہ دیکھ کر تو لیا کروا جنیوں کی طرح دروازے پر دستک دینا شروع کر دیتے ہو۔ دروازہ تو کھلا ہوا ہے اسے زنجیر نہیں لگی ہوئی تھی اور یہ جب بھی تم آتے ہو ہمارے ہاں قیام نہیں کرتے۔ اپنے گھوڑے کو باہر ہی باندھ دیتے ہو۔ آج بھی میں دیکھتی ہوں گھوڑے کو تم باہر باندھ چکے ہو اب جبکہ تم اندر آؤ گے تو سب سے پہلے یہی بات کہو گے کہ تمہیں واپس جانا ہے اور تمہیں واپس جانے کی جلدی ہے۔“

اس موقع پر ہلکا سا ہنس زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔

”اماں آپ ٹھیک کہتی ہیں، میرے پاس واقعی وقت نہیں ہے۔ یایوں جانیں وقت کم ہے اور مجھے بہت کچھ کرنا ہے گھر میں سناٹا ہے کیا۔“

اس کے ساتھ ہی میکمل ایک طرف ہٹ گئی۔ زین الدین اندر داخل ہوا۔ میکمل نے اسے

مخاطب کیا۔

”تمہارے ماموں اور دونوں بھائی کام کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے ہیں۔ آج کل وہ بڑی تندہی کے ساتھ اپنے باغات میں کام کر رہے ہیں۔“

میکل یہیں تک کہنے پائی تھی کہ حویلی کے اندرونی حصے سے زین الدین کا بھتیجا بدرالدین بھاگتا ہوا نکلا تھا۔ زین الدین کو دیکھ کر وہ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی زین الدین نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے تھے۔ چنانچہ بدرالدین بھاگتا ہوا آیا اور زمین پر بیٹھ کر زین الدین نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ اسے پیار کرنے لگا، پھر اٹھا کر وہ دیوان خانے میں داخل ہوا۔

دیوان خانے میں وہ بیٹھا ہی تھا کہ دیوان خانے کے باہر سے حسین اور خوبصورت سببہ کی آواز سنائی دی تھی۔ اپنی ماں میکل کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پکارا تھا۔

”اماں تھوڑی دیر کیلئے میری بات سنیں۔“

میکل جو اس وقت زین الدین کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اپنی جگہ سے اٹھی اور کہنے لگی۔

”بیٹے میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔ تم بدرالدین کے پاس بیٹھو۔“

اس کے ساتھ ہی میکل باہر نکل گئی۔ دروازے کے قریب ہی دیوار کے ساتھ سببہ کھڑی تھی۔ جب میکل جا کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی اور استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا، تب سببہ اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اماں! یہ روز روز یہاں کیوں آ جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں یہ مجھے پسند کرتا ہے۔ مجھ سے محبت کرتا ہے، لیکن اسے یہ بھی تو خبر ہے کہ میں اسے ناپسند کرتی ہوں، پھر روز روز یہ کیوں ہماری حویلی میں آ جاتا ہے۔“ سببہ کے ان الفاظ پر میکل غضب ناک ہو گئی تھی، کہنے لگی۔

”سببہ! اپنے حواس میں رہو! اس گھر سے اس کا ایک تعلق ہے۔ یہ اس کا انصیال ہے۔ وہ جب چاہے یہاں آ سکتا ہے اور پھر وہ تمہیں دیکھنے تو نہیں آتا۔ اپنے بھتیجے سے ملنے آتا ہے۔“ اس پر سببہ بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”اگر یہ بات ہے تو لے جائے اپنے بھتیجے کو اپنے ساتھ۔“

میکل کے غصے کی کوئی انتہاء ہی تھی۔ اس کا ہاتھ اٹھا، ایک طمانچہ اس نے سببہ کے منہ پر

دے مارا اور کھولتے ہوئے لہجے میں کہنے لگی۔

”بدرالدین صرف اس کا بھتیجا نہیں ہے، تیری سگی بہن کا بیٹا اور تیرا بھانجا بھی ہے۔ تو کس قسم کی بے حیثیت لڑکی ہے کہ تجھے زین الدین کا یہاں آنا گراں گزرتا ہے، جو تیری سگی بھوپھی کا بیٹا ہے۔ سن سببہ! آئندہ.....“

میکل یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اسے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بدرالدین کا بازو پکڑے زین الدین دیوان خانے سے باہر نکلا، اسے وہاں دیکھ کر میکل شرمندگی کا احساس کر رہی تھی۔ سببہ کے چہرے پر جہاں میکل کا طمانچہ پڑا تھا وہ حصہ سرخ ہو گیا تھا۔ میکل جان گئی تھی کہ دیوان خانے سے باہر اس کے اور سببہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے، وہ زین الدین نے سن لی ہے اور اس بنا پر وہ باہر نکلا ہے۔ معذرت کرنے اور زین الدین کو دلجوئی کیلئے وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ سببہ وہاں سے ہٹ کر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔ یہاں تک کہ زین الدین نے میکل کو مخاطب کیا۔

”اماں! آپ برا نہ مایے گا میں بدرالدین کو لینے آیا تھا اور لے کر جا رہا ہوں۔“

میکل حیران پریشان اور ششدر کھڑی رہ گئی تھی، کچھ کہنا چاہتی تھی کہ زین الدین بدرالدین کا ہاتھ تھامے حویلی سے نکلا، گھوڑے کو کھولا۔ پہلے بدرالدین کو گھوڑے پر بٹھایا پھر خود بھی جست لگاتے ہوئے گھوڑے پر بیٹھا۔ اس کے بعد وہ گھوڑے کو ایڑ لگا تا اور سرپٹ دوڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔



ہی کالے سایوں کے جہوم میں نفس نفس روشنی کی چاہت عطا کرتا ہے۔ خیالوں کی حسین دنیا اور ضرورتوں کے گنگر گنگر ذہن کے منڈھیروں پر آرزوؤں کے اداس سنان ماحول میں تو ہی حرف راز کی طرح اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اے اللہ! میں بھی تیرے ہی نام سے اپنے کام کی ابتداء کرنے لگا ہوں۔ میرے اللہ میری مدد فرماتا۔“

یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اسے اپنی پشت پر ہلکی باریک آواز میں آمین کی صدا سنائی دی تھی۔ یہ صدا سن کر وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا اس کا بھتیجا بدر الدین چھوٹا سا ایک کمل اوڑھے اور اس پر چڑے کی چادر ڈالے اس کی پشت پر کھڑا رہا تھا۔ زین الدین اٹھا اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر کہنے لگا۔

”بیٹے تو اس برفباری میں اپنے کمرے سے باہر کیوں چلا آیا؟“ اس پر بدر الدین نے اپنے گال صاف کئے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

”آپ عشاء کی نماز پڑھنے گئے تھے جب آپ نے دیر کی تو میں کمرے سے نکلا۔ کمرے کے سامنے ایک لشکر استوار تھا۔ اس لشکر کے پاس نجم الدین الغازی، سکمان اور دوسرے سالار کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے جب آپ سے متعلق پوچھا تو نجم الدین نے مجھ سے کہا کہ آپ ایک لشکر لے کر دشمن کے خلاف حرکت میں آنے والے ہیں۔ اے عم! آپ کدھر کا رخ کریں گے کس کے خلاف حرکت میں آئیں گے کس پر ضرب لگائیں گے؟“

بدر الدین کے ان الفاظ پر زین الدین پکمل کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر تک ہونٹ کانٹے ہوئے بدر الدین کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

”اے فرزند مہربان! میں ایسے لوگوں کے خلاف حرکت میں آنے کی ابتداء کرنے لگا ہوں جو کاسہ وقت میں الفاظ کو بے ترتیب کرتے ہیں۔ میرے بچے جو فطرت کے جمال میں محبت کے شہروں کو بیابانوں میں تبدیل کرتے ہیں جو زندگی کی رگ و جاں کے افسانوں کو نامکمل کرتے ہیں۔ چمکتے ستاروں کو تاریکی کے گہرے ساگر اور آبگینوں کے نگر میں پتھروں کے طوفان کھڑے کر دیتے ہیں۔“

میرے بیٹے اس برفباری میں باہر نہ نکلا کر۔ اپنے کمرے کے اندر رہا کر۔“

اس پر دکھ بھرے انداز میں بدر الدین کہنے لگا۔

رات اپنے عروج کی طرف بھاگتی جا رہی تھی۔ سرما کا موسم اپنی شدت پر آچکا تھا۔ برفباری اس تیزی سے جاری تھی کہ زمین کے سینے کو اس نے سفید کر کے رکھ دیا تھا۔ ایسے میں زین الدین مسکن کے اندر ایک ٹیلے کے اوپر سر بسجود تھا۔ کچھ دیر تک وہ دل ہی دل میں دعا مانگتا رہا اس کے بعد اس کی آواز سنائی دینے لگی وہ کہہ رہا تھا۔

”اے اللہ! جود اور خاموشیوں کی تہوں، سکوت کے ویران حلقوں، دکھ کی خیرہ کن شعاعوں، عداوتوں کے ریتیلے جھکڑوں، بے کراں وسعتوں کے عذابوں، ذہنوں کے آفاق پر منڈلاتے ادھام کے کالے بادلوں میں تو ہی اپنے بندوں کی مدد اور اعانت کرتا ہے۔ اے مالک کائنات! مجھ بے بضاعت شخص کی حالت خزاں رتوں کے خشک پتوں کے ڈھیر اور زندگی کی بنجر سر زمینوں میں جوالا مکھی کی کھولتی تنہائیوں جیسی ہے۔ اے اللہ! صبراؤں سے اٹھتی قضا، جنگل کی دھاڑتی موت کی سی آندھیوں میں تو ہی مدد اور حمایت کرنے والا ہے۔“

میرے اللہ! میں تجھے ہی مدد کیلئے پکارتے ہوئے اور تیرے ہی مقدس نام کو یاد کرتے ہوئے بت خانوں کے سازوں، سیہ نگاہ کے پرستاروں، بدی کے کاہنوں کی مناجات گمراہ راہیوں کے راز و نیاز اور سیہ تہذیب کی آندھیوں کے خلاف حرکت میں آنے لگا ہوں۔

میرے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں گناہوں کی بنیادیں استوار کرنے والوں کے خلاف بیچ و تاب کھاتی آتش بے دود بستیوں بھرنے والوں کے خلاف نہ رکنے والے ہولناک عذاب شیطنت کے نغمے الاپنے والوں کے خلاف تخلیق کے اعجاز کن فسون کی طرح حرکت میں آؤں۔ نیک و ذلت کے شبستانوں پر خیموں کو تل پٹ کر دینے والی آندھیوں کی طرح ضرب لگاؤں۔

”میرے اللہ! تو ہی بے اماں راتوں کے لمحوں میں امیدوں کے ایوانوں کو مستحکم کرتا ہے تو

”اے عم! آپ بھی تو بر فباری میں باہر آئے ہیں۔ آپ کس کو یاد کر رہے تھے۔ بار بار آپ اللہ کو پکار رہے تھے۔ وہ کہاں ہے؟ وہ کیسے آپ کی مدد کرے گا؟“ بدرالدین کے اس استفسار پر زین الدین اسے اپنے ساتھ زور سے لپٹاتے ہوئے بڑی محبت اور چاہت میں کہنے لگا۔

”میرے بیٹے! اللہ معبود حقیقی خالق و مالک کائنات ہے۔ جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اللہ اس عظیم ہستی کا اسم ذات ہے۔ وہی دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔ وہی زمین آسمان کا نور ہے۔ میرے بیٹے! وہ اللہ ہی تو ہے جو بے نیاز ہے۔ کسی کا محتاج نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا۔ نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ وہ لاشریک و بینظیر ہے۔ ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ اس کیلئے نہ جھکنے ہے نہ زوال و فناء، نہ موت نہ ہلاکت، وہ جی القیوم بزرگ اور برتر ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ سب کا تھامنے والا ہے۔ اسے ادگھ آتی ہے نہ نیند، جو کچھ زمین آسمان میں ہے سب اسی کا ہے۔

میرے بیٹے! وہ ہر شے کا رب ہے۔ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہے اضافہ کرتا ہے۔ سب اس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ کوئی نہیں جو اس کی بندگی سے آزاد ہو۔ اسی کے ہاتھ میں ہر شے کی حکومت ہے۔ وہ اللہ برحق ہے۔ تمام تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ اس کیلئے سارے اچھے اچھے نام ہیں۔ اسی کو اللہ کہہ کر اور اسی کو رحمان کہہ کر پکا جاتا ہے۔ میرے بچے! جس کام کی ابتداء کی جائے پہلے اسی کا نام لینا چاہئے میں چونکہ اپنی مہم پر نکل رہا ہوں اس بناء پر میں نے اپنے اسی رب سے مدد و حمایت اور اعانت طلب کی ہے۔“

بدرالدین مزید کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ زین الدین اٹھ کھڑا ہوا۔ بدرالدین کا ہاتھ پکڑا اور پھر جس ٹیلے پر سجدہ ریز ہو کر اس نے دعا مانگی تھی اس سے نیچے اترتے ہوئے بدرالدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! اب تو اپنے کمرے میں جا کر سو جانا۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ نکلوں گا۔ میرے متعلق تو بالکل فکر مند نہ ہونا، میں بہت جلد لوٹ آؤں گا۔“

چنانچہ ٹیلے سے نیچے اترنے کے بعد زین الدین بدرالدین کو لے کر اس کمرے کی طرف گیا، جس میں دونوں پچا، بھتیجا رہتے تھے۔ اس موقع پر بدرالدین کو کچھ خیال آیا، پھر زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اے عم! یہ کتنی بری اور عجیب بات ہے کہ آپ مجھے تو مسہری پراچھا بستر بچھا کر سلاتے ہیں، خود پتھر لی زمین پوسوتے ہیں۔ اے عم! کیا.....“

بدرالدین کو خاموش ہو جانا پڑا، اس لئے کہ دکھ بھرے انداز میں زین الدین کہنے لگا۔

”بیٹے! تو جانتا ہے کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ان علاقوں میں زیادتی کرنے والوں سے ثبٹ نہیں لوں گا، اس وقت تک نہ نیا لباس پہنوں گا، نہ بستر پر آرام کروں گا، بس تو اب مزید باتیں نہ کر۔ میں یہیں کھڑا ہوتا ہوں تو کمرے میں جا کر لیٹ جا۔“

اس پر بدرالدین نے ہاتھ ہلا کر زین الدین کو الوداع کہا، پھر وہ اپنے کمرے کے اندر چلا گیا تھا۔ زین الدین پہلے ہی جنگی لباس میں تھا۔ وہاں سے ہٹ کر اس جگہ آیا جہاں لشکر کھڑا تھا۔ لشکر کے سامنے نجم الدین سکمان اور دوسرے سالار بھی تھے۔ زین الدین جب وہاں گیا تب نجم الدین اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! آؤ کوچ کریں۔“ زین الدین نے اس سے اتفاق کیا۔ چنانچہ جو لشکر اس وقت تیار کھڑا تھا اسے نجم الدین الغازی اور زین الدین لے کر وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ سکمان اور باقی سالاروں کو حفاظت کی خاطر حصار میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

رات کو گہری تاریکی میں زین الدین اور نجم الدین الغازی نے اس شاہراہ کا رخ کیا جو دریائے اورنٹس کو عبور کرنے کے بعد طرطوسہ اور اور قامیہ کی طرف جاتی تھی۔ اس شاہراہ پر اندھیروں میں بڑی تیزی سے سفر کرتے ہوئے دونوں اپنے لشکر کے ساتھ کاؤنٹ آف سینٹ پال کے علاقوں میں داخل ہوئے۔ یہ علاقے سارے نجم الدین الغازی اور زین الدین کے دیکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ کاؤنٹ آف سینٹ پال کے مستقر پر حملہ آور ہوئے جہاں کاؤنٹ آف سینٹ پال کا لشکر قیام کرتا تھا۔ رات کی گہری تاریکی میں نجم الدین الغازی اور زین الدین کاؤنٹ آف سینٹ پال کے مستقر میں ہنگامہ آرائیوں کے طوفانوں، انقلاب کے خونی بھونڈے زندگی کے اثرات سے بھرپور جذبوں کی طرح داخل ہوئے، پھر وہ کاؤنٹ آف سینٹ پال کے لشکریوں پر سمندر کے شور ہواؤں کے خروش کی طرح تکبیریں بلند کرتے ہوئے منڈلاتے خطرناک سایوں، زندگی کے ہر حصار کو توڑ کر دیہائیاں پھیلاتے بگولوں، کالی راتوں کے دروازوں پر دستک دیتی، گرجتی دھاڑتی آندھیوں کی طرح حملہ آور ہوئے۔ بڑی تیزی اور بڑی سرعت کے

ہے۔ یہ انتہائی خطرناک اور سانپ کی طرح ڈس لینے والا سالار ہے۔ دوسرے کا نام نجم الدین الغازی ہے اور یہ کبھی یہوثلیم شہر کا حکمران بھی رہا ہے۔
اسٹس کے اس جواب پر کاؤنٹ آف سینٹ پال کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر کہنے لگا۔

”یہ کوئی معمولی کام نہیں کہ مسلمانوں کے یہ دو سالار اپنے لشکر کے ساتھ شیزر شہر کے نواحی کو ہستانی سلسلوں سے نکل کر ہمارے علاقوں میں آئیں اور ہمارے مستقر کی انہوں نے اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ ہمارے لشکر کی انہوں نے کمر توڑ دی ہے اور پھر ایسا ہی انہوں نے کاؤنٹ آف گرے کے خلاف کیا۔ وہ حمات کی طرف گئے اور وہاں بھی انہوں نے وہی کھیل کھیلا جو انہوں نے ہمارے علاقوں میں کھیلا۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو پھر ادھر ادھر بیٹھتے ہوئے سرگرداں مسلمان جنگجوؤں کے پاس جمع ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس طرح ان کی طاقت اور قوت میں ایسا اضافہ ہوگا کہ وہ ہم صلیبیوں کے خلاف جگہ جگہ حرکت میں آئیں گے اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا علاقہ ہم سے چھینتے ہوئے ہم پر موت اور ہم پر قضا طاری کرتے چلے جائیں گے۔“

کاؤنٹ آف سینٹ پال یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا تب اسٹس دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”جو کچھ آپ نے کہا ہے درست ہے۔ اگر مسلمانوں کے ان دونوں سالاروں پر حملہ آور ہو کر ان کا قلع قمع نہ کیا گیا تو آنے والے دور میں یہ ہمارے لئے زخمی سانپ کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ آنے والے دور میں یہ دونوں طاقت اور قوت پکڑنے کے بعد ہمارے خلاف بڑے بڑے معرکے بھی برپا کر کے ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لہذا اگر ہم اپنے مستقبل کو تاریک نہیں دیکھنا چاہتے تو پھر ان دونوں سالاروں کا خاتمہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

آپ جانتے ہیں ہم فی الفور تو ان دونوں کے خلاف حرکت میں آنے کے قابل نہیں رہے۔ اس کیلئے ہمیں چند ماہ صرف کرنے پڑیں گے۔ نئے لشکر بھرتی کریں گے اور ان کی تربیت کا کام پورا کرنے کے بعد پھر نجم الدین الغازی اور زین الدین کے حصار پر حملہ آور ہوں گے اور مجھے امید ہے کہ کامیاب اور کامران ہم ہی رہیں گے۔“

ساتھ انہوں نے اپنے کام کی تکمیل کی اور کاؤنٹ آف سینٹ پال کے لشکریوں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد وہ اسی شاہراہ کی طرف واپس گئے، جو شیزر کے قریب سے آتی تھی اور بالکل اپنا آپ بچا کر حفاظت کے ساتھ اپنے مسکن میں پہنچ گئے تھے۔ نجم الدین الغازی اور زین الدین نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ دوسرے روز وہ مخالف سمت روانہ ہوئے اور رات کی گہری تاریکی میں اس شاہراہ پر انہوں نے سفر کیا، جو حمات کی طرف جاتی تھی۔ اس طرح وہ آدمی رات کے قریب کاؤنٹ آف گرے کے علاقوں میں داخل ہوئے۔ اس کے مستقر پر بھی وہ قہر لاندہ دو آتش صداؤں بھورے لاوے کی اہلتی ندیوں بے کراں صداؤں کی ویرانوں رگ رگ میں چبھ جانے والے خوف، صحرانوں کی کرب ناک شدت اور طوفانی ابتلاؤں کی طرح حملہ آور ہوئے اور کاؤنٹ آف سینٹ پال ہی کی طرح انہوں نے کاؤنٹ آف گرے کے لشکریوں کی اکثریت کو بھی موت کے گھاٹ اتارا اور حفاظت کے ساتھ اپنے مسکن کی طرف چلے گئے۔ اب نجم الدین الغازی اور زین الدین نے اپنے مسکن سے نکل کر گہری تاریکیوں میں اپنے دشمن کے خلاف حرکت میں آنے اور حملہ آور ہونے کا ایک سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

اس کرب خیز حادثے کے تیسرے روز کاؤنٹ آف سینٹ پال اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا سپہ سالار اسٹس اس کمرے میں داخل ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے کاؤنٹ آف سینٹ پال نے اسے بیٹھنے کیلئے کہا جب وہ بیٹھ گیا، تب اسے مخاطب کرتے ہوئے کاؤنٹ کہنے لگا۔

”میں نے تمہیں ایک کام سونپا تھا کہ جانو ہمارے مستقر پر حملہ آور ہو کر کس نے ہمارے لشکریوں کا قتل عام کیا اور آج یہ بھی خبر آگئی ہے کہ کاؤنٹ آف گرے کے مستقر پر بھی کوئی حملہ آور ہوا اور اس کے ان گنت لشکریوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔“

کاؤنٹ آف سینٹ پال کے اس استفسار پر اسٹس دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”جو کچھ آپ نے سنا ہے یقیناً وہ درست ہے۔ میں نے معلومات حاصل کی ہیں۔ شیزر شہر کے نواح میں مسلمانوں کے دو بڑے سالاروں نے اپنا ایک حصار بنالیا ہے اور وہی ہمارے کاؤنٹ آف گرے کے لشکریوں کے خلاف حرکت میں آئے ہیں اور انہوں نے ہی ہمارے لشکریوں کا قتل عام کیا ہے۔ مسلمانوں کے ان دو سالاروں میں سے ایک کا نام تو زین الدین

ایسٹس جب خاموش ہوا تب کاؤنٹ آف سینٹ پال اس کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”ایسٹس تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس نے ہماری عسکری طاقت کو مجروح اور ویران کر کے رکھ دیا ہے۔ تم آج ہی سے اپنے کام کی ابتدا کرو، جس قدر سرمایہ تمہیں چاہئے وہ تمہیں مہیا کیا جائے گا۔ نئے لشکری بھرتی کرو اور اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر ان کی حربی تربیت کا کام سرانجام دو اور یہ کام بہت جلد مکمل ہونا چاہئے۔ میں چاہتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو مسلمانوں کے ان دونوں سالاروں کا قلع قمع کر کے ان علاقوں میں صلیب کے پرستاروں کو محفوظ کر دیا جائے۔“

ایسٹس نے کاؤنٹ آف سینٹ پال کی تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اسی روز سے نئے لشکری بھرتی کرنے اور ان کی تربیت کا کام شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف حمات کی جانب سے کاؤنٹ آف گرے اور اس کے سالار رینارڈس نے بھی یہی کام شروع کر دیا تھا۔ ان کے لشکر کی بھی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ لہذا انہوں نے بھی نئے لشکری بھرتی کرتے ہوئے ان کی تربیت کا کام شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ہی نجم الدین الغازی اور زین الدین سے بننے کیلئے کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے نے برابر ایک دوسرے سے رابطے میں رہنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔



ایک روز نجم الدین الغازی، زین الدین اور سکمان کے علاوہ کچھ دیگر سالار شینزر کے کوہستانی سلسلے کے اس مسکن میں قائم کی جانے والی ان بھٹیوں کا جائزہ لے رہے تھے جن میں مجاہدین کیلئے حرب و ضرب کا سامان تیار کیا جاتا تھا۔ جس وقت وہ ایک بھٹی میں تیار ہونے والے سامان کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک لشکری بھاگا بھاگا ان کے قریب آیا، پھر وہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر زین الدین کیا آپ کا کوئی ایسا جاننے والا ہے جس کا نام احمد بن قاسم ہو۔“

یہ نام سن کر زین الدین چونکا تھا۔ اس لشکری کی طرف دیکھا کہنے لگا۔

”تمہیں اس نام کا کیسے پتا چلا۔ احمد بن قاسم میرے باپ کی جگہ ہے۔ بہترین مغنی عمدہ قسم کا

شاعر ہے۔ موصل کا رہنے والا ہے۔ تم اس سے متعلق کیا کہنا چاہتے ہو؟“

اس پر وہ لشکری پھر بولا اور کہنے لگا۔

”اس وقت وہ احمد بن قاسم اور ان کے ساتھ یروشلیم کا سابق قاضی ابوسعید ہروی کچھ مسلح جوانوں کے ساتھ ہمارے مسکن میں داخل ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ آنے والے جو مسلح جوان ہیں ان کی تعداد چار پانچ سو سے کسی صورت کم نہ ہوگی۔“

اس پر ہلکا سا تبسم اس موقع پر زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر نجم الدین الغازی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہمیں ان سب کا شاندار انداز میں استقبال کرنا چاہئے اور پھر قاضی ابوسعید تو ہمارے

لئے بڑے صاحب عزت اور صاحب وقار ہیں۔“

نجم الدین الغازی اور سکمان دونوں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر وہ سب وہاں سے نکل

کر اس طرف بڑھے جس راستے سے مسکن میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔ انہوں نے دیکھا ایک خاصہ بڑا گروہ تھا، جو مسکن میں داخل ہو رہا تھا۔ جب وہ ان کے قریب گئے تب ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص جس نے اپنے شانے پر بربط لٹکا رکھا تھا بھاگتا ہوا آگے بڑھا پھر وہ زین الدین سے بغلیں ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ایسے ہی انداز میں زین الدین کے تعارف کرانے پر وہ نجم الدین الغازی اور سکمان سے بھی ملا۔ اس کے بعد سب آنے والوں کا استقبال کرنے کے ساتھ ساتھ ایک دور سے سے متعارف بھی ہو رہے تھے۔ اس موقع یہ سب احتراماً اور عقیدت مندی کے تحت یروشلم کے سابق قاضی ابوسعید ہروی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر قاضی ابوسعید نے ایک غایر نگاہ زین الدین پر ڈالی پھر قاضی ابوسعید کہنے لگا۔

”زین الدین میں حلب اور موصل میں تمہاری بڑی تعریف سن کر آ رہا ہوں۔ میں امیر عماد الدین سے بھی ملا ہوں۔ انہوں نے جس انداز اور جس طرح تمہاری تعریف اور توصیف کی میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں انہیں بیان کر سکوں۔ بچے میں صرف چند روز یہاں تم لوگوں کے مسکن میں رہوں گا۔ اس کے بعد میں اپنی ایک مہم پر نکلوں گا۔ اس لئے کہ عالم اسلام کو اس وقت اتحاد اور تعاون کی ضرورت ہے۔

قاضی ابوسعید جب خاموش ہوئے تب اس بار نجم الدین الغازی انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ کہاں اور کدھر کا رخ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی بقاء زندگی ہمارے پاس سکھ اور سکون کے ساتھ بسر کریں۔“

اس پر دکھ بھرا سائبسم قاضی ابوسعید کے چہرے پر نمودار ہوا پھر دھکتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ ”نجم الدین الغازی مجھے تم پر اور تمہارے بھائی سکمان کی کارروائی پر بھی بڑا فخر ہے۔ چند روز تم لوگوں کے پاس قیام کے بعد میں سلجوقیوں کا رخ کروں گا۔ عالم اسلام کے عظیم سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے بنجر اور اس کا بھتیجا اس وقت ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔ میں انہیں حالات کی نزاکت سے آگاہ کروں گا۔ انہیں بتاؤں کہ مسلمانوں کے اندر اتحاد و تعاون اور اتفاق کی جس قدر ضرورت اب ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اس لئے کہ یورپی قوتیں متحد ہو کر مسلمانوں کے درپے ہیں اور ہر جگہ ہر شہر اور ہر بستی میں مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو پامال اور اپنے

مفادات کو مضبوط اور مستحکم کر رہی ہیں۔“

قاضی ابوسعید کے ان الفاظ کے جواب میں سب خاموش اور افسردہ ہو گئے تھے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آخر قاضی ابوسعید کی نگاہیں زین الدین پر جم گئیں پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے وہ زین الدین کے بالکل قریب ہوا پھر دھیسے لہجے میں کہنے لگا۔

”زین الدین میں جانتا ہوں اپنے خاندان کے قتل عام کے سلسلے میں جتنے دکھ تم نے اٹھائے ہیں کسی نے برداشت نہ کئے ہوں گے۔ بچے میں چند دن یہاں قیام کرنے کے بعد سلجوقیوں کی طرف کوچ کروں گا، لیکن سلجوقیوں کی طرف جانے سے پہلے میں اپنی ایک امانت تمہارے تحفظ میں دینا چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم میری امانت کی خوب حفاظت کرو گے۔“

قاضی ابوسعید کے ان الفاظ کے جواب میں زین الدین کی چھاتی تن گئی تھی کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید آپ کی امانت کی حفاظت کیلئے اگر زین الدین کی جان بھی گئی تو پرواہ نہیں کروں گا۔ آپ کہیں کیا معاملہ ہے؟“

اس پر پھر پہلے جیسے رازدارانہ انداز میں قاضی ابوسعید کہنے لگا۔

”بچے یہ جو تم میرے ساتھ مسلح جوان دیکھ رہے ہو ان میں جنگجو لباس میں ایک لڑکی بھی شامل ہے۔ میں اس کی حفاظت تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں اور وہ لڑکی کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ دیکھ بچے ایڈریسہ کے عیسائی بادشاہ بالڈون کی دو بیٹیاں ہیں۔ ایک میلیہنڈر اور دوسری ارطالیس بالڈون نے جب اپنے ارد گرد کے مسلمان علاقوں پر مظالم کی انتہا کر دی تب اس کی چھوٹی بیٹی ارطالیس نے اس کے خلاف احتجاج کیا کہ وہ مسلمانوں پر اتنے مظالم نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو جب مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے تو ان علاقوں میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی نصرانی نہ ملے، لیکن جب ارطالیس کے سمجھانے بھانے کے باوجود بھی اس کا باپ بالڈون مسلمانوں پر مظالم سے باز نہیں آیا تب ارطالیس نے اپنے باپ اپنے اہلخانہ اپنے لواحقین کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی۔ گھر سے بھاگ کر وہ ایک قریبی عالم دین کے پاس پہنچی اس کے ہاں قیام کیا۔ وہیں اس نے اسلام قبول کیا۔ اسلام سے متعلق اس نے وہیں تفصیل حاصل کی اور ان کے پاس اس نے قرآن مقدس بھی پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ گو اس نے ابھی تک قرآن مقدس ختم نہیں کیا۔ لیکن جب اس نے سنا کہ ہم ایک قافلہ لے کر شیر میں نجم الدین الغازی اور تمہارے مسکن کی طرف جا رہے ہیں تب

اس نے بھی اپنی حفاظت اپنے تحفظ کی خاطر مجھ سے ملاقات کی اور ہمارے گروہ میں شامل ہو کر وہ یہاں آگئی ہے۔ اس وقت اسے کوئی پہچان نہیں سکتا نہ جان سکتا ہے۔ میرے ساتھ جس قدر مسلح جوان ہیں ان میں سے بھی اکثر نہیں جانتے کہ جو مسلح جوان میرے ساتھ آئے ہیں ان میں کوئی لڑکی بھی ہے۔ بہر حال تھوڑی دیر تک میں تمہارا اس سے تعارف کروانا ہوں۔ بیٹے میرے بعد اس کی حفاظت کا سامان کرنا۔ اس لئے کہ وہ لڑکی یہاں رہتے ہوئے اپنے آپ کو اجنبی اور غریب الوطن محسوس نہ کرے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاضی ابوسعید کو پھر دو سواروں نے ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے کیلئے کہا جب وہ آئے تب نجم الدین الغازی اور زین الدین دونوں کو مخاطب کر کے قاضی ابوسعید کہنے لگا۔

”بھئیہ دونوں بہترین عرب سالار ہیں۔ ایک کا نام فضل بن اسحاق دوسرے کا نام عدنان بن ہاشم ہے۔ دونوں جنگ کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ اس وقت پانچ سو مسلح جوان ہیں۔ انہیں بھی یہ دونوں خود لے کر آئے ہیں اور یہ سب عرب ہیں۔ یہاں رہتے ہوئے یہ اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔“

قاضی ابوسعید کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ زین الدین اور نجم الدین الغازی دونوں ایک ساتھ آگے بڑھے۔ فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم سے باری باری گلے لگا کر ملے۔ ایک بار پھر انہیں اپنے مسکن میں خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد زین الدین قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے خیال میں ہمیں یہاں زیادہ دیر کھڑا نہیں رہنا چاہئے۔ آگے آئیں پہلے ان سب جوانوں کی رہائش اور کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر کہیں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔“

قاضی ابوسعید کے علاوہ باقی لوگوں نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ سب آگے بڑھنے لگے۔

کیونکہ مسکن کے اندر کافی مکان فالتو بنا دیئے گئے تھے، تاکہ جب لشکر کے اندر مزید مسلمان جنگجو آتے رہیں تو ان کی رہائش کا بہترین اہتمام ہو سکے۔ چنانچہ جو جنگجو قاضی ابوسعید کے ساتھ آئے تھے پہلے ان کی رہائش کا اہتمام کیا گیا۔ ان کے سالار فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم

کے رہنے کیلئے بھی عمدہ انتظام کیا گیا، پھر قاضی ابوسعید، مغنی احمد بن قاسم، نجم الدین الغازی، زین الدین، سکمان اس مکان میں داخل ہوئے جو زین الدین کی رہائش کیلئے مختص تھا۔ سامنے دو کمرے تھے۔ آگے برآمدہ اور صحن تھا۔ جس کے ساتھ ایک اور کمرہ تھا۔ جس میں کچھی کھجور کی چٹائیاں پر سب بیٹھ گئے۔ شاید وہ کمرہ دیوان خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس موقع پر ایک دہلا پتلا لشکری جس نے اپنا چہرہ اپنے سر پر رکھے خود سے ڈھانپ رکھا تھا قاضی ابوسعید کے پہلو میں ہو بیٹھا تھا۔ جب سب بیٹھ گئے، تب اس لشکری کو مخاطب کرتے ہوئے قاضی ابوسعید نے بڑی رازداری سے کہا۔

ارطالیں میری بیٹی! اب تو اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹا سکتی ہے، بلکہ خود بھی اتار سکتی ہے اب تو محفوظ ہے۔ بیٹی اس مسکن میں نہ کوئی تم پر گرفت کر سکتا ہے، نہ تمہیں اٹھا کر زبردستی تمہارے باپ کے پاس لے جاسکتا ہے۔

قاضی ابوسعید کے کہنے پر اس لڑکی نے جب اپنے سر سے خود اتار تو اس کے لمبے بال بکھر گئے تھے۔ سب نے دیکھا وہ انتہا درجہ کی خوبصورت اور نوعمر تھی۔ سر سے خود اتارنے کے بعد اس نے جلدی جلدی اپنے سر پر رومال باندھ لیا تھا۔ اس پر زین الدین نے ایک گہری نگاہ شہزادی ارطالیں پر ڈالی، پھر قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید اگر آپ کا اشارہ اس لڑکی کی طرف ہے تو آپ بے فکر رہیں اس کی جان اس کی عزت اس کی آبرو کی حفاظت میں اپنی جان سے بھی بڑھ کر کروں گا۔ میرے اس مکان کے ساتھ بہت سے مکان ابھی خالی پڑے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میرے ساتھ والا جو مکان ہے اس میں آپ ارطالیں کے ساتھ قیام کریں۔ جتنے دن آپ نے یہاں رہنا ہے آپ رہیں اور جب یہاں سے آپ کوچ کریں گے تو ارطالیں اگر اس مکان میں اکیلی رہنا چاہے تب بھی اس کی حفاظت کا عمدہ انتظام کیا جائے گا۔ اگر یہ کچھ عورتوں کے اندر رہنا چاہے، تب بھی اس کا اہتمام کر دیا جائے گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر جہاں ارطالیں مطمئن دکھائی دے رہی تھی، وہاں قاضی ابوسعید نے بھی اس موقع پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اتنی دیر میں ایک لڑکا اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ زین الدین کا بھتیجا بدر الدین تھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سب کو مخاطب

کر کے زین الدین کہنے لگا۔

”یہ میرا بھتیجا میرے بڑے بھائی کا بیٹا ہے۔“ اس پر سب نے اس بچے کو پیار کیا۔ اس کے بعد وہ بدر الدین آگے بڑھ کر زین الدین کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا اور اپنا بازو اس نے زین الدین کی ران پر رکھ کر اپنا سر اس کے کندھے پر لگا دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک مزید گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد سب اٹھے قاضی ابوسعید اور اطالیس کی رہائش گاہ کا ساتھ والے مکان میں بہترین اہتمام کر دیا گیا تھا۔ احمد بن قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”ابن قاسم آپ میرے ساتھ اسی مکان میں قیام کریں گے۔“

اس پر مفتی احمد بن قاسم نے مسکراتے ہوئے اس سے اتفاق کیا، پھر سب اٹھے پہلے قاضی ابوسعید اور اطالیس کو ساتھ والے مکان میں لے کر گئے۔ ان کے قیام اور آرام کا عمدہ بندوبست کیا۔ اس کے بعد سب کے کھانے کا اہتمام کیا جانے لگا تھا۔ قاضی ابوسعید نے چند روز تک مسکن میں قیام کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے چند مسلح ساتھیوں کے ساتھ سلجوقی حکمرانوں کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔



جہاں تک سلجوقیوں کا تعلق ہے تو عظیم اور بے بدل سلجوقی سلطان الپ ارسلان کے بعد اس کا نامور بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہوا تھا۔ ہجری چار سو پچاسی میں سلجوقیوں کے اس نامور سلطان کا بھی انتقال ہو گیا، جو اپنے دور کے نایاب اور عظیم الشان فرماں رواؤں میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے بیس سال حکومت کی اور اڑتیس سال سے کچھ اور عمر پائی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کو خلیفہ بغداد کے کچھ لوگوں نے زہر دیا، جو اس کی ہلاکت کا باعث بن گیا اور بعض کا یہ خیال ہے کہ حسن بن صباح کے کسی مرید کی کارستانی تھی اور سلطان کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔

سلطان کی وفات کے وقت اس کی بیویاں حیات تھیں۔ ایک ملکہ ترکان خاتون جو خاقان یلیک خان کی بیٹی تھی اور دوسری بیوی زبیدہ خاتون تھی جو سلطان کے چچا یا قوتی بن جوہر سلجوقی کی بیٹی تھی۔ سلطان نے جس وقت وفات پائی اس وقت اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک برکیاروق دوسرا

محمد تیسرا سنجار اور چوتھا محمود ان کی عمریں بالترتیب گیارہ سال، دس سال، آٹھ سال اور چار سال کی تھیں۔ گویا سبھی نابالغ تھے۔ سلطان ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کی اولاد کے درمیان جو خانہ جنگی ہوئی وہ فی الحقیقت عاقبت نااندیش سرداروں اور امیروں کے مختلف دھڑوں کے درمیان حصول اقتدار کی کشمکش تھی۔ ان لوگوں نے شہزادوں کو مہرے بنا کر بساط سیاست پر جو شطرنج کھیلی اس نے سلجوقی سلطنت کو ایسا شدید نقصان پہنچایا کہ وہ ایک عظیم متحدہ قوت کے بجائے کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان کے سب سے بڑے لڑکے کا نام احمد تھا۔ لیکن وہ سلطان کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ وفات کے وقت اس کی عمر صرف گیارہ سال تھی جس وقت سلطان فوت ہوا تو سب سے پہلے اس کی بیوی ترکان خاتون حرکت میں آئی دوسری بیوی زبیدہ خاتون خاموش اور صابر تھی۔ چنانچہ ترکان خاتون نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ سلطان کی موت کو کھٹی رکھا اور اس کی میت کو خاموشی سے اصفہان روانہ کر دیا جہاں مدرسہ اعظم میں اس کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ سلطان کی اچانک موت سے خلافت اور سلطنت میں ٹکڑے ہوئے رہ گئی۔ اس لئے کہ لوگوں کو شک ہوا کہ سلطان کی ہلاکت کا ذمہ دار خلیفہ بغداد ہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ بغداد نے سلطان ملک شاہ کی وفات پر مسرت کا اظہار تو نہ کیا، لیکن اس نے غم کا اظہار بھی نہ کیا اور نہ رسم تعزیت ادا کی۔ اہل بغداد اور پردہ خلیفہ کے ڈر کی وجہ سے اس کے تابع فرمان رہے۔ البتہ باقی تمام سلطنت میں ملک شاہ کا ماتم کیا گیا عرصہ تک مدرسوں اور مسجدوں میں اس کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی ہوتی رہی۔

ملک شاہ کی وفات کے بعد سلجوقیوں کے شجر اقبال کو ٹھن لگ گیا۔ ان کی خانہ جنگی اور کئی دوسرے ہنگاموں کی وجہ سے عظیم سلجوقی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کئی حکومتوں میں بٹ گئی۔ سلطان ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون کا شمار تاریخ عالم کی مشہور خواتین میں ہوتا ہے۔ وہ بڑی آن بان کی عورت تھی۔ اس کے رعب اور جلال سے بڑے بڑے امراء اور وزراء کا پتا پانی ہو جاتا تھا۔ سلطان ملک شاہ کے نزدیک اس کی اس قدر منزلت تھی کہ وہ سلطنت کے ہر اہم معاملے میں اس سے مشورہ ضرور کرتا تھا۔

ملک شاہ کے آخری زمانے میں ترکان خاتون اور بزرگ خواجہ نظام الملک کی آپس میں چپقلش ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ ترکان خاتون سلطان کے بعد اپنی چار سالہ بیٹی محمود کو سلجوقیوں کا

حکمران بنانا چاہتی تھی، جبکہ خواجہ نظام الملک طوسی، سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بڑے بیٹے برکیاروق کو ملک شاہ کا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔

چنانچہ اسی ترکان خاتون نے سلطان ملک شاہ سلجوقی کو خواجہ نظام الملک طوسی سے بدظن کر دیا تھا۔

چنانچہ ملک شاہ کی وفات کے بعد اس نے اپنے بیٹے محمود کی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شہزادہ برکیاروق کو اپنے آدی بھیج کر گرفتار کر لیا۔ برکیاروق اپنے چند وفاداروں کی مدد سے اصفہان کے قید خانے سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد برکیاروق اور محمود یا دوسرے لفظوں میں ترکان خاتون کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

ہجری چار سو ستاسی تک ملک کی یہ کیفیت تھی کہ دارالسلطنت اصفہان اور اس کے متعلقات پر ترکان خاتون کا قبضہ تھا اور باقی سلطنت کے بیشتر علاقے پر برکیاروق کے زیر اقتدار تھے۔

اسی اثناء میں ترکان خاتون کا وقت آخر آن پہنچا اور اس نے ہجری چار سو ستاسی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے بعد ایک ماہ بعد اس کا بیٹا محمود بھی پیچک میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔

سلطان ملک شاہ سلجوقی کی دوسری بیوی زبیدہ اس کے چچا یعقوبی بن داؤد سلجوقی کی بیٹی تھی۔ سلطان کا بڑا لڑکا برکیاروق اس کے بطن سے تھا۔ یہ بڑی صابر اور شاکر خاتون تھی اور سلطنت کے جھگڑوں سے کوئی سرکار نہ رکھتی تھی۔ اس کی موت ملک شاہ کی وفات کے سات سال بعد بڑے دردناک حالات میں ہوئی۔

بقول علامہ ابن خلدون ذی قعدہ ہجری چار سو بانوے میں زبیدہ خاتون رے شہر میں مقیم تھی اور اس کا بیٹا برکیاروق اپنے باغی بھائی محمد بن ملک شاہ کے مقابلے کیلئے خوزستان کی طرف گیا ہوا تھا۔

محمد نے دوسری طرف سے آکر رے شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے وزیر ظہیر الدولہ ابو بکر عبید اللہ نے زبیدہ خاتون کو گرفتار کر کے قلعہ میں قید کر دیا اور اس کا مال اسباب ضبط کر لیا۔ جب اس پر بھی مبر نہ آیا تو ایک دن اس کا گلہ گھونٹ کر مار ڈالا۔ یوں زبیدہ خاتون کا خون شہادت رائیگاں نہ گیا اور دو سال بعد محمد بن ملک شاہ کو برکیاروق کے ہاتھوں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی اور اس کا وزیر ظہیر الدولہ گرفتار ہو کر برکیاروق کے سامنے پیش کیا گیا۔ برکیاروق نے پہلے اس کی سخت

تذلیل کی اور پھر اپنے ہاتھ سے اس کا سر کاٹ دیا۔

تخت نشین ہونے کے بعد برکیاروق نے اپنے چھوٹے بھائی بنجر کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ سلطان بنجر رے کے مقام پر قیام کرتا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمان ملک شاہ سلجوقی کے چار بیٹے تھے۔ ایک برکیاروق جو تاریخ میں رکن الدین ابو مظفر بھی کہلاتا ہے۔ دوسرا محمد جو غیاث الدین ابو شجاع کے نام سے بھی مشہور ہوا۔ تیسرا احمد بنجر جسے معزز الدین ابو الحارث کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور چوتھا محمود جسے نصر الدین بھی کہتے ہیں۔

برکیاروق کے بعد اس کا بیٹا معزز الدین ملک شاہ ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ لیکن جلد ہی فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ملک کی باگ ڈور ترکان خاتون کے بیٹے محمد کے ہاتھ میں آ گئی اور اس کی اولاد نے اپنی حکومت عراق اور کرمان پر مستحکم کر لی۔ اس محمد کے پانچ بیٹے تھے۔ ایک محمود ثانی جسے مغیث الدین ابو قاسم بھی کہتے تھے۔ دوسرا سلجوق شاہ تیسرا رکن الدین طغرل ثانی چوتھا غیاث الدین مسعود اور پانچواں غیاث الدین سلیمان تھا۔

جس وقت قاضی ابوسعید صلیبیوں کے خلاف مدد حاصل کرنے کیلئے سلجوقیوں کی طرف روانہ ہوئے تھے اس وقت برکیاروق اور اس کا بیٹا معزز الدین تو انتقال کر گئے تھے۔ اب سلجوقیوں میں دو ہی حکمران رہ گئے تھے۔ ایک سلطان ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا سلطان بنجر اور دوسرا سلطان غیاث الدین مسعود۔ غیاث الدین مسعود عراق اور کردستان پر حکومت کرتا تھا، جبکہ سلطان بنجر کی حکمرانی خراسان پر تھی اور رے شہر اس کا مرکز اور ایک طرح کا دار الحکومت تھا۔

قاضی ابوسعید اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہلے رے شہر میں داخل ہوئے اور سلطان بنجر سے ملاقات کی۔ سلطان بنجر کے سامنے قاضی ابوسعید نے مسلمانوں کی حالت زار بیان کی اور صلیبیوں کے حملہ آور ہونے سے جو جگہ جگہ مسلمانوں پر مظالم ہو رہے تھے اس کی تفصیل بھی بیان کی۔ سلطان بنجر یہ سارے حالات سن کر کچھل کر رہ گیا تھا۔ لیکن وہ قاضی ابوسعید کے سامنے کھل کر کوئی بڑا قدم نہ اٹھا سکا۔ اس لئے کہ ان دنوں اس کے تعلقات اپنے بھتیجے غیاث الدین مسعود کے ساتھ اچھے نہیں تھے۔ جو عراق، کردستان کا حاکم تھا اور اکثر سلطان کے علاقوں پر حملہ آور ہونے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ سلطان بنجر نے پورے حالات قاضی ابوسعید سے بیان کئے کہ اگر وہ خود لشکر لے کر نکلتا ہے اور کسی دوسرے مسلمان حکمران کے ساتھ مل کر صلیبیوں کے خلاف حرکت میں آتا ہے،

تب اس کی غیر موجودگی میں عراق اور کردستان کا حاکم غیاث الدین مسعود یقیناً اس کے علاقوں پر قابض ہو جائے گا اور اس طرح مسلمانوں کے اندر ایک افراط فوری کا عالم برپا ہو جائے گا۔ سلطان نے قاضی ابوسعید پر یہ بھی واضح کیا کہ وہ اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ غیاث الدین مسعود پر حملہ آور بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو دونوں جانب سے مسلمانوں کا ہی قتل عام ہوگا اور مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔ اس بناء پر حالات کو دیکھتے ہوئے خاموش اور چپ ہے۔ تاہم سلطان خجّر نے قاضی ابوسعید سے وعدہ کیا کہ وہ وقفے وقفے سے جنگجو رضا کار اچھی تربیت دے کر نجم الدین الغازی اور زین الدین کے مسکن کی طرف ضرور بھیجتا رہے گا۔

قاضی ابوسعید نے سلطان خجّر کے کہنے پر چند روز تک رے شہر ہی میں قیام کیا۔ پہلے وہ غیاث الدین مسعود کی خدمت میں بھی حاضر ہونا چاہتا تھا۔ لیکن سلطان خجّر کی گفتگوں کو وہ غیاث الدین مسعود سے مایوس ہو گیا۔ چنانچہ چند روز سلطان خجّر کے پاس قیام کرنے کے بعد وہ رے سے واپس دریائے اورنٹس کے کنارے نجم الدین الغازی اور زین الدین کے مسکن میں لوٹ آیا تھا اور وہیں اس نے مستقل قیام کر لیا تھا۔



ایک روز ایڈیسیہ کا سابق حکمران تھوروس اپنی بیوی میکمل اپنی حسین خوبصورت بیٹی سبتہ دونوں بیٹوں بوتاس اور رائوند کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گفتگو کا آغاز میکمل نے کیا اور اپنے شوہر تھوروس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”سنا ہے ہمارے ان علاقوں میں یوقاس نام کا نائٹوں کا ایک سردار قیام کئے ہوئے ہے اور اس نے آس پاس کی مسلمان بستیوں پر مظالم شروع کر دیئے ہیں۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ یہ شخص انتہا درجہ کا ظالم اور سرپا ستم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بدعنوان اور فاشی کا بھی مرتکب ہونے والا ہے۔ آج کچھ عورتیں ہمارے محلے میں جمع تھیں اور وہ کہہ رہی تھیں کہ یوقاس نے گزشتہ چند یوم سے ان علاقوں میں قیام کر رکھا ہے اور اس دوران لوگ اس سے نالاں ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ کسی شریف انسان کی بیٹی کی عزت اس کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے۔“

میکمل یہاں تک کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ اس لئے کہ اس کے ان الفاظ کا جواب دیتے ہوئے حسین اور خوبصورت سبتہ بول اٹھی تھی۔

”اماں کچھ لوگ یونہی افواہیں اڑاتے ہیں۔ نائٹ ایک مقدس منصب خیال کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو نصرانیت کی بہتری اور بھلائی کیلئے وقف کر رکھا ہوتا ہے۔ اس لئے میں امید نہیں کرتی کہ یہ یوقاس ظلم زیادتی کرتا ہوگا اور یہ کہ اس کے ہاتھوں کسی لڑکی کی عزت محفوظ نہیں ہوگی۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ ایسی باتیں یوقاس کے خلاف مسلمانوں نے پھیلا رکھی ہوں گی۔ اسی بنا پر پھر یوقاس مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آتا ہوگا۔“

سبتہ جب خاموش ہوئی تب اس کا باپ تھوروس بول اٹھا۔

”سبتہ میری بیٹی! میں تمہارے ان الفاظ سے اتفاق نہیں کرتا جو کچھ تمہاری ماں نے کہا ہے

سچ اور حقیقت وہی ہے۔ اس لئے کہ میں بھی بہت سے لوگوں سے یوقاس سے متعلق اسی قسم کی گفتگو سن چکا ہوں اور پھر اب ان علاقوں میں یروشلم اور اٹلاکیہ کی طرف سے بے شمار ٹائٹ منتقل کئے گئے ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آئیں۔ ہماری آس پاس کی سرزمینوں میں اس وقت کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں بڑی سرگرمی سے مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آئے ہوئے ہیں اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جس قدر ٹائٹ کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کی طرف آئے ہیں یہ یوقاس ان سب کا سرکردہ اور سربراہ ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ یہی کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے اور ان کے دونوں سپہ سالار سٹس اور رینارڈس ان دنوں پوری طاقت اور قوت کے ساتھ نجم الدین الغازی اور ہمارے بھانجے زین الدین کے خلاف حرکت میں آئے ہوئے ہیں۔ نجم الدین الغازی اور زین الدین کئی بار انہیں شکست سے دوچار کر چکے ہیں اور اب سنا ہے کہ زین الدین اور نجم الدین الغازی سے بننے کیلئے کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے اور ان کے سالاروں نے اپنے لشکر میں ان گنت ٹائٹوں کو شامل کیا ہے تاکہ نجم الدین الغازی اور زین الدین کو شکست دے کر انہوں نے اپنے لئے جو حصار اور مسکن بنا رکھا ہے اس پر قبضہ کیا جاسکے۔ مجھے خدشہ ہے کہ آنے والے چند دنوں میں نجم الدین الغازی اور زین الدین کا کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے ساتھ کوئی بہت بڑا اور فیصلہ کن معرکہ پیش آ سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں تو ان دنوں نجم الدین الغازی اور زین الدین کے خلاف اپنی طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ کر رہے ہیں اور اپنے لشکر کے اندر ان گنت نامور جنگجو ہرانوں کے علاوہ ٹائٹوں کو بھی شامل کر رہے ہیں تاکہ نجم الدین الغازی اور زین الدین کو زیر کیا جاسکے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد تھوڑوں جب خاموش ہوا تب تھوڑوں کا بیٹا راندبول اٹھا۔

”بابا ہم نے ایک اور خبر بھی ان علاقوں میں اڑتی ہوئی سنی ہے۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ بالڈون کی دو شہزادیاں ہیں۔ ایک کا نام ارطالیس اور دوسری کا نام میلیسڈرہ ہے۔ میلیسڈرہ بڑی اور شہزادی ارطالیس چھوٹی ہے۔ کہنے والے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ بالڈون نے چونکہ ایڈیہ کے گرد و نواح کے مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی تھی۔ لہذا شہزادی ارطالیس نے ان مظالم کے خلاف اپنے باپ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی۔ گھر سے نکل گئی۔ اس نے کچھ مسلمانوں کے

مذہبی نمائندوں کے ہاں جا کر پناہ لی۔ وہاں اس نے اسلام قبول کر لیا اور اب یہ بھی افواہ اڑ رہی ہے کہ یہی شہزادی ارطالیس ہمارے بھائی زین الدین کے مسکن میں جا کر پناہ لے چکی ہے۔ اس لئے کہ یروشلم کے سابق قاضی ابوسعید موصِل سے کچھ عرب سالاروں اور جنگجو دستوں کو لے کر نجم الدین الغازی اور زین الدین کا رخ کر رہے تھے۔ چنانچہ ان حالات سے شہزادی ارطالیس نے فائدہ اٹھایا اور جہاں اس نے پناہ لی ہوئی تھی، وہاں سے نکل کر وہ قاضی ابوسعید اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ بھائی زین الدین کے مسکن میں داخل ہو گئی تاکہ وہاں امن چین اور حفاظت سے زندگی گزار سکے۔ اس لئے کہ اس کے بغاوت کرنے اور اسلام قبول کرنے کی خبر ایڈیہ اور اس کے گرد و نواح میں پھیل گئی تھی اور پادریوں نے اس کے باپ بالڈون سے یہ کہہ دیا تھا چونکہ شہزادی ارطالیس نے ناصر اپنے باپ بلکہ اپنے مذہب کے خلاف بھی بغاوت کی ہے۔ لہذا اسے پکڑ کر مصلوب کر دینا چاہئے۔ ان حالات میں اپنے آپ کو محفوظ کرنے کیلئے وہ بھائی زین الدین کے مسکن میں جا چکی ہے۔“

خوبصورت سبیت نے شاید اس گفتگو کو ناپسند کیا تھا۔ لہذا اپنی جگہ پہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی ماں میکل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں دفع کریں ان باتوں کو کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ اٹھ کر کھانا تیار کریں۔“ سبیت کے کہنے پر میکل اپنی جگہ پہ اٹھ کھڑی ہوئی، پھر دونوں ماں بیٹی مطبخ کی طرف ہولی تھیں۔

جس وقت تھوڑوں سبیت میکل راند اور اس کے بھائی کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی اسی وقت اسی قصبے کے کلیسا میں ایک مسلح نصرانی داخل ہوا، اس کے گلے میں سنہری صلیبی لنک رہی تھی۔ جنگی لباس پہنچے ہوئے تھا۔ کلیسا میں داخل ہونے کے بعد کلیسا کے کچھ کارندوں سے اس نے بڑے پادری سے متعلق پوچھا۔ چنانچہ ایک کارندہ اسے پادری کے پاس لے گیا۔ پادری نے شاعرانہ انداز میں اس کا استقبال کیا۔ اپنا تعارف کروایا۔ آنے والے نے بھی اس سے اپنا تعارف کیا، پھر آنے والا کلیسا کے پادری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مجھے یوقاس نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ اس کا نام یقیناً آپ نے سن رکھا ہوگا۔“ یوقاس کا نام سن کر پادری کے چہرے پر خوشگوار تبسم نمودار ہوا تھا اور آنے والے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یقیناً یوقاس کا نام میں نے نہیں ان علاقوں کے سب لوگوں نے سن رکھا ہے۔ وہ نصرانیت کیلئے ایک قلعے اور حصار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے نائٹ روز روز پیدا نہیں ہوتے اور پھر ان علاقوں میں اس نے نصرانیت کی عزت و عظمت کو بلند رکھنے کا کام شروع کر رکھا ہے اور یہ بھی سنا گیا کہ اس کے تحت کام کرنے والے ان گنت نائٹ کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں تاکہ مسلمان قوتوں کو اپنے سامنے زیر کر سکیں۔“

اس پادری کی یہ ساری گفتگوں کر آنے والا یہ مسلح جوان مسکرا دیا تھا۔ کچھ دیر تک خوشگوار انداز میں پادری کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”میں اسی یوقاس کا ایک پیغام آپ کیلئے لے کر آیا ہوں۔“

”کیسا پیغام؟“ پادری نے غور سے اس مسلح جوان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

اس پر وہ مسلح جوان بولا اور کہنے لگا۔

”یوقاس اپنے لئے کسی ایسی لڑکی کا طلبگار ہے جس کا حسن بینظیر ہو جس کی خوبصورتی ان علاقوں میں بے طویل ہو جس جیسی کوئی خوبصورت، کوئی حسین، کوئی پرکشش لڑکی نہ ہو۔ ایک ایسی لڑکی جو دراز قد ہو، حسن و جمال میں اپنا جواب نہ رکھتی ہو۔ ایسی ہو جس کا حسن، جس کی خوبصورتی، جس کی شخصیت، جس کی کشش یوقاس کے شایان شان ہو اور اس کی خوبصورتی یوقاس کو متاثر کر سکے۔“

آپ کی طرف یہ پیغام اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ اس کلیسا کے بڑے پادری ہیں۔ ان علاقوں کے لوگ کلیسا میں آتے جاتے رہتے ہیں اور آپ ان سب کو جانتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مسلح جوان جب خاموش ہوا، تب پادری کچھ دیر گردن جھکا کر گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ سوچتا رہا، پھر مسکراتے ہوئے آنے والے اس مسلح جوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم نے جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے۔ جس قسم کی لڑکی یوقاس چاہتا ہے وہ لڑکی یقیناً اس قصبے کے اندر موجود ہے۔ اگر تو یہاں سے نکل کر واپس یوقاس کی طرف جائے گا تو اسے جا کر میرا یہ پیغام دینا کہ ایڈریس کے سابق حکمران تھوروس کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام سرایا اور چھوٹی کا نام سبتہ۔ سرایا کو اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ایک مسلمان سے بیاہ دیا گیا تھا۔ جو ماری جا چکی

ہے۔ سبتہ اس سے کافی چھوٹی تھی۔ وہ ابھی کنواری ہے۔ اس کی کہیں شادی نہیں ہوئی اور اپنے باپ تھوروس کے ساتھ اسی قصبے میں رہتی ہے اور میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس جیسی کوئی خوبصورت اور حسین لڑکی ان علاقوں میں نہ ہوگی۔ اگر تھوروس اپنی سبتہ نام کی لڑکی یوقاس کو دینے پر رضامند ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں یہ یوقاس کی خوش قسمتی ہوگی۔“ پادری کے ان الفاظ پر وہ مسلح جوان خوش ہو گیا تھا، کہنے لگا۔

”تھوروس اگر اپنی خوشی سے اپنی بیٹی نام جس کا سبتہ ہے یوقاس کے حوالے نہیں کرے گا تو یوقاس کے کہنے پر اس لڑکی کو تھوروس سے چھیننا بھی جاسکتا ہے۔ یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مسلح جوان رکا، پھر بڑے پادری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس سے پہلے ان علاقوں کی طرف آتے ہوئے یوقاس نے بالڈون کی چھوٹی بیٹی شہزادی ارطالیس کے حسن اس کی خوبصورتی کے چرچے سنے تھے اور اس نے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ شہزادی ارطالیس کو اپنی زندگی کا ساتھی بنائے گا۔ لیکن یہاں آ کر اسے پتا چلا کہ ارطالیس اپنے باپ سے بغاوت کرنے کے بعد باپ کا قصر چھوڑ کر جا چکی ہے۔ اس کی ایک بڑی بہن بھی ہے نام جس کا میلیہڈا ہے لیکن وہ ارطالیس جیسی خوبصورت اور حسین نہیں ہے۔ یوقاس کا پہلے ارادہ تھا کہ وہ اپنے کچھ آدمی بالڈون کی طرف روانہ کرے گا اور اپنے لئے شہزادی ارطالیس کو طلب کرے گا، لیکن جب اسے خبر ہوئی کہ شہزادی گھر چھوڑ کر جا چکی ہے، تب اس نے کسی اور خوبصورت لڑکی کو حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اب جبکہ آپ نے تھوروس کی بیٹی سبتہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے تو وہ سبتہ کو ضرور حاصل کرے گا۔ میں سمجھتا ہوں آپ نے نہ صرف ہماری مشکلات ختم کر دی ہیں، بلکہ یوقاس کا مسئلہ بھی حل کر دیا ہے۔ اب مجھے اجازت دیں، میں جاتا ہوں اور جو گفتگو آپ سے ہوئی ہے اس کی تفصیل جا کر یوقاس سے کہوں گا۔“

پادری نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا آنے والا وہ مسلح جوان کلیسا سے نکل کر چلا گیا تھا۔



گئی۔ میں اس کی بود باش دیکھنا چاہتی تھی، پھر اس کی رہائشگاہ میں جا کر مجھے بے حد مایوسی ہوئی۔ وہاں میری ملاقات زین الدین کے بھتیجے بدرالدین سے بھی ہوئی۔ وہ بڑا اچھا بڑا پیارا بچہ ہے۔ اس وقت وہ اکیلا تھا۔ لہذا میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ میری آمد پر اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور مجھے کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی پیش کیں۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے ان کی رہائشگاہ کا جائزہ لیا۔ بابا بات یہ ہے کہ ان کے طرز رہائش کو دیکھ کر بے حد متاثر نہیں ہوئی، بلکہ مجھے دکھ اور افسوس بھی ہوا۔ میں نے ان کی رہائشگاہ کا جائزہ لیا۔ ایک کمرے میں وہ دونوں چچا، بھتیجا سوتے ہیں، اس کمرے میں ایک مسہری تھی۔ بدرالدین نام کے اس بچے نے بتایا کہ اس مسہری پر وہ سوتا ہے، جبکہ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس کا چچا یعنی اس مسکن کے مسلح جوانوں کا سپہ سالار زمین پر سوتا ہے اور جس جگہ وہ سوتا ہے بابا میں نے اس جگہ کا بھی جائزہ لیا، وہ جگہ سخت پھرلی ہے اور پتھرلی جلی اس مٹی کا ایک ڈھیر نیکیے کے طور پر بنا دیا گیا ہے اور زین الدین اس پتھرلی زمین پر سوتا ہے اور اس پتھرلی مٹی کا تکیہ استعمال کرتا ہے۔ بابا ایسا کیوں ہے۔ میں نے بدرالدین نام کے اس بچے سے جب اس کی تفصیل جاننا چاہی تو اس نے کچھ نہیں بتایا، تاہم وہ رو پڑا تھا۔ میں نے اس سے بہت کچھ جاننا چاہا تھا، لیکن اس نے زبان بند رکھی۔ رونے کے بعد جب میں نے اسے سنبھال دیا، تب اس نے زبان نہیں کھولی۔ بس چپ چاپ بیٹھا رہا، یہ کیا معاملہ ہے؟“

شہزادی ارطالیں کے ان الفاظ پر قاضی ابوسعید اور مغنی احمد بن قاسم دونوں اداس اور افسردہ ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مغنی احمد بن قاسم بولا تھا۔

”بیٹی پہلے تو تیری بڑی مہربانی کہ تو مجھے اور قاضی ابوسعید کو بابا کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم یونہی نہیں، بلکہ ہماری ایک محبت کرنے والی بیٹی بھی ہے۔ میری بیٹی دوسری بات یہ کہ زین الدین نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک وہ اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لے گا، اس وقت تک نہ نیا کپڑا پہنے گا اور نہ ہی مسہری پر سونے گا۔ اسی بناء پر تم نے دیکھا ہوگا کہ اس کا لباس ہمیشہ پرانا ہوتا ہے۔ کئی پیوند بھی لگے ہوئے ہیں اور کمال کی بات یہ کہ جب اس کا لباس پھٹتا ہے تو اسے خود ہی سیتا ہے، خود ہی پیوند لگاتا ہے۔ جوتے بھی پرانے پہنتا ہے اور پتھرلی زمین پر سوتا ہے۔ پتھرلی زمین ہی کا تکیہ استعمال کرتا ہے۔“

اس پر ارطالیں گہری سوچوں میں ڈوب گئی، کہنے لگی۔

زین الدین کی رہائشگاہ کے ساتھ جو رہائشگاہ بنی ہوئی تھی۔ وہ زین الدین کی رہائشگاہ جیسی ہی تھی۔ تین کمرے تھے، سامنے برآمدہ، محن اور محن کے ایک طرف گھوڑے باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ ان تین کمروں میں سے ایک تو اندر قاضی ابوسعید کی رہائش تھی۔ ایک کمرہ خالی تھا، جو دیوان خانے کے طور پر استعمال کیلئے مختص تھا اور تیسرے کمرے میں شہزادی ارطالیں نے اپنی خواب گاہ بنا رکھی تھی۔ ایک روز جبکہ قاضی ابوسعید اور مغنی احمد بن قاسم قاضی ابوسعید کے کمرے میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے، باہر سے شہزادی ارطالیں اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئی اور ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اگر آپ دونوں حضرات کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے ہوں تو میں کسی اور وقت.....“

ارطالیں بات مکمل نہ کر سکی اس لئے کہ قاضی ابوسعید اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی شفقت میں کہنے لگا۔

”بیٹی ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم جو بھی گفتگو کریں تم سے اس کا کوئی پردہ تو نہیں ہے۔ میری بچی اندر آ، اگر تو کچھ کہنا چاہتی ہے تو بڑے شوق سے کہہ۔“

چنانچہ ابوسعید کے ان الفاظ پر ارطالیں کو کچھ حوصلہ ہوا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ قاضی ابوسعید اور مغنی احمد بن قاسم کے سامنے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر سوچتی رہی، پھر انتہائی دکھ بھرے اور افسوسناک انداز میں وہ کہنے لگی۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے میں اس مسکن کے مسلح جوانوں کے سالار زین الدین کی رہائشگاہ کی طرف گئی تھی۔ دراصل میں نے زین الدین اور نجم الدین الغازی کو کچھ سالاروں کے ساتھ کوہستانی سلسلے کے اوپر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لہذا اس کی غیر موجودگی میں اس رہائشگاہ کی طرف

”ان کے دشمن کون ہیں اور انہوں نے زین الدین کو کیا نقصان پہنچایا؟“

جواب میں احمد بن قاسم نے بڑی تفصیل کے ساتھ زین الدین کے ماں باپ بھائیوں اور بھائی کی بیوی کے مرنے کی تفصیل کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل جاننے کے بعد ارطالیں کچھ دیر تک گہری خاموشی میں ڈوبی رہی۔ وہ اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ دکھ برے الفاظ میں کہنے لگی۔

”یہ واقعی زین الدین کے ساتھ زیادتی اور ظلم ہے اور اگر انہوں نے اپنے دشمن سے انتقام لینے کیلئے یہ قسم کھائی ہے تو وہ حق بجانب ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ایسا شخص اپنے دشمنوں سے انتقام لینے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔“

بابا مجھے یہاں آئے ہوئے کئی ہفتے بیت چکے ہیں اس دوران میں نے چند مواقع پر زین الدین سے گفتگو کرنا چاہی، انہیں مخاطب کرنا چاہا، لیکن وہ مجھ سے پہلو جھکی کر گئے۔ لگتا ہے وہ خاموش طبع ہیں اور زیادہ کسی سے ملتے نہیں ہیں۔“ ارطالیں جب خاموش ہوئی تب مغنی احمد بن قاسم دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”بٹی تیری قیاس آرائی، تیرا اندازہ بالکل درست ہے۔ میری بچی یوں جانو میں زین الدین کو گزشتہ کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ حلب کے مکتب میں زیر تعلیم تھا۔ میری چونکہ کوئی اولاد نہیں۔ لہذا حلب میں رہائش کے دوران زین الدین کو میں اپنے بیٹے کی طرح چاہتا تھا اور پھر جب عماد الدین نے اسے حلب سے موصل میں اپنے پاس بلا لیا، تب میں بھی اس کے ساتھ موصل کی طرف چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی رہائش رکھی۔“

”اس کے بعد نجم الدین الغازی کی طرف سے کچھ قاصد گئے اور عماد الدین سے انہوں نے التجا کی کہ وہ زین الدین کو یہاں بھیج دے تاکہ یہاں جو مسلح جوان ہیں ان کی وہ تربیت کا کام سرانجام دے۔ ساتھ ہی ان کی سالاری کا فرض بھی ادا کرے۔ چنانچہ نجم الدین الغازی کے کہنے پر زین الدین کچھ مسلح دستے لے کر یہاں پہنچ گیا۔ اس وقت قاضی ابوسعید بھی وہاں قیام کئے ہوئے تھے۔ میں نے بھی زین الدین کے ساتھ ہی ادھر آنا چاہا، لیکن قاضی ابوسعید نے مجھے روک دیا کہ وہ ان علاقوں سے کچھ مجاہد اکٹھے کر رہے ہیں۔ لہذا جب میں انہیں لے کر روانہ ہوں گا، تب میں بھی ان کے ساتھ چلوں اس بنا پر میں رک گیا۔ میری بٹی پہلے وہ اتنا خاموش طبع سنجیدہ اور چپ

چپ رہنے والا نہیں تھا۔ لیکن حالات نے اسے ایسا کر دیا ہے۔ ماں باپ بھائیوں کے مرنے ان کے قتل عام سے اس کی ساری ہنسی اس کی ساری خوشیاں اس کا سارا اطمینان اس کی طمانیت اس سے چھین چکی ہے۔ لہذا زیادہ گفتگو نہیں کرتا، خاموش رہتا ہے۔ سنا سب کی ہے، لیکن مطلب کی بات کے علاوہ فالتو بات نہیں کرتا۔“

مغنی احمد بن قاسم جب خاموش ہوا تب کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد شہزادی ارطالیں پھر قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھی۔

”بابا میں ایک کام کرنا چاہتی ہوں اور اس سلسلے میں مجھے آپ اور احمد بن قاسم کی اجازت کی ضرورت ہے۔ میں دیکھتی ہوں ہمارے مسکن میں جگہ جگہ ریت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ نوجوان ان گنت گدھوں اور خچروں پر ریت دریائے اورنٹس کی طرف سے لا کر یہاں ڈھیر کرتے ہیں۔“

ارطالیں یہیں تک کہہ پائی تھی کہ اس کی بات کا نٹے ہوئے احمد بن قاسم بول اٹھا۔

”بٹی یہ ریت اسی مسکن کے اندر مکانات کی تعمیر اور برج بنانے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ کوہستانی سلسلے کے اندر بھی بڑے بڑے برج کافی بنا دیئے گئے ہیں اور کچھ ابھی زیر تعمیر ہیں۔ مسکن کے اندر لشکریوں کے رہنے کیلئے کافی رہائشگاہیں ہیں۔ ان میں سے ابھی بہت سی رہائشگاہیں خالی پڑی ہوئی ہیں، تاکہ اس مسکن میں اگر نئے رضا کار اور مجاہد آئیں تو ان کی رہائش کا اہتمام کیا جاسکے بٹی۔“

یہاں تک کہتے کہتے احمد بن قاسم کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بیچ میں شہزادی ارطالیں بول اٹھی کہنے لگی۔

”بابا اس ریت سے میں بھی ایک کام لینا چاہتی ہوں، مگر اس کیلئے پہلے مجھے آپ دونوں کی اجازت کی ضرورت ہے۔ بابا جب میں زین الدین کی رہائشگاہ میں گئی اور وہاں میری ملاقات اس کے بھتیجے بدر الدین سے ہوئی اور اس سے میں نے گفتگو کی تو مجھے یہ جان کر بے حد دکھ اور صدمہ ہوا کہ زین الدین پتھر ملی زمین پر سوتے ہیں۔ بابا اگر میں اس جگہ جہاں محترم زین الدین سوتے ہیں پتھر ملی زمین اور ان کے بچے کی جگہ پر ریت بچھا دوں تو اس طرح ان کے سونے کی جگہ نرم ہو جائے گی۔ بابا اگر میں ایسا کرتی ہوں تو کیا زین الدین مجھ سے ناراض تو نہیں ہوں گے۔“

”بچاتی ہوں۔“

اس پر احمد بن قاسم اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

”بیٹی رک میں تیرے ساتھ جاتا ہوں۔ تم سے اتنی ریت کہاں سے اٹھائی جائے گی۔ میں دو جوانوں کو ساتھ لاتا ہوں اور جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی وہ کر گزریں گے۔“

اس پر ارطالیں خوش ہو گئی تھی۔ احمد بن قاسم کے ساتھ وہ باہر نکلی۔ احمد بن قاسم نے اسے ریت کے ایک ڈھیر کے پاس کھڑا کیا۔ خود وہاں سے ہٹ کر دائیں جانب چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دو جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا جن کے پاس بڑی بڑی تئاریاں تھیں اور احمد بن قاسم کے کہنے پر وہ ان تئاریوں میں ریت بھر کر زین الدین کی رہائشگاہ کی طرف ہولے تھے۔ احمد بن قاسم اور شہزادی ارطالیں ان کے ساتھ تھے۔

چنانچہ ارطالیں کے کہنے پر وہ دونوں جوان جس جگہ زین الدین سوتا تھا وہاں ریت پھینکنے لگے۔ انہوں نے ریت کی تئاریوں کے کئی پھیرے لگائے۔ لہذا ارطالیں نے اپنے ہاتھوں سے اس ریت کو کافی جگہ بچھا دیا۔ ریت سے اس نے اتنی جگہ ڈھانپ دی کہ وہاں بیک وقت تین چار آدمی لیٹ سکتے تھے اور تکیوں کی جگہ بھی اس نے ریت کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ یہ سارا کام زین الدین کا بھتیجا بدر الدین بڑے غور اور انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ دونوں جوان اس کام کی تکمیل کے بعد چلے گئے اور ارطالیں اپنے ہاتھوں سے ریت کو ہموار کر رہی تھی اور احمد بن قاسم اس کے قریب بیٹھ گیا تھا، تب بدر الدین ارطالیں کے قریب آیا اور دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”محترم خاتون! میں جانتا ہوں آپ ایک شہزادی ہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس مسکن میں داخل ہوئی ہیں۔“

”دوسری بات یہ کہ یہ جو ریت آپ نے بچھائی ہے اس کیلئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”تیسری بات یہ کہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ جو ریت بچھائی گئی ہے اس پر میرا عم زین الدین سخت ناراض اور برہم ہوگا۔“

”چوتھی بات میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میرا عم ناراض نہ ہو تو پھر اس ریت کی وجہ سے وہ کم از کم رات کو نرم ریت پر سکون کی نیند تو پوری کر سکے گا۔“

شہزادی ارطالیں کے ان الفاظ پر احمد بن قاسم اور قاضی ابوسعید دونوں مسکرا دیئے تھے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آخر قاضی ابوسعید نے ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”بیٹی تو جو کچھ کرنا چاہتی ہے کر لے میں اس سلسلے میں زین الدین سے بات کر لوں گا۔ مجھے امید ہے وہ تم سے ناراض نہیں ہوگا۔ اگر اس نے ناراض ہونا بھی چاہا تو تم فکر مند نہ ہونا میں اسے سنبھال لوں گا۔“ قاضی ابوسعید کے ان الفاظ پر ارطالیں خوش ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے ایک دوسرا موضوع چھیڑا اور کہنے لگی۔

”بابا ایک اور بات بھی ہے آپ کا کھانا تو میں تیار کر دیتی ہوں۔“

”اس وقت احمد بن قاسم بھی یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا زین الدین اور بدر الدین کا کھانا کون تیار کرتا ہوگا۔“

اس موقع پر قاضی ابوسعید نے احمد بن قاسم کی طرف دیکھا جس پر احمد بن قاسم مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹی اس کا جواب میں تمہیں دیتا ہوں، میری بیٹی یہاں دو طرح کے لوگ رہتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو اپنے اہلخانہ کے ساتھ رہائش رکھتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے کا اہتمام ان کے اپنے ہاں ہوتا ہے۔ ان وادیوں کے اندر اور باہر وسیع کھیت ہیں جن کے اندر مسکن کے رہنے والے لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ وہاں سے خوراک کی صورت میں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ سبزیاں اور پھل بھی بہت آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان وادیوں کے اندر بھی کوہستانی سلسلوں کے اوپر تک پھلوں کے گھنے باغات ہیں جس سے اس قدر پھل آتے ہیں کہ اس مسکن کے سب لوگ مستفید ہو سکتے ہیں۔ لہذا اناج اور پھلوں کی صورت میں جو کچھ آتا ہے وہ سب لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کے اہلخانہ ان کے ساتھ نہیں ان کی رہائشگاہیں ایک طرف ہیں۔ ان میں زیادہ تر مسلح جنگجو ہیں۔ ان کا کھانا مشترکہ طور پر تیار کیا جاتا ہے اور انہی کے کھانے سے میرا زین الدین اور بدر الدین کا کھانا آتا ہے۔“

احمد بن قاسم کی اس گفتگو سے شاید شہزادی ارطالیں مطمئن ہو گئی تھی پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا میں اب جاتی ہوں اور جس جگہ زین الدین رات کو آرام کرتے ہیں وہاں ریت

بدرالدین جب خاموش ہوا، تب ارطالیس نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کی پیشانی چوٹی پھر بڑی محبت میں کہنے لگی۔

”کیا زین الدین تم سے ناراض ہوں گے؟“

جواب میں ہلکی ہلکی تلخ سی مسکراہٹ میں بدرالدین نے نفی میں گردن ہلاتی پھر کہنے لگا۔

”میرے عم مجھ سے ناراض نہیں ہوتے۔ میں کتنی بھی بڑی غلطی کروں بالکل ضبط کر لیتے ہیں۔ تحمل سے کام لیتے ہیں۔ مجھ سے خفا نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ جب مجھ سے غلطی ہوتی ہے تو انہیں مجھ سے خفا ہونا چاہئے۔ مجھے مارنا چاہئے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔ ہاں وہ اس بات پر ضرور ناراض ہوں گے کہ ان کے سونے کی جگہ یہ ریت کس نے اور کیوں بچھائی ہے؟“

بدرالدین جب خاموش ہوا، تب ارطالیس نے پھر اسے بڑی شفقت میں مخاطب کیا۔

”اچھا یہ بتاؤ وہ اس وقت کہاں گئے ہیں۔“ بدرالدین نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”اس وقت وہ امیر نجم الدین الغازی کے ساتھ اس کوستانی سلسلے کی طرف گئے ہیں جہاں کچھ نئے برج تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں وہ جلد واپس آ جائیں گے۔ اس لئے کہ اس کے بعد انہوں نے امیر نجم الدین الغازی کے ساتھ ان بھٹیوں کی طرف بھی جانا ہوتا ہے جہاں اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ نجم الدین الغازی اور میرے عم کے ساتھ وہ دونوں عرب سالار بھی گئے ہیں، جن کے نام فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم ہیں اور جو آپ لوگوں کے ساتھ اس مسکن میں داخل ہوئے تھے۔“

بدرالدین کے خاموش ہونے پر احمد بن قاسم بڑی شفقت میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بول اٹھا۔

”بدرالدین میرے بیٹے! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اور بیٹی ارطالیس ہمیں بیٹھتے ہیں اور جب زین الدین آتا ہے، اس نے اگر اس ریت سے متعلق تم سے کچھ پوچھا تو تم خاموش رہنا، جواب ہم خود دیں گے۔“

احمد بن قاسم کی اس گفتگو سے بدرالدین مطمئن اور خوش ہو گیا تھا۔ پھر تینوں وہاں بیٹھ کر مسکن سے متعلق گفتگو کرنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد بیرونی دروازہ کھلا اور زین الدین اپنی رہائشگاہ میں داخل ہوا۔

پہلے اس نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا، جب اسے یہ احساس ہوا کہ اس کا بھتیجا بدرالدین خواب گاہ میں ہے، تب اس نے خواب گاہ کا رخ کیا۔ دروازے پر آ کر وہ ٹھنکا اور رک گیا، اس لئے کہ اس وقت وہاں شہزادی ارطالیس کے ساتھ احمد بن قاسم اور بدرالدین بیٹھے ہوئے تھے۔ زین الدین جب وہاں رک گیا، تب ارطالیس نے بڑی اپنائیت میں اسے مخاطب کیا۔

”یہ رہائشگاہ آپ کی ہے اور یہ آپ کی خوابگاہ ہے۔ اس کے دروازے پر آ کر آپ کیوں رک گئے۔ اگر آپ میری وجہ سے رکے ہیں تو میں میرے خیال میں آپ کیلئے اجنبی تو نہیں ہوں۔ اس مسکن میں رہتے ہوئے مجھے کئی ہفتے گزر چکے ہیں۔ آپ اندر آ کر بیٹھ سکتے ہیں۔“

ارطالیس کی اس بات کا زین الدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آہستہ آہستہ خواب گاہ میں داخل ہوا۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے اس جگہ کو دیکھتا رہا، جہاں وہ سوتا تھا اور جہاں اب ریت کی موٹی تہہ بچھادی گئی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آ خر زین الدین نے احمد بن قاسم کی طرف دیکھا اور دھیسے سے لہجے میں پوچھ لیا۔

”بابا میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ یہاں کس نے اور کیوں ریت بچھادی ہے؟“ احمد بن قاسم جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ارطالیس بول اٹھی۔

”یہ ریت میں نے بچھوائی ہے۔ اگر آپ نے ناراض ہونا ہے تو نہ آپ بابا احمد بن قاسم پر ناراض ہوں نہ ہی بدرالدین سے، کیونکہ ریت میں نے بچھوائی ہے لہذا آپ مجھ سے ناراض ہو سکتے ہیں۔ میں آپ کی کسی جھڑکی، کسی ناراضگی، کسی تنبیہ، کسی فہمائش کا برا نہیں مانوں گی۔“

ارطالیس کے ان الفاظ پر زین الدین گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔ یہاں تک کہ احمد بن قاسم نے اسے مخاطب کیا۔

”بیٹے اپنے عزیز اوقارب کے مرنے کے بعد تو نے یہ قسم کھائی تھی کہ نہ تم نیا کپڑا پہنو گے اور نہ ہی مسہری پر سوؤ گے۔ تم نے یہ قسم نہیں کھائی تھی کہ تم پتھر ملی زمین پر سوؤ گے اور پتھر ملی زمین ہی کو نیچے کے طور پر استعمال کرو گے اور نہ ہی تم نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر زمین پر ریت بچھادی گئی تو تم اس پر نہیں سوؤ گے۔ بیٹے اگر تمہارے سونے کی جگہ پر ریت بچھادی گئی ہے تو میرے بیٹے اس سے تمہاری قسم پر تو کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کوئی حرف گیری نہیں اٹھے گی۔ یہ کام ہماری بیٹی ارطالیس نے کیا ہے۔ ایسا اس نے ایک ہمدردی، ارادت مندی اور ایک عقیدت کے تحت کیا ہے اور اس

میں محترم قاضی ابوسعید کی رضامندی اور طمانیت بھی شامل ہے اور میں بھی اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ بیٹے اگر تم نے خفگی اور ناراضگی کا اظہار کرنا ہے تو نا تو بدرالدین سے ناراض ہونہ ارطالیس سے جتنا غصہ لگنا ہے مجھ احمد بن قاسم پر نکال لو۔“

معنی احمد بن قاسم کے ان الفاظ پر زین الدین ایسا متاثر ہوا کہ ایک دم پلٹا احمد بن قاسم کی طرف گیا جھک کر گھٹنے پڑ لئے اور پھر بڑی سعادت مندی میں کہنے لگا۔

”ابن قاسم آپ میرے باپ کی جگہ ہیں میں آپ سے کیسے اور کیونکر ناراض ہو سکتا ہوں۔“ پھر زین الدین سیدھا کھڑا ہوا اور شہزادی ارطالیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”خاتون محترم! ہم لوگ اجاڑ زمانوں کی دلیز کے مسافر ہیں۔ شہر بقا کے آخری لشکری ہیں۔ وقت کے اونگھنے ساگر میں ہماری حیثیت دشت کے خارزاروں جیسی ہے۔ جس زدہ سوچوں سے ماحول میں ہم خمار شب میں بچھے چراغ ہیں۔ صبح و مسا کے اجنبی دھندلوں میں ہم کانٹوں اور بول بھرا وہ راستہ ہیں جس پر کوئی نہیں چلتا۔ ہمارے درد وجدان کا کسی کے پاس درماں نہیں۔ ہمارے لئے وقت کے زیاں خانوں میں نہ کوئی ثمر آوری ہے نہ ہی کوئی آسودگی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ ارطالیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”خاتون ہم نے بینائی سے محروم تاریکیوں میں یقین کو اپنی قوت استغراق کو اپنا راہبر بنا کر نایاب معانی کی جستجو کرنی ہے۔ زندگی کے رفتار پر بھٹکے قافلوں کے ناخدا بن کر روشنی کے مینار امن کی تقدیس خوشیوں کی کہکشاؤں کو تلاش کرنا ہے۔ وقت کے درد دیوار پر ہمارے لئے ظلم و ستم کے کوہ گراں کی جودا ستانیں رقم کردی گئی ہے۔ ہم نے ان ظلم اور عذاب بھری داستانوں کو حیات بخش جہلت اور ابدی سعادت میں تبدیل کرنا ہے۔ اس لئے کہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو رک جانا پڑا تھا۔ اس لئے کہ اس کا جھنجھابا بدرالدین پہلے سسکا تھا پھر بیچارہ سسک سسک کر رونے لگا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے شہزادی ارطالیس تڑپ کر آگے بڑھی۔ بدرالدین کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کی پیشانی چوٹی اپنے سر پر بندھے رومال سے اس کی آنکھیں خشک کیں پھر احتجاج بھرے انداز میں وہ زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”آپ نے بدرالدین کو رلا دیا ہے۔ اس سے پہلے محترم ابن قاسم اور قاضی ابوسعید آپ کے حالات مجھے تفصیل کے ساتھ سنا چکے ہیں۔ آپ پر جو کچھ بتی مجھے اس پر بے حد دکھ اور صدمہ ہوا۔ آپ اگر کسی سے انتقام لیتے ہیں تو پھر آپ حق بجانب ہیں۔“

ارطالیس جب خاموش ہو گئی تب زین الدین زمین پر بیٹھ گیا۔ بدرالدین کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کے گال پیشانی چوٹی پھر کہنے لگا۔

”بیٹے یوں رو تو نہیں پڑتے ہیں اور تم نے تو ان حالات کا چھاتی تان کر مقابلہ کرنا ہے۔ تم اکثر مجھ سے کہتے ہو کہ اے عم! ایک وقت آئے گا میں چھاتی تان کر تمہارے ساتھ چلوں گا اور یہ تم اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے رو کیوں دیتے ہو۔ بیٹے جن حالات نے ہمارے خلاف شمشیر اٹھائی جن حالات نے ہمارے مقدر میں مایوسیاں ناامیدیاں بھریں ان حالات کو ہم نے اپنے قابو میں کر کے ایسے حالات پیدا کرنے والوں کے خلاف حرکت میں آنا ہے اور اپنی کامیابی اپنی فوز مندی کے مینار پر کھڑا ہونا ہے۔ دیکھ میرا بھٹیوں کی طرف جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ امیر نجم الدین الغازی نے آنے والے سالار فضل بن اسحاق عدنان بن ہاشم وہاں میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ بچے میں بہت جلد لوٹوں گا پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔“

بدرالدین خوش ہو گیا تھا پھر زین الدین اٹھ کھڑا ہوا اور شہزادی ارطالیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”خاتون تم نے جو ہم سے ہمدردی کا اظہار کیا اس کیلئے ہم تمہارے ممنون اور شکر گزار ہیں۔ میرے سونے کی جگہ پر جو تم نے ریت بچھائی ہے اس کیلئے بھی میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ آپ لوگ بیٹھیں میں ذرا بھٹیوں کی طرف جاتا ہوں۔“ پھر ارطالیس کے جواب کا انتظار کئے بغیر زین الدین تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔



شام سے تھوڑی دیر پہلے ایک روز تھوڑوں اس کی بیوی میکل دونوں بیٹے اور حسین و خوبصورت بیٹی سبتہ سب اپنے گھر کے دیوان خانے میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ حویلی کے دروازے پر تیز اور زوردار دستک ہوئی تھی۔

اس پر تھوڑوں کا بیٹا راوند اپنی جگہ پر اٹھا اور کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے؟“ اس کے ساتھ ہی وہ دیوان خانے سے نکلا اور باہر ولیا تھا۔

جب اس نے دروازہ کھولا تو کلیسا کا ایک آدمی جو مخصوص لباس پہنے ہوئے تھا دروازے پر کھڑا تھا اور اندر کود دیکھتے ہی کہنے لگا۔

”کیا تمہارا باپ تھوروس اس وقت گھر پر ہے؟“

راوند نے دیکھا وہ بڑا پریشان و فکر مند تھا۔ لہذا راند ایک طرف ہٹ گیا، کہنے لگا۔

”اندر آؤ میرے باپ اندر ہی ہیں، لیکن تم گھبرائے ہوئے پریشان اور فکر مند لگتے ہو۔“

وہ شخص اندر داخل ہوا اور راند کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تمہارے باپ سے ایک انتہائی اور رازدارانہ موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ تم

دروازہ بند کر کے اسے زنجیر لگا دو۔“

راوند نے دروازہ بند کر کے زنجیر لگا دی اور اسے ساتھ لے کر دیوان خانے میں آیا۔ تھوروس

کے پاس جا کر وہ بیٹھا نہیں، کھڑا ہوا اور تھوروس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے پاس وقت نہیں، میں ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آپ لوگوں کے پاس آیا

ہوں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان علاقوں میں آج کل ناٹوں کی بھرمار ہے۔ مسلمانوں پر ضرب

لگانے کیلئے ناٹ یہاں بہت بڑی تعداد میں جمع ہو چکے ہیں اور جمع ہو رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے

یہ بھی سن رکھا ہوگا کہ جس قدر ناٹ اس علاقے کی طرف آرہے ہیں ان کے سربراہ کا نام یوقاس

ہے۔ بڑا ظالم شدت پسند انسان ہے اور مسلمانوں پر ضرب لگانے کیلئے ان دنوں وہ ان سارے

علاقوں کا جائزہ لے رہا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے دو سالاروں نجم الدین الغازی اور زین الدین

نے دریائے اورٹس کے کنارے شیرز شہر کے بالکل مخالف سمت کو ہستانی سلسلے کے اندر ایک حصار

دامن اور مستحکم مسکن بنالیا ہے لہذا یہ ناٹ اور ان کا سربراہ یوقاس کاؤنٹ آف سینٹ پال اور

کاؤنٹ آف گرے کے ساتھ مل کر ان کا خاتمہ کرنے کے درپے ہیں اور یہ غریب ان کے خلاف

حرکت میں آئیں گے۔“

”جہاں تک بڑے ناٹ یوقاس کا معاملہ ہے تو وہ آپ لوگوں کے خلاف بھی حرکت میں

آنے والا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے کلیسا کے بڑے پادری کے پاس ایک روز اس کا ایک نمائندہ

آیا تھا اور اس نے یہ پوچھا تھا کہ ان علاقوں میں سب سے خوبصورت اور حسین لڑکی کون سی ہے،

جو یوقاس کی طلب پر اسے پیش کی جائے۔ تب بڑے پادری نے آپ کی بیٹی سبتہ کا نام لیا۔ تھوڑی

دیر تک یوقاس بڑے گرجے میں پہنچے گا، اس سے پہلے بڑا پادری آپ کی بیٹی سبتہ کو کلیسا میں دیکھنا

چاہتا ہے اس لئے کہ یوقاس سبتہ کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ میں آپ لوگوں کیلئے یہ پیغام لے کر

آیا ہوں کہ سبتہ کو فوراً یہاں سے کسی محفوظ مقام کی طرف منتقل کر دیا جائے ورنہ یوقاس کے ہاتھوں

اس کی عزت اس کی آبرو محفوظ نہیں رہے گی۔ بہتر یہی ہے کہ سبتہ اور میکس دونوں ماں بیٹی یہاں

سے کسی اچھی اور دور کی محفوظ جگہ پر منتقل ہو جائیں۔

اس کے ساتھ ہی آنے والا وہ شخص رکا اور کہنے لگا۔

”محترم تھوروس آپ سے ہمدردی کی بناء پر میں آپ کے پاس یہ پیغام لے کر آیا ہوں۔

میں اب جاتا ہوں، بس میں چاہتا تھا کہ آپ کے اہلخانہ اور آپ کی بیٹی محفوظ رہے۔“ اس کے

ساتھ ہی کسی کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ مڑا اور حویلی سے نکل گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد کچھ دیر تک گہری غمناکی خاموشی چھائی رہی، پھر تھوروس اپنی بیٹی

سبتہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سبتہ میری بیٹی گھر کا جو قیمتی اور ضروری اثاثہ ہے اکٹھا کرؤ اس میں سے آدھا تم اور تمہاری

ماں میکس لے کر یہاں سے روانہ ہو جاؤ جبکہ آدھا ہم تینوں کیلئے رہنے دو بیٹی یہ جو شخص پیغام لے

کر آیا ہے یہ میرا پرانا ہمدرد ہے اور ایک طرح کا مہموا ہے۔ یہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر یہ

پیغام ہمیں پہنچانے آیا ہے۔ لہذا بیٹی وقت ضائع نہ کرو اور اپنی ماں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔“

تھوروس جب خاموش ہوا تب بڑے مطمئن سے انداز میں سبتہ کہنے لگی۔

”بابا میں اور میری ماں اپنا گھر چھوڑ کر کیوں جائیں اور پھر اگر ہم جانا بھی چاہیں تو کدھر کا

رخ کریں نہ کوئی ہمارا عزیز ہے، نہ رشتہ دار ہے نہ کوئی ایسا محفوظ مقام ہے جہاں میں اور میری ماں

جا کے اکیلی رہ سکیں اور پھر یوقاس ایک ناٹ ہے ناٹ ایک بڑا محترم اور بڑا صاحب وقار منصب

ہے۔ وہ مجھے کیوں نقصان پہنچائیں گے۔ اگر یوقاس کی وجہ سے مجھے کلیسا میں لے جایا جاتا ہے

اور یوقاس مجھے اپنی زندگی کا ساقی بنانا چاہتا ہے تو میں پہلے اس کی شخصیت کا جائزہ لوں گی اگر وہ

مجھے پسند آیا تو اس سے شادی کر لوں گی۔ اگر میری پسند پر پورا نہ اترتا تو شادی سے انکار کر دوں

کی۔

سبتہ کی اس گفتگو سے پھر تلخ سی مسکراہٹ تھوروس کے چہرے پر نمودار ہوئی، کہنے لگا۔

”بیٹی تو ٹائٹ کی غلط اور بالکل گمراہ قسم کی وضاحت کر رہی ہے۔ نائٹوں کو تو مجھ سے بہتر نہیں جانتی۔ ہماری بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ تو اپنی ماں میکل کو لے کر فوراً یہاں سے روانہ ہو جا۔ اسی میں تم دونوں کی بہتری اور بھلائی ہے۔ میری بچی تو کہتی ہے کہ ہمارا کوئی عزیز ہمارا کوئی رشتہ دار یا کوئی مضبوط مستحکم ٹھکانہ نہیں جہاں تم دونوں ماں بیٹی محفوظ رہ سکو۔ بیٹی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ شیزر شہر کے بالکل مخالف دریائے اونٹس کے دوسرے کنارے نجم الدین الغازی اور زین الدین نے ایک مضبوط مستحکم اور محفوظ مسکن بنا رکھا ہے جہاں میں نے سن رکھا ہے کہ انہوں نے ان گنت مسلح جوان بھی اکٹھے کر رکھے ہیں اور تو بھی جانتی ہے کہ وہ اس سے پہلے دوبار کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے سالاروں کو بدترین شکست بھی دے چکے ہیں۔ میری بیٹی اپنی ماں کے ساتھ تو وہاں چلی جاؤ وہاں تم دونوں محفوظ رہو گی۔

اس پر سبتہ احتجاجی انداز میں اپنے باپ تھوروس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! یہ آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ مسکن مسلمانوں کا ہے میں نصرانی ہوں۔ مسلمان ایک نصرانی لڑکی اور اس کی ماں کو اپنے ہاں کیوں پناہ دیں گے اور پھر میں ایک عیسائی لڑکی ہوتے ہوئے مسلمانوں کے ہاں کیوں پناہ لوں گی۔ بابا کم از کم میں ایسا کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ میں یہیں اپنے گھر میں رہوں گی۔ دیکھوں گی یوقاس میرا کیا بگاڑ لیتا ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ وہ مجھے اگر کلیسا میں بلاتے ہیں تو میں وہاں جاؤں گی۔ یوقاس سے بھی ملاقات کروں گی۔ اگر پسند آیا تو میں آپ سے پہلے کہہ دیتی ہوں کہ اس سے شادی کر لوں گی۔ اگر نہ آیا تو واپس گھر آ جاؤں گی۔ اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دوں گی۔ دریائے اونٹس کے کنارے مسلمانوں کے اس مسکن میں نہیں جاؤں گی جہاں میرے لئے اجنبیت ہی اجنبیت ہو گی۔“

سبتہ کے ان الفاظ کے جواب میں تھوروس ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”سبتہ میری بیٹی! تو کس قسم کی گفتگو کر رہی ہے۔ وہاں تمہارے لئے اجنبیت نہیں ہو گی۔

میری بیٹی وہاں زین الدین ہے جو تمہاری پھوپھی کا بیٹا ہے۔“

تھوروس کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا اس لئے کہ بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے سبتہ کہنے لگی۔

”اس پھوپھی کا بیٹا جو آپ کے پاس سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلی گئی تھی۔“

سبتہ نے ابھی یہی الفاظ ادا کئے تھے کہ میکل کا ہاتھ اٹھا اور ایک زوردار طمانچہ اس نے سبتہ کے منہ پر مارا۔ سبتہ کا گال سرخ ہو گیا تھا اور وہ لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔ ساتھ ہی میکل کی گرجتی ہوئی اور غراتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

”اس سے پہلے بھی کئی بار تو اس قسم کا احتجاج کر چکی ہے میں تجھے پہلے بھی کئی بار سمجھا چکی ہوں کہ خبردار آئندہ اس قسم کے الفاظ اپنے منہ سے ادا نہ کرنا۔ تمہاری پھوپھی ایک پاکباز ایک نرم دل اور انتہائی حساس خاتون تھی۔ اس نے بدر الدین سے محبت کی تھی اور باقاعدہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے بدر الدین سے نکاح کیا تھا۔ شادی کی تھی تو دن بدن زیادہ منہ پھٹ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ آئندہ اگر زین الدین یا اس کی ماں کے متعلق تیرے منہ سے اس قسم کے الفاظ ادا ہوئے تو یاد رکھنا میں تجھ سے ماں ہونے کا رشتہ ہی منقطع کر لوں گی۔ میں سمجھوں گی میری ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام سرایا تھا جو مر چکی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد میکل اپنی جگہ سے اٹھی اور دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ جواب میں تھوروس نے کچھ نہ کہا۔ راوند اور یوقاس بھی خاموش تھے جبکہ سبتہ بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے اٹھی اور اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی تھی۔

جس وقت سورج غروب ہو رہا تھا، جب ایک بار پھر تھوروس کی حویلی پر دستک ہوئی۔ اس بار دروازہ تھوروس نے کھولا۔ سامنے کچھ مسلح جوان کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر تھوروس چونکا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ آنے والوں میں سے ایک اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”محترم تھوروس! ہم آپ کی بیٹی سبتہ کو لینے آئے ہیں۔ اسے کلیسا کے بڑے پادری نے طلب کیا ہے۔ ایسا بڑے ٹائٹ یوقاس کے حکم پر کیا جا رہا ہے۔ آپ لوگ یوقاس کو جانتے ہیں۔ وہ نہ سننے کا عادی نہیں، نہ کے جواب میں عموماً وہ گردن کاٹ دیتا مناسب خیال کرتا ہے۔ لہذا کوئی جھٹ، کوئی دلیل پیش نہ کیجئے گا۔ سبتہ کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔“

ایک لمبا دکھ بھرا سانس تھوروس نے لیا، پھر کہنے لگا۔

”تھوڑی دیر کو میں یہ پیغام سبتہ کو پہنچاتا ہوں۔ وہ تمہارے ساتھ جانے کیلئے تیار ہو جائے گی۔“

پھر تھوڑے ہٹا دیوان خانے میں گیا، وہاں میکس سبتہ، راونڈ اور یوقاس بیٹھے ہوئے تھے، غمگین سے لہجے میں تھوڑے اپنی بیٹی سبتہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹی تیری خواہش پوری ہوگئی۔ تجھے لینے والے آگئے ہیں۔ اب تو ان کے ساتھ کلیسا میں جا، افسوس تیرے ساتھ گھر کا کوئی فرد نہیں جاسکتا۔ اس لئے کہ یہ فیصلہ تم اکیلی کا ہے۔ اس فیصلے میں نہ تیرے بھائی شامل ہیں نہ خوش اور نہ ہی تیری ماں اور تیرے باپ کی خوشنودی شامل ہے۔“

اس پر سبتہ مطمئن انداز میں اپنی جگہ پر اٹھی، دروازے پر آئی، مسلح جوان اسے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ شاید جس قدر حسین اور خوبصورت لڑکی کی تصویر انہوں نے اپنے ذہن میں بٹھا رکھی تھی سبتہ اس سے بھی زیادہ انہیں محسوس ہوئی تھی۔ سبتہ کو دیکھتے ہی ایک بولا اور کہنے لگا۔

”خاتون محترم! آپ کیلئے ہم گھوڑا لے کر آئے ہیں۔ آپ سوار ہوں اور ہمارے ساتھ چلیں۔“

سبتہ باہر نکلی، جس خالی گھوڑے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس پر سوار ہوئی، پھر وہ مسلح جوانوں کے ساتھ ہوتی تھی۔

جب وہ کلیسا میں داخل ہوئی تو کلیسا کے بڑے پادری اور اس کے ارکان نے بڑی گرجائی اور خوش کن انداز میں اس کا استقبال کیا، بڑے پروقار انداز میں سبتہ اپنے گھوڑے سے اترتی اور بڑے پادری کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا میں یوقاس سے مل سکتی ہوں، جس نے مجھے یہاں بلایا ہے؟“ اس پر بڑے پادری نے اس کو جوان کو بلایا جو پہلے اکیلا سبتہ کے ہاں گیا تھا اور تھوڑے دیر میں اس نے مشورہ دیا تھا کہ یوقاس سبتہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہذا سبتہ یہاں سے بھاگ کر اپنی عزت محفوظ کرے۔

چنانچہ جب بڑے پادری نے اس کو جوان کو بلایا اور کہا کہ وہ سبتہ کو یوقاس کے پاس لے جائے، تب وہ کو جوان بڑا خوش ہوا، سبتہ کو لے کر وہ چند قدم آگے بڑھا، پھر بڑی رازداری میں کہنے لگا۔

”میری بہن تو نے یہاں آ کر بہت بڑی بلکہ فاش غلطی کی ہے۔ تجھے اپنی زندگی اور اپنی

آبرو بچانے کیلئے اپنی ماں کے ساتھ اب تک یہاں سے بھاگ جانا چاہئے تھا۔ دیکھ یوقاس تم سے شادی نہیں کرے گا، صرف تمہیں اپنے ساتھ رکھے گا اور جب تم سے اس کا جی بھر جائے گا، تو پہلی لڑکیوں کی طرح تمہارا خاتمہ کر کے رکھ دے گا۔ اس وقت میں تمہیں یوقاس کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔ میری بہن اس سے گفتگو کرنا اور ساتھ یہ بھی کہنا کہ مجھے سوچنے کیلئے تھوڑا سا وقت دو اور یہ بھی کہنا کہ مجھے ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے کا موقع دیا جائے تاکہ میں اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ سکوں۔ جب تو اس کمرے میں جائے تو میری بہن اس کمرے کے پشتی حصے میں ایک کھڑی کھلی ہوگی، وہ کھڑکی کلیسا کے پشتی حصے میں کھلتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ کو جوان رکا، پھر بڑی تیزی سے کہتا چلا گیا تھا۔

”میری بہن اس کھڑکی سے باہر نکل کر تو کلیسا کے احاطے کی طرف جانا، احاطے کی دیوار بڑی آسانی سے پھلانگی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اونچائی میں چھوٹی ہے۔ دیوار پھلانگنے کے بعد تو تھوڑا سا آگے جائے گی، تو وہاں ایک گھوڑا تیار کھڑا ہوگا، اس پر بیٹھ کر یہاں سے بھاگنے والی بات کرنا، ایسا اس وقت کرنا جب تمہیں اپنی زندگی اپنی آبرو اپنی عزت عزیز ہو اور اگر تم اپنی عزت اپنی آبرو یوقاس کے ہاتھوں گنوانے پر ہی تلی ہوئی ہو تو پھر جو کچھ میں نے کہا ہے اسے راز میں رکھنا اور اس پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ کو جوان خاموش ہو گیا، پھر ایک دروازے کے سامنے رکھا اور سبتہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ دروازہ کھول کر اندر چلی جاؤ، اندر نائٹوں کا سربراہ یوقاس بیٹھا ہوا ہے۔“

پچکپاتے ہوئے ڈرے ڈرے سبے سبے انداز میں سبتہ نے دروازہ کھولا، اندر یوقاس نام کا وہ نائٹ تھا جو خوب قد آور اور بھرے ہوئے جسم کا تھا، جب سبتہ اس کمرے میں داخل ہوئی تب وہ مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا۔

”یقیناً تم تھوڑے سی بیٹی سبتہ ہو، تمہارے حسن، تمہاری خوبصورتی اور تمہاری کشش کی جس قدر تعریف کی گئی تھی، تم اس سے کہیں زیادہ ہو، آؤ میرے سامنے بیٹھو۔“

اس پر سبتہ اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔ ”کہنے لگی فی الحال میں بیٹھوں گی نہیں میں آپ سے چند سوال کرنا چاہتی ہوں۔“

اس پر یوقاس کہنے لگا۔ ”بولو تم کیا پوچھتی ہو۔“

جواب میں سبتہ کہنے لگی۔ ”میرا پہلا سوال یہ ہے کہ کیا آپ مجھ سے باقاعدہ شادی کریں جس طرح کلیسا میں شادی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ کیا یہ سب کچھ ہوگا۔“

یوقاس نے ایک قہقہہ لگایا، پھر کہنے لگا۔

”واہ تو بھی بڑی بھولی لڑکی ہے۔ میں نہیں جانتا یہ شادی کیا رسم ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر تک میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور تم میری بیوی کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گی کیا تمہارے لئے یہ فخر کا مقام نہ ہوگا کہ نائٹوں کا سربراہ تمہیں بغیر شادی بغیر نکاح کے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔“

یوقاس کا یہ جواب سن کر سبتہ کو دھچکا لگا تھا، لیکن ضبط کر گئی، پھر کہنے لگی۔

”اب میں مزید کوئی سوال نہیں کرنا چاہتی کیا مجھے تھوڑا سا وقت دیا جاسکتا ہے کہ میں ساتھ والے کمرے میں بیٹھ کر سوچ لوں اس کے بعد آپ کو جواب دوں۔“

اس پر یوقاس نے پہلے تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا، پھر طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

”ایسا موقع اس سے پہلے میں نے کسی لڑکی کو نہیں دیا جس قدر لڑکیاں میرے ساتھ رہیں اور جو میری زندگی میں آئیں ان میں سب سے زیادہ تم خوبصورت اور حسین ہو۔ لہذا تمہیں میں ایسا موقع دیتا ہوں۔ یہ درمیانی دروازہ ہے۔ اس سے ساتھ والے کمرے میں چلی جاؤ بیٹھ کر سوچو لیکن زیادہ وقت نہ لیتا۔ اس کے بعد مجھے اپنے جواب سے مطلع کرو اور یاد رکھنا ہاں کی صورت میں تمہاری زندگی ہے انکار کی صورت میں موت۔“

سبتہ کچھ نہ بولی جواب میں اس نے درمیانی دروازہ کھولا اور دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔ درمیانی دروازہ اس نے بند کر دیا تھا۔ فی الفور حرکت میں آئی، کھڑکی کے راستے کو دے کے باہر نکلی، پھر جھک کر بھاگتے ہوئے اس نے کلیسا کے احاطے کو پھلانگا، تھوڑا سا آگے گئی تو وہاں ایک گھوڑا تیار کھڑا تھا۔ لہجہ بھر کیلئے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا، کوئی بھی نہیں تھا۔ لہذا گھوڑے کی لگام جا کر اس نے کھولی، جلدی جلدی اس پر سوار ہوئی اور درختوں کے جھنڈ کے اندر ہی رہتے ہوئے اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

جس وقت وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگتی تھی، کلیسا کے کسی کارندے کی نگاہ اس پر پڑ گئی تھی۔

لہذا وہ شور کرنے لگا تھا، کہنے لگا۔

”وہ لڑکی جسے کلیسا میں لایا گیا تھا وہ تو بھاگ گئی ہے۔“ اس پر یوقاس انتہائی غصے کے عالم میں درمیانی دروازہ کھول کر ساتھ والے کمرے میں گیا تو وہاں سبتہ نہیں تھی، لہذا جو مسلح جوان اس کے ساتھ آئے تھے انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس کا تعاقب کرو ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔“ اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھی نائٹ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہ سبتہ کے پیچھے لگ گئے تھے۔

سورج غروب ہو گیا تھا۔ فضاؤں کے اندر تاریکی پھیل چکی تھی۔ سبتہ اپنے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگاتی سرپٹ دوڑائے جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ گھوڑے کو جس قدر تیزی سے دوڑا سکتی تھی، دوڑاتی رہی۔ یہاں تک کہ عشاء کے قریب اسے اپنے پیچھے مختلف آوازیں سنائی دیں، جس سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے تعاقب میں اسے پکڑنے کیلئے لوگ لگ گئے ہیں۔ لہذا درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس جہاں جھاڑیاں بھی تھیں اور ذرا فاصلے پر کسی بستی کی روشنیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ گھوڑے سے کودی اور گھوڑے کو مار کر اس نے اسی شاہراہ پر بھگا دیا تھا، جو شاہراہ اس بستی سے ذرا فاصلے پر گزرتی ہوئی آگے چلی گئی تھی۔

ایسا کرنے کے بعد وہ کھنی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تعاقب کرنے والے وہاں پہنچ گئے۔ وہ بھی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔ شاید رات کی تاریکی میں اپنے آگے بھاگتے گھوڑے کی آواز وہ سن رہے تھے ان کے گزر جانے کے بعد سبتہ جھاڑیوں کے جھنڈ سے نکلی اور جس بستی کی روشنیاں اسے دکھائی دی تھیں اس کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

بستی میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک مسجد کے سامنے رک گئی۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر سے ایک شخص نکل رہا تھا۔ وہ ڈھلی ہوئی عمر کا شخص تھا۔ سبتہ سہمی سہمی ڈری ڈری سی اس کے پاس گئی اور کہنے لگی۔

”خدا کیلئے میری بد بکجی، کچھ بھیڑیے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ مجھے چیز پھاڑ کھائیں گے، وہ میری عزت، میری آبرو کے درپے ہیں۔“

اس پر وہ شخص رک گیا، کہنے لگا۔

”بیٹی پہلے تو آرام سے بیٹھ کر ہمارے ساتھ کھانا کھا۔ اپنے حواس کو بحال رکھو۔ گھبرانے اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو حالات تم نے سنائے ہیں ان کے مطابق باتوں کے سربراہ یوقاس کے آدمی ضرور اس بستی کے علاوہ آس پاس کی بستیوں پر نگاہ رکھیں گے۔ کہیں نہ کہیں چھپ کر بیٹھیں گے اور تمہاری راہ ’ٹوہ‘ تمہاری تلاش میں لگے رہیں گے۔ بیٹی تم فکر مند نہ ہو، میں کوشش کروں گا کہ جب تک تم چاہو تمہاری حفاظت کا سامان کر سکوں۔ دیکھو میرے گھر کے اندر ایک تہہ خانہ بھی ہے، جو میرے آباؤ اجداد کے وقت کا ہے، میں اس مکان کو گرا کر بنایا تھا۔ اس بنا پر اس تہہ خانے کا کسی کو علم نہیں۔ اس لئے کہ میں نے یہی کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنے گھر کو چونکہ نئے سرے سے بنایا ہے لہذا اب تہہ خانہ نہیں رکھا۔ میں سمجھتا ہوں اس تہہ خانے میں تم محفوظ رہ سکتی ہو۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تم ساری زندگی بھی یہاں رہنا چاہو تو بیٹی میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔ میں جانو گا میری ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں اور اگر تم یہاں سے نکل کر کہیں جانا چاہو تب بھی مجھے بتا دو تاکہ میں وہاں تک تمہیں پہنچانے کا کوئی بندوبست اور اہتمام کر سکوں۔

جواب میں سببہ بیچاری اداس اور افسردہ ہو گئی تھی پھر کہنے لگی۔

”محترم ابن شازان میں اپنی پھوپھی کے بیٹے زین الدین کے مسکن میں جانا پسند کروں گی۔ اس کے علاوہ میں کہیں محفوظ نہیں رہ سکتی اور نہ ہی وہاں کے علاوہ میری عزت، آبرو محفوظ رہ سکتی ہے۔“

اس پر اسماعیل بن شازان کہنے لگا۔

”میری بچی اگر ایسا ہے تو اب تو فکر مند اور پریشان نہ ہو۔ پہلے کھانا کھا، پھر میری بیوی اور بیٹی کے ساتھ آرام کر۔ پہلی بات یہ کہ چند دن تک تو تم بستی سے نہیں نکل سکتی۔ اس لئے کہ یوقاس کے آدمی شکاری کتوں کی طرح ان علاقوں کا احاطہ کرتے رہیں گے۔ ہاں جیسا کہ میں نے پہلے تم سے کہا ہے، کبھی کبھی نجم الدین الغازی اور زین الدین کے مسلح جوان گردہ در گردہ ان بستیوں کا چکر لگاتے ہیں، وہ گھوڑ سوار ہوتے ہیں اور کافی دسے ہوتے ہیں۔ اس بار جب کبھی بھی وہ اس بستی کی طرف آئے تو میں ان سے تمہارا تعارف کرواؤں گا اور جب انہیں یہ خبر ہوگی کہ تم ان کے امیر زین الدین کے ماموں کی بیٹی ہو تو وہ تمہاری قدر تمہاری عزت کریں گے اور تمہیں محفوظ رکھنے کیلئے اپنے ساتھ اپنے مسکن میں لے جائیں گے۔ بیٹی اب تم پریشان نہ ہو۔ ہو سکتا ہے یوقاس

”بیٹی تو کون ہے کہاں سے آئی ہے کون تیرا چچا کر رہے ہیں؟“ اس پر سببہ منت کرنے کے انداز میں کہنے لگی۔

”اگر میں نے یہاں آپ کو تفصیل بتائی تو تعاقب کرنے والے ہو سکتا ہے مجھے آلیں اور پھر میری آبرو عزت محفوظ نہ رہ سکے گی۔“

اس پر وہ شخص رکا اور سببہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔

”بیٹی تو فکر مند نہ ہو، میرا نام اسماعیل بن شازان ہے۔ میں اس مسجد کا امام ہوں، تو میرے ساتھ آ۔ تو مجھے مظلوم اور ضرورت مند لڑکی لگتی ہے۔“ اس کے ساتھ ہی جو چادر اسماعیل بن شازان نے اپنے اوپر لی ہوئی تھی وہ اس نے سببہ پر ڈالی اور کہنے لگا۔

”بیٹی تو اپنا چہرہ ڈھانپ لیتا۔ راستے میں اگر کوئی میرا جاننے والا لال گیا تو میں کہوں گا کہ یہ میری بیٹی ہے، تم خاموش رہنا۔“

سببہ اس گفتگو سے مطمئن ہو گئی تھی۔ لہذا چپ چاپ اسماعیل بن شازان کے ساتھ ہوئی۔ راستے میں کسی سے بھی ان کا کراؤ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اسماعیل بن شازان اپنے گھر میں داخل ہوا۔ گھر کو اندر سے ذخیر لگائی، پھر وہ اس کمرے میں داخل ہوا، جس میں روشنی ہو رہی تھی۔ اندر ایک ادھیڑ عمر کی عورت اور ایک نوخیز لڑکی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسماعیل بن شازان کہنے لگا۔ ”یہ میری بیوی حیران اور ساتھ میری بیٹی ترمیٹھی ہوئی ہے۔ ہم گھر کے تین ہی افراد ہیں۔ میری بیٹی تو ان کے پہلو میں بیٹھ پھر اپنی سرگزشت سنا۔“

سببہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس کے بعد وہ وہاں بیٹھ گئی اور اپنے پورے حالات اس نے تفصیل کے ساتھ کہہ سنائے تھے۔

جب سنا چکی تب حیرت اور خوشی کے طے جلے جذبات میں اسماعیل بن شازان کہنے لگا۔

”میری بیٹی تو زین الدین کے ماموں کی بیٹی ہے۔ زین الدین تو ان علاقوں کا نجات دہندہ ہے۔ اس کی اور نجم الدین الغازی کی وجہ سے تو نصرانی ان بستیوں پر حملہ آور نہیں ہوتے، ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ نجم الدین الغازی اور زین الدین کے مسلح جوان کبھی کبھی ان بستیوں کی طرف چکر لگاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان بستیوں پر نصرانی حملہ آور نہیں ہوتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد اسماعیل بن شازان رکا اور کہنے لگا۔

کے آدمی اس بستی کا رخ کریں اور جگہ جگہ بلکہ ہر گھر سے تمہارے متعلق پوچھتے پھریں۔ لہذا جب کبھی ہمارے گھر کے دروازے پر دستک ہوگی، میری بیٹی تمہیں تمہ خانے میں لے جایا کرے گی اور خود باہر آ جایا کرے گی تاکہ سب کو پتا ہو کہ ہم گھر کے تین ہی افراد ہیں اور تین ہی گھر پر موجود ہیں۔ تمہ خانہ خفیہ جگہ ہے، بلکہ محفوظ اور آرام دہ بھی ہے۔ میری بیٹی میں جانتا ہوں تو بڑی مشکلات میں گھر کر ادھر بھاگی ہے۔ اب اس گھر میں تو سکون سے رہنا ہم احتیاط کی خاطر جب بھی گھر کے دروازے پر دستک ہو تو تمہ خانے میں چلی جایا کرنا۔ پہلے کھانا کھاؤ اس کے بعد میری بیٹی تمہیں تمہ خانے کی جگہ بتا دے گی۔ اس کے اندر جانے اور اسے بند کرنے کے طریقہ کار سے بھی تمہیں آگاہ کر دے گی۔ اب آؤ سب مل کر کھانا کھاتے ہیں۔“

اسامیل بن شازان کی اس گفتگو اور اس کی بیوی حمران اور بیٹی تمر کے سلوک سے سیدہ ناصرف مطمئن، بلکہ خوش ہو گئی تھی۔ پھر سب بیٹھ کر اٹھ کھانا کھا رہے تھے۔



اسی دوران نجم الدین الغازی اور زین الدین کے مسکن میں یہ حادثہ پیش آیا کہ نجم الدین کا بھائی چند روز بیمار رہنے کے بعد اس عالم فانی سے ہمیشہ کیلئے کوچ کر گیا۔ اس کے مرنے کا نجم الدین الغازی کو بے حد دکھ اور غم ہوا تھا اور وہ بیچارہ خود تیز بخار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ایک روز جب کہ زین الدین اور دونوں عرب سالار فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم اور کچھ دوسرے سالار نجم الدین الغازی کے پاس بیٹھے تھے کہ نجم الدین الغازی اور زین الدین نے جو اپنے اطراف میں اپنے منجر اور طلا یہ گر پھیلا رکھے تھے۔ ان میں سے چند اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئے جس کمرے میں وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ نجم الدین الغازی اور سکمان کی رہائش گاہ تھی۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر نجم الدین الغازی کسی قدر فکر مند ہو گیا تھا۔ انہیں مخاطب کر کے کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ زین الدین نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے اندر آنے کیلئے کہا۔ جب وہ اندر آئے، تب زین الدین نے انہیں مخاطب کیا۔

”عزیز ساتھیو! اگر تم کوئی خبر رکھتے ہو تو کہو کیا معاملہ ہے؟“

اس پر ان میں ایک اپنے ساتھیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر ہمارے پاس ایک بری خبر ہے اور یہ کہ کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے ہم سے اپنی گزشتہ ناکامیوں کا انتقام لینے کیلئے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر چکے ہیں اور آنے والی شب کے پچھلے حصے میں وہ اپنے علاقوں سے نکل کر ہمارا رخ کریں گے۔ اس بار یورپ اور یروشلم سے آنے والے بڑے چھوٹے سب نائٹ بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور ان علاقوں میں نائٹوں کا سربراہ یوقاس بذات خود اس لشکر میں شامل ہوگا۔ انہوں نے ارادہ کر رکھا ہے کہ ناصرف یہ کہ ہمارے اس مسکن کو تباہ کر کے اس پر قبضہ کریں گے، بلکہ شیردرشہر اور اس کے قلعے پر

بھی اپنی گرفت کریں گے جسے ناقابل تخیر خیال کیا جاتا ہے۔“

اس موقع پر نجم الدین الغازی جو بخارا اور بیماری کے باعث کافی لاغر ہو چکا تھا۔ عجیب سے انداز میں زین الدین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ زین الدین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر نجم الدین کا شانہ چھتہ پتہ ہوتے کہنے لگا۔

”امیر! آپ اپنی جگہ پرسکون انداز میں لیٹے رہیں۔ آپ کو پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آنے والی شب کے ختم ہونے سے پہلے مسکن سے نکلوں گا اور اپنے مسکن سے دور کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے لشکر سے نبٹوں گا۔ آپ بے فکر ہیں سب سے بڑی بات یہ کہ خداوند قدس ہماری مدد اور حمایت کرے گا اور اس کی مدد اور اعانت ہی کے سہارے ہم دشمن کو تباہ کن شکست دینے میں کامیاب ہوں گے۔ آپ کو لشکر میں شامل ہونے کا ڈکھ اور غم نہیں ہونا چاہئے۔ آپ سخت اور تیز بخارا میں جتلا ہیں۔ کمزور اور لاغر بھی ہو چکے ہیں اور پھر یہ بھی سوچیں اس وقت میرے ساتھ فضل بن اسحاق اور عدنان جیسے منجھے ہوئے اور صاحب ہنر سالار ہیں اور یہ دشمن کے خلاف اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کیلئے اپنے سردھڑکی بازی لگانے کا بھی ہنر خوب جانتے ہیں۔ امیر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں کے دامن میں پہلے کی طرح شکست کی بدنامیوں کے داغ ڈال دیئے جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رک گیا۔ اس کے ان الفاظ پر جہاں دونوں عرب سالار فضل بن اسحاق، عدنان بن ہاشم کی چھاتیاں تن گئی تھیں وہاں وہ فخریہ انداز میں زین الدین کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ نجم الدین الغازی کے چہرے پر بھی ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ یہاں تک کہ زین الدین نے آنے والے مجبوروں کو مخاطب کیا۔

”میرے عزیز ساتھیو! پہلے یہ کہو کہ دشمن کا جو لشکر آنے والی شب کے پچھلے حصے میں ہماری طرف پیش قدمی کرے گا کیا اس میں کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں بانس نفیس شامل ہوں گے۔“

اس پر جو مجر پہلے مخاطب ہوا تھا وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

”نہیں کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے اس لشکر میں شامل نہیں ہوں گے۔“

اس لشکر کی کمانڈری ان دونوں کے سپہ سالار رینارڈس اور ایسٹس کے ہاتھ میں ہوگی، جو اس سے پہلے کئی بار ہمارے ہاتھوں پٹ چکے ہیں۔ اس بار ان کے ساتھ تیسرا لشکر تائٹوں کا ہوگا جس کی سرکردگی اور جس کی کمانڈری تائٹوں کا سربراہ یوئاس کرے گا۔“

زین الدین نے ان آنے والے مجبوروں کا شکریہ ادا کیا جس پر وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ اس کے بعد زین الدین نے وہاں جمع ہونے والے فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کے علاوہ دیگر چھوٹے بڑے سالاروں کو کچھ ہدایات دیں کہ اس کی اور فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کی روانگی کے بعد وہ کس طرح اپنے مسکن کی حفاظت کریں گے۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہ کر زین الدین نے باری باری دونوں عرب سالاروں فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! تمہاری آمد کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ہم دشمن سے ٹکرانے لگے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم میرا بھرپور ساتھ دو گے اور اگر تم ایسا کرتے ہو تو خداوند قدس کی مدد اور اعانت سے پہلے کی طرح ہم دشمن کو تباہ کر دیا کریں گے، بلکہ ان کے مقدر میں بدترین اور بدناما شکست کے تقدیریں بھی لکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک شیزر کے حاکم کو بھی اپنی اور تم دونوں کی روانگی سے آگاہ کرتا ہوں، تاکہ ہماری غیر موجودگی میں وہ محتاط رہے۔ اس موقع پر عرب سالار عدنان بن ہاشم نے اپنے ساتھی فضل بن اسحاق پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں دونوں میں کوئی صلاح مشورہ ہوا اور اس کے بعد بڑے بڑے جوش انداز میں عدنان بن ہاشم زین الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”امیر! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم بے دینی اور ظلم کے اس طوفان کے سامنے اپنی ملت کے وقار اور مضبوط اور مستحکم برج بن کر دشمن کے سامنے آئیں گے اور وقت کی آنکھ دیکھے گی کہ ہم اپنی کارگزاری سے خون کی ندیوں کی طرح اٹھتے شجاع اور جواں مردی کے بگولوں کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوں گے۔ ان کے جذبوں میں دکھ کے بوجھ ان کی نبض میں خونی مدد جزاں کے ہونٹوں پر بنجر زمین کے سیم تھوڑان کی آنکھوں میں آتش انگارے بھر کر رکھ دیں گے۔ امیر! ہم آپ کو میدان جنگ میں اپنی جرات اور دل افروزی سے مایوس نہیں کریں گے جس طرح چھوٹے بگولے معمولی جڑو سے اٹھ کر کل میں سماتے ہوئے آنندھیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اس

تمہاری آمد پر ہم اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے اسے سمجھایا کہ تم ابھی چھوٹے بچے ہو جب بڑے ہو گے تو پھر کوئی فیصلہ کرنا۔ اس عمر میں کوئی بھی فیصلہ اپنے عم کی مرضی کے بغیر مت کرتا۔“

اس پر زین الدین نے غور سے بدرالدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”میرے بیٹے تو اس موضوع پر نہ سوچا کر حیرانم ابھی زندہ ہے۔ تجھے زمین پر سونے کی کیا ضرورت ہے۔ عنقریب میں بھی اپنے خاندان کے دشمنوں سے انتقام لینے کے بعد تمہاری طرح مسہری پر بھی شب بسر کیا کروں گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ سے بدرالدین مطمئن ہو گیا تھا، پھر احمد بن قاسم کے کہنے پر زین الدین نے نجم الدین الغازی کے کمرے میں ہونے والی ساری گفتگو سے اسے آگاہ کر دیا تھا۔ اس پر احمد بن قاسم تشکر لہجے میں کہنے لگا۔

”تو اس کا مطلب ہے بیٹے آنے والی شب کے پچھلے حصے میں تم اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرو گے۔“ اس پر زین الدین اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”عم احمد بن قاسم تمہارا کہنا درست ہے۔ آنے والی شب کے پچھلے حصے میں میں فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم ایک لشکر لے کر دشمن کی طرف کوچ کریں گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر زین الدین دوسرے کمرے کی طرف جانے ہی لگا تھا کہ اچانک بیرونی دروازے سے حسین اور خوبصورت شہزادی ارطالیں مکان میں داخل ہوئی تھیں۔

سیدی اس کمرے کی طرف گئی، جہاں اس وقت زین الدین احمد بن قاسم اور بدرالدین بیٹھے ہوئے تھے، پھر وہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”امیر میں نے سنا ہے آنے والی شب کے پچھلے حصے میں آپ ایک لشکر لے کر کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے لشکر کا سامنا کرنے کیلئے نکلیں گے۔ اس موقع پر آپ سے میری ایک التماس ہے۔“

”کیسی التماس.....؟“ غور سے ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین نے پوچھ لیا تھا۔ یہاں تک کہ ارطالیں بول اٹھی۔

”امیر میری خواہش ہے کہ آج شام کے کھانے کا اہتمام آپ تینوں کیلئے میری طرف سے

طرح میں اور فضل بن اسحاق بھی آپ کے ساتھ مل کر خداوند قدوس نے چاہا تو ہلاکتوں کے پیش رو بننے والے ان دشمنوں کو موت کی اتراکی میں پھینک دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

عدنان بن ہاشم کی اس گفتگو سے زین الدین اور باقی سارے سالار بھی خوش ہو گئے تھے۔ پھر زین الدین، نجم الدین الغازی سے اجازت لے کر اپنی جگہ سے اٹھا اور باقی سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اب اٹھو اپنی تیاریوں کو آخری شکل دیتے ہیں۔ اس لئے کہ آنے والی شب کے پچھلے حصے میں اپنے لشکر کے ساتھ ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔“ اس کے ساتھ ہی نجم الدین کے پاس مسکن کا ایک طبیب اور چند دوسرے آدمی بیٹھے رہے۔ باقی سب چھوٹے بڑے سالار اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔

زین الدین جب اپنی رہائشگاہ میں داخل ہوا تو وہاں مفتی احمد بن قاسم اس کا بھتیجا بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ زین الدین کو دیکھتے ہی بدرالدین بھاگ کر آگے بڑھا اور زین الدین سے لپٹ گیا۔ اس کا ہاتھ تھا زین الدین آگے بڑھ کر مفتی احمد بن قاسم کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر احمد بن قاسم زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”آج اس بدرالدین نے مجھے بھی اداس اور افسردہ کر دیا ہے۔“

اس پر زین الدین نے پہلے ایک گہری نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھے بدرالدین پر ڈالی، پھر احمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”عم! کیا ہوا؟ کیا اس نے اپنی گفتگو کے دوران آپ کی دل شکنی کی؟ یہ ایسا ہے تو نہیں پھر.....؟“

احمد بن قاسم نے اس کی بات فوراً کاٹ دی اور کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے یہ معاملہ نہیں ہے۔ آج یہ اچانک میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا کہ جس طرح میرے عم مسہری اور بستر کے بجائے زمین پر سوتے ہیں اس طرح آئندہ میں بھی زمین پر رات بسر کیا کروں گا۔ یہ کہہ رہا تھا کہ کیا یہ بات ایک بھتیجے کیلئے شرمناک نہیں ہے کہ اس کا چچا زمین پر سوتے اور وہ مسہری پر پڑا رہے۔ بس میرے بیٹے

ہو۔ اس کیلئے میں نے اپنے بابا قاضی ابوسعید سے بھی بات کر لی ہے۔ اس پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا ہے۔ لہذا میری خواہش ہے کہ آج شام کا کھانا آپ میرے اور قاضی ابوسعید کی رہائش گاہ پر کھائیں گے۔“

اس پر زین الدین غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ارطالیں تمہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو میں نے تمہیں پیشکش کی تھی کہ تمہارا کھانا لشکر کی طرف سے تیار ہو کر آیا کرے گا۔ لیکن تم نے اس پر اصرار کیا تھا کہ تم اپنے اور قاضی ابوسعید کے کھانے اور دوسری ضروریات کے اخراجات خود برداشت کرو گی لہذا میں سمجھتا ہوں یہ تم پر بوجھ ہوگا۔“

اس پر مسکراتے ہوئے ارطالیں کہنے لگی۔

”امیر آپ اس بوجھ کا کوئی فکر نہ کریں جس وقت اسلام سے محبت رکھتے ہوئے میں اپنے گھر سے بھاگی تھی تو میں خالی ہاتھ نہیں نکلی تھی۔ اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر نکلی تھی اور وہ سرمایہ ابھی تک میرے پاس ہے اور محفوظ ہے۔ امیر اس سرمائے میں سے تو میں.....“

یہاں تک کہتے ہوئے شہزادی ارطالیں کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ احمد بن قاسم زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے مان جاؤ انکار مت کرنا۔ اس طرح ارطالیں کی دل شکنی ہوگی۔“

احمد بن قاسم کے ان الفاظ پر ارطالیں بھی خوش ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ زین الدین کہنے

لگا۔

”ارطالیں جیسا تم چاہتی ہو ایسا ہی ہوگا۔ اس وقت تو میں اپنے کوچ کی تیاری کرنے لگا

ہوں۔“

اس پر فوراً ارطالیں بڑی عقیدت اور ارادت مندی میں کہنے لگی۔

”میری ایک اور گزارش بھی ہے آپ اپنی کوڑا تیاری نہیں کریں گے۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد جب آپ واپس اپنی رہائش گاہ میں آئیں گے تو میں آپ کے ساتھ آؤں گی۔ آپ کی تیاری خود کروں گی۔ میں اگر جنگوں میں حصہ نہیں لے سکتی تو ایک مجاہد ایک سالار کی تیاری کر کے ہی اپنے لئے سعادت تو حاصل کر سکتی ہوں۔“

ارطالیں کے ان الفاظ پر کیونکہ زین الدین خاموش رہا تھا۔ لہذا اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ارطالیں وہاں سے چلی گئی تھی۔

مغرب کی نماز کے بعد ارطالیں جب زین الدین احمد بن قاسم اور بدر الدین کو بلانے کیلئے ان کے مکان میں داخل ہوئی تو اس کمرے کے باہر اچانک وہ رک گئی جو کمرہ دیوان خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس لئے کہ کمرے کے اندر ایک انتہائی نمکین لہجہ میں احمد بن قاسم مربوط بجا رہا تھا اور ساتھ ہی وہ گا بھی رہا تھا۔ لہذا ارطالیں اس کمرے کے باہر رک گئی جو غنہ احمد بن قاسم گار رہا تھا۔ اس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

”میں نے اپنی ملت کے چھوٹے بڑے حکمرانوں کو پکارا اور کہا آؤ حریت کے چراغوں میں روشنی ڈالیں۔ بے نشان راستوں پر شجاعت کے سنگ میل کھڑے کریں۔ لیکن مجھے کوئی جواب نہ ملا اور ناشاد اور سوگ دار ساعتوں اور حواس کی پراگندگی ہی خاموشی نے میرا استقبال کیا۔“

میں نے چھوٹے بڑے کئی حکمرانوں کو آواز دی کہ آؤ بے ضمیری کے خواب دیکھنے والوں دستار فضیلت گرانے والوں وحشتیں اور موت کی کرب خیزی طاری کرنے والوں کے خلاف حرکت میں آئیں۔ لیکن جواب میں مجھے اضطراب اور بے زاری کے اثرات دشت در دشت بھکتی اداس رتوں کی زردیوں کی کیفیت کا سامنا کرنا پڑا۔

”آخر میں، میں نے اپنی قوم کے جنگجو فرزند کو پکارا۔ میں نے کہا ملت مسلمہ کے پاسباںو! میری قوم کے نگہدارو! آؤ شہروں کو عریاں کرنے والوں قضا کے زندان کھڑے کرنے والوں کے خلاف ہمت مردانہ جرات رندانہ ویران گزر گاہوں کی نقشہ کشی بن کر اپنے دشمنوں کو زیر کریں۔ میں نے کہا آؤ پھولوں کو ترستی ٹہنیوں کو شاداب کریں۔ درد و فرقت کے پیونداتار پھینکیں کانٹوں کے خونی حصار غموں کے طوفانوں کو مرگ زاروں کی طرح آباد کریں۔“

میں نے چیخ چلا کر اپنی قوم کے فرزند کو پکارا اور کہا آؤ دھوکہ دینے والوں ظلم اور قہر برسانے والوں کے خلاف اپنی جرات اور ہمت سمیٹ کر حرکت میں آئیں۔ اپنے ٹوٹے بوسیدہ آنکھوں اپنے کہہ رنگ آلود سفینوں کو پھر سے استوار کریں۔ میں نے کہا یادوں کے سوکھے اشجار کو سرسبزی عطا کریں۔ صدیوں کے سربستہ رازوں کو عیاں کر دیں۔ محشر صحراموت کے سایوں کے کوہسار بن کر لایغلب تحریک اور فتح مندی کا نعرہ بن کر اپنے دشمن کو اپنے سامنے زیر کرتے چلے جائیں۔

میں نے کہا میری پکار کا جواب دو کہ ہم سب مل کر قلب کی قساوت ذہن کی شقاوت سننے والوں، ظلم سے زمین بھرنے والوں کے خلاف انتقام کی بھڑکتی جوا لاکھی کی طرح حرکت میں آ جائیں۔

میں نے اپنی قوم کے فرزند کو پکارا اور کہا انصاف کے راستوں کو مشعل بردار فرزندِ آوارہ پر چڑھ کر تکبیریں ادا کرنے کی رسم ادا کریں۔ امدنی آنندھیوں میں چراغ روشن کرنے کے ہنر کا مظاہرہ کریں۔ میں نے پکار کر کہا۔ ”میرے نجیب و شجاع عزیز! میرے فطین اور ذہین ساتھیو! آؤ اپنی ملت کے مقاصد کا سورج، اپنی قوم کے حوصلوں کا مہتاب بن کر مستقبل کی روشنی بنکی اور خیر کے معنی بن کر جبر کے دیوتاؤں کو اپنے پاؤں تلے چل مل کر رکھ دیں۔

”میں نے جب اپنی ملت کے نقیبوں، مجاہدوں کو پکار کر کہا کہ آؤ شجاعت کی سوچوں سے ظلم کی سرگوشیوں کو دفن کر دیں تب مجھے چاروں طرف سے لیبک کی آوازیں سنائی دیں۔ میری قوم کے فرزند نے مجھے جواب دیا کہ نعرہ مارو کہ دشمن کے دلوں پر صرع کے دورے طاری کر دیں۔ اس کی ہڈیوں میں بے قراری پھیلا کر رکھ دیں۔ مجھے جواب ملا کہ آؤ سر فرشووں کی زریں جدوجہد بن کر موت کے آنچلوں کو جھیر جھیر کر دیں، زیست کے پھٹکے شور کی طرح ملت کے دشمنوں کو نار بھگائیں۔ ان کی اس پکار کے جواب میں میرے بوڑھے جذبات جوانی کی شدت میں تبدیل ہو گئے۔ میں نے چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر انہیں مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”سر عظیم مجاہدو! آؤ بدی کی دھول اڑانے والوں کے خلاف زریں داستانیں رقم کریں۔ تقدس کے پاسبانو! امت مردانہ کے جوہر سے لیس ہو کر غلامی کو آزادی میں تبدیل کر دیں۔ میں نے انہیں پکار پکار کر کہا کہ اے آفاق اسرار کے رازدانو! آؤ بکھری پتیوں کو پھولوں میں تبدیل کریں۔ میں نے شفقت بھری آواز میں انہیں اپنی طرف بلایا، کہا میری ملت کی تقدیس کے پاسبانو! آؤ سب مل کر بدی کے ویرانوں کو نیکی کے گلستانوں میں بدل دیں۔ قافلوں کے خضر راہ بن کر ملت کے ناموس کی پاسبانی کریں۔ اپنی ملت کے مقاصد اور اپنی قوم کی چاندنی راتوں، چبکتی آرزوؤں، اس کی جسامت کی زیبائی اس کے خطوط کی ضیاء خیزی اس کی خوشبوؤں کی زرخیزی اور اس کے جذبوں کی جذب بھری شدت کو پھر سے تروتازہ اور پرکشش بنا کر رکھ دیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد معنی احمد بن قاسم دم لینے کیلئے رکھا تھا۔ ساتھ ہی اس کی آواز کس قدر ہچکیاں اور سسکیاں بھی بن گئی تھی رورہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور ارطالیں نے جب

اندر جھانکا تو وہ بیچاری کٹ کر رہ گئی تھی۔ اس لئے کہ احمد بن قاسم کے سامنے بیٹھے زین الدین اور بدر الدین کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ صورتحال ارطالیں کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ بیچاری رودی تھی۔ ساتھ ہی اس سے تھوڑا سا کھٹکا بھی ہو گیا تھا۔ جس پر احمد بن قاسم چونک اٹھا۔ مربوط بجانا اس نے بند کر دیا، پھر ہلکی سی آواز میں کہنے لگا۔

”کون ہے.....؟“

ارطالیں فوراً اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی۔

”بابا میں ارطالیں ہوں، کھانا تیار ہے۔ میں آپ تینوں کو بلانے کیلئے آئی ہوں۔“

کمرے میں جلتی مشعل کی روشنی میں احمد بن قاسم نے غور سے ارطالیں کی طرف دیکھا۔ پھر کپکپاتی دکھ بھری آواز میں کہنے لگا۔

”ارطالیں میری بیٹی تو روتی رہی ہے۔ تیرا چہرہ تیرے گال آنسوؤں سے بھیگے ہوئے ہیں۔“

احمد بن قاسم کے ان ہمدردی بھرے الفاظ پر ارطالیں بیچاری اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر ہچکیوں اور سسکیوں میں زور زور سے رونے لگ گئی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے زین الدین اور بدر الدین اور احمد بن قاسم پریشان ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ احمد بن قاسم نے پھر پوچھا۔

”میری بیٹی کیا ہوا تو کیوں روتی ہے؟ کیا تجھے کوئی دکھ ہے؟ کوئی غم ہے؟“

اس پر ارطالیں نے اپنے چہرے سے اپنے دونوں ہاتھ ہٹائے پھر روتی دکھ بھری آواز میں کہنے لگی۔

”مجھے بھی وہی دکھ اور غم ہے جس دکھ اور غم نے آپ تینوں کو رلا دیا۔ میں دروازے سے باہر کھڑی ہو کر آپ کا پورا غم سن چکی ہوں۔ میں اس کیفیت کو بھی دیکھ چکی ہوں جس کیفیت کے تحت محترم زین الدین آپ اور بدر الدین رورہے تھے۔ کیا یہ کیفیت مجھے بھی رولانے کیلئے کافی نہیں ہے؟“

احمد بن قاسم اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ ارطالیں کے سر پر ہاتھ رکھا، پھر جلتے سے لہجہ میں

کہنے لگا۔

”میری بچی تو نے جو الفاظ ادا کئے ہیں کاش میرے بس میں ہوتا میں ان الفاظ کو سنہری حروف میں لکھتا۔ میری بچی تو نے ہمارے ساتھ جس ہمدردی، جس اپنائیت کا رویہ رکھا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے احمد بن قاسم کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ارطالیں بول اٹھی کہنے لگی۔

”اب میں آپ کے معاشرے کی ایک اکائی اور آپ کی تہذیب و تمدن کا ایک حصہ ہوں جو دکھ اور غم آپ تینوں کو رلا سکتا ہے وہ مجھے بھی آنسو بہانے پر مجبور کر سکتا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر ارطالیں نے اپنے خوبصورت سرخ گالوں پر بہتے آنسوؤں کو سر پر بندھے رد مال سے صاف کیا اور اس بار ٹوٹی کپکپاتی آواز میں اس نے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”امیر میں کھانا تیار کر کے آئی ہوں اب انھیں چل کر کھانا کھائیں۔“ زین الدین منہ سے کچھ نہ بولا نہ ہی کوئی جواب دیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بدر الدین بھی کھڑا ہو گیا۔ پھر تینوں ارطالیں کے ساتھ ہو لئے تھے۔

ارطالیں ان تینوں کو اپنی رہائشگاہ میں اس کمرے میں لے گئی، جہاں پہلے سے قاضی ابوسعید بیٹھے ہوئے تھے۔ فرش پر چٹائی بچھا دی گئی تھی۔ پھر جب ارطالیں کھانا چننے لگی، تب بدر الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا آگے بڑھ کر اس نے ارطالیں کا بازو تھام لیا کہنے لگا۔

”میں آپ کو اکیلے کام نہیں کرنے دوں گا۔ میں آپ کے ساتھ برتن لگاتا ہوں، پھر اسٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

بدر الدین کے الفاظ پر ارطالیں ایسی خوش ہوئی کہ جھک کر اس نے اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر ارطالیں اور بدر الدین نے کھانے کے برتن وہاں لگائے۔ اس کے بعد انتہائی خاموشی میں سب بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔ پھر رات کے پچھلے حصے میں زین الدین دونوں عرب سالاروں فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر دشمن کی راہ روکنے کیلئے اپنے مسکن سے نکل گیا تھا۔

جس روز زین الدین اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مسکن سے نکلا تھا، اسی روز یوڑھا اسماعیل بن شازان بھاگتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا۔ سامنے والے کمرے میں اس کی بیوی حزان اور بیٹی تمر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اپنی بیٹی تمر کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی جلدی اسماعیل بن شازان کہنے لگا۔

”بیٹی سبتہ کہاں ہے؟“

اس پر تمر کہنے لگی۔ ”وہ ساتھ والے کمرے میں ہے۔“ جواب میں اسماعیل بن شازان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دوسرے کمرے سے سبتہ نکل کر وہاں آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی اسماعیل بن شازان بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹی فی الفور تیار ہو جا، امیر زین الدین کے مسکن کے کچھ مسلح جوان جو کبھی کبھی ان بستیوں کا چکر لگاتے ہیں، وہ ہماری بستی کی طرف آئے ہیں۔ میں ان سے مل کر آ رہا ہوں اور ان پر عیاں کر چکا ہوں کہ امیر زین الدین کی ایک ماموں زاد بیٹی نے ان حالات کے تحت اس بستی میں پناہ لے رکھی ہے۔ لہذا اسے اپنے ساتھ امیر زین الدین کے مسکن کی طرف لے جائیں۔ وہ مسکن کی طرف جاتے جاتے رک گئے ہیں۔ باہر کھڑے تمہارا انتظام کر رہے ہیں۔ بیٹی جلدی کرو تم ان کے ساتھ باحفاظت زین الدین کے مسکن میں پہنچ سکتی ہو۔“

اسماعیل بن شازان کے ان الفاظ پر سبتہ کی خوشی کی کوئی انتہاء تھی۔ جلدی جلدی وہ حزان اور تمر سے گلے ملی۔ دونوں ماں بیٹی کا شکر یہ ادا کیا۔ دوبارہ ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وہ اسماعیل بن شازان کے ساتھ اس کے ہاں سے نکل گئی تھی۔ بستی کے باہر کچھ مسلح جوان گھوڑوں پر کھڑے منتظر تھے اور ایک گھوڑا انہوں نے خالی کر کے تیار رکھا ہوا تھا۔ اس کے قریب جا کر اسماعیل بن شازان رک گیا۔ سبتہ نے اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان لشکریوں کے سالار کو مخاطب کر کے اسماعیل بن شازان کہنے لگا۔

”یہ بچی امیر زین الدین کے ماموں کی بیٹی ہے اور امیر کے پاس جانا چاہتی ہے۔“

اس پر وہ سالار اپنے گھوڑے پر سے اتر گیا۔ احتیاطاً جو گھوڑا خالی کھڑا تھا اس کی باگ پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور سبتہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون محترم! آپ گھوڑے پر بیٹھیں، پھر یہاں سے کوچ کریں۔“

سبتہ آگے بڑھ کر گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ اس کا غڈرنے گھوڑے کی باگ سبتہ کو تھمادی۔ اس کے بعد سبتہ بڑے پرسکون انداز میں اس مسلح دستے کے ساتھ زین الدین کے مسکن کا رخ کر رہی تھی۔



بدرالدین کھڑا تھا۔

اپنی ماں کو وہاں دیکھتے ہوئے سبتہ کی خوشی کی کوئی انتہاء تھی۔ بھاگ کر آگے بڑھی اور ماں سے لپٹ کر داروں دھار روئے لگی تھی۔ میکمل بھی اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رونے لگی تھی۔ قریب ہی بدرالدین اداس اور افسردہ کھڑا تھا۔ میکمل سے ملنے کے بعد سبتہ بیٹھ گئی۔ بدرالدین کا ہاتھ پکڑا چاہتی تھی کہ اسے گلے لگا کر اسے پیار کرے کہ بدرالدین اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بے پناہ غصے اور غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے مکان سے باہر بھاگ گیا تھا۔ سبتہ ایک افسردہ اور حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ میکمل آگے بڑھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اس مکان کے ایک کمرے میں اسے لے گئی۔ دونوں ماں بیٹی نشستوں پر بیٹھ گئیں۔ پھر میکمل کو مخاطب کرتے ہوئے سبتہ کہنے لگی۔

”ای! آپ یہاں کیسے پہنچ گئیں.....؟“

جواب میں میکمل رودی اور سبتہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی تیرے جانے کے تھوڑی دیر بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ سبتہ کلیسا سے بھاگ گئی ہے۔ چنانچہ نائٹوں کے سربراہ یوقاس کے کچھ مسلح جوان ہمارے گھر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے تیرے باپ اور دونوں بھائیوں کو مارنا پینٹا شروع کر دیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے میں بائیں طرف والے کمرے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد یوقاس بھی وہاں آ گیا اور یوقاس کے حکم پر تیرے باپ اور دونوں بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔“

”میری بیٹی جب ایسا ہوا تو مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ میری خوش قسمتی کہ اس وقت امصطل کے اندر ہمارا ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا اس پر میں نے زین ڈالی، گھر کے اندر جس قدر اٹاٹا اور قیمتی اشیاء تھیں وہ میں نے خرچین میں ڈالیں اور جب سورج غروب ہو گیا تو گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے، اندھا دھند سرپٹ اسے دوڑاتی رہی اور یہاں زین الدین کے مسکن میں پہنچ گئی۔ زین الدین نے شاعرانہ انداز میں میرا استقبال کیا۔ مجھے وہ عزت، وہ مقام دیا جو ایک بیٹا اپنی ماں کو دیتا ہے اور رہنے کو یہ مکان دیا ہے۔ اب میں یہاں باعزت اور محفوظ دن گزار رہی تھی کہ تم آ گئی ہو بیٹی اب تم کو تم پر کیا ہمتی؟“

اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کے مرنے کی خبر سن کر سبتہ کچھ دیر روتی رہی۔ آخر میکمل کے

وہ مسلح جوان سبتہ کو لے کر نجم الدین الغازی اور زین الدین کے مسکن میں داخل ہوئے تھے۔ مسکن میں داخل ہونے کے بعد باقی سارے مسلح جوان تو ایک طرف چلے گئے، جبکہ ان میں سے ایک سبتہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون آپ میرے ساتھ آئیں۔“

اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہوئی سبتہ چپ چاپ اس کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک مکان کے سامنے اس شخص نے اپنے گھوڑے کی بائیں کھینچتے ہوئے اسے روک لیا، پھر سبتہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”خاتون آپ گھوڑے سے اتر کر یہ سامنے والے مکان کی طرف چلی جائیں۔ اس مکان کے اندر آپ کو اپنے عزیز واقارب ہی نظر آئیں گے۔“

سبتہ آہستہ آہستہ گھوڑے سے اتری۔ اتنی دیر تک گھوڑے پر سوار وہ جوان اس گھوڑے کی باگ پکڑ کر ایک طرف ہولیا۔ سبتہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اس پر سبتہ آگے بڑھی۔ اس مکان کے دروازے کے قریب جا کر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی۔

پہلی دستک پر جب کوئی رد عمل نہ ہوا، تب اس نے دوسری دستک دی۔ اس پر اندر سے آواز آئی۔

”دروازے کو زنجیر نہیں لگی ہوئی، کھلا ہوا ہے، اندر آ جاؤ۔“

چنانچہ ہچکچانے کے انداز میں سبتہ دروازہ کھول کر جب اندر داخل ہوئی تو دیکھ رہ گئی۔ اس لئے کہ اس مکان کے صحن میں اس کی ماں میکمل کھڑی تھی اور میکمل کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے

کہنے پر سنبھلی۔ اس کے بعد کلیسا میں اور وہاں سے بھاگنے کے بعد جو کچھ اس پر بتی تھی، وہ تفصیل کے ساتھ اس نے اپنی ماں میکل سے کہہ دی تھی۔

سبتہ جب خاموش ہوئی، تب دکھ بھرے انداز میں میکل کہنے لگی۔ ”ان کلیسا والوں اور بڑے پادری نے ہمارا گھرا جاکر رکھ دیا ہے۔ میں پہلے ان لوگوں کی بڑی معتقد اور عقیدت مند تھی لیکن اب ایسے سب لوگ میری نگاہوں سے گر چکے ہیں۔ بیٹی شاید تمہارے لئے یہ خبر غری ہو کہ یہاں آنے کے بعد میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔ یہاں کے لوگوں کا سلوک میرے ساتھ بڑا عمدہ بڑا اچھا ہے۔ زین الدین اگر ہر روز نہیں تو وقفہ وقفہ سے اور گاہے گاہے میرا احوال جاننے کیلئے ضرور آتا ہے۔ اس نے ایک خاصی بڑی رقم بھی مجھے دینا چاہی، مگر میں نے اس سے کہا کہ بیٹے مال کی صورت میں میرے پاس بہت کچھ ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت میں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن یہاں رہتے ہوئے میں یہاں کے لوگوں سے متاثر ہوئی۔ ان کے اخلاق ان کے آداب نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ لہذا میں اسلام قبول کر چکی ہوں اور اب میں سوچتی ہوں کہ جو حج پونجی میں اپنے گھر سے اپنے ساتھ لے کر آئی ہوں اس میں سے ایک حصہ میں اپنے بیٹے زین الدین کے حوالے کروں گی اس لئے کہ لشکریوں کو استوار کرنے اور نئے لشکری بھرتی کر کے ان کی تربیت کا کام سرانجام دینے کیلئے اسے اور اس مسکن کے امیر نجم الدین الغازی کو ضرورت رہتی ہے۔“ میکل جب خاموش ہوئی تب سبتہ کچھ دیر گہری سوچوں میں ڈوبی رہی۔ آخر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں میں نے ماضی میں زین الدین سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ ان کے اپنے ہاں آنے جانے کو ناپسند کیا تھا۔ پھر جب ان کیلئے میرا رشتہ مانگا گیا تو اماں میں نے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت میرے خیالات کچھ اور تھے۔ اماں اب اگر میں ان سے معافی مانگوں اور میں ان کی زندگی کی ساتھی بننا چاہوں تو کیا وہ اسے قبول کر لیں گے۔“

اس موقع پر تلخ سی مسکراہٹ میکل کے چہرے پر نمودار ہوئی اور کہنے لگی۔

”بیٹی تمہارے اس سوال کا جواب زین الدین دے سکتا ہے۔ میں اس کے جذبات سے آگاہ نہیں ہوں، تمہارے متعلق اس کے اب کیا خیالات ہیں، میں اس سے بھی بے خبر ہوں۔ ویسے بھی یہاں آنے کے بعد میں نے دیکھا وہ بھابھا بھارتا ہے۔ کسی سے زیادہ بات نہیں کرتا۔

ضرورت کے علاوہ گفتگو میں نہیں الجھتا۔ چونکہ مقامی نصرانی حکمرانوں نے اس کے سارے اہلخانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک قاتلوں سے انتقام نہیں لے گا، اس وقت تک نہ نیا کپڑا پہنے گا، نہ مسہری پر سونے گا۔ اب حالت یہ ہے کہ زمین پر سوتا ہے اور عموماً پرانے یا بوسیدہ اور پوند لگے کپڑے پہنتا ہے۔ بیٹی یہاں ایک اور بھی تبدیلی ہے۔ بالذون کی دو بیٹیاں ہیں اور تم جانتی ہو ایک کا نام میلیہ نڈ اور دوسری کا نام ارطالیس ہے۔ میری بیٹی شہزادی ارطالیس ان دنوں اسی مسکن میں رہتی ہے۔ اس کے باپ بالذون نے جس وقت مسلمانوں پر مظالم کرنے شروع کئے تو ارطالیس نے ان مظالم کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اپنے باپ کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا اور یہ بھی تنبیہ کی تھی کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے جب جوابی کارروائی ہوگی تو بہت بڑے نقصان کا باعث بنے گی۔ لیکن جب بالذون نے اپنی بیٹی ارطالیس کی کوئی بات نہ مانی تو وہ گھر سے بھاگ گئی۔ مسلمانوں کے ہاں رہی وہاں اس نے اسلام قبول کر لیا اور جب یروشلم کے سابق قاضی ابوسعید کچھ مسلح دستوں کے ساتھ اس طرف آئے تب ارطالیس بھی ان کے ساتھ اس مسکن میں پہنچ گئی وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ اسلام کے ارکان کی بڑی سختی سے پابندی کرنے والی ہے۔ جس مکان میں زین الدین رہتا ہے اس مکان کے ساتھ جو دوسرا مکان ہے، اس میں شہزادی ارطالیس یروشلم کے سابق قاضی ابوسعید کے ساتھ رہائش رکھے ہوئے ہے۔ بیٹی یہاں آنے کے بعد مجھے یہ بھی پتا چلا کہ جس مکان میں زین الدین اور بدر الدین دونوں چچا، بھتیجا رہتے ہیں، ان کے ساتھ ایک مغنی بھی رہتا ہے۔ نام اس کا احمد بن قاسم ہے اور یہ احمد بن قاسم کبھی موصل کے علاوہ حلب شہر میں بھی زین الدین کے ساتھ رہا تھا۔ لہذا وہ زین الدین کا بڑا عقیدت مند ہے۔ زین الدین پہلے پھر ملی زمین پر سوتا تھا اور سرہانے کی طرف پھر جمع کر کے اس نے انہی کا تکیہ بنا رکھا تھا۔ ارطالیس نے یہ تبدیلی کی ہے کہ جس جگہ زین الدین سوتا ہے وہاں اس نے ریت بچھا دی ہے اور سرہانے کی طرف تنکے کے طور پر اس نے ریت ہی کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ ایسا وہ اس لئے چاہتی ہے کہ زین الدین اگر مسہری پر نہیں زمین پر سوتا چاہتا ہے تو کم از کم پھر ملی زمین کی نا آسائشی سے تو بچا رہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد میکل جب رکی تب کچھ دیر تک سبتہ گہری سوچوں میں ڈوبی رہی سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔

”اماں اگر بالذون کی بیٹی شہزادی ارطالیں زین الدین کے قریب ہوتی ہے تو میں اس کے راستے کی دیوار نہیں بنوں گی۔ میں اپنا ایک علیحدہ راستہ بناؤں گی۔ زین الدین سے اپنے گزشتہ سلوک کی معافی مانگوں گی اور آئندہ کیلئے اس کی زندگی کی ساتھی بننے کی خواہش کا اظہار کروں گی۔ اماں اس کیلئے میں ارطالیں کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں کھڑی کروں گی۔ اگر زین الدین ارطالیں کو اپناتے ہیں تو اماں میں اس پر خوشی کا اظہار کروں گی۔ اماں وہ میری چھوٹی بہن ہیں۔ میں نے سنا ہے وہ اکیلے رہ رہے ہیں۔ اگر ان کا گھر آباد ہوتا ہے تو اس میں ہماری ہی خوشی اور ہمارا ہی سکون ہے۔“

سب سے ان الفاظ پر تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ میکمل کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی کہنے لگی۔ ”بیٹی یہ سوچیں بڑی دیر کے بعد تیرے ذہن میں آئی ہیں تو جانتی ہے زین الدین کے ماں باپ نے ایک بار زین الدین کیلئے تیرے دل کے دروازے پر دستک دی تھی پر تو نے اس دستک کو رد کر دیا تھا۔ میں نے تمہیں بڑا سمجھایا، تمہیں اونچ نیچ بتانے کی کوشش کی لیکن تم نے ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ تم زین الدین کو اپنی زندگی کا ساتھی ہرگز نہیں بناؤ گی۔ اب اگر تم اس سے معافی مانگتی ہو تو اس کے قریب جاتی ہو تو میں نہیں جانتی وہ تمہیں کیا جواب دے گا یا اس کا کیسا رد عمل ہوگا۔ بہر حال یہ بات یاد رکھنا اب وہ پہلے والا زین الدین نہیں جو شاید اس وقت تمہیں پسند کیا کرتا تھا۔

تم سے دوسری اور اس سے بڑی غلطی بدر الدین کے معاملے میں ہو چکی ہے۔ بدر الدین تمہاری بڑی اور سگی بہن کا بیٹا ہے۔ اپنی ماں اور میری بڑی بیٹی کے مرنے کے بعد وہ میرے پاس رہتا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ بہترین انداز میں اس کی تربیت کروں لیکن تم نے اسے بھی دھکے کھانے پر مجبور کر دیا۔ وہ تمہاری بہن کا بیٹا ہے۔ تمہارا بھانجا ہے اور تم نے واضح طور پر اور انتہائی غصے میں زین الدین کے سلسلے میں کہا تھا کہ وہ روز روز ہمارے ہاں نہ آیا کرے اور جب میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے بدر الدین سے ملنے آتا ہے، تب تم نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا وہ یہاں نہ آئے اور اگر بدر الدین سے ملنے آتا ہے تو بدر الدین کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ تم جانتی ہو تمہاری یہ گفتگو زین الدین نے سن لی تھی۔ اس روز وہ بدر الدین کو لے کر یہاں آ گیا تھا۔ اب بدر الدین کا بھی تم نے رد عمل دیکھا، مجھ سے گلے ملنے کے بعد جب تم اس کے پاس بیٹھیں، اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے گلے لگا کر اس کا منہ پیشانی چومنا چاہی تو جانتی ہو وہ انتہائی

نفرت، غصے اور غضب میں اپنا ہاتھ چڑا کر باہر بھاگ گیا۔

میکمل کے ان الفاظ پر سب سے اداس، افسردہ اور پریشان ہو گئی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ بڑی ہمدردی میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے میکمل بول اٹھی۔

”میری بچی! تو جو لباس پہن کر کلیسا کی طرف گئی تھی۔ اب بھی وہی پہنا ہوا ہے۔ اٹھ میرے ساتھ چل۔ پہلے تیرے لئے کچھ لباس لیتے ہیں۔ اس کے بعد یہاں کے لوگوں سے ملنا جلنا اور اپنی نئی زندگی کی ابتداء کرنا۔“

سب سے نے اس موقع پر اثبات میں گردن ہلائی اور اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی، پھر اس کو کچھ خیال گزرا اور میکمل کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اماں! زین الدین کہاں کس طرف رہتے ہیں؟“

اس پر میکمل کہنے لگی۔ ”وہ جو سامنے بڑا مکان ہے۔ اسی میں وہ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ بدر الدین اور مفتی احمد بن قاسم بھی رہتے ہیں، لیکن ان دونوں زین الدین یہاں نہیں ہے۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ آج ہی ایک مہم پر نکلا ہے۔“

میکمل کے ان الفاظ پر سب سے اداس ہو گئی تھی۔ اس کے بعد دونوں ماں بیٹی باہر نکلیں۔ اس موقع پر سب سے نے پھر اپنی ماں میکمل کو مخاطب کیا۔

”اماں! خریداری کے لئے کیا ہمیں اس مسکن سے باہر جانا ہوگا۔“

اس پر میکمل مسکرائی اور کہنے لگی۔ ”بیٹی یہ صرف مسکن ہی نہیں ہے، پورا ایک شہر آباد ہے۔ یہ قلعہ بند وسیع وادیاں ہیں، جن کے تین اطراف میں بلند کوہستانی سلسلے ہیں۔ چوتھی طرف اس میں داخل ہونے کا راستہ ہے اور وہ راستہ بھی بڑا محفوظ ہے اور وہاں ہمہ وقت پہرہ بھی رہتا ہے۔ یہاں بازار بھی ہیں۔ روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء سب اس مسکن کے اندر ہی ملتی ہیں۔“

میکمل کے اس جواب سے سب سے خوش ہو گئی تھی، پھر دونوں ان وادیوں کے بازار کی طرف ہوئی تھیں۔



اپنے مسکن سے کافی دور زین الدین کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے متحد لشکریوں کی راہ روکنے کے لئے ٹھہرا تھا۔ دوسری طرف دشمن کے لشکر کو بھی شاید خبر ہو چکی تھی کہ

عدنان بن ہاشم کے ان الفاظ پر ہلکی سی مسکراہٹ زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی، پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ایک گہری نگاہ اپنے سامنے دشمن کے لشکر پر ڈالی، جس میں طرح طرح کے خوفناک نعرے بلند ہو رہے تھے۔ کچھ دیر زین الدین دشمن کے لشکر پر نگاہیں جمائے رہا، پھر اچانک اس پر گہری سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اس نے اپنا سراپے گھوڑے کے سینے پر جھکایا، انتہائی عاجزی اور کرب خیز انداز میں دعا مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”اے خدائے مہربان! تو ہی وقت کی سستوں اور رفتار کا تعین کرتا ہے۔ مٹی کو لُس پانی کے ذائقے سے تو ہی آشنا کرتا ہے۔ میرے مالک تو ہی مگر مگر سرگرداں مسافروں، گلی گلی بھٹکتے فراق الم کے مارے بنجاروں کو ان کی منزل نصیب کرتا ہے۔

میرے اللہ بادل کی معصیت پر تو ہی حق کی سچائی کو عیاں کرتا ہے۔ تیری ہی ذات نے آدمی کو خاک میں پیغمبری جاری کی۔ میرے اللہ وقت کی سلاخوں میں تو ہی امیدوں اور خواہشوں کو ٹھہرا کر رکھتا ہے۔ اے رب مہربان و بیدار امتحان کے اس آدمی کو رکھ کر رکھنے والا ہے۔ اے دونوں جہاں کے مالک، اے رب مہربان و بیدار امتحان کے اس گہرے ساگر، کرب کی ان دھواں دار گھاٹوں، قضا کی پڑتلاطم پوش رزم گاہ کے گرد غبار زوال و بربادی کے عناصر کے خلاف میرے اللہ ہمیں کامیابی اور کامرانی عطا کرنا۔ اے اللہ دشمن اس وقت اذیت میں رچی ساعوتوں اور پاؤں سے لپٹتی خونی مسافروں کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ اے اللہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بستی بستی اجاڑتی، انتقام کی کرب خیزی قریہ قریہ ویران کرتی بکھرتی لہروں میں نہماں موجوں کی طرح ہمارا خاتمہ، ہمارا انجام کر دیں۔ اے اللہ ان کے مقابلے میں ہمیں فوز مندی اور کامیابی عطا کرنا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ شاید اس کی آواز ڈوب گئی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس دوران دونوں عرب سالار فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم بڑی کرب خیزی اور بڑے اداس اور افسردہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ زین الدین کی آواز پھر سنائی دی۔

”میرے اللہ دشمن کے ان حملوں کی، اس یلغار اور پوش کے مقابلے میں میرے مالک! تو مجھے بہنوں کی چوڑیوں کی کھنک، ان کے آچل کی پاکیزگی، ماؤں کی شرم آور دعاؤں، بزرگوں کے شفقت بھرے سایوں، ملت کے فکر و کردار کی ترتیب، مسلم قوم کے قلب و نظر کی تطہیر، دین کی

مسلمانوں کا ایک لشکر ان سے ٹکرانے کے لئے ان کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ لہذا جب زین الدین کا لشکر ان کے سامنے گیا، تب انہوں نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ دشمن نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصے میں ان نائٹوں کو رکھا گیا تھا، جنہیں صلیبی دنیا میں ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا اور نائٹوں کا سربراہ یو قاس بذات خود ان کی کمانداری کر رہا تھا۔ دائیں پہلو پر کاؤنٹ آف سینٹ پال کا لشکر تھا اور اس کا سالار ریش اس کی کمانداری کر رہا تھا۔ بائیں جانب کاؤنٹ آف گرے کا لشکر تھا اور اس کا سپہ سالار رینالڈس لکشر کے اس حصے کا سپہ سالار تھا۔ دوسری طرف زین الدین نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کیں۔ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا، پھر جب زین الدین، فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم تینوں سالار اپنے لشکر کے آگے ایک جگہ جمع ہوئے، تب فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی عاجزی اور انکساری میں زین الدین کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میرے بھائیو! تم جانتے ہو میں لشکر کا فقط ایک سالار ہوں۔ ہمارا امیر اس وقت مسکن میں ہے۔ اگر تم دونوں میں سے کوئی یہ خواہش رکھتا ہو کہ اس لشکر کی کمانداری کرے اور یہ خواہش بھی رکھتا ہو کہ وہ مجھ سے بہتر انداز میں دشمنوں کا مقابلہ کر کے اسے پسپا کر سکتا ہے تو قسم خداوند قدوس کی میں تم دونوں میں سے کسی ایک کے تحت بھی ایک عام لشکر کی حیثیت سے لڑنے اور کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔“

یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کے ان الفاظ پر دونوں عرب سالار فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم چونک اٹھے تھے، پھر عدنان بن ہاشم احتجاجی اور شکایتی انداز میں زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس وقت آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ قسم خداوند مہربان اور محترم کی آپ کے تحت آپ کی کمانداری میں کام کرتے ہوئے ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس بات کا خواہش مند ہے کہ لشکر کی کمانداری کرے تو یہ ایک بالکل خام خیال ہے۔ میری آپ سے یہ بھی گزارش ہے کہ آپ آئندہ کم از کم میرے اور فضل بن اسحاق کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہ کریں۔ میں اور فضل بن اسحاق دونوں آپ کے تحت کام کرتے ہوئے اپنے لئے ایک سعادت خیال کرتے ہیں۔“

روایات کا محافظ اور امین بنا کر رکھنا۔ اے اللہ! مجھے ہمت دے، میری مدد فرما کہ میں دشمن کی رگوں میں اداسیاں، ان کے خون میں آگ بھڑکائی کامیابی کا نعرہ بلند کروں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین اپنے گھوڑے پر سیدھا ہو کر بیٹھا۔ اس موقع پر اس کی چھاتی تن گئی تھی۔ چہرے پر کرب خیزی پھیل گئی تھی۔ پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئی تھیں۔ اچانک اس کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر گیا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے تلوار بے نیام کی، ڈھال سنبھالی، گھوڑے کی موڑا، اپنے لشکر کی طرف دیکھا، پھر اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے بلند آواز میں وہ کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میرے لاجواب بھائیو! آؤ لوح و قلم کی صورت گر اور اپنے لافنا رب کے نام کی تکبیریں بلند کر کے اپنے تمدن کی اساس کو ان میدانوں میں عیاں کریں۔“

اس کے ساتھ ہی جب زین الدین نے تکبیر بلند کی، تب ایک انقلاب، ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ پورے لشکر نے اس انداز میں تکبیریں بلند کی تھیں، جیسے کہہ آلود فضاؤں میں رعد سے مشابہہ آوازوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو یا یہ کہ عمیق رازوں کی ترجمان اتھا خاموشیوں سے اٹھ کر کرب و بیداری اوڑھے زمین کے خاموش قفس میں ہر شے کو مولیثیوں کی طرح ہانک دینے کا عزم کر رہے ہوں۔

مسلمان لشکریوں کی ان تکبیروں نے دشمن کے لشکر پر بھی ایک لرزہ اور ایک وحشت طاری کر کے رکھ دی تھی۔ عین اسی موقع پر بوکاس، اسٹس اور ریٹائڈس نے خواب اوڑھے سیاہ راتوں میں تپتی اور مایوسی پھیلاتی دل شکستہ آوازوں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ خیر کے تمدن پر گمراہی کی کندھی کی منکرات اور فواجش سے لیس نوائے حیات سوز رفاقت اور قرب کے لمحوں کو پامال کرتے اندھے کالے گھنے غذاہوں، جلادوں کے خنجروں سے لیس، اذیتوں کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری سمت سب سے پہلے زین الدین نے اپنے کام کی ابتداء کی، چنانچہ وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شہرت کی تکبر، تفاخر کے ہر پندار کو پاش پاش کرتی، برق تپاں کی قہرمانوں، ہر سطوت اور جبروت باطل کے ہر مدار عمل کو فنا کرتے، برہم آندھیوں کے تازیانوں، آہوں کی طرح پیچ کھاتے اور خیموں کی دھجیاں تک اڑا دینے والے آتش او لے کی حدت بھرے بگولوں کی طرح

حملہ آور ہوا تھا۔

زین الدین کے ساتھ ہی ساتھ عرب سالار عدنان بن ہاشم بھی حرکت میں آیا تھا۔ چنانچہ لشکر کے دائیں پہلو کے ساتھ دشمن پر دھواں دھواں فضاؤں کے اندر صدیوں پرانے کھنڈروں میں جذبوں کی بکھری داستانیں اکٹھی کرتے مجاہدوں، سراہوں کی دھول میں حسرتوں کے حروف یکجا کرتے نقیبوں، سسکتی معدوم ساعتوں میں ذہن پر خونی دستک دیتے ہیجان آفرین لمحات کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

عدنان بن ہاشم کے بعد دوسرا عرب سالار فضل بن اسحاق بھی حرکت میں آیا اور وہ بھی رات کے ماتھے کی سیاہی پر گناہوں کی آگ کے نشین مسمار کرتے چڑھتے طوفانوں کے اولین لمحوں، اندھیروں کی گھنی موجوں میں موت و مرگ کے رقصاں ہاتھوں، کالی راتوں کے طول میں آسمان پر کند ڈالتی کڑکتی گرجتی برق اور ہواؤں کے شدت بھرے طمانچوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے آخر میدان جنگ کے اندر زخموں کی کائنات، دردالم کی آگ، غذاہوں کے تیز دھارے، دکھوں کی معیاد بڑھاتے ہولناک عناصر، موت کے سندیلے اٹنی عقوبت خیزیاں، نقشہ کامی کی لہریں، ناہنجی گھومتی جراثیم، مردم گزیدہ کرب اور چشم کو خون بستہ کرتی موت کی گر سنگی ناچ اٹھی تھی۔

اسٹس اور ریٹائڈس دونوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ اس بار ان کے ساتھ ناقابل تسخیر نامیت ہیں۔ لہذا وہ مسلمانوں کو پسپا کرنے اور انہیں شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لہذا شروع میں ان کے حملوں میں بڑی تیزی اور کرب خیزی تھی، لیکن جب زین الدین، عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق نے ان سے بھی زیادہ تیز اور شدید حملے شروع کیے، تب صلیبوں کی جارحیت ماند پڑنے لگی۔ اس کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے تو ان کے لشکر کی اگلی صفوں کا کھل طور پر صفایا کر دیا ہے اور دائیں بائیں پہلو کو بھی خاصا نقصان پہنچا کر ان کے لشکر یوں کی لاشیں کٹی فصل کی طرح چھجا دی ہیں، تب نامیت جو اپنے آپ کو ناقابل تسخیر خیال کرتے تھے۔ وہ سب سے پہلے گھبرائے۔ اس لئے کہ ان کے مقابلے میں زین الدین تھا اور زین الدین نے اپنے خون آلود اور تیز حملوں سے ان گنت نائنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور نائنوں نے جب اپنے سامنے،

اپنے پیچھے اپنے ساتھیوں کی ان گنت لاشیں دیکھیں، تب وہ بدول ہو گئے۔ ذرا پیچھے ہٹے۔ ان کا پیچھے ہٹنا سارا کام خراب کر گیا۔ اس لئے کہ ان کے دائیں بائیں پہلو بھی پسپا ہوئے۔ اس موقع پر زین الدین نے بکسیریں بلند کرتے ہوئے فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کو اشارہ دیا کہ پوری طاقت سے حملہ کیا جائے۔ جب تینوں سالاروں نے بڑی شدت سے حملے شروع کر دیئے تھے، جس کے نتیجے میں صلیبیوں کو بدترین شکست ہوئی اور وہ شکست اٹھا کر، اپنی جانیں بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ زین الدین، عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق نے کچھ دور تک بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا، پھر وہ لوٹے اور دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں قیام کر لیا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی۔ لشکر کا ایک حصہ مستعد کر دیا گیا۔ لشکریوں کو ایک رات وہاں بسر کر کے آرام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس کے بعد زین الدین اپنے لشکر کے ساتھ واپس اپنے حصار کا رخ کر گیا تھا۔



میکل اور سببہ دونوں ماں بیٹی اپنے مکان میں کچھ کپڑے سی رہی تھیں کہ اچانک باہر شور بلند ہوا۔ یہ شور بن کر میکل گھبرا اٹھی۔ باہر بھاگی۔ اس کے پیچھے سببہ بھی بھاگی۔ جب دونوں ماں بیٹی اپنے گھر سے باہر آئیں، تب انہیں کچھ لوگوں کے رونے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی کوئی چلا چلا کر کہہ رہا تھا حصار کے امیر نجم الدین الغازی فوت ہو گئے ہیں۔ یہ خبر بن کر میکل اور سببہ دونوں ماں بیٹی پریشان ہو گئی تھیں۔ چنانچہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئیں جو بھاگتے ہوئے نجم الدین الغازی کی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

لوگوں کا ایک جھگمکا تھا جو نجم الدین الغازی کی رہائش گاہ کے گرد جمع ہو گیا تھا۔ وہ طبیب جو نجم الدین الغازی کا علاج کر رہے تھے آخر باہر نکلے اور وہاں جمع ہونے والے لوگوں کو امیر نجم الدین الغازی کے مرنے کی اطلاع دی۔ یہ اطلاع سن کر وہاں جمع ہونے والے لشکریوں کے اندر سے آہیں، سسکیاں اور ہچکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ اس موقع پر میکل کی نگاہ اچانک حسین اور خوبصورت ارطالیس پر پڑی۔ وہ بدر الدین کا ہاتھ تھامے ایک طرف کھڑی رو رہی تھی۔ بدر الدین بھی رو رہا تھا اور ان کے ساتھ مغنی احمد بن قاسم ایک ستون کا سہارا لئے اپنی ہچکیوں اور سسکیوں پر قابو پار ہاتھ تھا۔ ایسے میں میکل آہستہ آہستہ ارطالیس کی طرف بڑھی، سببہ بھی اس کے پیچھے ہوئی۔ میکل کہنے لگی۔

”بیٹی وہ سامنے جو لڑکی میرے نواسے بدر الدین کا ہاتھ تھامے کھڑی ہے۔ وہ ہی شہزادی ارطالیس ہے اور اس کے ساتھ ستون پر سر رکھے جو شخص رو رہا ہے، وہ مغنی احمد بن قاسم ہے۔“

بڑے شوق سے ارطالیس کی طرف دیکھتے ہوئے سببہ اپنی ماں میکل کی طرف ہوئی تھی۔ ارطالیس کے قریب جا کر میکل رکی۔ میکل کو اپنے قریب دیکھ کر ارطالیس نے اپنے آپ کو

سنجھالا۔ میکل کو سلام کیا۔ میکل کہنے لگی۔

”بیٹی اس سے پہلے میری تم سے دو تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ میں تیرا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں کہ تو میرے نواسے بدرالدین کا اس قدر خیال رکھتی ہے۔“ پھر میکل مڑی اور اپنے پہلو میں آن کھڑی ہونے والی سبتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارطالیں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”یہ میری بیٹی سبتہ ہے۔ چند روز ہوئے یہ مسکن میں آئی ہے۔ کبھی وقت ملا تو اس کے یہاں پہنچنے کی روداد بھی میری بیٹی میں تم سے کہوں گی۔“

قبل اس کے کہ ارطالیں جواب میں کچھ کہتی بدرالدین انتہائی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہمیں اس کی روداد سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اس پر ارطالیں بیٹھ گئی۔ بدرالدین کو اپنے ساتھ لپٹایا اور اس کی پیشانی چومی پھر کہنے لگی۔

”بیٹے ایسی باتیں تو نہیں کرتے۔ میں سبتہ کی آمد سے متعلق پہلے ہی سن چکی ہوں اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تہماری خالہ ہے۔ کیا اپنی خالہ سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔“

اس پر برس پڑنے کے انداز میں بدرالدین بول اٹھا۔ ”وہ لڑکی میری خالہ کیسے ہو سکتی ہے، جس نے اجنبیوں کی طرح دھتکار کر مجھے اور میرے عم زین الدین کو اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ میں کسی بھی صورت اسے اپنی خالہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“ بدرالدین کے ان الفاظ اور اس کے اس سلوک پر سبتہ بیچاری رو دی تھی۔ اس موقع پر احمد بن قاسم آگے بڑھا۔ بدرالدین کے سر پر بوسا دیا، پھر کہنے لگا۔

”بیٹے بڑوں کے ساتھ ایسی گفتگو نہیں کرتے۔ تم اس وقت غصے اور غضبناکی کی حالت میں ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔“ اس کے ساتھ ہی احمد بن قاسم بدرالدین کو پکڑ کر ایک طرف چلا گیا تھا، جبکہ میکل، ارطالیں اور سبتہ وہاں جمع ہونے والی عورتوں کے اندر کھڑی ہو کر نجم الدین الغازی کی موت کا افسوس اور صدمے کا اظہار کرنے لگی تھیں۔

اسی شام نجم الدین الغازی کو ان وادیوں کے ایک بلند ٹیلے کے اوپر دفن کر دیا گیا تھا۔



زین الدین ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے لشکر کے ساتھ اپنے حصار میں داخل ہوا۔ اس

طرح کہ وہ لشکر کے آگے تھا۔ دائیں بائیں دونوں طرٹ سالار عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق تھے اور ان کے پیچھے پورا لشکر ایک ترتیب اور تنظیم کے ساتھ اپنے حصار میں داخل ہوا تھا۔ جب وہ رہائش گاہوں کے قریب گئے تو سامنے کی طرف سے زین الدین کا بھتیجا بدرالدین بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے زین الدین اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق بھی اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے سارے لشکر کی اپنے گھوڑوں سے اتر کر اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑ چکے تھے۔

بدرالدین بھاگتا ہوا جب قریب آیا، تب زین الدین نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ بدرالدین اداس اور افسردہ تھا۔ اس کی اس اداسی اور افسردگی کی وجہ زین الدین پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ بڑی کرب خیزی میں بدرالدین کہنے لگا۔

”اے عم! آپ کی غیر موجودگی میں امیر نجم الدین الغازی فوت ہو گئے ہیں۔“

یہ خبر سن کر زین الدین یوں چونک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا، جیسے اس کے چاروں طرف انتہائی درجہ کے زہریلے سانپ آن کھڑے ہوئے ہوں۔ اتنی دیر تک قاضی ابوسعیدؒ مغنی احمد بن قاسم اور لشکر کے اعدا حفاظت کے لئے جو سالار مقرر کیے گئے تھے وہ بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ زین الدین اپنا بازو اپنے گھوڑے کی زین پر رکھے انتہائی دیکھ اوز کرب کے عالم میں کھڑا تھا۔ یہاں تک کہ قاضی ابوسعید نے پیچھے سے آ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ بھیرا اور کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں بدرالدین نے تمہیں امیر نجم الدین الغازی کے مرنے کی خبر دے دی ہو گی۔ بیٹے ایک دن سب نے اس دنیا سے کوچ کر جانا ہے۔ رہ میرے رب کا نام ہی جانا ہے۔ ہم نے وہ سامنے والے ٹیلے پر نجم الدین الغازی کو دفن کر دیا ہے۔ بیٹے اب اس حصار کا سپہ سالار بھی تو ہی ہے۔“

قاضی ابوسعید کے ان الفاظ پر زین الدین چونکا تھا۔ اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے وہ اس ٹیلے کی طرف ہولیا، جس پر نجم الدین الغازی کو دفن کیا گیا تھا۔ دونوں عرب سالار فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کے علاوہ قاضی ابوسعیدؒ مغنی احمد بن قاسم اس کے ہمراہ تھے۔ باقی لشکر بھی اس ٹیلے کی طرف ہو لیے تھے، پھر سارے لشکر اس ٹیلے کے گرد پھیل گئے تھے۔ بوجھل قدموں سے زین الدین اس ٹیلے پر چڑھا، کچھ دیر تک نجم الدین الغازی کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگتا رہا۔

دعا میں اس کے ساتھ قاضی ابوسعید، عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق، احمد بن قاسم اور کچھ دوسرے سالار بھی شامل تھے۔ اس کے بعد زین الدین قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک قبر کے اوپر ہاتھ پھیرتا رہا، ہونٹ کاٹا رہا، پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ یہاں تک کہ قبر پر ہاتھ پھیرے ہوئے دیکھ بھرے انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔

”امیر نجم الدین الغازی تم گمشدہ شب و روز میں ہمارے لئے ملن قصیدوں، وصال وعدوں، خواہشوں کی سچوں ساتھ تیرے بعد ہماری یادوں کی امر بلیں شوریدہ دکھ کی کک کا شکار ہو جائیں گی۔ آتی جاتی رتوں کی وحشت میں ہماری حالت تیرے بعد پانی کو ترستے نخل خشک کی سی ہو کر رہ جائے گی۔ گرم آنڈھیوں کے سندیے، زمہریہ ہواؤں کی سنسانیاں ہماری آنکھوں کے لئے نوکیلے کانٹے اور زہریلے بیجھے ہوئے نیزے بن جائیں گے۔

تیرے ساتھی بطن خاک کو آب گوہر بوند کو سمندر اور کوہ ساروں وحشت و دمن کی خوش تابی کو خود آگہی کی تقدیر میں بدل دینے کا ہنر جان گئے تھے۔ تو ہمارے وجدان کا گراں مایہ گوہر اور قدم قدم پر خلوص کی معراج تھا۔ تیرے ساتھ خیر و شر کی جولان گاہوں کے درمیان ہم فیصلوں کو سینٹنے کا ہنر جان گئے تھے۔ تیرے بعد ہمارے لبوں کے مرجان میں صداؤں کے نلیم اسیر ہو جائیں گے۔ نگار زیست اور نظروں کے فسوں میں ٹوٹے ستاروں کے غبار بھر جائیں گے۔ تیرے بعد ہمارے دلوں کے خالی کشکول میں اجلے خوابوں کے جھنڈی لمس کے سوا کچھ نہ رہے گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ سے سب پریشان اور اداس ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ احمد بن قاسم نے نمناک آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا پھر کہنے لگا۔

”بیٹے چل نیچے چلتے ہیں۔ اس مقام پر ایک روز سب نے آنا ہے۔ کوئی پہلے آتا ہے، کوئی بعد میں لیکن منزل سب کی یہی ہے۔

زین الدین اٹھ کھڑا ہوا۔ سب اس ٹیلے سے نیچے اترے۔ اتنی دیر تک لوگوں کا جھگڑا تھا، جو اپنے لشکر کو مبارکباد دینے اور لشکریوں کا استقبال کرنے کیلئے وہاں جمع ہو گیا تھا، جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی سر ہی سر نظر آتے تھے۔

ٹیلے سے نیچے اتر کر قاضی ابوسعید ایک جگہ رک گئے اور اپنے سامنے لوگوں کے ٹھانٹھیں مارتے سمندر کو دیکھ کر ان کے لبوں پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس موقع پر زین الدین کو

نجانے کیا سوچھی، بالکل قاضی ابوسعید کے سامنے آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ اب اس حصار کے سربراہ ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی زین الدین نے اپنی کمر سے اپنے چمڑے کا پٹکا کھولا، جس میں اس کی تلوار اور خنجر لٹک رہے تھے اور وہ پٹکا اس نے قاضی ابوسعید کے قدموں میں رکھا اور کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید! آپ چونکہ اب اس حصار کے سربراہ ہیں۔ لہذا میں اپنی تلوار آپ کے قدموں میں رکھتا ہوں اور آپ سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ کسی مناسب اور مذمہ دار شخص کو اس حصار کا امیر اور سپہ سالار مقرر کر دیں جو اس حصار کی حفاظت کے علاوہ حملہ آور ہونے والے دشمنوں پر ضرب لگا سکے۔ محترم ابوسعید میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس کسی کو بھی آپ اس حصار کا امیر اور سپہ سالار مقرر کریں گے میں اس کے تحت ایک عام لشکری کی حیثیت سے جنگوں میں حصہ لینا اپنے لئے سعادت اور فخر خیال کروں گا۔“ اس کے ساتھ ہی زین الدین بڑی تیزی سے مڑا اور اپنی رہائش گاہ کی طرف ہولیا تھا۔ لوگ اس کے ان الفاظ پر دنگ رہ گئے تھے اور بڑے اچھے اور حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جو اپنے خون آلود لباس کے ساتھ بڑی تیزی سے اپنے مکان کی طرف جا رہا تھا۔

زین الدین اپنے مکان میں داخل ہوا۔ بدر الدین اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ دونوں چچا بھتیجا اداس اور افسردہ تھے۔ بدر الدین اس موقع پر بالکل چپ تھا۔ بس زین الدین کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں مکان میں داخل ہوئے اور جو کمرہ دیوان خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا اس میں جا کر بیٹھ گئے۔ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس کمرے میں حسین اور خوبصورت ارطالیں داخل ہوئی۔ کمرے کے دروازے پر وہ رک گئی۔ اسے دیکھتے ہوئے زین الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ ارطالیں آہستہ آہستہ بوجھل بوجھل قدموں اور دکھ بھرے انداز میں چلتے ہوئے آگے بڑھی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”امیر آپ نے یہ کیا کیا.....؟ آپ نے اپنی تلوار قاضی ابوسعید کے پاؤں میں ڈال دی اور یہ کہہ دیا کہ وہ جسے چاہیں اس لشکر کا امیر اور سپہ سالار مقرر کریں جبکہ امیر نجم الدین الغازی نے مرتے وقت بڑی سختی سے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے بعد اس حصار کے امیر اور سپہ سالار اعلیٰ آپ ہوں گے اور یہ وصیت انہوں نے سب لوگوں کے سامنے کی تھی۔ اس وصیت سے متعلق ان گنت

لوگ گواہ ہیں جس وقت یہ وصیت کی گئی تھی اس وقت قاضی ابوسعید احمد بن قاسم اور جن سالاروں کو یہاں حصار کی حفاظت کیلئے چھوڑ کر گئے تھے وہ بھی موجود تھے۔“

ارطالیس جب خاموش ہوئی تب زین الدین دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”ارطالیس یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ نجم الدین الغازی کی بڑی مہربانی اس کا بڑا احسان کہ اس نے مرنے سے پہلے میرے حق میں وصیت کی۔ لیکن یہ وصیت ایک آدمی کی طرف سے ہے۔ اس سارے حصار کے لوگوں کا تو فیصلہ نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں حصار کے سارے لوگ مل کر جسے بھی اپنا امیر اور سالار مقرر کریں گے میں اس کے تحت کام کرتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔ میں نہ کسی اعلیٰ منصب کا خواہش مند ہوں اور نہ ہی ایسی کوئی امید رکھتا ہوں۔“

زین الدین جب خاموش ہوا تب ارطالیس کہنے لگی۔

”میرا اندازہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر تک سب لوگ آپ کی طرف آئیں گے۔ آپ اپنا یہ خون آلود جنگی لباس ان کے آنے تک اتار دیں۔“ ارطالیس جب خاموش ہوئی تب زین الدین غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ارطالیس میں تمہارا شکر گزار اور ممنون ہوں کہ تم میرا اور میرے بھتیجے بدر الدین کا اس طرح خیال رکھتی ہو، لیکن تمہاریوں اکیلے میں ہمارے پاس آنا جانا معیوب ہے۔ اس لئے کہ.....“

زین الدین کو خاموش ہو جانا پڑا کیونکہ ارطالیس اس کی بات کاٹتے ہوئے بول اٹھی تھی۔

”اس حصار اور مسکن میں قاضی ابوسعید بن میرے باپ میری ماں میرے سب کچھ ہیں۔

وہ مجھے اجازت دے چکے ہیں کہ میں ضرورت کے وقت جب چاہوں، دن ہو کہ رات آپ سے مل سکتی ہوں جب میرے باپ نے مجھے یہ اجازت دے رکھی ہے تو پھر کون ہے، جو میرے یہاں آنے پر اعتراض کر سکتا ہے۔“

ارطالیس جب خاموش ہوئی تب بدر الدین اپنے عم زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”عم آپ کی غیر موجودگی میں ہمارے مکان کی ساری صفائی ارطالیس کرتی رہی۔ میرے اور آپ کے کپڑے جو میلے پڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی انہوں نے دھو کر تہہ کر کے رکھ دیئے ہیں۔“

جواب میں زین الدین کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بدر الدین بھاگتا ہوا ایک طرف گیا۔ ایک صندوق کھولا اور ایک تہہ کیا ہوا لباس لے کر آیا پھر زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے عم آپ نہا کر یہ لباس پہن لیں۔“

زین الدین مسکرا دیا۔ لباس اس نے لے لیا پھر وہ طہارت خانے کی طرف چلا گیا تھا۔ ارطالیس اور بدر الدین اسی کمرے میں بیٹھ گئے تھے۔ زین الدین جب نہا کر نکلا تب ارطالیس کہنے لگی۔

”اگر آپ کہیں تو میں آپ کیلئے کھانا لاؤں۔“ اس پر زین الدین کہنے لگا۔

”نہیں ارطالیس ابھی مجھے بھوک نہیں ہے اور پھر احمد بن قاسم آئیں گے تو اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔“

زین الدین مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ مکان کے باہر لوگوں کا ایک شور اور غوغا سنائی دیا۔ سب نعرے لگا رہے تھے کہ ہم زین الدین کے علاوہ کسی کو امیر اور سپہ سالار تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ صورتحال عجیب تھی۔ آہستہ آہستہ ان نعروں کا شور بلند ہوتا جا رہا تھا اور کان پڑتی آواز سنائی نہ دینے لگی تھی۔ زین الدین اپنے مکان سے باہر نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے ارطالیس اور بدر الدین بھی باہر آ گئے تھے۔ جب وہ باہر آ کر کھڑے ہوئے تو سامنے جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، لوگ جمع تھے اور وہ زین الدین کے حق میں نعرے بلند کر رہے تھے۔ ذرا فاصلے پر قاضی ابوسعید احمد بن قاسم اور کچھ سالار زین الدین کی طرف آتے دکھائی دے رہے تھے اور ان کے دائیں جانب سے بالکل قریب میکمل اور سبتہ بھی آ رہی تھیں۔ لمحہ بھر کیلئے سبتہ کو دیکھ کر زین الدین چونکا تھا پھر اس نے رخ پھیر لیا تھا۔ یہاں تک کہ میکمل اور سبتہ دونوں قریب آئیں۔ سبتہ زین الدین کے سامنے آن کھڑی ہوئی اسے سلام کہا۔ اس موقع پر میکمل نے بھی سلام کہا۔ زین الدین نے سبتہ کی طرف نہیں دیکھا۔ میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سلام کا جواب دیا۔ اتنی دیر میں ایک طرف سے عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق دونوں عرب سالار اپنے گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے آئے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے ساتھ بستر بندھے ہوئے تھے اور جنگی لباس انہوں نے اتار دیا تھا۔ قریب آ کر وہ اپنے گھوڑوں سے اترے۔ زین الدین کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ دونوں اداس اور افسردہ تھے۔ کچھ دیر تک وہ دونوں گردنیں جھکائے زین الدین کے سامنے

کھڑے رہے۔ پھر عدنان بن ہاشم ٹوٹی بکھرتی آواز میں زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”امیر آپ برانہ مایے گا، ہم آپ سے آخری ملاقات کرنے آئے ہیں۔ اس لئے کہ ہم
 یہاں سے جا رہے ہیں۔“

عدنان بن ہاشم کے ان الفاظ پر زین الدین چونکا تھا، کہنے لگا۔

”کیا یہاں کسی نے تمہاری دل شکنی کی ہے۔ کیا میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس کا
 تمہیں برا لگا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔“
 اس بار فضل بن اسحاق بولا اور کہنے لگا۔

”امیر بات یہ ہے کہ اس حصار میں رہتے ہوئے آپ کی موجودگی میں ہم دونوں نہ کسی اور
 کو امیر تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں نہ کسی اور کو آپ کی موجودگی میں اپنا سپہ سالار سمجھتے ہیں اور نہ ہی
 آپ کی موجودگی میں ہم کسی اور کے تحت دشمن کے خلاف جنگوں میں حصہ لینے کیلئے تیار ہیں۔ امیر
 ہمارا یہ آخری فیصلہ ہے۔ اگر آپ اس حصار کی امارت اور سپہ سالاری قبول کرتے ہیں تو ہم آپ کا
 ساتھ دیں گے، جس رخ پر بھی آپ ہمیں بھیجیں گے ہم اپنی جانوں کا نذرانہ تک پیش کر دیں گے۔
 لیکن.....“

یہاں تک کہنے کے بعد فضل بن اسحاق رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا
 تھا۔

”امیر زین الدین ہم ایک خاص مقصد کے تحت آپ کے اس حصار میں آئے تھے۔ جس
 طرح آپ کے اہلخانہ صلیبوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اسی طرح ہم بھی ان کے ہاتھوں اپنے
 عزیز و اقارب کے مارے جانے کے بعد اکیلے اور تنہا ہیں اور ہم یہ عہد کر کے اس سمت آئے تھے
 کہ مسلمانوں کے اندر ایک انقلاب اور ایک تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ مسلمان
 انھیں اور جگہ جگہ پھیلے غلامی کے دھندلوں کو آزادی کے گلستانوں میں تبدیل کرتے چلے جائیں۔
 آپ کے پاس آکر آپ کے تحت کام کرتے ہوئے ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم صحیح جگہ آئے ہیں
 اور ہمیں سے اٹھ کر ہم اپنی ملت اپنی قوم کیلئے کچھ کر سکتے ہیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے ایک بار پھر فضل بن اسحاق کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس بار زین
 الدین اسے مخاطب کر کے بول اٹھا۔

”تم دونوں میرے بھائیوں جیسے ہوئے جو تم اتنا بڑا فیصلہ کر رہے ہو اپنے گھوڑوں پر اپنے بستر
 بھی باندھ کر آگئے ہو تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے اور یہاں سے رخصت ہونا
 چاہتے ہو۔“

اس بار چونکنے کے انداز میں عدنان بن ہاشم بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”امیر حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ نے اس حصار کی امارت اور سپہ سالاری قبول نہ کی تو ہم یہ
 سمجھ کر یہاں سے رخصت ہو جائیں کہ آپ مجھے اور فضل بن اسحاق کو پسند نہیں کرتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق دونوں ایک طرف ہٹ کر
 کھڑے ہو گئے۔ اس لئے کہ قاضی ابوسعیدؒ معنی احمد بن قاسم اور کچھ دوسرے سرکردہ لوگ اور
 سالار زین الدین کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔ قاضی ابوسعید کچھ دیر تک بڑے غور اور ایک
 قسم کی پدرانہ شفقت میں زین الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

”زین الدین میرے بیٹے! تم نے اور نجم الدین دونوں نے مل کر مجھے اس حصار کا قاضی
 اور ایک طرح سے سربراہ بنایا تھا۔ ساتھ ہی تم دونوں کا یہ بھی فیصلہ تھا کہ اس حصار میں جو بھی
 تنازعات یا جو بھی جھگڑے انھیں گے ان میں میرا فیصلہ آخری سمجھا جائے گا۔ پہلے میرے پیچھے
 کھڑے لوگوں کو غور سے دیکھو۔ تمہارے لشکریوں کے علاوہ اس حصار کے سارے ہی لوگ یہاں
 جمع ہو گئے ہیں۔ تمہاری موجودگی میں، میں انہیں مخاطب کر کے پوچھتا ہوں کہ یہ کسے اپنا امیر اور
 سالار بنانا چاہتے ہیں اس کے بعد جو وہ فیصلہ دیں وہ آخری ہوگا۔ اس موقع پر اگر میں کوئی فیصلہ
 کرتا ہوں تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ فرد واحد کا فیصلہ ہے اور یہ بھی خیال ظاہر کر دیا جائے گا، چونکہ
 میں تمہیں بے حد پسند کرتا ہوں۔ لہذا میں نے اپنی پسند کے شخص کو امیر اور سپہ سالار مقرر کر دیا ہے۔
 لہذا جو فیصلہ اس حصار کے رہنے والے لوگ کریں گے، وہی آخری ہوگا اور سب کیلئے قابل قبول
 ہوگا اور مجھے امید ہے کہ اس فیصلے سے تم پہلو جی نہ ہی انکار کرو گے۔“

اس کے بعد قاضی ابوسعید مڑا اور وہاں جو جم غفیر تھا۔ بلند آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے

لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! میری بہنو! میری بیٹیو! میرے بچو! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس
 حصار کا امیر اور اس حصار کی حفاظت کیلئے تم اپنا سپہ سالار اعلیٰ کسے بنانا چاہتے ہو؟“

قاضی ابوسعید کا یہ پوچھنا تھا کہ چاروں سمت سے بلند آوازوں کے ساتھ زین الدین کا نام کو بجھ لگا تھا۔ کچھ دیر ایسا ہی ساں رہا، پھر قاضی ابوسعید پلٹا اور زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے جس فیصلے کا یہ لوگ اظہار کر رہے ہیں کیا تو نے وہ فیصلہ سنا۔“

زین الدین خاموش تھا۔ چپ تھا۔ کچھ نہ کہا۔ گردن اس کی جھکی ہوئی تھی۔ پھر قاضی ابوسعید آگے بڑھا۔ زین الدین کی سرخ چڑے کی وہ بیٹی جو اس نے اتار کر قاضی ابوسعید کے قدموں پر رکھی تھی، وہ قاضی ابوسعید نے اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔ قاضی ابوسعید آگے بڑھا اور تلو اور خنجر لگی سرخ رنگ کی وہ چڑے کی بیٹی اس نے زین الدین کی کمر سے باندھ دی تھی، پھر قاضی ابوسعید پیچھے ہٹا اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زین الدین آج کے بعد اس حصار کے تم ہی امیر اور سالار اعلیٰ ہو اب تک اس حصار سے نکل کر تم نے اپنے دشمنوں کے خلاف جس کارگزاری کا مظاہرہ کیا ہے میں ابوسعید تمہاری اس کارگزاری تمہاری اس جرأت مندی اور خلوص کو سلام پیش کرتا ہوں۔“

اس کے بعد قاضی ابوسعید مڑا اور وہاں جمع ہونے والے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آج کے بعد زین الدین ہی تمہارے امیر اور زین الدین ہی سالار اعلیٰ ہیں۔“

قاضی ابوسعید کے ان الفاظ پر لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ساتھ ہی قاضی ابوسعید اور زین الدین کے حق میں نعرے بھی لگا رہے تھے۔ اس موقع پر زین الدین نے گردن سیدھی کی۔ پہلے قاضی ابوسعید کا شکریہ ادا کیا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ میں دونوں عرب سالاروں عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”کیا تم اب بھی مجھے چھوڑ کر جانے کے فیصلہ پر قائم ہو؟“

اس پر عدنان بن ہاشم کھل کر مسکرا دیا، کہنے لگا۔

”امیر اب یہاں سے جانے کی کون جرأت اور جسارت کر سکتا ہے۔ آپ نے ہماری بات مان لی ہے۔ آپ نے ہماری عزت ہماری آبرو کی رکھوالی کر لی ہے۔ اب ہم اپنی جانیں آپ کے مقاصد اور آپ کے مغویوں پر بچھا کر دیں گے۔“

اس پر زین الدین آگے بڑھا۔ اس کے آگے بڑھنے پر فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم

دونوں گھوڑوں سے اتر گئے تھے۔ زین الدین نے دونوں کو گلے لگایا۔ ان کی پیشانی چومی اس کے بعد زین الدین کے کہنے پر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو ہو لئے تھے۔

جب سب لوگ چلے گئے، تب زین الدین کے پاس قاضی ابوسعید، مفتی احمد بن قاسم، بدر الدین، ارطالیں، ہیکل اور سبتہ کھڑے رہ گئے تھے۔ اس موقع پر ارطالیں ایک دم پیچھے ہٹی۔ قاضی ابوسعید کے پاس آئی۔ اس سے بڑی رازداری اور سرکشی کے انداز میں گفتگو کی۔ اس گفتگو کے جواب میں قاضی ابوسعید زین الدین کے مزید قریب ہوا اور بڑے دھیمے اور پرسکون انداز میں کہنے لگا۔

”زین الدین ارطالیں میری بیٹی ہے اور یہ میری اجازت کے بغیر تمہارے پاس آتی جاتی نہیں ہے، بلکہ میں نے ہی اسے ایک باپ کی حیثیت سے اجازت دے رکھی ہے کہ دن رات کے جس حصے میں بھی یہ تم سے ملنا چاہے مل سکتی ہے۔ ساتھ ہی میں نے اسے یہ بھی رکھا ہے کہ زین الدین کے مکان کی صفائی، سترائی بھی اس نے کرنی ہے اور زین الدین کا جو بھی کام نکلے وہ بھی ارطالیں ہی نے کرتا ہے۔ بیٹے اس سلسلے میں تم ارطالیں کو کسی کام سے منع نہ کرنا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاضی ابوسعید رکا، ایک گہری نگاہ اس نے ہیکل اور سبتہ پر ڈالی، پھر زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ دونوں ماں بیٹی بھی تمہاری توجہ کی حق دار ہیں۔ سب سے اہم اور خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں اسلام قبول کر چکی ہیں اور ہیکل تمہاری ممانی، سبتہ تمہاری ماموں زادہ ہے۔ ان کا بھی خیال رکھنا۔ یہ دونوں بھی اس کی حقدار ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی قاضی ابوسعید وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ارطالیں و ہیں بدر الدین کا ہاتھ پکڑے کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ سبتہ بولی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا آپ ہمیں اپنا مکان نہیں دکھائیں گے؟“

زین الدین نے قریب کھڑی ارطالیں کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”ارطالیں سبتہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اسے میرا یہ مختصر سا مکان دکھا دو۔“

ارطالیں، سبتہ اور ہیکل کو اندر لے گئی۔ سبتہ نے اس موقع پر بدر الدین کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانا چاہا۔ لیکن ایک جھکے کے ساتھ بدر الدین نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور گھر کے باہر ہی زین

الدین کے پاس کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ارطالیں باہر آئی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”امیر میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی زین الدین نے اس گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا جو ارطالیں لے کر جا رہی تھی اور کہنے لگا۔

”یہ کیا لے جا رہی ہو؟“

اس پر ارطالیں مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر آپ کے گھوڑے کی فرجین کے علاوہ مکان کے اندر جو آپ کے دھونے والے کپڑے پڑے ہوئے تھے وہ میں نے اکٹھے کر لئے ہیں۔ بدر الدین کے بستر کی چادر بھی میلی ہو رہی تھی۔ سارے کپڑے میں نے اس کی چادر میں باندھ لئے ہیں۔ اس کے بستر پر میں نے نئی چادر بچھا دی ہے۔ یہ کپڑے میں جا کر دھو لوں گی اور پھر چھت پر خشک ہونے کیلئے ڈال دوں گی۔ آپ کی آمد سے پہلے میں نے بابا کے کپڑے بھی دھو کر چھت پر ڈال رکھے ہیں۔ اس کے بعد میں آپ کی طرف چکر لگاتی ہوں۔“

ارطالیں وہاں سے ہٹنے لگی تھی کہ بدر الدین زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”عم یہ ارطالیں میری صحیح معنوں میں خالہ ہے۔ میں اس کے ساتھ جاتا ہوں اور جب یہ واپس آئیں گی تو میں واپس آپ کے پاس آ جاؤں گا۔“ زین الدین نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب بدر الدین ارطالیں کے ساتھ چلا گیا تھا۔

زین الدین مکان میں داخل ہوا۔ سیدھا دیوان خانے میں داخل ہوا۔ میکل اور سبتہ دونوں دیوان خانے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ زین الدین میکل کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، پھر اس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اماں اس حصار میں آپ کو کسی شے کی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگتے ہوئے ہچکچائیے گا نہیں آپ میری ماں ہیں۔ ایک بیٹے کی حیثیت سے آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا میرے فرائض میں شامل ہے۔“

اس پر میکل مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”بیٹے میرے پاس ضرورت کی ہر شے موجود ہے، بلکہ میں تو اپنے ساتھ اتنا سرمایہ لے کر

آئی ہوں کہ اس سرمائے کا ایک حصہ بیٹے میں تمہارے حوالے کرنا چاہتی ہوں تاکہ تم اسے اپنی جنگی ضروریات میں استعمال کرو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد میکل نے ایک گہری نگاہ اپنے قریبی بیٹھی سبتہ پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

”بیٹے یہ سبتہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔“

اس موقع پر اچانک سبتہ کونہ جانے کیا ہوا۔ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی، جھکی اور زین الدین کے پاؤں میں گر کر اس نے اس کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ ساتھ ہی اس کی گڑ گڑاتی اور کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”میں نے آپ کے ساتھ جو رویہ روا رکھا اس کی میں معافی مانگتی ہوں۔ مجھے قطعاً ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”میں اپنے اس فیصلے پر بھی شرمندہ ہوں، جب آپ کیلئے میرا رشتہ مانگا گیا تو میں نے انکار کر دیا۔ میں اس سلسلے میں بھی آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ میں اس کی بھی آپ سے معافی مانگتی ہوں کہ میں نے بدر الدین کی دل شکنی کی جس کے جواب میں وہ اب مجھ سے بات ہی نہیں کرتا۔ جب تک آپ اس سے نہیں کہیں گے اس وقت تک وہ میرے ساتھ راضی نہیں ہوگا۔“

زین الدین نے فوراً اپنے پاؤں کھینچ لئے اور سبتہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جہاں سے اٹھی ہو وہیں بیٹھ جاؤ، تمہیں میرے پاؤں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اٹھو جب میرے لئے تمہارا رشتہ مانگا گیا تو تم نے انکار کر دیا، وہ تمہارا ذاتی معاملہ تھا۔ تم

ہاں بھی کر سکتی تھی، انکار بھی کر سکتی تھیں۔ اس سلسلے میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا میں

نے تمہارے انکار کا برا نہیں مانا، اس لئے کہ تمہیں اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق حاصل تھا۔

جہاں تک بدر الدین سے زیادتی اور اس کی دل شکنی کا تعلق ہے تو میں اسے سمجھا دوں گا۔

مجھے امید ہے کہ وہ تم سے اپنی ناراضگی ترک کر دے گا۔

جہاں تک ہم دونوں کے تعلقات کا تعلق ہے تو دیکھو سبتہ میں جانتا ہوں تم نے میری ماں کو

ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور تم اکثر کہا کرتی تھیں کہ میری ماں گھر سے بھاگ کر میرے باپ

بدر الدین کے پاس چلی آئی تھی جبکہ ایسا نہیں تھا۔ میں تمہاری ان سب باتوں کو بھی فراموش کرتا

ہوں اور تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اماں میکل کے ساتھ اس حصار کے اندر باعزت زندگی بسر کرو۔

کہ سرایا نے جب میرے بھائی کبیر الدین کے ساتھ شادی کرنے پر حامی بھری تب سبتہ اپنی بڑی بہن سرایا کی بھی سخت مخالف ہو گئی تھی۔ اماں سبتہ اس وقت سامنے بیٹھی ہے میں اگر جھوٹ بولوں تو یہ مجھے پکڑ لے۔ اب یہ اس مسکن میں آنے کے بعد شاید یہ خیال کرتی ہے کہ میں اس مسکن کا امین ہوں اور یہاں رہتے ہوئے یہ میری ممنون اور شکر گزار ہے۔ اس بنا پر یہ میرے قریب آنا چاہتی ہے۔ اماں یہ مسکن میرا نہیں ہے۔ یہ مسکن ان سارے لوگوں کا ہے جو اپنے دشمنوں اور آزادی سلب کرنے والوں کے خلاف برسرِ پیکار آئے ہوئے ہیں۔ اماں تم یہ بھی جانتی ہو کہ ماضی میں جب کبھی بھی صلیبوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو نقصان پہنچتا تھا ان کا قتل عام ہوتا تھا تو یہی سبتہ جو اس وقت آپ کے سامنے بیٹھی ہے یہ بڑی خوشی اور طمانیت کا اظہار کیا کرتی تھی۔ ساتھ ہی اس کا یہ بھی دعویٰ ہوا کرتا تھا کہ صلیبوں کو مسلمانوں کے خلاف ایسا ہی کرنا چاہئے۔ اماں اس کے ان خیالات کے باوجود اب جبکہ یہ مسلمان ہو چکی ہے۔ اسلام قبول کر چکی ہے۔ میں اس کے خلاف مزید کوئی جملہ نہیں کہنا چاہتا۔ اماں اگر اس نے اسلام قبول نہ کیا ہوتا۔ تمہارے پیچھے پیچھے اگر یہ ایک نصرانی لڑکی کی حیثیت سے بھی آتی، تب بھی میں اسے پناہ دیتا اس کی حفاظت کرتا۔ اس لئے کہ لڑکی مسلمان ہو، عیسائی ہو یا یہودی اس کی عزت اس کی آبرو اس کے نفس اس کے ناموس کی حفاظت کرنا ہر شخص کا فرض ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین جب خاموش ہوا تو سبتہ بڑی اداس اور افسردہ بیٹھی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ میکمل نے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”بیٹے تمہیں یہ پتا نہیں کہ کن حالات کے تحت سبتہ یہاں آئی ہے؟“ میکمل کے ان الفاظ پر زین الدین غور سے میکمل کی طرف دیکھنے لگا تھا پھر اس کے کہنے پر میکمل نے سبتہ کے بھاگ کر مسکن میں آنے کی ساری تفصیل کہہ دی تھی۔

اس پر پھر یہ سے انداز میں سبتہ کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”اماں یہ سبتہ تو ناسخوں دوسرے صلیبی جنگجوؤں کی بڑی تعریف کیا کرتی تھی کہ یہ عیسائیت کے علمبردار ہیں۔ نصرانی لڑکیوں کے محافظ ان کے پاسبان ہیں۔ میرے خیال میں اب اس پر حقیقت کھلی ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بہر حال اماں کیونکہ یوقاس نے آپ کے شوہر آپ کے بیٹوں کو قتل کیا ہے۔ لہذا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ یوقاس سے اس کا انتقام ضرور لوں گا۔“

تمہیں بھی اگر کسی شے کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں تمہاری ہر ضرورت پوری کروں گا۔ لیکن آئندہ کبھی مجھ سے اپنے ماضی کے رویے پر معافی نہ مانگنا۔ یوں سمجھو میں نے کبھی تمہارے کسی فعل تمہاری کسی بات کا برا مانا ہی نہیں ہے۔“ اس پر سبتہ کو زین الدین کی اس گفتگو سے کچھ حوصلہ ہوا پھر زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”وہ جو میری پھوپھی اور آپ کی امی میرا اور آپ کا رشتہ طے کرنا چاہتی تھیں اس کا کیا ہوگا جبکہ میں نے جواب دیا تھا۔ اس کی میں آپ سے معافی مانگ چکی ہوں۔“

جواب میں زین الدین کچھ دیر گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ پھر سبتہ کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگا۔

”دیکھ سبتہ میری عادت ہے کہ جس در پر میں ایک بار دستک دیتا ہوں اس دستک کے جواب میں مجھے وہاں سے دستکار کر ہٹا دیا جاتا ہے تو دوبارہ میں اس در پر دستک دینے کا عادی نہیں ہوں۔ اس وقت اماں میکمل میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کی موجودگی میں، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنی مرضی سے جہاں چاہو جس جگہ چاہو شادی کر کے اپنا گھر آباد کر سکتی ہو۔ میری طرف سے یہ جواب ہے کہ یوں جالو میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے۔“

زین الدین کا یہ جواب سن کر سبتہ اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ زین الدین میکمل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اماں آج شام کا کھانا تم میرے ساتھ کھا کر جاؤ۔ اگر تم ایسا کرتی ہو تو مجھے خوشی ہوگی۔“

جواب میں میکمل مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”بیٹے میں اور سبتہ ہمیں بیٹھی ہیں۔ شام کا کھانا تمہارے ساتھ کھا کر جائیں گی۔ تم فکر مند نہ ہو۔“

میکمل کا جواب سن کر زین الدین مسکرا دیا تھا۔ پھر اس نے کچھ سوچا دوبارہ میکمل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اماں سبتہ کے معاملے میں تم برا نہ ماننا۔ اس لئے کہ جس وقت میں نے اسے پسند کیا تھا اس وقت وقت اور تھا۔ میرے ماں باپ تھے۔ میرے بھائی تھے۔ اماں حالات کی ستم ظریفی اس وقت سبتہ مجھ سے ہی نہیں میری ماں میرے باپ میرے بھائیوں سے بھی نفرت کرتی تھی۔ حتیٰ

یوقاس نے چونکہ سبتہ کو بے آبرو کرنے کی کوشش کی تھی۔ لہذا اس کا بھی اسے غمناک بھگتنا پڑے گا۔ اماں آپ سے میرا ایک رشتہ ہے۔ آپ کے شوہر میرے ماموں آپ کے بیٹے میرے ماموں زاد اور سبتہ بھی میرے ماموں کی بیٹی ہے۔ اگر آپ سے میرا کوئی رشتہ نہ بھی ہوتا اور یہ یوقاس آپ لوگوں پر اس طرح کے مظالم کرتا اور آپ میرے ہاں پناہ لیتیں تب بھی میں اس یوقاس سے انتقام ضرور لیتا۔“ یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مکان کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس موقع پر چونکہ معنی احمد بن قاسم دوسرے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ لہذا وہ اس کمرے سے نکلا اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے بیٹھے رہو میں دیکھتا ہوں کون ہے؟“

احمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر جب دروازہ کھولا تب دروازے پر شیزر کے حاکم تاج الدولہ ابن ابی عسا کر کا بیٹا اسامہ اپنے دوسا تھیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

احمد بن قاسم نے ان تینوں کا شاندار انداز میں استقبال کیا۔ صدر دروازے کے ساتھ ہی جو کمرہ تھا، اس میں ان تینوں کو بٹھایا۔ پھر وہ اس کمرے کے دروازے پر آیا۔ جس میں اس وقت زین الدین ہمیکل اور سبتہ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے اور زین الدین کو مخاطب کر کے احمد بن قاسم کہنے لگا۔

”بیٹے شیزر کے حاکم تاج الدولہ ابن عسا کر کا بیٹا اپنے دوسا تھیوں کے ساتھ آپ سے ملنے کیلئے آیا ہے۔ میں نے اسے صدر دروازے والے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔“

اس پر زین الدین اٹھ کھڑا ہوا کہنے لگا۔

”اماں آپ دونوں ماں بیٹی بیٹھیں میں ذرا آنے والوں سے مل لیتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی زین الدین اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔

جب وہ صدر دروازے کے ساتھ والے کمرے میں احمد بن قاسم کے ساتھ داخل ہوا، تب اسامہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور زین الدین آگے بڑھ کر تینوں سے گلے ملا پھر سب بیٹھ گئے۔ اس کے بعد اسامہ نے گفتگو کا آغاز کیا اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں آپ سے امیر نجم الدین الغازی کے مرنے کا افسوس کرنے کیلئے آیا تھا۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ حصار کے لوگوں نے متفقہ طور پر آپ کو اپنا امیر مقرر کر لیا ہے۔ ان کے ایسا کرنے پر مجھے

اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرے باپ بھی آپ کے پاس آتے لیکن.....“

اسامہ کے ان الفاظ پر زین الدین پریشان ہو گیا اور کہنے لگا۔

”محترم ابن ابی عسا کر ٹھیک تو ہیں۔“

اس پر وہ کھبھرے انداز میں اسامہ کہنے لگا۔

”وہ سخت بیمار ہیں، جس وقت آپ اسٹنس رینارڈس اور یوقاس کا مقابلہ کرنے کیلئے گئے تھے تو آپ نے میرے باپ کی طرف پیغام بھجوایا تھا کہ آپ کے جانے کے بعد وہ چوکنے اور چوکس رہیں۔ اس وقت بھی میرے باپ گفتگو کرنے کے قابل نہیں تھے بہت لاغر ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے کہوں کہ اب ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ میں اول تو امیر نجم الدین الغازی کی موت کا افسوس کرنے آیا تھا۔ دوسرے ایک بہت اہم کام بھی درپیش ہے۔“

”کیسا کام.....؟“ چونکے کے انداز میں زین الدین نے پوچھ لیا تھا۔

اس پر اسامہ غور سے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر آپ کسی روز وقت نکال کر شیزر میں آئیں۔ اپنے کچھ سالاروں کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ میں چاہتا ہوں شیزر کے استحکام اس کے دفاع کیلئے میں نے جو نئے انتظامات کئے ہیں ان کا جائزہ لیں۔ آپ لوگ میری نسبت جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں جب آپ شیزر کے دفاعی معاملات سے مطمئن ہو جائیں گے، تب میں جانوں گا کہ میں نے شیزر کیلئے کچھ کیا ہے۔ اس بنا پر میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے سالاروں کے ساتھ میرے ساتھ چلیں، کھانا بھی وہیں ہمارے ساتھ ہی کھائیں اور پھر شہر کے سارے انتظامات کا اور قلعے کے اندر جو میں نے استحکامی منصوبہ بندی کی ہے ان سب کا جائزہ لیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے اسامہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مکان کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس پر احمد بن قاسم زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”زین الدین بیٹے بیٹھے رہو میں دیکھتا ہوں دستک کس نے دی ہے؟“

اس پر احمد بن قاسم باہر نکلا۔ دروازے پر دونوں عرب سالار عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کے ساتھ ایک نوجوان کھڑا تھا۔ عدنان بن ہاشم احمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن قاسم امیر کہاں ہیں.....؟“

اس پر احمد بن قاسم کہنے لگا۔ ”ساتھ والے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ آپ تینوں اندر آئیں۔“
اس پر فضل بن اسحاق عدنان بن ہاشم اور ان کے ساتھ جو تیسرا جوان تھا اندر داخل ہوئے۔
جب وہ اس کمرے میں داخل ہوئے تب عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کے ساتھ جو تیسرا شخص تھا اسے دیکھتے ہوئے اسامہ چونک پڑا تھا۔ کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ دکھ بھرے انداز میں وہ نو جوان اسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں انتہائی بری خبر لے کر آیا ہوں۔ آپ کے والد محترم ابن ابی عسا کر فوت ہو گئے ہیں۔“

اس پر اسامہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس موقع پر زین الدین بھی کھڑا ہو گیا اور اسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اسامہ میرے عزیز بھائی! تم چلو تمہارے پیچھے پیچھے میں بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اسامہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلا۔ مکان سے باہر کھڑے گھوڑوں پر سوار ہوئے پھر انہیں سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق نے کوئی فیصلہ کیا پھر تینوں احمد بن قاسم کے ساتھ نکلے ساتھ والے مکان پر دستک دی۔ وہ مکان قاضی ابوسعید کا تھا۔ چنانچہ قاضی ابوسعید دروازے پر آئے۔ چاروں کو دروازے پر کھڑے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ قاضی ابوسعید کے چہرے پر نمودار ہوئی، پھر دھیمے سے لہجے میں کہنے لگے۔

”بچو! تم یوں باہر کیوں کھڑے ہو گئے دروازہ کھلا تھا اندر آ جاتے۔“

اس موقع پر حسین خوبصورت ارطالیں جو طہارت خانے میں کپڑے دھو رہی تھی وہ بھی ہاتھ صاف کرتی ہوئی باہر محن میں آ گئی تھی۔ اس نے جب دروازے پر زین الدین کو دیکھا تو قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا آپ نے امیر کو باہر دروازے پر ہی کیوں کھڑا کر دیا ہے؟“

اس پر ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”ہم اندر نہیں آئیں گے اس لئے کہ قاضی ابوسعید کو لے کر ہم جا رہے ہیں۔“

”کہاں جا رہے ہیں؟“ ارطالیں نے فکر مندی میں پوچھا۔ اس پر زین الدین کہنے لگا۔

”شیزر کے حاکم ابن ابی عسا کر فوت ہو گئے ہیں۔“

یہ خبر سن کر جہاں قاضی ابوسعید کی گردن جھک گئی تھی۔ وہاں ارطالیں بھی اداس اور خاموش ہو گئی تھی، پھر قاضی ابوسعید کو مخاطب کرتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”آپ باہر آئیں اور چلیں، تھوڑی دیر پہلے ابن ابی عسا کر کا بیٹا اسامہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اسے بھی یہیں خبر ملی ہے کہ اس کا باپ فوت ہو گیا ہے۔ وہ چلا گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ تم جاؤ، تمہارے پیچھے پیچھے ہم بھی آتے ہیں۔“

اس پر قاضی ابوسعید اداس اداس اور افسردہ سے باہر نکلے۔ اس کے بعد سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے حصار سے شیزر شہر کا رخ کر گئے تھے۔



برج پر پہرہ دینے والوں کے پاس گئے ہیں۔ امیر کی یہ عادت ہے کہ رات کے وقت کسی نہ کسی حصے میں جا کر عام لشکریوں میں بیٹھتے ہیں۔ احمد بن قاسم اور بدر الدین بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں اور آج تو بابا بھی ان کے ساتھ گئے ہیں۔“

اس پر سب نے اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

”ارطالیں آؤ ہم بھی ادھر چلتی ہیں، دیکھتی ہیں وہ وہاں کیا کر رہے ہیں۔“

سب نے اس پابیکش کے جواب میں ارطالیں میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”خالہ آپ یہیں بیٹھیں، میں اور سب سے ہو کر جلد لوٹی ہیں۔“ میکمل نے اس سے اتفاق کیا

تھا۔ لہذا ارطالیں اور میکمل دونوں وہاں سے نکل گئی تھیں۔

ارطالیں آگے اور سب سے پیچھے تھیں۔ اس لئے کہ ارطالیں جانتی تھی کہ وہ کدھر گئے ہیں، پھر

سب سے اور ارطالیں نے دیکھا زین الدین قاضی ابوسعید بدر الدین احمد بن قاسم چھپر نما ایک برج

تسلے عام لشکریوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں بڑے سالار عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق بھی

وہاں موجود تھے جبکہ احمد بن قاسم مربوط بجا رہا تھا۔

ان کے قریب جا کر ارطالیں اور سب سے دونوں ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گئی تھیں۔

برج کے اندر چھوٹی سی ایک مشعل جل رہی تھی۔ اس کے علاوہ کوہستانی سلسلے کے اوپر بنے

دوسرے برجوں کے اندر بھی مشعلیں جل رہی تھیں، ہر دو برج کے درمیان جو فاصلہ تھا، اس پر بھی

کچھ لشکری اپنے ہاتھوں میں مشعلیں لئے ٹہل رہے تھے۔

ارطالیں اور سب سے بڑی توجہ اور انتہاک سے ان کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ اس لئے کہ احمد

بڑی اداس لے میں مربوط بجا رہا تھا، پھر احمد بن قاسم نے گانا شروع کیا۔ اس کے اس نغمے کے بول

کچھ اس طرح تھے۔

بے سحر رات کا مسافر ہوں

تلاش ہے سحر کی میں در بدر ہوں

بھاگتے ہو کیوں میرے حصوں میں

میں ہوں نہیں پتھر ہوں اگر ہوں

بک چکا چاہتوں کا ضمیر یہاں

رت تیزی سے بدلنے لگی تھی۔ سر ماپے عروج پر آ گیا تھا۔ ہر شے نے برفباری کی سفید چادر اوڑھ لی تھی۔ ایسے میں میکمل اور سب سے دونوں ماں بیٹی اپنے مکان کے اندر مٹی کی انگیٹھی میں جلتی آگ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک سب سے نے اپنی ماں میکمل کو مخاطب کیا اور کہنے لگی۔

”اماں آج ارطالیں کے ہاں ہم سب کی دعوت ہے، میرے خیال میں اٹھو چلیں۔“

میکمل نے پہلے ایک گہری نگاہ سب سے پر ڈالی، پھر فضا میں دیکھا، کہنے لگی۔

”تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی ارطالیں نے عشاء کے بعد کا وقت دیا تھا۔“ اس پر سب سے فوراً بولی اور

کہنے لگی۔

”حصار میں عشاء کی اذان کب کی ہو چکی ہے۔ ہم دونوں ماں بیٹی بھی نماز ادا کر چکی ہیں۔

میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہئے۔ ارطالیں ہماری منتظر ہوگی۔“

اس پر میکمل اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب سے نے فوراً انگیٹھی میں جلتی لکڑیاں نکالیں، باہر لے جا کر

ان پر پانی ڈال کر بجھا دیا، پھر دونوں ماں بیٹی باہر نکلیں۔ برفباری میں تیز تیز چلتی ہوئی جب وہ

ارطالیں کے مکان پر پہنچیں تو وہاں صرف اکیلی ارطالیں دیوان خانے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میکمل

اور سب سے دونوں جب دیوان خانے میں داخل ہوئیں تو ان کے استقبال کیلئے ارطالیں اپنی جگہ پر

اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب سے آگے بڑھ کر ارطالیں سے گلے ملی۔ یوں لگتا دونوں اب ایک دوسرے کی

خوب شناسا اور بے تکلف ہو چکی تھیں۔ پھر سب سے نے ارطالیں کو مخاطب کیا۔

”ارطالیں میری بہن میں حیران ہوں تم اس وقت یہاں اکیلی بیٹھی ہوئی ہو کیا۔“

سب سے کی بات کا نئے ہوئے ارطالیں بول اٹھی۔ بابا امیر زین الدین کی طرف گئے ہوئے

ہیں جبکہ زین الدین احمد بن قاسم اور بدر الدین سب یہاں سے قریبی کوہستانی سلسلے پر نئے بنے

کہ میں فقط نقش کا بحر ہوں
یادیں ہیں سیال آگ کی صورت
میں تو اجڑا ہوا اک نگر ہوں
میرے سکون کا تو سا بنان نہ بن
کھولتے شعلوں کا ایک شہر ہوں
اوٹھتی اس دھرتی کے سینے پر
بریدہ شاخ حزن کا ساگر ہوں
چار سو ہیں میرے زہر کے سراب
ترباق نہیں قضا کا شہر ہوں

ارطالیس اور سبتہ نے دیکھا جس وقت معنی احمد بن قاسم مربوط بجاتے ہوئے گارہا تھا۔ اس کی اپنی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے سامنے بیٹھے زین الدین اور بدر الدین کی آنکھیں نمناک تھیں، جبکہ قاضی ابوسعید عدنان بن ہاشم فضل بن اسحاق اور دوسرے لشکریوں کی حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی۔

نغمہ ختم ہو چکا تھا۔ پھر احمد بن قاسم کے ہاتھ تاروں پر کھیل رہے تھے۔ تاریں غمگین آواز سے رورہی تھیں۔ برفباری جاری تھی، آنسو رواں تھے قضا مغموم پورا ماحول دکھوں کی قہرمانیت کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسے میں چٹان کے پیچھے سے کھکارتے ہوئے ارطالیس نے اپنی موجودگی کا جب احساس دلایا، تب قاضی ابوسعید اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے اور زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

”زین الدین میرے بیٹے یہ کھکارنا میری بیٹی ارطالیس کی طرف سے ہے۔ میرے خیال میں وہ سامنے والی چٹان کے پیچھے ہے۔ لگتا ہے اس نے کھانا تیار کر دیا ہوگا اور اب وہ یہ اطلاع دینے آئی ہے کہ کھانا کھائیں۔“

اس پر سب کھڑے ہوئے۔ قاضی ابوسعید کے پیچھے پیچھے آگے بڑھے۔ اتنی دیر تک چٹان کی اوٹ سے نکل کر ارطالیس اور سبتہ دونوں تقریباً بھاگنے کے انداز میں مکان کی طرف چلی گئی تھیں اور ان کی آمد سے پہلے پہلے انہوں نے دیوان خانے میں کھانے کے برتن لگانے شروع

کر دیئے تھے۔ میکمل بھی اس سلسلے میں ان کی مدد کرنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ سب وہاں پہنچے اور خوشگوار ماحول میں کھانا کھانے لگے تھے۔



یروٹلم کا بادشاہ بالڈون ایک روز اپنے قصر میں فرانس کے بادشاہ بھاتی ہیوٹارمنڈی کے رابرٹ ہلمی کے امیر سٹیفن فلائڈرس کے سربراہ رابرٹ اور کچھ دوسرے سالاروں اور امراء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے ایک محافظ نے اپنے ایک طلائیہ گراؤنڈر کے آنے کی اطلاع دی۔ اس پر بالڈون چونکا اور اپنے اس محافظ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

آنے والے اس مخبر کو فی الفور میرے پاس لے کر آؤ۔ اس پر وہ محافظ پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک مخبر کو بالڈون کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بالڈون نے اسے مخاطب کیا۔

”کیا تم ہمارے لئے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟“

اس پر مخبر نے اپنے ہونٹوں پر زبانی پھیری پھر کہنے لگا۔

”میں ایڈریس تک ہو کر آیا ہوں۔ ایڈریس کا ہمارا حکمران ان دنوں کچھ خبریں آنے کی وجہ سے پریشان اور فکر مند ہے۔ کچھ ایسے حالات بھی ہمارے خلاف رونما ہوئے ہیں جو اس کی پریشانی کا باعث بن گئے ہیں۔“

”پہلی پریشانی قلعہ اٹارب کی طرف سے ہے۔ یہ ہمارا بڑا مضبوط مستحکم قلعہ ہے اور یہاں ہمارا ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ لیکن اب یہ افواہیں اڑ رہی ہیں کہ مسلمان اس شہر اور قلعے پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کرنے کے درپے ہیں۔ اس لئے کہ اٹارب کے آس پاس کے مسلمان موصل اور حلب کے حکمران عماد الدین کے پاس گئے اور اٹارب والوں کے خلاف انہوں نے شکایت کی کہ وہ ان پر مظالم روا رکھے ہوئے ہیں۔ اس بنا پر اب چاروں طرف یہ خبریں پھیل گئی ہیں کہ عماد الدین اپنے مسلمانوں کی شکایت پر قلعہ اٹارب پر حملہ آور ہونے کیلئے پرتول رہا ہے اور اس کیلئے وہ اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے رہا ہے۔“

”دوسری پریشانی ایڈریس کے حکمران کو شیرز کے قلعے اور اس سے ملحقہ کوہستانی سلسلوں کی طرف سے ہے۔“

”اس زین الدین کے علاوہ اب دو اور عرب سالار بھی بڑی ناموری حاصل کر رہے ہیں اور وہ دونوں جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ایک کا نام عدنان بن ہاشم دوسرے کا نام فضل بن اسحاق ہے اور یہ دونوں زین الدین کے ساتھ مل کر اپنی فتح اور کامیابی کو یقینی بناتے ہیں۔“

وہ مخبر جب خاموش ہوا تب بالذون کہنے لگا۔

”اس زین الدین سے متعلق پہلے بھی میں نے نجم الدین الغازی کے نام کے ساتھ سن رکھا ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ حلب کے خربی مکتب کا تربیت یافتہ شخص ہے اور ہمارے جنگجوؤں کے ہاتھوں اس کے ماں باپ بھائی مارے جا چکے ہیں۔ اس بنا پر وہ انتقام پر اتر ا ہوا ہے۔ بہر حال یہ سب لوگ ہمارے لئے کسی بڑے خطرے کا باعث نہیں بن سکتے۔ جہاں تک ہمارے شہر اور قلعے اٹارب کا تعلق ہے تو اگر مسلمان اسے فتح کرنا یا اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ کسی بھی صورت ہم انہیں ایسا کرنے نہیں دیں گے۔ اس سلسلے میں ہم دو بڑے لشکر تیار کریں گے۔ ایک لشکر شیزر کا رخ کرے گا اور وہاں پہلے سے ہماری جو قوتیں سرگرم ہیں ان کے ساتھ مل کر شیزر شہر اور قلعے کے علاوہ نجم الدین الغازی اور زین الدین نے جو اپنا مضبوط اور مستحکم حصار بنا رکھا ہے اس پر بھی قبضہ کرے گا۔“

”دوسرا لشکر ہم بالکل تیار اور مستعد رکھیں گے۔ اگر عماد الدین نے پر پزے ٹکانے کی کوشش کی ہمارے کسی شہر ہمارے کسی قلعے پر حملہ آور ہونے کی نیت سے پیش قدمی کی تو وہ لشکر فی الفور یہاں سے کوچ کرے گا اور عماد الدین کی پیش قدمی اور اس کی ہر ترک تازہ کورک کر رکھ دے گا۔“

”جہاں تک ہمارے قلعے اٹارب کا تعلق ہے تو یہ کوئی معمولی قلعہ نہیں جسے عماد الدین یا اس کے لشکر کی فی الفور اس پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کر لیں۔ وہاں ہمارا ایک بہت بڑا لشکر ہے اور حملے کی صورت میں وہ لشکر کی ماہ تک حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے ہی ایک لشکر یہاں سے روانہ ہو جائے گا پھر میں دیکھوں گا کہ مسلمان ہمارے قلعے اٹارب پر کیسے قابض ہوتے ہیں۔“ جواب میں مخبر اپنا سر خم کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”مالک عماد الدین اب پہلے والا عماد الدین نہیں رہا۔ پہلے وہ بالکل بے بس اور لاچار تھا۔ آپ جانتے ہوں گے کہ اس کے پاس پہلے صرف موصل تھا، لیکن بعد میں اس نے سخر، خابور، نصیبین

یہاں تک کہتے کہتے اس مخبر کو روک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کانٹے ہوئے بالذون فوراً بول اٹھا تھا۔

”شیزر کی طرف سے پہلے بھی ہمیں شکایات مل رہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیزر کا قلعہ بڑا مضبوط اور ناقابلِ تغیر خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے ہر صورت میں اس پر قبضہ کرنا ہے اور اب اس پر قبضہ کرنے کا وقت بھی آ گیا ہے۔ اس لئے کہ جو خبریں مجھ تک پہنچی ہیں ان کے مطابق شیزر کا حکم ان تاج الدولہ ابن ابی عساکر فوت ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ اب شیزر کا حاکم اس کا بیٹا اسامہ ہے جو جنگ کا اتنا وسیع تجربہ نہیں رکھتا اور اپنے باپ کی طرح وہ حرب و ضرب کا کوئی ماہر بھی نہیں ہے۔“

”اس کے علاوہ شیزر کے لواحق علاقوں میں جو نجم الدین الغازی نے ایک حصار اور مسکن بنا رکھا تھا وہ بھی ہمارے لئے تکلیف کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس لئے کہ اس مسکن میں جو مسلمانوں کی عسکری طاقت اور قوت رہتی ہے اس نے کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے لشکریوں کو کئی بار بدترین شکست دی ہے۔ اسی بنا پر چند ہفتے پہلے میں نے نائٹوں کے سالار یو کاس کو اس سمت بھیجا تھا کہ وہ کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے کے سالاروں ایش اور رینارڈس کے ساتھ مل کر ناصرف شیزر پر قبضہ کرے بلکہ نجم الدین الغازی کے بنائے ہوئے حصار کو بھی اپنے قبضے میں کر لے، لیکن اس بار بھی ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔“

”اور اب جو اچھی خبریں آئی ہیں ان کے مطابق نجم الدین الغازی بھی فوت ہو چکا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا نجم الدین الغازی کے فوت ہونے پر اس حصار کی طاقت و قوت اور استحکام میں کوئی ضعف پیدا نہ ہوا ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بالذون جب خاموش ہوا تب آنے والا وہ مخبر بڑی انکساری میں کہنے لگا۔

”مالک معاملہ یہ نہیں ہے۔ نجم الدین الغازی جس وقت زندہ تھا۔ اس وقت بھی اس کی طاقت اور قوت کا محور ایک مسلمان سالار زین الدین تھا اور اب حالت یہ ہے کہ نجم الدین الغازی کے فوت ہونے پر اس حصار کے جنگجوؤں نے زین الدین کو اپنا امیر سربراہ اور سالار مقرر کر لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اب ان کی کارروائیاں پہلے کی نسبت سخت اور تیز ہو جائیں گی۔“

اور حراں پر بھی قبضہ کر لیا، پھر حلب کی طرف بڑھا۔ حلب کا مسلمان حاکم اس قدر کمزور تھا کہ شہر سے باہر بیس قدم تک کا تمام علاقہ ہمیں نصف مالیہ ادا کرتا تھا، تاکہ ہماری غیبتوں سے وہ محفوظ رہیں۔ لیکن عماد الدین نے حلب پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے دریائے فرات کو عبور کر کے منج اور بزاز کے مضبوط قلعوں پر بھی اپنی فتح مندی کے علم نصب کر دیے اور یہیں تک اس نے اکتفا نہیں کیا۔ سال بھر کے بعد وہ حمص اور حماہ کو بھی اپنے حلقہ اطاعت میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اب اس کا دائرہ حکومت بہت وسیع ہو گیا ہے اور مسلمان امراء کی ریشہ وراثتوں سے بہت حد تک محفوظ بھی ہو چکا ہے۔ اب چونکہ اس نے ایک مضبوط اور مستحکم طاقت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ لہذا وہ اب جست و خیز کرتے ہوئے اپنی کارروائیوں کا دوسرا رخ اختیار کرے گا۔ اس کی نگاہیں اب ہمارے شہروں اور قلعوں پر ہیں اور یہ بھی افواہیں اڑ رہی ہیں کہ مسلمانوں کے جن شہروں اور قصبوں پر ہم نے قبضہ کیا ہے وہ ان سب کو واپس لینے پر تلا ہوا ہے اور اس کیلئے اس نے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دی ہے۔“

اس پر بالذون نے ایک قہقہہ لگایا کہنے لگا۔

”وہ کوئی بھی صورت اختیار کر لے ہماری طاقت اور قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس نے ہمارے خلاف ترک تازیادورشی کی ابتداء کی تو جو علاقے اس وقت اس کی حکمرانی میں ہیں ان سے بھی ہم اسے محروم کر کے رکھ دیں گے۔ اب تم جاؤ اور اپنے کام میں لگ جاؤ۔“ اس پر وہ خبر وہاں سے نکل گیا تھا۔



زین الدین نے اب اپنے بھتیجے بدر الدین کی جنگی تربیت کا کام شروع کر دیا تھا۔ ہر روز تیراکی کیلئے وہ اسے دریائے اورٹش کی طرف لے جاتا۔ وہاں سے واپسی پر وہ اسے تیغ زنی اور تیراندازی کی مشق کراتا تھا۔ ایک دن دونوں چچا بھتیجا دریائے اورٹش پر پہنچے۔ اپنے ہتھیار انہوں نے دریا کے کنارے رکھے، پھر کپڑوں سمیت وہ دریا میں کود گئے۔ کافی دیر تک زین الدین دریائے اورٹش میں بدر الدین کو تیراکی سکھاتا رہا اور غمو نے کے طور پر خود بھی دریائے اورٹش کے وسط تک جاتا اور پھر دوبارہ کنارے تک آ جاتا تھا۔ تیراکی کی مشق کرنے کے بعد دونوں دریا سے نکلے۔ اپنے ہتھیار اٹھائے اپنے مسکن میں داخل ہوئے۔ اپنے مکان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ٹیلا تھا۔ اس ٹیلے کے قریب تھوڑی دیر تک زین الدین بڑی مہارت اور بڑی محنت سے بدر الدین کو تیغ زنی کی تربیت دیتا رہا، پھر بدر الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے اپنی تلوار رکھ دو پہلے چھوٹی کمان سنبھالو۔“

بدر الدین نے چھوٹی کمان لی۔ زین الدین نے جب تیر چڑھانے کیلئے کہا تو اس نے کمان میں تیر چڑھایا۔ زین الدین نے اپنے سامنے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

”بدر الدین اب تیغ زنی اور تلوار بازی کی مشق کرتے ہوئے تمہیں کافی دن ہو گئے ہیں میں

چاہتا ہوں وہ جو سامنے سیاہ رنگ کا پتھر دکھائی دے رہا ہے اس کو اپنے تیر کا ہدف بناؤ۔“

”پہلے کمان کو کھینچو۔“

بدر الدین نے کمان کو کھینچا۔

”ایک گھنٹا زین پر اور دوسرا کھڑا رکھو۔“

بدر الدین نے ایسا ہی کیا۔ زین الدین کی آواز پر سنا دی۔

”سانس کو بند کر لو اور نشانہ لگاؤ۔“

بدرا الدین نے سانس بند کر کے نشانہ لگا لیا اور تیر چلایا اور تیر نے اس پتھر کو ہدف بنایا تھا، جس پتھر کی طرف زین الدین نے اشارہ کیا تھا۔

کچھ دیر تک زین الدین اس چھوٹی کمان سے بدرا الدین کو مشق کراتا رہا، پھر کہنے لگا۔
”اب وہ میرے والی بڑی کمان پکڑو۔“

بدرا الدین نے بڑی کمان لی۔ زین الدین پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کمان کو سیدھا کرو اس کا ایک سرا اپنے بائیں گھٹنے کے نیچے رکھو کہ کمان بڑی ہے۔ کمان میں تیر لگاؤ اور اسی پتھر کو ہدف بناؤ، جس کو تم پہلے نشانہ بنا چکے ہو۔“

چنانچہ بدرا الدین نے تیر چڑھایا۔ شست لی، سانس بند کی، تیر چلایا۔ تیر اس پتھر سے تھوڑے فاصلے پر جا کر ایک دوسرے پتھر کو لگا تھا۔ اس پر زین الدین کہنے لگا۔

”بیٹے اس بڑی کمان کیلئے ابھی تمہیں مزید مشق کی ضرورت ہے۔“ یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو رک جانا پڑا تھا۔ اس لئے کہ تقریباً بھاگنے کے انداز میں ارطالیس ان کی طرف آ رہی تھی۔ ارطالیس کو اس طرح آتے دیکھ کر زین الدین رک گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ قریب آ کر ارطالیس رکی، اپنی سانس درست کی۔ پھر بڑی چاہت بھری آواز میں وہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”امیر آپ کو بابا نے فی الفور بلایا ہے۔ حلب شہر سے ایک قاصد آیا ہے۔ وہ آپ کیلئے کوئی انتہائی اہم پیغام رکھتا ہے۔ بابا نے ابھی تک پیغام کی نوعیت نہیں پوچھی۔ دراصل وہ ساری گفتگو آپ کے سامنے کرنا چاہتے ہیں۔“

ارطالیس کے ان الفاظ پر زین الدین چونکا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی کمان اٹھائی اور بدرا الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بدرا الدین میرے ساتھ آؤ۔“ چنانچہ بدرا الدین اور ارطالیس دونوں اس کے ساتھ ہو لئے تھے۔ اپنے مکان کے قریب جا کر اپنی کمان زین الدین نے بدرا الدین کو تھمائی اور کہنے لگا۔
”بیٹے تم اندر جاؤ، میں حلب سے آنے والے قاصد سے ملتا ہوں۔ دیکھتا ہوں وہ کیا کہتا ہے۔“

جونہی بدرا الدین کو کمان تھمانے کے بعد زین الدین ایک قدم آگے بڑھا چڑکنے کے انداز میں حسین اور خوبصورت ارطالیس نے اسے پکارا۔

”امیر! آئیے.....“

زین الدین رک گیا اور جواب طلب سے انداز میں وہ ارطالیس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس پر ارطالیس بڑی سنجیدگی میں کہنے لگی۔

”آپ اس لباس میں جا کے حلب سے آنے والے قاصد سے گفتگو کریں گے۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کئی بار کہا ہے کہ جب آپ بدرا الدین کے ساتھ دریائے اورنٹس میں تیراکی کے بعد آتے ہیں تو پہلے گھر آیا کریں، لباس تبدیل کرنے کے بعد پھر بدرا الدین کو تیغ زنی اور تیراندازی کی مشق کرایا کریں۔ اب آپ پہلے مکان کے اندر جائیے، یہ لباس اتار کر دوسرا لباس پہنیں۔ اس کے بعد قاصد سے گفتگو کریں۔“

زین الدین نے ارطالیس کی بات مان لی۔ اپنے مکان میں چلا گیا جبکہ ارطالیس آگے بڑھ کر اپنے مکان میں داخل ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد لباس تبدیل کرنے کے بعد زین الدین، قاضی ابوسعید کے ہاں داخل ہوا۔ ارطالیس اس وقت سامنے والے کمرے میں کھڑی زین الدین کو دیکھ رہی تھی۔ زین الدین تیزی سے چلتا ہوا صدر دروازے کے قریب ہی دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی حلب سے آنے والا قاصد اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر زین الدین اس سے گلے ملا، اس کے قریب ہی بیٹھ گیا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز! بتاؤ میرے محترم میرے مربی عماد الدین کی طرف سے کیا پیغام لے کر آیا ہے؟“

اس موقع پر قاصد کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ زین الدین، قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ نے فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کو بھی بلالیتا تھا۔“

اس پر قاضی ابوسعید مسکراتے ہوئے بولے اور کہنے لگے۔

”بیٹے میں نے ان دونوں کو بلایا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ابھی آنے والے ہوں گے۔“

یعنی اسی لمحہ صدر دروازے پر عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق داخل ہوئے اور زین

الدین کے قریب ہی آ بیٹھے تھے۔ پھر حلب سے آنے والے قاصد نے کہنا شروع کیا۔

”آپ جانتے ہیں اٹارب کبھی مسلمانوں کا بڑا مضبوط اور مستحکم قلعہ ہوتا تھا اور مسلمانوں کے دور میں اکثر لوگ کہتے تھے کہ یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر ہے۔ اس قلعے پر چونکہ صلیبیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور وہاں صلیبیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ چنانچہ وہ لشکر گاہے گاہے اٹارب سے نکل کر آس پاس کے قصبوں اور چھوٹے شہروں کے علاوہ آبادیوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہے۔ لوٹ مار برپا کرتا ہے اور انہوں نے ایک طرح سے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔“

چنانچہ ان مسلمانوں کے سرکردہ افراد کا ایک وفد سلطان عماد الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی روداد پیش کی، جس پر سلطان نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ قلعہ اٹارب پر حملہ آور ہو کر نام صرف قلعے پر قبضہ کرے گا، بلکہ قلعے میں جس قدر صلیبی ہیں جو مسلمانوں پر مظالم کرتے ہیں ان سب کا قلع قمع کر کے رکھ دے گا۔

سلطان عماد الدین کا آپ کے نام یہ پیغام ہے کہ آپ جس قدر لشکر لے کر سلطان کے پاس پہنچ سکتے ہیں پہنچ جائیں، تاکہ سلطان کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو اور قلعہ اٹارب کو فتح کرنا آسان اور سہل ہو جائے۔ بس فی الوقت میرے پاس یہی پیغام ہے جو میں نے آپ سے کہہ دیا ہے۔“

آنے والا قاصد جب خاموش ہوا، تب زین الدین کہنے لگا۔

”میرے عزیز! تو صرف ایک دن اور رات یہاں قیام کر میں ذرا اپنی تیاریاں مکمل کر لوں۔ اپنے حصار کے استحکام اور تحفظات کو بھی آخری شکل دوں اس کے بعد میں تمہارے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔“

اس پر قاصد کہنے لگا۔

”امیر زین الدین آپ جس وقت چاہیں آئیں۔ لیکن میں یہاں رکوں گا نہیں۔ ایک منزل پیچھے میں کافی آرام کر چکا ہوں، سستا چکا ہوں۔ لہذا پیغام پہنچانے کے بعد میں ابھی اور اسی وقت واپس جاؤں گا اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا یہ پیغام دوں گا کہ سلطان کا پیغام ملنے کے بعد آپ ایک لشکر لے کر سلطان کے پاس پہنچنے والے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاصد رکا۔ پھر بڑی عاجزی میں کہنے لگا۔

”آپ سب سے میری گزارش ہے میرے روکنے پر ضد نہ کیجئے گا۔“ اس پر زین الدین نے جب اسے جانے کی اجازت دے دی، تب وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ زین الدین عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسے باہر تک چھوڑنے کیلئے گئے۔ وہ قاصد اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

قاصد کو رخصت کرنے کے بعد زین الدین، عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق پھر اپنے قاضی ابوسعید کی رہائشگاہ میں داخل ہوئے اور دیوان خانے میں قاضی ابوسعید کے پاس جا بیٹھے تھے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر زین الدین نے گفتگو کا آغاز کیا اور باری باری عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! میں فیصلہ تم دونوں پر چھوڑتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تم دونوں میں سے ایک میرے ساتھ جائے اور دوسرا یہاں رہ کر اپنے حصار کی حفاظت کا اہتمام کرے۔ اس لئے کہ میرے یہاں سے کوچ کرنے کے بعد ہو سکتا ہے دشمن ہماری نقل و حرکت پر نگاہ رکھے اور حصار پر حملہ آور ہو کر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ساتھ ہی ایک قاصد ابھی شیراز کی طرف بھجوا دو اور اسامہ کو اطلاع کر دو کہ میں عماد الدین کے پیغام پر لشکر کا ایک حصہ لے کر حلب کا رخ کر رہا ہوں اور میری غیر موجودگی میں وہ بھی چوکس اور مستعد رہے۔“

لمحہ بھر کیلئے زین الدین رکا۔ دوبارہ دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اب دونوں مل کر فیصلہ کرو کس نے میرے ساتھ جانا ہے اور کس نے یہاں رہنا ہے؟“

اس پر عدنان بن ہاشم بولا اور کہنے لگا۔

”امیر میں اور فضل بن اسحاق کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ آپ ہمارے امیر اور سپہ سالار ہیں۔ آپ جس کا نام لیں گے وہ آپ کے ساتھ جائے گا اور جس کو حصار کی حفاظت پر مقرر کریں گے اسے یہاں رہتے ہوئے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

عدنان بن ہاشم جب خاموش ہوا، تب جواب طلب سے انداز میں زین الدین فضل بن اسحاق کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فضل بن اسحاق پہلے ہی بول اٹھا۔

”امیر میرے بھائی عدنان بن ہاشم نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے لئے آخری ہے اس پر عمل

کیا جائے گا۔“

فضل بن اسحاق کی اس گفتگو سے زین الدین خوش ہو گیا تھا، پھر کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیوں! اگر تم بخوشی سارا معاملہ مجھ پر چھوڑتے ہو تو پھر سنو عدنان بن ہاشم میرے ساتھ جائے گا۔ فضل بن اسحاق میرے بھائی تم حصار کی حفاظت کرو گے۔ میں جانتا ہوں تم حفاظت خوب کرو گے۔“

زین الدین کے اس فیصلے پر عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے زین الدین کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر اپنے مستقر کی طرف چلو تمہارے پیچھے پیچھے میں بھی آتا ہوں۔ میں قاصد سے ملنے کیلئے جلدی میں ادھر آ گیا ہوں۔ واپس جا کر اپنا پنکا باندھتا ہوں پھر تمہاری طرف آتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی زین الدین اٹھ کھڑا ہوا۔ عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق بھی اٹھے۔ وہ دونوں تو مستقر کی طرف چلے گئے جبکہ قاضی ابوسعید کے ہاں سے نکل کر زین الدین اپنے مکان میں داخل ہوا تھا۔

جب وہ سامنے والے کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا اپنے بستر پر بیٹھا بدرالدین رو رہا تھا اور خوبصورت ارطالیں اسے اپنے ساتھ لپٹائے ڈھارس اور تسلی دے رہی تھی۔

بدرالدین کی اس حالت پر زین الدین چونکا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے بدرالدین کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر بڑی محبت اور چاہت میں کہنے لگا۔

”بیٹے کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو؟“

بدرالدین کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ فی الفور وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ لہذا اس کی ترجمانی کرتے ہوئے ارطالیں بول اٹھی۔

”جس وقت آپ قاصد کے علاوہ عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے میں یہاں آ گئی، جب میں یہاں آئی تو میں نے دیکھا بدرالدین اپنے بستر پر بیٹھا رو رہا تھا۔ میں بڑی پریشان ہوئی، اسے ڈھارس تسلی دی۔ جب اسے پیار کرتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں رو رہا ہے۔ کیا تمہارے عم نے تم سے کوئی زیادتی کی ہے؟ کسی نے تمہیں ناجائز

جھڑکا ہے۔ اس پر اس نے نفی میں گردن ہلائی، ساتھ ہی اپنی روتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔“

”آج مجھے میری ماں بہت یاد آ رہی ہے۔“

ارطالیں سے یہ الفاظ سن کر زین الدین بالکل بچھ کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر تک بول نہ سکا۔ آخر زمین کی ٹنگی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ اس کے اس طرح بیٹھنے پر ارطالیں چونکی اور کہنے لگی۔

”امیر آپ یہ کیا کر رہے ہیں آپ مسہری پر بیٹھیں۔“

اس پر دکھ بھرے انداز میں زین الدین کہنے لگا۔

”مسہری میرے لئے حرام ہے۔“ پھر وہ بدرالدین کے گال پھینکتے ہوئے اسے تسلی

دینے لگا۔ تھوڑی دیر تک بدرالدین سنبھلا، پھر غور سے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”عم مجھے واقعی آج میری ماں بہت یاد آ رہی ہے۔ اے میرے عم! میرے باپ کبیر کیسے

انسان تھے؟“

بدرالدین کے ان الفاظ پر زین الدین ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ پھر سنبھلا اور کہنے لگا۔

”بدرالدین تیرا باپ کبیر الدین میرا بڑا بھائی تھا۔ وہ مجھ سے ایسی محبت کرتا تھا، جس کی کوئی

مثال نہیں دی جاسکتی۔ وہ تمہاری ماں کو بھی بہت چاہتا تھا۔ تم کو بھی بڑا پیار کرتا تھا، پر ہائے حیف

دشمنوں نے اسے میرے دوسرے بھائی مجدد الدین ہمارے ماں باپ تک کو ہم سے چھین لیا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر ارطالیں بھی اداس ہو گئی تھی، پھر کہنے لگی۔

”امیر جس وقت آپ حلب یا موصل میں تھے۔ آپ کی غیر موجودگی میں نصرائیوں نے

آپ کی بستی پر حملہ کیا تو واپس آ کر آپ کی بستی کی کیا حالت تھی؟“

اس پر دکھ بھرے انداز میں زین الدین کہنے لگا۔

”بستی کو انہوں نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر تھے۔ بستی کے اندر دھول

اور راکھ اڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے ماں باپ اپنے بھائیوں اور بدرالدین کی ماں کی لاش کو بڑا

تلاش کیا، لیکن مجھے ان کی لاشیں کہیں نہیں ملیں۔ شاید وہاں کے لوگوں نے جلدی جلدی انہیں کہیں

دفن کر دیا ہوگا۔ مقامی لوگوں میں سے جو بچے ان کی مہربانی، ان میں سے کچھ بدرالدین کو اس کے

نصیال لے گئے اور یہ بیخ گیا اور میری خوش قسمتی کہ اب یہ میرے پاس ہے۔“

زین الدین جب رکاب ارطالیں پھر بولی اور کہنے لگی۔

”میں نے سنا ہے آپ کی ماں نے آپ کیلئے سببہ کا رشتہ مانگا تھا۔ سببہ کا باپ اور ماں اس پر راضی تھے، لیکن سببہ نے انکار کر دیا“ کیا یہ درست ہے؟“

مسکراتے ہوئے زین الدین نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

”جو کچھ تم نے سنا ہے ارطالیں حقیقت یہی ہے۔ میں سببہ کو پسند بھی کرتا تھا۔ چاہتا تھا کہ وہ میری زندگی کی ساتھی بنے۔ اس لئے کہ اس کی بڑی بہن سرایا بدرالدین کی ماں اور میرے بڑے بھائی کبیر الدین کی بیوی تھی۔ اس نے بخوشی میرے بھائی سے شادی اور اسلام بھی قبول کر لیا، تاہم سببہ نے مجھ سے رشتہ جوڑنے سے انکار کر دیا۔ مجھے اس کا دکھ نہیں ہوا، اس لئے نہ ہر لڑکی کو آزادی ہے کہ وہ شادی اپنی مرضی اپنی منشا کے مطابق کرے۔ چنانچہ سببہ نے اپنا حق خوب استعمال کیا۔ پھر زین الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی کمر کا چرمی پنکا جس میں اس کی تلواریں اور خنجر لگے ہوئے تھے ڈھال پیٹھ پر لٹائی، اس کے بعد بدرالدین کو حجاب کر کے کہنے لگا۔

”بدرالدین میرے بیٹے میں ذرا مستقر کی طرف جارہا ہوں۔ لشکر کے ایک حصے کو مستعد کرنا ہے۔ اس لئے کہ وہ حصہ میں اور عدنان بن ہاشم لے کر کل سلطان عماد الدین کے بلاوے پر حلب کی طرف کوچ کر جائیں گے۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر بدرالدین چونکا اور کہنے لگا۔

”اے عم کیا میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا؟“ زین الدین نے بدرالدین کے سر پر ہاتھ رکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”بیٹے تم یہیں رہو گے۔ ابھی تم چھوٹے ہو ذرا بڑے ہو گے تو ایک تو تمہاری عسکری تربیت

مکمل ہو جائے گی اس کے بعد میں بخوشی تمہیں لشکر میں اپنے ساتھ لے جایا کروں گا۔“

زین الدین کے خاموش ہونے پر اس بار بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ارطالیں بول اٹھی تھی۔

”امیر کیا وہ لشکر جسے آپ اپنے ساتھ لے کر حلب کی طرف روانہ ہو رہے ہیں اس میں، میں شامل نہیں ہو سکتی۔ میں حرب و ضرب کے فن سے آگاہ ہوں اور جنگوں میں حصہ لے سکتی ہوں۔“

زین الدین نے اس موقع پر ارطالیں کی طرف بڑے غور سے دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”ارطالیں تم کیسے لشکر میں شامل ہو سکتی ہو۔ اس لئے کہ لشکر میں کوئی عورت شامل ہے ہی نہیں۔ اگر کوئی عورت شامل ہوتی، تب بھی تم لشکر میں شامل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس لئے کہ لشکر میں حصہ لینے کیلئے صرف وہ عورتیں جاسکتی ہیں جن کے بھائی، شوہر یا باپ جنگ میں حصہ لے رہے ہوں۔“

جواب میں ارطالیں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ زین الدین بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں ذرا مستقر کی طرف جاتا ہوں۔ اس لئے کہ وہاں عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس کے ساتھ ہی زین الدین تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مکان سے نکل گیا تھا۔

اسی روز خوبصورت سببہ اپنے مکان میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کی ماں میکمل باہر سے مکان میں داخل ہوئی۔ جب وہ آگے بڑھ کر سببہ کے پاس بیٹھ گئی، تب سببہ میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں آپ کہاں گئی ہوئی تھیں؟“

اس پر میکمل کچھ انفرادی میں کہنے لگی۔

”بیٹی میں ذرا زین الدین کی طرف گئی تھی۔ وہ گھر پر نہیں تھا۔ میں مستقر ہی میں اس سے ملی۔ دراصل وہ لشکر کو لے کر کل یہاں سے کوچ کر رہا ہے۔“

میکمل کے ان الفاظ پر سببہ چونکی تھی۔ پریشان کن آواز میں کہنے لگی۔

”ماں وہ کہاں جا رہے ہیں؟“

اس پر دکھ بھرے انداز میں میکمل کہنے لگی۔

”بیٹی جس کام کی اس نے ابتداء کر رکھی ہے اس کام کی بہت سی منزلیں ہیں جن کی طرف اسے جانا پڑتا ہے۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ سلطان عماد الدین کا رخ کرے گا۔ اس لئے کہ سلطان

نے اسے طلب کیا ہے۔ سلطان صلیبیوں کے خلاف کسی ہم کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔“

میکمل کے خاموش ہونے پر تھوڑی دیر تک چپ طاری رہی۔ یہاں تک کہ دکھ بھرے انداز میں سببہ بولی اور کہنے لگی۔

”اماں میں آج کل عجیب و غریب کشش میں مبتلا ہوں۔ زین الدین کو کئی بار میں نے مخاطب کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتے۔ میں ان سے کئی بار اپنے رویے کی معافی بھی مانگ چکی ہوں، لیکن ان کا کوئی میری طرف دھیان ہی نہیں ہے۔ جب میں ان سے کوئی سوال کرتی ہوں تو جب وہ جواب دیتے ہیں تو میری طرف منہ نہیں کرتے۔ بدرالدین کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دے دیتے ہیں۔ اماں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس قدر سختی سے مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور مجھ سے اس قدر دور سمٹ جائیں گے اور پھر اماں بدرالدین کی حالت دیکھو وہ مجھے دیکھتے ہی بدک جاتا ہے۔ مجھ سے دور بھاگتا ہے۔ میری شکل دیکھنے کا روادار نہیں۔ اماں تم اسے تو سمجھاؤ تم کہو تو میں اس سے بھی معافی مانگ لوں گی۔ اس لئے کہ میں نے اس سے بھی زیادتی کی ہے۔ لیکن نہ وہ میرے قریب آتا ہے نہ میرے پاس بیٹھتا ہے۔

اماں یہ زین الدین کب تک میرے لئے اس حالت میں رہیں گے۔ کب تک مجھ سے ناراض رہیں گے۔ میں انہیں اپنا ناچا ہتی ہوں لیکن جس قدر ان کے نزدیک ہوتی ہوں اتنا ہی وہ مجھ سے دور بھاگتے ہیں کیا.....“

یہاں تک کہتے کہتے سب سے کورک جانا پڑا۔ اس لئے کہ دکھ بھرے انداز میں میکمل بول اٹھی تھی۔

”بیٹی پہلے اپنے ماضی کے شب و روز پر نگاہ ڈال۔ زین الدین کی ماں نے جو تمہاری سگی پھوپھی کی تھی تمہارا رشتہ زین الدین کے لئے مانگا تھا۔ اگر تم ہاں کر دیتیں یہ رشتہ ہو جاتا۔ تو یاد رکھنا تمہارے لئے سکھ و طمانیت کے سنہری آستانوں میں لعل و بدخشاش کی بارش ہو جاتی۔ ستاروں سے سچی شام زندگی کی داستاؤں میں تمہارے لئے محبت کے سہانے موسم بکھر جاتے جو ان جذبوں، لغظوں کا کھمراؤ ہو جاتا اور تمہارے دل کے خالی کھنکھول میں سیال زمزمے تمہاری زیست کی خوشبو اور جوت بن جاتے۔ لیکن اس وقت تمہارے دل میں انہونی طغیانیاں اور سینے میں انارہستی کے طوفان جوش مار رہے تھے۔ تم نے اس رشتے سے بڑی سختی اور بے رحمی سے انکار کر دیا۔ تم نے انکار کر کے وقت کے زیاں خانے میں آرزوؤں کے متقل کھڑے کر دیئے۔ اپنے لئے بیتابی سے محروم تاریکیوں، نایافت معافی کی جستجو بکھرے حریف کی تلاش کھڑی کر دی۔ تو نے سنہری سندھیوں کی ردا شمر آور آسودگی اور چاہتوں کے نشانات کو پامال کر کے رکھ دیا۔

بیٹی تمہارے انکار نے زین الدین کی زندگی میں وحشت بھری۔ تنہائیاں، زندگی کی بے کراں مسافتیں بھر کر رکھ دیں۔ نفرت کی اداس رتوں درد کے قلم کو اس کا مقدر بنا دیا۔ رگ رگ میں کڑوی کیلی رتیں اور شوق کی بے کراں وادیوں میں اندھی گہری سوچیں بھر کر اب تم اس کے قریب ہونا چاہتی ہو اس کے دل میں اپنے لئے نفرت اور بیزاری بھرنے کے بعد اب تم گل گل شبنم کے موتی، صدف صدف ابر نیساں تلاش کرنے لگی ہو تو نے رشتوں کے سٹے فاصلوں کو پامال کر کے اور زین الدین کے لبوں کی آغ کی پر چھائیاں چھین کر اسے اداسی کی زرد چادر اوڑھا کر پوچھتی ہو کہ وہ تمہاری طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتا۔ زخموں کی کائنات اس کیلئے کھڑی کر کے اب تم اس کی محبت اس کی چاہت کی طلبگار ہو رہی ہو۔

سنو بیٹی زین الدین اب وقت کی ان گنت الجھی لہروں میں خشک پتوں کے ڈھیر کی مانند ہے۔ تنہائی کے تہ خانوں میں وہ درد و الم کی آگ ہے۔ نفرت کی گھٹی موجوں میں اس کے جذبے پتھر، احساسات تنگ ہو چکے ہیں۔ لہذا محبت بھرے جذبے اور سکون بھرے رشتے اب اس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد میکمل جب خاموش ہوئی، تب کچھ دیر کیلئے سب سے کی گردن شرمندگی و خجالت میں جھکی رہی۔ کچھ سوچتی رہی۔ یہاں تک کہ اپنی نمناک آنکھوں سے اس نے اپنی ماں میکمل کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

”اماں میں مانتی ہوں کہ انہیں مجھ سے بڑے شکوے بڑے گلے اور شکایات ہیں، لیکن اماں یہ بھی تو سوچو وہ تمہاری عزت، تمہارا احترام کرتے ہیں۔ تمہیں ماں کہہ کر پکارتے ہیں۔ کیا ماں ہو کر تم اتنا بھی کام نہیں کر سکتیں کہ زین الدین کو مجھ سے راضی کرادو۔“ اس پر میکمل دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

”تو بڑی بھولی اور کسی قدر بیوقوف بھی ہے۔ بیٹی انسانی جذبے دریا اور ساگر کی لہروں کی طرح ہوتے ہیں۔ جب ان کا رخ مڑ جاتا ہے تو اس کے سامنے بندھ نہیں باندھا جاسکتا۔ تم جانتی ہو زین الدین نے تم کو پسند کیا تھا اور جس وقت اس کی ماں نے تمہارا رشتہ مانگا تھا تو میں نے سنا تھا وہ بڑا خوش تھا۔ لیکن تم نے انکار کر کے ناصر زین الدین کی دل شکنی کی بلکہ تم نے اس محترم خاتون کا بھی دل توڑا، جو تمہاری سگی پھوپھی تھی جو زین الدین کی ماں تھی۔ کیونکہ یہ سارے

واقعات زین الدین کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ لہذا وہ جانتا ہے کہ تم نے صرف اس کی نہیں اس کی ماں کی بھی دل شکنی کی ہے۔ سبتہ شاید وہ بیچارہ اپنی دل شکنی کو تو بھول جاتا۔ لیکن تم نے انکار کر کے جو اس کی ماں کا دل توڑا اور کھنا اس حادثے اس کرب خیزی کو وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ اگر میں نے اس کی منت سماجت کر کے اسے تم سے راضی بھی کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا وہ نہیں مانے گا، بلکہ تمہاری طرح مجھ سے بھی دور ہٹ جائے گا اور میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔

میری بیٹی رہا سوال بدر الدین کا تو وہ میرا نواسا ہے۔ تیرا سگا بھانجا ہے۔ تیری اس بہن کا بیٹا ہے جسے تو بہت چاہتی تھی جس کے بغیر تو کھانا نہیں کھاتی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ تو نے اپنی اسی بہن کے یتیم بچے کو اپنے گھر سے چلا کیا اور زین الدین کو سنانے کیلئے تو نے یہ کہہ دیا کہ بدر الدین کو بھی لے اور یہاں سے لے جائے اور یہاں نہ آیا کرے۔ جب زین الدین کو تو نے اپنے گھر آنے سے منع کر دیا اور بدر الدین کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کیلئے کہا تو پھر نہ زین الدین تجھے اہمیت دے گا نہ بدر الدین تم سے راضی ہوگا۔ بیٹی دن جیسے خاموشی سے کلتے ہیں کاشقی رہو تاہم میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتی ہوں کہ تم گاہے گاہے زین الدین اور بدر الدین سے مل لیا کرو۔ ان دونوں کے کام خود کیا کرو۔ تم جانتی ہو یہ سارے کام آج کل ارطالیں کر رہی ہے۔ ہمیکل جب خاموش ہوئی تب سبتہ بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں ارطالیں حسین اور خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی لڑکی بھی ہے۔ اماں میں جانتی ہوں امیر کے سارے کام وہ خود کرتی ہے۔ مجھے یہاں تک بتایا تھا کہ جب وہ اس حصار میں آئی تھی تو اس سے پہلے امیر پتھریلی زمین پر سویا کرتے تھے اور چھوٹے چھوٹے ٹنکروں کا ایک نکلیہ انہوں نے بنا رکھا تھا۔ یہاں آنے کے بعد ارطالیں نے اس جگہ ریت بچھا دی جہاں امیر سویا کرتے تھے اور ریت ہی کا نرم نکلیہ بھی اس نے ذرا اونچا کر کے بنا دیا۔ اماں میں آپ سے یہ کہوں اگر امیر ارطالیں کی طرف مائل ہوتے ہیں اسے اپنی زندگی کا ساتھی بناتے ہیں تو میں حسد نہیں کروں گی خوشی کا اظہار کروں گی۔ اس لئے کہ زین الدین جو میری پھوپھی کے بیٹے ہیں کم از کم ان کا گھر تو آباد ہوگا۔ اماں! زین الدین اگر کسی سے شادی نہیں کرتے تو یہ ایک بہت بڑا المیہ اور ایک بہت بڑا حادثہ ہوگا۔ اس لئے کہ زین الدین کے بعد صرف بدر الدین اس خاندان کا ایک فرد بچتا ہے۔ اماں میری خواہش یہ ہے کہ جس طرح پہلے یہ خاندان ہنسا بستا تھا۔ اسی طرح پھر اس

خاندان میں بچے ہوں اور یہ خاندان پہلے کی طرح پھلے پھولے۔ اماں میں یہ بھی چاہتی ہوں امیر اپنے بچوں کے اندر بھاگیں، دوڑیں، تھقبے لگائیں۔ لیکن ان کی حالت تم نے دیکھی ایسا لگتا ہے جیسے ان سے کسی نے ان کی مسکراہٹ ہمیشہ کیلئے چھین لی ہو۔ اماں میں انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کروں گی۔ اگر نہ بھی ہوئے تب بھی میں ان کا کام کرتے ہوئے فخر محسوس کروں گی کہ اگر وہ مجھے اپنی بیوی بنا کر میرے ساتھ ایک نئے رشتے کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے تو ان کے ساتھ میرا پہلے سے ایک رشتہ تو ہے ہی میں ان کے ماموں کی بیٹی ہوں اور اسی رشتے کے تحت میں ان کے سارے کام خود کرنے کا کچھ نہ کچھ حق تو رکھتی ہوں۔ اماں اس موقع پر آپ بھی میرا تھوڑا بہت کام کر سکتی ہیں۔ زین الدین آپ کی بات مانتے ہیں۔ بدر الدین بھی آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ کی گود میں آ کر بیٹھتا ہے۔ اماں جہاں آپ بدر الدین کو سمجھا سکتی ہیں وہاں آپ آہستہ آہستہ زین الدین سے بھی کہہ سکتی ہیں کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائیں۔

”مجھے امید ہے کہ وہ اماں تمہاری بات ضرور مان جائیں گے۔“

اس موقع پر میکمل کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ایک گہری نگاہ اس نے اپنے پہلو میں بیٹھی سبتہ پر ڈالی پھر کہنے لگی۔

”بیٹی! جب تو نے میری بات نہیں مانی جو میری سگی بیٹی ہے تو زین الدین میری بات کیسے مانے گا جو میرے شوہر کا بھانجا ہے۔“

شکایت بھرے انداز میں سبتہ نے میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”میں نے آپ کی کون سی بات نہیں مانی؟“

میکمل نے سبتہ کی طرف گھورا پھر کہنے لگی۔

”جس وقت زین الدین کی ماں نے زین الدین کیلئے تمہارا رشتہ مانگا تھا اور تم نے انکار کر دیا تھا۔ میں نے تمہیں بہت سمجھایا کہ اس رشتے سے انکار نہ کرو بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ میں نے تمہاری منت بھی کی کہ زین الدین جیسا زندگی کا ساتھ تمہیں کہیں بھی نہیں ملے گا۔ کیا تم نے اس وقت میری بات مانی تھی؟ کیا تو نے اس رشتے کو دھتکار نہیں دیا تھا۔ تمہارے اس دھتکار نے ہی کی وجہ سے یاد کرو یہاں آنے کے بعد جب میں اور تم دونوں زین الدین کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور تم نے زین الدین سے اپنے رویے کی معافی مانگی اور اس کی زندگی کا ساتھی بننا

چاہا، تب جانتی ہو اس نے کیا کہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جس در سے اسے ایک بار دھتکار دیا جاتا ہے اس در پر وہ دوبارہ دستک نہیں دیتا۔ بیٹی جو کچھ کرتا ہے تمہیں خود کرتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات اپنے دل کے قرطاس پر لکھ رکھو کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گی۔“

سب سے تھوڑی دیر کیلئے اداس ہو گئی، پھر کہنے لگی۔

”اچھا اماں مجھے تم سے کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں اپنا معاملہ اپنے رب پر چھوڑتی ہوں۔ میرا خدا جو فیصلہ کرے گا، میں سمجھتی ہوں میرے حق میں وہی بہتر ہوگا۔ اماں امیر نے کل اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ اماں ان کے زادراہ کیلئے کچھ چیزیں نہ ہم تیار کر لیں۔ کھانے پینے کی ایسی اشیاء جو چند دن تک خراب نہ ہوں۔ جب وہ کوچ کریں گے تو میں اور آپ انہیں الوداع کہنے کیلئے جائیں گے۔ جو چیزیں ہم ان کیلئے تیار کریں گے وہ آپ انہیں دینا، میں نہیں دوں گی۔ ہو سکتا ہے میرے دینے پر وہ لینے سے انکار کر دیں۔“

میکل نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر دونوں ماں بیٹی زین الدین کے حلب کی طرف جانے اور آنے والی جنگوں سے متعلق گفتگو کرنے لگی تھیں۔

حسین اور خوبصورت ارطالیں اپنے کمرے میں بیٹھی کسی مذہبی کتاب کا مطالعہ مشعل کی روشنی میں کر رہی تھی کہ ساتھ والے کمرے سے قاضی ابوسعید نے اسے آواز دے کر بلایا۔

اس پر ارطالیں فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب اس نے اپنی مسہری کے ایک طرف رکھ دی۔ اٹھی ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئی اور قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا آپ نے مجھے بلایا؟“

اس پر قاضی ابوسعید نے اثبات میں گردن ہلائی۔ اپنے سامنے ارطالیں کو بیٹھے کیلئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گئی تب قاضی ابوسعید کی آواز گونجی۔

”بیٹی میں نے ایک فیصلہ کیا ہے، پتا نہیں وہ فیصلہ غلط ہے یا درست، میں نے تمہارے متعلق ایک اندازہ لگایا ہے، میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ بیٹی اگر میں زین الدین کے پاس جاؤں اور اسے تمہارے رشتے سے متعلق بات کروں تو کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے۔ دیکھ بیٹی مجھے میرے اس سوال کا کھل کر جواب دینا۔ چکیا ہٹ میں مت رہنا۔ تمہارے اٹھنے بیٹھنے، تمہاری گفتگو سے میں

نے یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ تم زین الدین کو پسند کرتی ہو اب اپنی خواہش اپنے فیصلے کا اظہار کرو۔“ ارطالیں نے اس موقع پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں گردن جھکائے رکھی۔ پھر اس کی جیسی سی آواز بلند ہوئی۔

”بابا آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں انکار نہیں کروں گی۔ میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ میں امیر زین الدین کو پسند کرتی ہوں۔ ان کی زندگی کی ساتھی بننا چاہتی ہوں۔ بابا اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کروں گی۔“

اس پر قاضی ابوسعید اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے اور ارطالیں کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”بیٹی یہ جواب دے کر تم نے گویا میرا دل خوش کر کے دیا ہے۔ اب تو یہیں بیٹھ زین الدین مبتقر کی طرف گیا ہے۔ میں اس موضوع پر وہیں اس سے بات کر کے لوٹتا ہوں۔“

قاضی ابوسعید کے ان الفاظ پر ارطالیں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مسکراہٹ تھی جبکہ قاضی ابوسعید باہر نکل گئے تھے۔

قاضی ابوسعید کے کمرے سے اٹھ کر جانے کے بعد ارطالیں اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اب مطالعہ وہ بھول گئی تھی اور کمرے میں جلتی چھوٹی سی مشعل کی روشنی میں وہ بڑی بے چینی سے قاضی ابوسعید کی واپسی کا انتظار کرنے لگی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد قاضی ابوسعید لوٹے۔ اس حالت میں کہ اداس اور افسردہ تھے۔ گردن ان کی جھکی ہوئی تھی۔ اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے ارطالیں کے کمرے کی طرف گئے۔ ان کی حالت دیکھتے ہوئے ارطالیں خود بھی اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ ارطالیں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور قاضی ابوسعید کو بیٹھے کیلئے کہا۔ قاضی ابوسعید بیٹھے نہیں دکھ بھری ایک گہری نگاہ ارطالیں پر ڈالی۔ پھر کہنے لگے۔

”ارطالیں میری بیٹی میں جس کام کیلئے گیا تھا۔ یوں جانو اس میں ناکام رہا ہوں۔ زین الدین نے تمہارے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔“

یہ الفاظ سن کر ارطالیں چونک سی گئی تھی۔ چہرے پر اداسیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ آنکھوں میں دیریناں آ گئی تھیں۔ یہاں تک کہ اس نے قاضی ابوسعید کو مخاطب کیا۔

”بابا کیا وہ مجھ سے ہی شادی نہیں کرنا چاہتے؟ کیا وہ کسی اور لڑکی کو پسند کرتے ہیں؟“

اس پر دکھ بھرے انداز میں قاضی ابوسعید نے پھر کہا شروع کیا۔

”بیٹی وہ کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا جواب یہ تھا کہ میں نے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔ میں نے اسے بڑا سمجھایا، لیکن میری بچی بات بنی نہیں وہ شادی کرنے پر تیار ہی نہیں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاضی ابوسعید رک گئے۔ کچھ دیر تک گہری اداس اور ویرانیاں بھری خاموشی طاری رہی۔ دونوں اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ ارطالیس نے قاضی ابوسعید کو مخاطب کیا۔

”بابا اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا اس موضوع پر میں خود براہ راست امیر سے بات کر سکتی ہوں۔“

اس پر قاضی ابوسعید خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

”بیٹی میری طرف سے تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ اگر تم براہ راست اس سے گفتگو کرو اسے اس شادی پر رضامند کر لو تو میں سمجھتا ہوں اس میں جہاں میری خوشی ہوگی، وہاں تمہاری بھی خوش بختی اور سعادت مندی پنہاں ہوگی۔“ اس کے ساتھ ہی قاضی ابوسعید اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے، جبکہ ارطالیس اس موضوع پر زین الدین سے بات کرنے کیلئے اپنے مکان سے نکلی تھی۔



ارطالیس جب اپنے مکان سے باہر نکلی تو اس نے دیکھا رہائشی مکانات کے سامنے زین الدین عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق تینوں کچھ دوسرے سالاروں کے ساتھ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے دریائے اورنس کی طرف جو بلند کوہستانی سلسلہ تھا، اس کے اوپر جو برج بنے ہوئے تھے ان کی طرف چلے گئے تھے۔ لہذا ارطالیس بیچاری مایوس اور اداس ہو کر لوٹی اور اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

رات کا کافی حصہ زین الدین نے اپنے سالاروں کے ساتھ اپنے برجوں کا جائزہ لینے پر ہی گزارا جس کی بناء پر ارطالیس کو اس موضوع پر اس سے گفتگو کرنے کا کوئی موقع نہ ملا۔ اگلے روز جب لشکر کوچ کرنے کیلئے تیار ہو گیا، لشکر کے آگے زین الدین عدنان بن ہاشم اور کچھ دوسرے چھوٹے سالار تھے۔ ایک طرف فضل بن اسحاق دوسرے سالاروں کے ساتھ انہیں الوداع کرنے کیلئے کھڑا تھا۔ ان کے ساتھ قاضی ابوسعید، مفتی احمد بن قاسم بدر الدین بھی کھڑے ہوئے تھے۔ اس موقع پر ارطالیس کچھ سامان اٹھائے زین الدین کے گھوڑے کے پاس آئی اور اس کی خربچین میں کچھ چیزیں ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر اس میں آپ کیلئے زادراہ ہے۔ اس میں خشک چیزیں ہیں جو چند دن تک خراب نہیں ہوں گی۔ میری دعا ہے کہ جس مہم پر آپ نکل رہے ہیں خداوند قدوس اس میں آپ کو کامیاب کرے۔“

اس کے بعد ارطالیس ہلٹی عدنان بن ہاشم کے پاس آئی۔ اس کے گھوڑے کی خربچین میں بھی زادراہ ڈالا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”ابن ہاشم! میرے بھائی! آپ دونوں اس حصار کیلئے کھکشاں کا درجہ رکھتے ہیں۔ میں

ساتھ ہی مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ آج کل یہ شہر کھنڈر پڑا ہے، مگر قریب میں اس نام کا ایک قصبہ اب موجود ہے۔ اثارب یا اثارب حلب سے ایک دن اور اٹھا کیہ سے دو دن کی مسافت پر تھا۔

اثارب میں صلیبوں کا جو لشکر تھا۔ اس کے حوصلے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ پہلے تو وہ اثارب کے ارد گرد جو مسلمانوں کے شہر اور بستیاں تھیں انہیں بے دریغ اپنا ہدف بناتے رہے تھے۔ اب جب انہیں پتا چلا کہ سلطان عماد الدین ان کی ان زیادتیوں ان کے ان مظالم اور جبر و ستم کا انتظام لینے کیلئے اپنے لشکر کے ساتھ اثارب کا رخ کئے ہوئے ہیں تو انہوں نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دی، بلکہ اثارب کے صلیبی حاکم نے اپنے لشکر کو استوار کیا اور اثارب شہر اور قلعے سے باہر اس نے سلطان عماد الدین کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

لہذا عماد الدین زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ جب اثارب کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے اثارب کا لشکر ان سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ جو نبی مسلمان وہاں پہنچے اثارب والوں نے نعرے بلند کرتے ہوئے مسلمانوں پر اپنا رعب اور خوف طاری کرنا چاہا۔ ساتھ ہی انہوں نے مسلمانوں سے ٹکرانے کیلئے اپنی صفیں بھی درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

عماد الدین نے بھی زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ مل کر اپنا پڑاؤ درست کیا۔ پورے لشکر کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ عماد الدین نے جو وہ حلب سے لے کر آیا تھا اپنی کمانڈری میں رکھا اور اپنے نائب کی حیثیت سے حلب ہی کے چند سالاروں کو اس نے اپنے حصے میں رکھا تھا، جبکہ جو لشکر زین الدین اور عدنان بن ہاشم لے کر آئے تھے وہ انہی کی کمانڈری میں رہنے دیا گیا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کے لشکر کے دو حصے تھے۔ ایک حلب کا لشکر، دوسرا زین الدین اور عدنان بن ہاشم کا لشکر تھا۔ صلیبوں کے لشکر میں کچھ دیر تک ہولناک نعرے اور دل خراش سی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ اس کے بعد اثارب کے حاکم اور سالاروں نے اپنے لشکر کو سحرائی رات کی گہری خاموشیوں میں اچانک ابھرتے شام کے ماتی سایوں، محدودیت کے لمحوں میں سمٹی ویران دیولانوں کی سنگینیوں کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے لشکر پر کھیتوں کی مٹی کو ذرہ ذرہ کرتے، کھلیانوں کے ڈھیر کو ٹکا جٹکا کرتے، مرگ کے طویل سلسلوں

نے کچھ زور اہ تیار کیا تھا، کچھ امیر کو دیا ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ دونوں اپنی مہم سے کامیاب اور کامران لوٹیں۔“

جواب میں عدنان بن ہاشم مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ارطالیس میری بہن تو ایک ہمدرد اور نرم دل بہن ہے۔ تیری دعائیں یقیناً قبول ہوں گی۔ میں اور امیر یقیناً کامیاب لوٹیں گے۔ میری بہن دیکھ تیرے رشتے سے متعلق قاضی ابوسعید نے میری اور فضل بن اسحاق کی موجودگی میں بات کی تھی۔ فی الحال امیر نے اس رشتے سے انکار کر دیا ہے پر تو دل شکنی کا شکار نہ ہونا۔ اس مسکن میں دیکھ تیرے ان گنت بھائی ہیں، وہ تجھے مایوس تو نہیں ہونے دیں گے۔ میری بہن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں فضل بن اسحاق، قاضی ابوسعید، احمد بن قاسم، امیر زین الدین کو ایک نہ ایک دن تم سے شادی کرنے پر تیار کر لیں گے۔“

عدنان بن ہاشم کی اس گفتگو سے ارطالیس خوش ہو گئی تھی۔ اس کا شکاریہ ادا کیا۔ پھر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ عین اسی وقت ایک طرف سے میکمل اور سبیتہ بھی دونوں ماں بیٹی آئیں۔ میکمل نے بھی کچھ سامان زین الدین کے گھوڑے کی زین سے باندھا۔ سبیتہ بھی پاس کھڑی رہی۔ زین الدین نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد زین الدین نے قاضی ابوسعید سے اجازت لی۔ جب قاضی ابوسعید نے اثبات میں گردن ہلائی، تب ایک ساتھ زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ حلب کی طرف جانے کیلئے اپنے حصار سے نکل گئے تھے۔

زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر جب حلب پہنچے تو سلطان عماد الدین نے شاندار انداز میں ان کا استقبال شہر سے باہر نکل کر کیا۔ سلطان نے ایک دن اور ایک رات زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے لشکر کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد سلطان زین الدین اور عدنان بن ہاشم دوسرے سالاروں کے ساتھ لشکر لے کر اثارب کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ اثارب یا اثارب کو صلیبی کریپ کے نام سے بھی یاد کرتے تھے۔ یہ حلب سے تقریباً نو میل اٹھا کیہ کے راستے میں بڑا مشہور مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ ساتھ ہی مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ قلعے کا نام ثرب سے نکلا ہے جس کے معنی بکری کی چربی کی جمع ہے۔

اجل کی تختیاں لکھتے، آندھیوں کی سلوٹوں سے اٹھتے پڑ جوش بگولوں اور واہموں کے سانپوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اپنے کام کی ابتدا کرنے سے پہلے مسلمانوں کے متحدہ لشکر نے صداؤں کے ہجوم میں بشری تقدیر بدل دینے والے عناصر اور وقت کی دور بین نگاہوں، صوت و معانی کے پیرا بن بدل دینے والے فطرت کے خشمکین عناصر کی طرح بکسیریں بلند کی تھیں۔ ان بکسیروں نے رزم گاہ کے ہر ذرے کو دھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سلطان عماد الدین اور زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اپنے لشکر کو لحوں کو زنجیر، دل کو شکن شکن، جبین کو خون کے آلود کر کے طوفانوں سے لڑنے، بجلیوں سے کھیلنے والی موت کی تمازت اور کرب کے تلاطم کی طرح آگے بڑھایا تھا، پھر مسلمان مجاہد اور لشکری صلیبوں پر ہر شے کی ذات کی دہلیز پر خون کی آندھیاں کھڑی کرتے حوصلوں کے ثبات وقت کے طوفانوں کے غبار میں سر پر موت بن کر کھیل جانے والی بے باک مشعلوں کی طوفانی یورش اور صحرا میں اٹھنے والی آندھیوں اور آسمان سے برستی آگ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے رزم گاہ کے اندر فراموشی کے لحوں میں نفرت کے جہنم آباد ہونا شروع ہو گئے تھے۔ شاخوں کو بے برگ اور بے شردق نموکو بے اثر زندگی کے حصار کو کرب کی دھوپ کی سی کیفیت میں تبدیل کرنے والے الحاحات میدان جنگ میں ناچ اٹھے تھے۔

کچھ دیر تک اثارب شہر سے باہر ہولناک ٹکراؤ ہوتا رہا۔ صلیبوں کو پکی پختہ امید تھی کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کو ہپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن جوں جوں وقت گزرنے لگا توں توں صلیبوں کی امیدیں اور ان کی خواہشیں مرگ میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے اب ان پر دباؤ بڑھاتے ہوئے تیزی سے ان کے لشکر کی تعداد کو کم کرنا شروع کر دیا تھا۔

اثارب کے حاکم اور سالاروں نے جب دیکھا کہ مسلمان تو ان پر بری طرح حاوی ہوتے جا رہے ہیں اور ایک طرح سے اگلے حصے میں انہوں نے ان لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے، تب انہوں نے شکست قبول کی، بھاگ کر اثارب کے قلعے میں وہ محصور ہو گئے تھے۔

شہر سے باہر اثارب والوں نے جو بھی اپنی ضرورت کا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس پر سلطان نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان نے اپنے پڑاؤ کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ پھر سلطان نے اپنے

سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کر لیا تھا۔

چنانچہ جب حلب سے آنے والے سالاروں کے علاوہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں سلطان کے خیمے میں گئے، تب سلطان نے پہلے تو اس شاندار فتح اور کامیابی پر سارے سالاروں کو مبارکباد دی، پھر سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میرے بھائیو! میں چاہتا ہوں لشکر کو کم از کم تین دن آرام کرنے اور سستانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اس دوران لشکری تھکاوٹ دور کر کے تازہ دم ہو جائیں گے۔ جو لشکری زخمی ہوئے ہیں ان کی بھی دیکھ بھال کریں گے اور وہ کافی حد تک بحال ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم اثارب شہر کی فسیل پر حملے شروع کر دیں گے، پھر میں دیکھوں گا کہ اثارب کے یہ صلیبی کب تک اپنے آپ کو ہمارے سامنے محفوظ رکھتے ہیں۔ میرے عزیز ساتھیو ایک بات یاد رکھنا یہ صلیبوں کے خلاف ہماری پہلی بڑی ہیم ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہوئے اور اثارب شہر کو ہم نے بزدل قوت، بزدل شمشیر چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا تو پھر یاد رکھنا صلیبوں پر ہمارا ایک خوف رعب اور دبدبہ طاری ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک نہیں اپنے کئی شہر صلیبوں سے نکال کر اپنے قبضے میں کریں گے اور ساتھ ہی جگہ جگہ صلیبوں کو شکست دینے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ گزشتہ سالوں میں جو صلیبوں نے مسلمانوں پر مظالم کئے ہیں ان مظالم کی داستانیں جب میں سنتا ہوں یا جو لوگ ان مظالم کا شکار ہوئے۔ جب وہ میرے سامنے آتے ہیں تب اکثر اوقات میں فیصلہ کرتا ہوں کہ صلیبوں کے جس شہر پر بھی میں حملہ آور ہوں ان کی ساری تعداد کو کاٹ کر رکھ دوں، لہذا جو فیصلہ میں نے کیا ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ تین دن لشکر کو سستانے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ میں اب چاہتا ہوں آپ انھیں لشکر کے کھانے کا اہتمام کریں۔ اس کے بعد لشکر کا ایک حصہ بیدار رہ کر چوکس رہے گا اور پہرہ دیتا رہے گا، تاکہ لشکری آرام کر سکیں۔ اس طرح باری باری پہرے پر جانے والے لشکر بدلتے رہیں گے اور دوسرے آرام کرتے رہیں گے۔“

اس کے بعد سلطان عماد الدین اپنی جگہ سے اٹھنے ہی والا تھا کہ سلطان کا ایک چھوٹا سالار جس کے ذمے پڑاؤ کی حفاظت کے فرائض تھے۔ وہ سلطان کے سامنے آیا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم حلب سے روانہ ہونے سے پہلے آپ نے دشمن پر نگاہ رکھنے کیلئے جو اپنے منبر اور طلائی گرروانہ کئے تھے ان میں سے کچھ پڑاؤ میں داخل ہوئے ہیں۔ ان کے پاس کچھ انتہائی اہم خبریں ہیں اور وہ ابھی اور فی الفور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔“ اس پر سلطان نے خوشی اور طمانیت کا اظہار کیا اور آنے والے سالار کو حکم دیا کہ ان خبروں اور طلائی گرروانہ کو فوراً اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

سلطان کے حکم کے مطابق جب ان لشکریوں کو اس خیمے میں لایا گیا، جب اپنی جگہ سے اٹھ کر عماد الدین اور سارے سالاروں نے ان سے مصافحہ کیا، پھر سلطان بیٹھ گیا۔ باقی سالار بھی بیٹھ گئے۔ آنے والے خبروں کو بھی سلطان نے اپنے قریب بٹھا لیا تھا۔ پھر سلطان نے انہیں مخاطب کیا۔

”میرے عزیز ساتھیو! جو خبریں تم لے کر آئے ہو اب کہو وہ خبریں کیا ہیں ان کی نوعیت اور کیفیت کیا ہے؟“

اس پر آنے والوں میں سے ایک سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”سلطان محترم یروٹلم کے بادشاہ بالڈون کو آپ کے اٹارب پر حملہ آور ہونے کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ لہذا اس نے ایک کافی بڑا لشکر اٹارب کے صلیبیوں کی مدد کیلئے روانہ کیا ہے، جو اٹارب کے نواح میں ہم سے ٹکرائے گا۔“

”ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں کہ بالڈون نے جو اپنا جہاز لشکر اٹارب کے صلیبیوں کی مدد کیلئے بھیجا ہے اس لشکر کے اندر جو سالار ہیں انہوں نے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے اٹارب کے صلیبیوں کو یہ اطلاع دے دی ہے کہ ان کی مدد کیلئے ہم عنقریب پہنچنے والے ہیں۔ لہذا ان کے اس پیغام کی وجہ سے اٹارب محافظ لشکر کے حوصلے پہلے کی نسبت کافی بلند ہو چکے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ منبر جب خاموش ہوا تب سلطان نے اسے مخاطب کیا۔
”پہلے یہ کہو کہ بالڈون کی طرف سے آنے والا لشکر یہاں سے کتنی دور ہوگا اور وہ کب اور کس وقت اٹارب پہنچ سکتا ہے۔“

اس پر وہ منبر کچھ سوچنے لگا۔ پھر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”سلطان محترم! جس رفتار سے وہ اٹارب کی طرف بڑھ رہے ہیں اگر وہی رفتار انہوں نے

قائم رکھی تو میں سمجھتا ہوں کہ آنے والی شب کے پچھلے حصے میں وہ اٹارب کے نواح میں پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

سلطان نے پھر منبر کو مخاطب کیا۔
”ان کی تعداد سے متعلق تم کیا کہتے ہو؟“
منبر نے کچھ سوچا۔ پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ان کی تعداد ہمارے لشکر سے زیادہ ہے۔“

سلطان نے کچھ دیر سوچا، پھر ان خبروں کو جا کر آرام کرنے کیلئے کہا۔ اس پر وہ منبر اٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سلطان تھوڑی دیر گہری سوچوں میں ڈوبا۔ اس کے بعد بولا اور اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! یروٹلم کا بادشاہ بالڈون شاید یہ خیال کرتا ہے کہ جو لشکر اس نے اٹارب کے صلیبیوں کی مدد کیلئے بھیجا ہے۔ اس لشکر کی مدد سے وہ اٹارب شہر کو ہم سے بچالے گا۔ لیکن ہم نے بالڈون اور اٹارب کے صلیبیوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ کتنا بڑا ہی لشکر کیوں نہ لے آئیں۔ اٹارب پر ہم نے ہر صورت میں قبضہ کرنا ہے اور یہ قبضہ ہمارے لئے بڑا ضروری اور لازمی ہو گیا ہے۔ اس کے دو نتیجے نکلیں گے۔“

”اول یہ کہ ہمارے لشکریوں کے حوصلے صلیبیوں کے خلاف بلند ہو جائیں گے۔ دوم یہ کہ جب ہم صلیبیوں سے بزدل قوت یہ شہر اور قلعہ چھینیں گے تو انہیں یہ احساس ہو جائے گا کہ مسلمان یونہی نہیں پڑے رہے، بلکہ وہ بیدار ہیں اور اپنے کام کی ابتدا کر چکے ہیں جس کی بنا پر ان پر ہمارا ایک طرح کا رعب اور دبدبہ طاری ہو جائے گا جو آنے والے دور میں ضرور ہمارے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، کچھ سوچا۔ دوبارہ اپنے لشکریوں کو مخاطب کرنے لگا۔
”اب ہم نے بے یک وقت دشمن کے دونوں لشکریوں سے ٹبنا ہے۔ اٹارب والوں سے بھی اور اس لشکر سے بھی جو یروٹلم کے بادشاہ بالڈون نے اٹارب والوں کی مدد کیلئے بھیجا ہے۔ میں چاہتا ہوں ان دونوں لشکروں کو آپس میں نہیں ملنے دینا چاہئے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان جب خاموش ہوا تب زین الدین سلطان کو مخاطب کر کے

کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اس موقع پر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جو میں کہوں وہ اگر آپ کو پسند آئے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ ورنہ سلطان محترم جو منصوبہ بندی آپ قائم کریں گے وہی ہمارے لئے آخری ہوگی۔“

سلطان نے مسکراتے ہوئے زین الدین کی طرف دیکھا، پھر سلطان کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے میں جانتا ہوں تو جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ حرب و ضرب کے مکتب کا تعلیم یافتہ ہے اور مجھے امید ہے کہ جو تجویز تم پیش کرو گے اس پر عمل کر کے یقیناً ہم دشمن کے دونوں لشکروں کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیں۔ کہو بیٹے تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

سلطان کے ان الفاظ کے جواب میں زین الدین مسکرا دیا، پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ اپنے حصے کے لشکر اور سالاروں کے ساتھ یہیں رہیں جہاں اس وقت ہم نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہوا ہے۔ زین الدین رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

سلطان محترم مجھے اور عدنان بن ہاشم کو اجازت دیں کہ ہم دونوں بھائی اپنا لشکر لے کر آنے والے مخبروں کی رہنمائی میں یر و ظلم کی طرف سے بالڈون کے آنے والے لشکر کا رخ کریں۔ مخبروں کا کہنا ہے کہ وہ جس رفتار سے سفر کر رہے ہیں اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہے تو آنے والی شب کے پچھلے حصے یا صبح کے آس پاس وہ اٹار ب کے نواح میں پہنچیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ابھی تھوڑی دیر تک میں اور عدنان بن ہاشم یہاں سے کوچ کریں۔ کسی بھی مناسب جگہ رک کر آدھی رات کے وقت بالڈون کے آنے والے لشکر کو روک کر اس پر ضرب لگائیں اور ضرب بھی اس پر ایسی لگائیں کہ ان میں سے ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیں اور باقی کو اٹار ب کی طرف آنے کے بجائے واپس یر و ظلم کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیں۔“

زین الدین جب خاموش ہوا تب سلطان نے کچھ دیر تک تو صغی انداز میں زین الدین کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے! تمہاری تجویز بہت عمدہ ہے اور اگر تم دونوں مل کر بالڈون کے لشکر کو شکست دینے اور مار بھگانے میں کامیاب ہو جاؤ تو پھر اٹار ب ہمارے سامنے زیادہ دیر ٹھہر

نہیں سکے گا اور محصور ہو جانے والے لشکر کا خاتمہ کر کے خداوند قدوس نے چاہا تو اٹار ب پر ہم اپنا قبضہ مکمل کر لیں گے۔“

سلطان کے رضامند ہونے کے بعد اس طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق سب سے پہلے مخبر یر و ظلم سے آنے والی شاہراہ پر روانہ کر دیئے گئے تھے، جبکہ عشاء کی نماز کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم بھی اپنے لشکر کو لے کر کوچ کر گئے تھے۔

ایک انتہائی مناسب جگہ جہاں چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ زمین کٹی پھٹی تھی، وہاں زین الدین نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ اس موقع پر عدنان بن ہاشم اور کچھ چھوٹے سالار زین الدین کے پاس تھے۔ زین الدین نے پہلے اپنی آنکھوں پر ہاتھ جماتے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ پھر عدنان بن ہاشم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے بھائی دشمن پر اچانک ضرب لگانے کیلئے اس سے بہتر گھاٹ لگانے کی جگہ شاید نہیں کہیں نہ مل سکے۔ یہاں گھاٹ لگا کر ہم اس شاہراہ کو با آسانی دیکھ سکتے ہیں جس شاہراہ پر سے بالڈون کے لشکر نے آنا ہے اور پھر ہمارے مخبر پہلے ہی ان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اور ان کی آمد سے پہلے وہ ہمیں آگاہ کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا، کچھ سوچا۔ دوبارہ وہ عدنان بن ہاشم کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز بھائی! میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ پہلے وہ سنو اس کے بعد اس میں تم کوئی تبدیلی کرنا چاہو گے تو میرے بھائی اس پر بھی عمل کیا جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا، پھر کہنے لگا۔

”ابن ہاشم میرے عزیز بھائی! لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اسی طرح چھوٹے سالار بھی آپس میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک حصہ میرے پاس دوسرا حصہ تمہارے پاس رہے گا۔ جس جگہ ہم یہاں کھڑے ہیں یہ جگہ بڑی محفوظ اور عمدہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ کٹی پھٹی زمین ہے جہاں بڑی آسانی اور خوبی سے گھاٹ لگائی جاسکتی ہے۔ شاہراہ جو یر و ظلم سے آ رہی ہے وہ قریب ہے۔ میرے عزیز بھائی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تم یہاں گھاٹ لگا لینا۔ میں تھوڑا سا نیچے جا کر یعنی اٹار ب کی طرف ایسی ہی سر زمین میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ

مسلمانوں کے دولشکروں نے ان پر حملہ کیا ہے اور وہ یہ سوچنے پر بھی مجبور ہو جائیں گے کہ جن لشکریوں نے اس سے پہلے ان پر تیر اندازی کی تھی، ہو سکتا ہے وہ لشکری ان دو حملہ آور ہونے والے لشکریوں سے علیحدہ اور مختلف ہوں۔

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ دوبارہ عدنان بن ہاشم کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔
 ”ابن ہاشم میرے بھائی! میں تم پر یہ واضح کر دوں کہ کیونکہ بالذون کا لشکر یروشلم سے آ رہا ہے۔ لہذا وہ اپنے ساتھ خوراک، ہتھیاروں کے ذخائر کے علاوہ بہت سا سامان لے کر آئے گا اور ظاہر ہے وہ سامان ان کے بار برداری کے جانوروں پر لدا ہوگا اور بار برداری کے جانور صرف دو جگہ ہو سکتے ہیں یا تو بار برداری کے جانوروں کو وہ لشکر کے درمیانی حصے میں رکھیں گے یا بار برداری کے جانور لشکر کی پشت پر حرکت کریں گے۔ بہر حال جو بھی صورتحال ہو بالذون کے لشکر کو شکست دینے کے بعد ہم نے اسے یہاں سے اٹار ب کی طرف نہیں جانے دینا، بلکہ واپس بچے کچھ لشکریوں کو یروشلم کی طرف بھاگنے پر مجبور کرنا ہے اور بار برداری کے سارے جانوروں پر قبضہ کرنا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا، سوچا، اس کے بعد عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے بھائی! میں نے جو کہا تھا کہہ چکا، فی الوقت میرے پاس یہی تجویز تھی۔ اس میں اگر کوئی تبدیلی تم کرنا چاہو تو میرے بھائی ایک بڑے سالار کی حیثیت سے تم اس کا حق رکھتے ہو۔“
 رات کی گہری تاریکی میں عدنان بن ہاشم کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر آپ کیسی باتیں کرتے ہیں جو تجویز آپ نے پیش کی ہے میرے عزیز بھائی اس میں مجھے ذرا برابر بھی تبدیلی نہیں کرنی۔ یہی تجویز آخری ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔“ عدنان بن ہاشم کے ان الفاظ پر زین الدین خوش ہو گیا تھا۔ چنانچہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہیں گھات لگا گیا تھا، جبکہ اپنے حصے کے لشکر کو لے کر زین الدین ذرا نیچے کی طرف گیا اور وہاں اس نے بھی ایک نہایت مناسب جگہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گھات لگالی تھی۔

گھات لگاؤں گا۔

اب اس سے آگے کام یہ شروع ہوگا کہ ہم بالکل خاموشی سے دشمن کا انتظار کریں گے۔ گھوڑوں کے منہ ان کے دھانوں سے باندھ دیئے جائیں گے، تاکہ وہ آواز نکالنے یا ہنہانے کی کوشش نہ کریں اور یہ جو کئی پھٹی زمین ہے اس کے اندر گھوڑوں کو کھڑا کر دیا جائے گا، تاکہ شاہراہ پر سفر کرنے والے ہمارے گھوڑوں کو دیکھ نہ سکیں۔

گھات لگانے کے بعد یہاں آدھے لشکر کو تم تیر اندازی سے لیس کر کے گھات میں بٹھا دینا، باقی آدھے لشکر کو بالکل تیار رکھنا۔ جونہی دشمن آئے وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔ میرے عزیز بھائی جب دشمن کے لشکر کا زیادہ حصہ تمہارے پاس سے گزر جائے اور اس لشکر کا پچھلا حصہ تمہارے قریب آ جائے تب سب سے پہلے تم اپنے تیر اندازوں کو حرکت میں لانا۔ وہ موسلا دھار بارش کی طرح دشمن کے لشکر کے پچھلے حصے میں تیر اندازی کریں۔ اس طرح اندھیرے میں دشمن کے کئی لشکری تیروں کا نشانہ بن کر زمین بوس ہو جائیں گے۔ ان کے گھوڑے ادھر ادھر بھاگنے لگیں گے۔ افراتفری کا ایک عالم برپا ہوگا۔ ایسے میں تم لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ بالکل تیار اور مستعد رہنا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں تم سے ذرا نیچے ہوں گا۔ جب دشمن کے لشکر کا اگلا حصہ میرے پاس آئے گا تو تمہاری طرح میں بھی اپنے آدھے لشکر کے ساتھ ان پر تیر اندازی کروں گا۔ اس طرح جہاں پشت پر تمہارے لشکریوں کی تیر اندازی کی وجہ سے دشمن کے لشکر کے اندر بد نظمی پھیلے گی۔ اسی طرح میرے ساتھیوں کی تیر اندازی سے دشمن کے لشکر کے اندر الجھل اور افراتفری برپا ہو جائے گی اور اسی سے ہم نے فائدہ اٹھانا ہے۔“

”چنانچہ جب یہ دیکھا جائے کہ تیر اندازی سے دشمن کا کافی نقصان ہوا ہے، تب پھر تیر انداز بھی فوراً اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جائیں اور تم اپنے پورے لشکر کے ساتھ دشمن کے لشکر کے پچھلے حصے پر حملہ آور ہو جانا، چونکہ دشمن کے لشکر کی پہلے ہی تیر اندازی کے باعث بدحواس ہو رہے ہوں گے اور جب تم گہری تاریکی میں ان پر زوردار حملے شروع کرو گے تو ان پر ایک خوف ان پر ایک لرزہ طاری ہو جائے گا۔ اتنی دیر تک دشمن کے لشکر کے اگلے حصے پر میں بھی ایسی ہی کارروائی شروع کر چکا ہوں گا۔ اس طرح دشمن کے لشکریوں کے دل میں یہ خوف دوچند ہو جائے گا کہ

رات رسد گاہ چشم اندھیرے غم آلود غاروں شب و روز کی اسیر ساعتوں کو زندگی کے خاموش
نفس اور زمین پر منزلوں کے نشانات کو تھپتھاتی سلاقی اپنی منزلوں کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔
زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر گھات لگا چکے
تھے۔ ایسے میں دو گھڑ سوار زین الدین کے پاس آ کر رکے۔ یہ وہ مجرب تھے جنہیں لشکر کی روانگی سے
پہلے یروشلم کی شاہراہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ ان کی آمد پر زین الدین نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر زین
الدین انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے بھائی تمہارے پاس کوئی دشمن کے متعلق خبر ہو تو کہو۔“

اس پر ان میں سے ایک مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر ہم دشمن کے لشکر کے تھوڑے آگے آگے رہتے ہوئے بائیں جانب دور دراز سفر کرتے
رہے ہیں۔ دشمن کا لشکر اب یہاں سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر ہوگا اور تھوڑی دیر تک وہ
یہاں پہنچے گا۔“

اس پر زین الدین بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اگر یہ معاملہ ہے تو واپس جاؤ تھوڑا سا آگے عدنان بن ہاشم نے.....“

زین الدین کو رک جانا پڑا اس لئے کہ وہ مجرب بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”امیر ہم کیونکہ ادھر سے آئے ہیں جو خبر ہم نے آپ سے کہی ہے وہ عدنان بن ہاشم سے
کہنے کے بعد ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔“

اس پر زین الدین کے کہنے پر وہ دونوں مجرب بھی گھات میں چلے گئے تھے۔ یروشلم کی طرف
سے آنے والی شاہراہ پر بالذون کے لشکر کا انتظار کرنے لگے تھے۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ بالذون کا لشکر اس شاہراہ پر نمودار ہوا اور عدنان بن ہاشم کے
سامنے سے گزرنے لگا۔ چونکہ بالذون کے لشکر میں ان گنت گھوڑے اور بار برداری کے فخر تھے۔

لہذا انہیں یہ احساس نہ ہوسکا کہ شاہراہ کے قریب ہی کوئی لشکر گھات لگائے بیٹھا ہے۔ چنانچہ جب
ان کے لشکر کا پچھلا حصہ عدنان بن ہاشم کے قریب پہنچا، تب ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ عدنان بن
ہاشم کے آدھے لشکر نے کچھ اس تیزی اور تواتر کے ساتھ تیر اندازی کی کہ دشمن کے لشکر کے پچھلے

حصے میں ایک ہلچل اور افراتفری برپا ہو کر رہ گئی تھی۔

یہ صورت برپا کرنے کے بعد عدنان بن ہاشم کے حکم پر وہ سارے تیر انداز لشکر کے دوسرے
حصے کی طرح اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے۔ اپنے ترکش اپنی کمائیں انہوں نے اپنے گھوڑوں
سے باندھ لی تھیں۔ اسی لمحہ لشکر کے اگلے حصے پر عدنان بن ہاشم ہی کی طرح زین الدین کی طرف
سے بڑی تیز تیر اندازی کی گئی۔ جس سے بالذون کے لشکر کے ناصر گھوڑے ڈھی ہوئے بلکہ ان
مکت لشکر بھی چھپر کر رہ گئے۔ اس کے بعد زین الدین کے بھی وہ تیر انداز اپنے گھوڑوں پر سوار
ہو گئے تھے پھر پشت کی جانب سے عدنان بن ہاشم نے اپنے کام کی ابتدا کی۔

اس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ پھر وہ بالذون کے لشکر پر قدیم خونیں سوچوں کی ہل سے
نکل کر صحرا صحرا پھیلی کھرتی آگ، لمحہ لمحہ پھیلی خاردار بدی کے ورق ورق کو حقیر کرتے طوفانوں
بد اخلاقی کے ضابطوں، اندھے کردار کی خون خواری کو ان کے آغاز و انجام دونوں سے محروم کرتے
طیش کے انگاروں، شعلوں کی بے روش لپک اور بے آبرو کر دینے والی سلسلی بھٹی کی طرح حملہ آور
ہو گیا تھا۔

بالذون کے لشکر کو جب یہ احساس ہوا کہ ان کے لشکر کے پچھلے حصے پر کسی نے حملہ کیا، تب
اس کے لشکر کا اگلا حصہ بھی عملی طور پر پچھلی سمت کو پلٹا، اتنی دیر تک لشکر کا پچھلا حصہ عدنان بن ہاشم پر
دنیا کے سیاہ خانوں میں زندگی کی ویرانیاں کھڑی کرتی جرم کی اندھی قوتوں، پھیلی بیداری کی
پر چھائیوں میں جاہی کے خیالات کی خم ریزی کرتی، انتہا پسندی کی تصور پرستی کی طرح حملہ آور
ہو گیا تھا۔

لیکن اس لمحہ ان کیلئے ایک اور مصیبت، ایک اور کرب، ایک اور عذاب اٹھ کھڑا ہوا۔ اس لئے
کہ عین اسی لمحہ زین الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ فضائے بسیط میں لاریب کی مہریں لگانے
والے عناصر کائنات کی اندھیری تہوں میں روشنی کے جاگتے لحوں، وقت کی اولوالعزمی کے سیلاب
اور آتش بھرے کرب کی طرح اپنی گھات سے نکلا، پھر وہ دشمن کے لشکر پر ہر ہر ہمنور کھڑے کرتی
وحشت کی پت جھڑو اور اک کے سارے ہی بیچ ادھڑ دینے والے بے روک شوریدہ جذبوں،
مگولوں کے ہجوم، موت کے طمانچے مار کر غم زدہ اور حزیں کر دینے والی خونی فطرت کے خوف بھرے
لحوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ زین الدین کا یہ جان لیوا حملہ بھڑتی آتش کی جوالا اور تقدیر کے
ہولناک عذابوں کی طرح شدید اور سخت تھا۔

رات کی گہری تاریکی میں دونوں لشکریوں کے ٹکرائے کے باعث رنج و غم میں مبتلا کرتا شکر گرسہ ہرنانچ اٹھا تھا پریشان آوازیں بے ہنگم صدائیں، نفس کی خونی بھوک، قلب کی قاتل جو کوہستانی سلسلوں کا جگر چیرتی چیختی کھوٹی آتش چار سوناچ اٹھی تھی۔ جانی کی آگ مایوسی کی گھٹاؤں اور برق خیز موت کے گہواروں نے رزم گاہ کو اپنی پلیٹ میں لے لیا تھا۔

جس وقت جنگ اپنے عروج پر تھی، عین رات کے اندھیرے میں زین الدین کی چیختی چلاتی آواز بلند ہوئی اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! تم لوگ ستم زدہ انسانیت میں بشریت کے حسن ہو آ زادی کی ضمانت شرافت و نجات کی نشانی، اطمینان کی آسودگی ہو۔ متاع لوح و قلم کے امینو! فطرت کے بنا ہوا سنسار کے اس دار فناء میں ہمارا یہ دشمن کالے بخار کی طرح ہمارے روٹکے روٹکے سے لپٹ کر ہماری جانی اور ہماری بربادی کا باعث بننا چاہتا ہے۔“

”میرے عزیز بھائیو! نطق کے زم زموں کی ساحری میں ترانہ ملکوتی، غنائے لاہوتی کے انداز میں خدائے لم یزل کی تکبیریں بلند کرو تم اپنی ملت کی خاموش محبت کا گوہر مسلم امہ کی دہلی دہلی چاہتوں کے جوہر ہو، ماتا کے بحر میں پھیلتی بکھرتی روشنی بہنوں کی دعاؤں کے تقویٰ کی، نشانی ہو۔ میرے بھائیو! اصحاب قبل کے مقابل ابائیلیں بن جاؤ۔ صبح کاذب کے دھندلکوں میں تنہا چمکنے والی امید بھرے ستارے ہو جاؤ۔ میرے ساتھ میرے ہمراہ سوز کی مستی میں رفتار کی لذت میں خداوند مہربان کی تکبیریں بلند کرو۔ مہربان رب تمہاری نصرت اور مدد کرے گا۔ میرے بھائیو! بے پایاں خروش کے ساتھ تہور کے خونی ترانوں کی طرح اپنی آوازوں سے دشمن کے جذیوں کو ہلا کر رکھ دو تاریخ کے حقائق میں تم سطوت اور تمکنت کے مینار ہو، تکبیریں بلند کرو، نعرہ مارو کہ فتح ہماری ہے۔“ زین الدین کے ان الفاظ نے گویا اس کے لشکریوں کے جذبات اور احساسات میں آگ بھڑکا کر رکھ دی تھی۔ انہوں نے اپنے حملوں میں ایسی تیزی پیدا کی کہ بالذون کا لشکر اس شدت کو برداشت نہ کر سکا، شکست اٹھا کر بھاگا۔ چنانچہ رات کی گہری تاریکی میں زین الدین اور عدنان بن ہاشم ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں پوری طاقت اور قوت کے ساتھ لگ گئے تھے اور بڑی تیزی سے ان کی تعداد کو مزید کم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح کچھ دور تک یہ تعاقب جاری رہا۔ یہاں تک کہ بالذون کے لشکریوں میں سے بہت کم کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنا

نصیب ہوا۔

اس کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے سب سے پہلے جنگ میں کام آنے والوں کی تجویز اور تدفین کی اور زخمیوں کی خوب دیکھ بھال کی گئی۔ دشمن کا خچروں پر جو سامان لدا ہوا تھا اس سارے سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ اگلے روز دو پہر تک اپنے لشکر کے ساتھ زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے وہیں قیام کیا۔ اس دوران لشکر نے کچھ سنا بھی لیا۔ زخمیوں کی بھی دیکھ بھال ہو گئی تھی۔ اس کے بعد زخمیوں کو بار برداری کے جانوروں پر لادا گیا، پھر زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر واپس اٹار ب شہر کی طرف ہولے تھے۔

زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے اٹار ب کے نواح میں پہنچنے سے پہلے ہی سلطان عماد الدین کے پاس اس کے جاسوسوں نے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کی شاندار فتح کی خبریں پہنچادی تھیں اور سلطان پر یہ بھی انکشاف کر دیا گیا تھا کہ بالذون کا جو لشکر اٹار ب والوں کی مدد کیلئے آیا تھا۔ رات کی تاریکی میں زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے ناصرف اسے بدترین شکست دی ہے، بلکہ اس کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور بہت کم صلیبیوں کو اپنی جانیں بچا کر یروشلم کی طرف بھاگنا نصیب ہوا ہوگا۔ ساتھ یہ بھی انکشاف کر دیا گیا تھا کہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ہاتھ دشمن کے سامان کے ڈھیر کے علاوہ ان گنت بار برداری کے جانور بھی آئے تھے۔ جن پر سامان لدا ہوا تھا اور اس کے علاوہ بالذون کا لشکر اپنے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں بھی لے کر آیا تھا۔

چنانچہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے فاتح لشکر کو لے کر جب سلطان کے پڑاؤ میں آئے تو سلطان نے ناصرف شاندار انداز میں اپنے سالاروں اور امراء کے ساتھ استقبال کیا، بلکہ سلطان کے لشکر میں اس فتح پر زور دار انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

ان تکبیروں کا اٹار ب کے صلیبیوں پر الٹا اثر ہوا۔ سلطان تو بالذون کے لشکر کا خاتمہ ہونے کی وجہ سے خوشی منا رہے تھے، جبکہ اٹار ب والوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر پہلے لشکر کی مدد کیلئے پہنچ گیا ہے۔ اسی بنا پر پہلا لشکر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نعرے بلند کر رہا ہے۔

اس انکشاف نے ان کے جنگی حوصلوں اور جذیوں کو ماند کر کے رکھ دیا تھا اور انہیں اسی روز

دو پہر سے پہلے دوسرا دھچکا یہ لگا کہ ان کے پاس یہ خبر بھی پہنچ گئی کہ یر و ظلم کے بادشاہ بالڈون کا جو لشکر ان کی مدد کیلئے آیا تھا۔ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ان پر حملہ آور ہو کر اس لشکر کی اکثریت کا خاتمہ کر دیا ہے اور بہت کم صلیبیوں کو بھاگ کر یر و ظلم کی طرف جانا نصیب ہوا ہے اور یہ انکشاف اثارب کے صلیبیوں کیلئے دوسرا دھچکا تھا۔

بہر حال زین الدین اور عدنان بن ہاشم جب سلطان کے پڑاؤ میں داخل ہوئے اور ہاتھ آنے والا سارا سامان بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور سامان سے لدے ہوئے بار برداری کے جانور دکھائے تب سلطان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کچھ دیر تک اپنے سامنے کھڑے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کو بڑی مومنیت سے دیکھتا رہا۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میرے عزیز ساتھیو! جس قدر سامان تم بالڈون کے لشکر کو شکست دینے کے بعد لے کر آئے ہو یہ سارا سامان تمہاری ملکیت ہے۔ اس سامان کو اپنے ساتھیوں میں بانٹ دو اس میں میرے لشکریوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ تاہم پانچواں حصہ علیحدہ کر کے اپنے حصار میں لے جانا اور حصار میں جو تمہارے ضرورت مند لوگ ہیں یہ ان کے کام آئے گا۔“

اس پر زین الدین سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم نے اپنے حصار میں ایک بیت المال بھی بنایا ہے۔ بیت المال کے امیر قاضی ابوسعید مقرر کئے گئے ہیں۔ اس بیت المال میں ہم نے کافی سامان جمع کیا ہے جس سے ہم اپنے حصار کے ضرورت مند لوگوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔“

جواب میں سلطان مسکرایا اور کہنے لگا۔

”جب یہ سامان بھی تمہارے اس بیت المال میں جائے گا تو تمہاری حالت پہلے کی نسبت مضبوط اور مستحکم ہو جائے گی اور پھر یہ جو تم بھیڑ بکریوں کے ریوڑ لے کر آئے ہو یہ بھی تمہارے مسکن کی طرف جائیں گے۔ مستقبل میں یہ بھی تمہاری مالی حیثیت کو مضبوط اور مستحکم کریں گے۔“

سلطان جب خاموش ہوا تب زین الدین نے سلطان کی طرف دیکھا۔ زین الدین چونکہ کافی عرصہ سلطان عماد الدین کے ساتھ رہا تھا۔ لہذا اس کے مزاج سے واقف تھا۔ چنانچہ مزید سلطان کے قریب ہوتے ہوئے زین الدین نے کہنا شروع کیا۔

”سلطان محترم! جو کچھ آپ نے کہا ہے میری اور عدنان بن ہاشم کی سر آنکھوں پر لیکن

سلطان محترم اگر آپ برآمدہ مانیں تو یہ سارا سامان قبول کرنے کیلئے میری ایک شرط ہے۔“

اس پر سلطان مسکرایا اور کہنے لگا۔

”کیسی شرط ہے بیٹے؟“

جواب میں زین الدین کہنے لگا۔

”سلطان محترم مجھے یقین ہے کہ چند روز تک اثارب شہر کو ہم فتح کر لیں گے۔ لہذا یہاں سے مال غنیمت میں جو کچھ ملے وہ سارا آپ کا اور آپ کے لشکریوں کا حصہ ہوگا۔“

اس پر سلطان مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میں تمہاری اس شرط کو قبول اور منظور کرتا ہوں ساتھ ہی میری بھی ایک شرط ہے۔“

اس پر زین الدین اور عدنان بن ہاشم کھل کر مسکرا دیئے آخر زین الدین نے پوچھا۔

”سلطان محترم کیسی شرط.....؟“

اس پر سلطان بڑی اپنائیت اور شفقت میں کہنے لگا۔

”میں چاہتا ہوں کہ اثارب کے بعد صلیبیوں کے دوسرے مضبوط اور مستحکم قلعے حارم کو اپنا

ہدف بنایا جائے۔ اس شہر کو فتح کرنے کے بعد جو مال غنیمت ہمارے ہاتھ آئے گا، بچے وہ بھی

تمہاری اور عدنان بن ہاشم کی ملکیت ہوگا۔“

اس پر زین الدین کہنے لگا۔

”سلطان محترم فی الحال تو ہم اثارب کے سامنے ہیں جب حارم شہر کو فتح کریں گے تو اس

فتح کے بعد ہم مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے اور مجھے امید ہے کہ آپ میرے ان

الفاظ کا برا نہیں مانیں گے۔“

اس پر سلطان مسکرایا۔ بڑی شفقت اور پیار میں باری باری زین الدین اور عدنان بن

ہاشم کے شانے تھپتھپائے اور کہنے لگا۔

”میرے بچو! جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔ میں انصاف چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں تمہارا

مسکن خوب پھلے پھولے اور ایک دن ایسا آئے کہ وہ صلیبیوں کیلئے ایک خطرناک آماجگاہ بن

جائے۔“

یاد رہے کہ سلطان عماد الدین آئین حکومت اور احکام شرع کی پابندی کرنے اور کرانے

میں بڑا سخت گیر تھا۔ کسی بھی صورت یہ برداشت نہیں کرتا تھا کہ اس کا کوئی ماتحت رعایا پر دست ظلم بڑھائے یا کسی معاملے میں بے جا سختی کرے۔ ایک انتہائی اور اعلیٰ درجے کا عادل اور انصاف پسند حکمران تھا۔ وہ سرکاری اہلکاروں اور عسکری سالاروں کی کارروائیوں پر کڑی نظر رکھتا تھا اور ان کو ذاتی جائیدادیں بنانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس نے اپنے لشکریوں کو حکم دے رکھا تھا کہ فصل کو قطعاً کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور کسانوں سے معاوضہ دیئے بغیر چیز نہ لیں۔

اس کا در عدل ہر خاص و عام کیلئے کھلا رہتا تھا اور عدل و انصاف کے معاملے میں وہ مسلم اور غیر مسلم سب سے یکساں سلوک کرتا تھا۔

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان موسم سرما میں جزیرہ ابن عمر گیا۔ اس کے ساتھیوں نے امیر عزالدین بھی تھا۔ وہ بڑی اہم شخصیت کا مالک تھا اور عماد الدین کے نزدیک بے حد محبوب اور محترم تھا اس نے ایک یہودی کے مکان پر باجر قبضہ کر لیا تھا۔

یہودی نے بہت منت سماجت کی۔ لیکن وہ اس کے مکان سے نہ نکلا۔ ناچار اس نے عماد الدین کے پاس فریاد کی۔ اس وقت وہ خود یعنی امیر عزالدین بھی دربار میں حاضر تھا۔ عماد الدین نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ وہ اسی وقت دربار سے اٹھ کر یہودی کے مکان پر گیا اور وہاں سے اپنا تمام سامان نکال لیا۔

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ میرے والد اس موقع پر موجود تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امیر عزالدین کے ملازم کھلے میدان میں جہاں کچڑ اور پانی جمع تھا۔ اس کا خیمہ نصب کر رہے تھے۔

اس کے علاوہ ایک دفعہ سلطان کو اطلاع ملی کہ قلعہ جزیرہ کا قلعہ دار نور الدین حسن بہت بڑا بدکردار ہے۔ اس کے لشکری جب کسی مہم پر باہر جاتے ہیں تو وہ ان کی خواتین پر دست درازی کرتا ہے۔ سلطان نے جب اپنے خجروں سے دریافت کیا تو انہوں نے اس خبر کی تصدیق کی۔ چنانچہ سلطان نے اسی وقت اپنے امیر حاجب کو جزیرہ روانہ کیا کہ نور الدین کو گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا جائے۔ جب وہ گرفتار ہو کر آیا اور اس کا جرم ثابت ہو گیا تو عماد الدین نے حکم دیا کہ اسے خواجہ سراہ بنا دیا جائے اور پھر اس کی آنکھیں نکال کر سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اس عبرتناک سزا سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آئندہ کسی کو خواتین کی عصمت پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو۔

اس کے علاوہ سلطان بلا کا شجاع اور دینی حمیت رکھنے والا حکمران تھا۔ علامہ ابن اثیر لکھتا ہے کہ سلطان کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جو غیرت دینی اور شجاعت و دلیریت کی تھی۔ وہ بہت کم ناموران اسلام کے حصے میں آئی ہے۔ اس کے جوش ایمانی کا یہ عالم تھا کہ وہ لشکریوں کو لڑاتے لڑاتے اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر تنہا دشمن کی صفوں میں جا گھستا تھا اور اپنی شمشیر خارا شکاف سے ان کو کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔

اس کی بے مثال شجاعت اور بے خوفی نے دشمنوں کیلئے اسے ہوا بنا دیا تھا۔ اس کا نام سن کر صلیبیوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اس کے دل میں اسلام پر مر مٹنے کی بچی تڑپ تھی۔ اسی تڑپ اور دینی حمیت نے اسے انتہائی نامساعد حالات میں صلیبیوں کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کیلئے سینہ سپر کر دیا تھا۔

وہ چاہتا تو دوسرے مسلمان امراء کی طرح اپنے علاقے پر مزے سے حکومت کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ اس کی سرحدوں کے آس پاس مسلمانوں پر مصائب اور آلام کی بچی چلتی رہے اور وہ ان سے بے نیاز ہو کر حکومت کے مزے لوٹے۔

اس نے اپنی زندگی کو مسلمانوں کی حفاظت اور اسلام کی سربلندی کیلئے وقف کر دیا تھا اور محض اللہ کے بھروسے سے مہیب طاغوتی طاقتوں سے بھڑ گیا۔ فی الحقیقت اسے میدان جہاد سے عشق تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ.....

”میں ریشمی نرم بستر سے گھوڑے کی پشت کو دکھلاؤں گا۔ جنگ کے شور کو زہرہ جینوں کے شیشے سروں سے ہتھیاروں کی جھنکار کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔“

سلطان سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ رعب اور دبدبے میں کمال کی شخصیت رکھتا تھا۔ نہایت وجہ اور پاکیزہ صورت تھا۔ رنگ سرخی مائل گندمی تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ قد طویل اور بدن پر گوشت تھا۔

رعب اور دبدبے کا یہ عالم تھا۔ کوئی اس کے سامنے بلند آواز میں گفتگو نہ کر سکتا تھا۔ نہ کسی کو اس سے آنکھیں ملانے کی ہمت ہوتی تھی۔ اس کا نام سن کر سرکش اور بدکردار امراء کی بھی روح فنا ہو جاتی تھی۔ ایک طرف وہ اپنے اندرونی حالات درست کرتا تھا تو دوسری طرف عیسائیوں پر پے در پے ضربیں لگاتا تھا۔ کیسے ہی نامساعد حالات کیوں نہ ہوں وہ خوف اور ناامیدیوں کو اپنے پاس

بھی پھٹکنے نہ دیتا تھا۔ یہ اس کی حوصلہ مندی کا ہی نتیجہ تھا کہ معمولی حیثیت سے اٹھ کر ایسی عظیم مملکت کی بنیادالی جو عسکری قوت کا روبرو ترقی اور دوسرے وسائل کی فراوانی کے لحاظ سے خلیفہ بغداد اور سلاطین سلجوقی کی حکومتوں سے ٹکر کھاتی تھی۔

بہر حال سلطان نے رحم دلی اور شفقت سے کام لیتے ہوئے بالڈون کے لشکر سے جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ وہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے حوالے کر دیا تھا اور پھر اپنی غیر موجودگی میں وہ سارے سامان کے چار حصے زین الدین اور اس کے لشکریوں میں تقسیم کر دیئے تھے۔ اس کے بعد سلطان نے ایک دن زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کیا اور اگلے روز صبح ہی صبح اس نے اٹارب پر حملہ آور ہونے کیلئے اپنے لشکر کو استوار کیا۔

اس موقع پر سارے بڑے بڑے سالاروں کا جائزہ لیا۔ پھر سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں چاہتا ہوں اٹارب کو فتح کرنے میں ہم اب زیادہ دن نہ لگائیں۔ میں چاہتا ہوں چاروں طرف سے اٹارب پر ایک طرح کی یلغار کر دی جائے۔ میرے پاس پہلے جو لشکر تھا اس کے بھی دو حصے ہو جائیں گے۔ زین الدین تمہارے لشکر کے پہلے ہی دو حصے ہو چکے ہیں۔ ایک تمہارے پاس دوسرا عدنان بن ہاشم کے پاس ہے۔ اس طرح یہ چاروں حصے پھیل کر اٹارب کے چاروں طرف سے حملہ آور ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس اجتماعی یلغار کے موقع پر جس سالار کے لشکر کو بھی شہر کی فسیل پر چڑھنے کا موقع مل جائے وہ اس سے فائدہ اٹھائے اور اس کے قریب ترین لشکر کا حصہ جب دیکھے کے لشکر کی شہر کی فسیل پر چڑھ گئے ہیں تب وہ بھی اپنا رخ اسی لشکر کی طرف کرے تاکہ فسیل پر چڑھنے والے لشکر پر زیادہ بوجھ نہ بنے۔ کچھ لشکر کی فسیل پر چڑھیں باقی ان کی حفاظت کیلئے نیچے رہتے ہوئے فسیل کے اوپر دشمن کے لشکریوں کے ہاتھوں اپنے فسیل پر چڑھنے والے لشکریوں کی حفاظت کریں۔ ان پر ایسی تیر اندازی کریں کہ وہ اپنا آپ بچانے کیلئے بروجوں میں چھپنے کیلئے مجبور ہو جائیں۔“

سلطان کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد چاروں طرف سے اٹارب پر حملے شروع ہو گئے تھے۔ اٹارب والوں کی بد قسمتی کہ سارے حصے باری باری شہر کی فسیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور فسیل کے اوپر جو شہر کے محافظ تھے انہیں تہ تیغ کرنے کے بعد

لشکر شہر میں داخل ہوا اور شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے۔

اس کے بعد شہر اور قلعے کے اندر جو صلیبیوں کا لشکر تھا اس سے باقاعدہ ٹکراؤ ہوا۔ تھوڑی ہی دیر کے ٹکراؤ کے بعد سلطان کے لشکر نے دشمن قوتوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا۔ سلطان نے صلیبیوں کی طرح وہ مظالم نہیں ڈھائے جو صلیبیوں نے یروشلم اور دوسرے شہروں میں مسلمانوں پر ڈھائے تھے۔ اس نے صرف ان لوگوں کا صفایا کیا جو حصار بند ہو کر اس کے لشکریوں کے سامنے آئے تھے۔ باقیوں کو امان دے دی گئی تھی۔ اس طرح اٹارب شہر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا اور سلطان کا اس پر قبضہ ہو گیا۔

اس شہر کی فتح سے متعلق مؤرخین کچھ اس طرح لکھتے ہیں۔

اٹارب شہر حلب سے چار میل کے فاصلے پر اٹارب کیہ کو جانے والے راستے پر واقع تھا۔ اس کا قلعہ صلیبیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ حلب اور اس کے نواحی علاقوں کے مسلمان اٹارب پر صلیبیوں کے قبضے کی وجہ سے سخت بیچارگی کے عالم میں تھے۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اٹارب پر عیسائیوں کے تسلط نے گویا مسلمانوں کا گلہ پکڑ رکھا تھا۔ عماد الدین نے اٹارب پر حملہ کرنے کا خیال کیا تو اس کے بعض ساتھیوں نے بہ نظر احتیاط اس کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ کیونکہ قلعہ اٹارب کی مضبوطی اور صلیبیوں کی زبردست قوت کے سامنے اس کی اپنی تعداد اور قوت بہت کم نظر آتی تھی۔

لیکن شیر دل سلطان عماد الدین نے ان کے مشورے کو رد کر دیا اور شیر کی طرح جست کر کے قلعہ اٹارب کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

یروشلم کے بادشاہ بالڈون کو جو نبی اٹارب پر عماد الدین کے حملے کی خبر ملی اس نے ایک خاص کونسل یعنی مجلس مشاورت منعقد کی جس کا مقصد عماد الدین سے مؤثر طور پر منجنے کیلئے مختلف تجاویز پر غور کرنا تھا۔

اس کے اکثر امراء نے رائے دی کہ مسلمانوں کے حملے کو چنداں اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

وہ جلد ہی اٹارب کی دیواروں سے سر پھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔

مؤرخین کہتے ہیں اس موقع پر ایک جہانگیرہ سردار نے یروشلم کے بادشاہ بالڈون کو تنبیہ کیا کہ عماد الدین اب مسلمانوں کا وہی سلطان ہے جس نے نوجوانی کے عالم میں طبریہ کے دروازے

ہوتا تھا۔ جس کے پوست کے اوپر سے اندر تک دانے نظر آتے تھے اور دانے بہت رس بھرے ہوتے تھے۔ حارم حلب کے مغرب میں دو منزل اور اطاکیہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع تھا۔ بہر حال سلطان عماد الدین بڑی تیزی اور برق رفتاری سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ حارم پہنچا۔ شہر اور قلعے سے باہر اس نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا تھا۔ ایک دن اور رات سلطان نے اپنے لشکریوں کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے خیمے میں سارے چھوٹے بڑے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا تاکہ حارم کو فتح کرنے کی منصوبہ بندی کو آخری شکل دی جاسکے۔

چنانچہ اپنے سارے سالاروں کے ساتھ سلطان عماد الدین زنگی نے یہ فیصلہ کیا کہ انتہائی سختی کے ساتھ حارم شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔ باہر سے کوئی چیز اہل حارم کیلئے نہ آنے دی جائے اور حارم سے نہ کوئی چیز باہر نکلنے دی جائے نہ کسی فرد کو باہر جانے دیا جائے۔

چنانچہ یہ فیصلہ ہونے کے بعد سلطان نے حارم شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایسا سخت تھا کہ کوئی باہر سے اندر آ سکتا تھا نہ شہر سے نکل کر کوئی باہر جاسکتا تھا۔

بقول مؤرخین گو حارم عیسائیوں کا ایک مضبوط اور مستحکم گڑھ تھا اور یہ لوگ ارد گرد کی مسلمان آبادی کیلئے مستقل طور پر مصیبت بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ سلطان نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ ایسی سختی سے محاصرہ کیا کہ حارم کے لوگ بلبلا اٹھے اور کئی دن تک یہ محاصرہ بڑی کامیابی سے جاری رہا۔ جس کے نتیجے میں حارم کے عیسائی ہمت ہار بیٹھے اور ایک وفد انہوں نے سلطان کی خدمت میں بھیجا اور سلطان سے صلح کی درخواست کی۔

سلطان نے ان پر یہ شرط عائد کی کہ اہل حارم سلطان کو ہر سال شہر کے مجموعی حاصل کا نصف بطور خراج عطا کیا کریں گے۔ عیسائی محصورین نے بلا تامل اس شرط کو قبول کر لیا۔ چنانچہ بغیر کسی جنگ اور لڑائی کے حارم مطیع اور فرمانبردار ہوا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر حارم کے نواح سے ہٹ گیا تھا۔



پراپنا نیزہ مارا تھا۔ اس کو حقیر سمجھنا بہت بڑی حماقت ہوگی۔

بالذون ضعیف العزم سردار کے انتباہ پر چوکنا ہو گیا اور اثارب کے صلیبیوں کی مدد کیلئے فوراً ایک زبردست لشکر روانہ کر دیا، لیکن ایک خوفناک جنگ کے بعد اس صلیبی لشکر کو شکست فاش دی گئی۔ اس لڑائی میں صلیبیوں کے کئی نامور امراء مارے گئے اور کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر بھی ہوئے۔

مقتول صلیبی لشکریوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ علامہ ابن خلدون کے قول کے مطابق اس واقعہ کے ساتھ ستر برس بعد تک مرنے والے صلیبیوں کی ہڈیاں اس میدان میں پڑی رہیں۔ مؤرخین اثارب سے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ امدادی لشکر کو شکست دینے کے بعد عماد الدین نے قلعہ اثارب پر فیصلہ کن حملہ کیا اور بہت جلد اس کی مضبوط فصیلوں پر اپنی فتح کا پھریرہ اڑا دیا۔ قلعہ اثارب کی فتح بڑے بڑے دور رس نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔ اس نے جہاں حلب اور اس کے لواحق علاقوں کو صلیبیوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ کر دیا تھا۔ وہاں عماد الدین کی زبردست قوت اور شجاعت کی دھاک بٹھادی تھی۔ صلیبیوں کو اب عماد الدین کے مقبوضات یا اس کے زیر حمایت علاقوں کی طرف نظر اٹھانے سے پہلے سو دفعہ سوچنا پڑتا تھا۔

بہر حال اثارب کو فتح کرنے کے بعد اب سلطان نے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ مزید پیش قدمی شروع کی۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ صلیبیوں کے دوسرے بڑے گڑھ حارم کو فتح کیا جائے۔

جہاں تک حارم شہر کا تعلق ہے تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ حارم اطاکیہ کے قریب ایک ثمرخیز علاقے کا مورچہ بند شہر اور قلعہ تھا۔ یہاں بہت سے درخت اور پانی کی کثرت تھی۔ اس لئے اکثر وبا کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ یہی وہ شہر اور قلعہ ہے جس کا نام ولیم صوری نے ہارنس کے نام سے ذکر کیا ہے۔

مؤرخ ابوفدا لکھتا ہے کہ حارم حلب کے ضلع میں ایک شہر ہے، جس کے اوپر بالا حصار بنا ہوا ہے۔ اس میں کثرت سے درخت اور چشمے ہیں اور تھوڑے فاصلے سے ایک چھوٹی ندی گزرتی ہے۔

ابن سعید بتاتا ہے کہ حارم میں ساز و سامان با افراط موجود ہوتا تھا۔ یہاں کا آثار بہت خاص

مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ شاید اس بنا پر کہ معاملہ اچھا ہے، فکر مند کی کوئی بات نہیں۔ وہ چپکے کے انداز میں قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”واہ بابا! آپ بھی خوب کہتے ہیں۔ تو کیا اس بات نے آپ کو پریشان کر دیا ہے کہ وہ کارگیر اور صنایع امیر کے مکان سے اس کام کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں اور آپ اس لئے فکر مند ہیں، ہچکچا رہے ہیں کہ شاید امیر زین الدین ناپسند کریں کہ ان کے مکان کے کمروں کا فرش ایسا کیوں بنایا گیا ہے اس لئے کہ وہ زمین پر سوتے ہیں۔“

”بابا آپ ابھی اسی وقت ان کارگیروں اور صنایعوں کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ آج ہی امیر کے مکان میں اپنے کام کی ابتدا کر دیں۔ ایک دو دن تک فرش خشک بھی ہو جائے گا اور اتنے دن بدرالدین احمد بن قاسم ہمارے ساتھ رہ لیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ارطالیں رکی پھر دوبارہ قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اب آپ میرے ان الفاظ کے جواب میں ضرور کہیں گے کہ اس میں امیر زین الدین کے ناراض ہونے کا خطرہ اور خدشہ بھی ہے۔“

قاضی ابوسعید منہ سے کچھ نہ بولا۔ تاہم ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اثبات میں گردن ہلاتی تھی۔ اس پر ارطالیں بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بالکل چپ رہیے گا۔ آپ ان کے کمروں کا فرش بنوائے گا۔ امیر نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض کیا تو جواب میں دوں گی۔ آپ بالکل خاموش رہیے گا۔ میں دیکھتی ہوں وہ کیسے بولتے ہیں؟“

ارطالیں کے ان الفاظ پر قاضی ابوسعید کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

”بٹی سوچ لو تم جانتی ہو کہ زین الدین تمہارے رشتے سے بھی انکار کر چکا ہے اور کیا تو نے اس سلسلے میں اس سے بات کی ہے۔“

اس پر ارطالیں کہنے لگی۔

”بابا آپ اس سلسلے میں بھی فکر مند نہ ہوں۔ اگر انہوں نے میرے رشتے سے انکار کیا ہے تو بابا میں نے برا نہیں مانا۔ بابا وہ جن حالات سے گزر رہے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں ہمہ وقت تسلی، شفقت اور محبت کی ضرورت ہے۔ بابا میں اس موضوع پر ضرور ان سے بات کروں گی“

گہری سوچوں میں ڈوبا ایک روز قاضی ابوسعید اپنے مکان میں داخل ہوا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے تھوڑی دیر کیلئے شہزادی ارطالیں فکر مند اور پریشان ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ جب قاضی ابوسعید دیوان خانے میں بیٹھ گیا۔ تب ارطالیں سامنے والی نشست پر بیٹھی اور غور سے قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا میں دیکھتی ہوں آپ کچھ پریشان اور گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ خیریت تو ہے۔ کیا امیر زین الدین کی طرف سے کوئی خبر آئی ہے۔“ انتہائی پریشانی اور فکر مند کی میں قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے ارطالیں نے پوچھ لیا تھا۔

ارطالیں کے اس استفسار پر قاضی ابوسعید نے اپنی گردن سیدھی کی، پھر کہنے لگا۔

”بٹی یہ معاملہ نہیں ہے۔ امیر زین الدین کی طرف سے تو اچھی خبریں آرہی ہیں۔ بات یہ ہے کہ بٹی مقامی کارگیروں اور ہنرمندوں نے ہمارے دائیں جانب کے کوہستانی سلسلوں سے ڈھیروں کھریا مٹی چونا اور دریائے اورٹس کی گار کو ملا کر گھروں کے فرش بنانے کا بہترین تجربہ کیا ہے۔ اس میں وہ کامیاب رہے ہیں۔ اس سے بڑا مضبوط فرش بنتا ہے۔ آج وہ سارے کارگیر صنایع اور ہنرمند مجھ سے ملے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مسکن کے ساری رہائش گاہوں کے فرش اس سے پکے کریں اور ان کی یہ بھی خواہش ہے کہ اپنے اس کام کی ابتداء وہ امیر زین الدین کے مکان سے کرنا چاہتے ہیں۔“

”بٹی میں انہیں کوئی جواب نہیں دے سکا۔ تم جانتی ہو امیر زین الدین.....“

قاضی ابوسعید کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس مرتبہ ارطالیں کے لبوں پر خوشگوار

جس روز میں ان سے بات کرنا چاہتی تھی اس روز وہ عدنان بن ہاشم منصور بن عبد اللہ کے ساتھ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے کوہستانی سلسلے کی طرف چلے گئے تھے۔ اب جب وہ واپس آئیں گے تو میں ان سے اس موضوع پر بات کروں گی۔ آپ آج ہی ان کے کمروں کا فرش بنانا شروع کر دیں اور اس سلسلے میں اگر امیر نے کوئی اعتراض کیا تو آپ بالکل چپ رہیے گا۔ امیر کے سارے سوالوں اور استفسار کا میں جواب دوں گی۔“

ارطالیس کے ان الفاظ پر قاضی ابوسعید مطمئن ہو گیا تھا۔ لہذا اٹھا اور باہر نکل گیا تھا۔ اسی روز احمد بن قاسم اور بدر الدین دونوں قاضی ابوسعید کے مکان میں منتقل ہو گئے تھے، جبکہ مناعوں اور کارگیروں نے زین الدین کے مکان کے کمروں کا فرش بنانا شروع کر دیا تھا۔

فرش کافی مضبوط بنا تھا اور دو تین دن میں وہ خشک بھی ہو گیا تھا۔ پھر پہلے کی طرح جہاں بدر الدین کی مسبری لگتی تھی وہاں اس کی مسبری لگا دی گئی تھی۔ جس کمرے میں احمد بن قاسم سوتا تھا۔ اسی کی مسبری اسی کمرے میں رکھی گئی تھی اور جہاں ارطالیس نے ریت بچھائی تھی اور اس پر زین الدین سوتا تھا، وہاں اس بار ارطالیس نے مزید جرات مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ریت نہیں بچھائی، بلکہ اس نے کھجور کے چوں کی دہری چٹائی بچھائی۔ اس پر اس نے انتہائی خوبصورت صاف ستھری چادر بھی بچھائی اور تکیہ رکھنے کے بعد اوپر لیٹے کیلئے تہہ کر کے ایک چادر بھی رکھ دی تھی۔

اس کے بعد مسکن کے ان کارگیروں نے بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ حرکت میں آتے ہوئے مسکن کے مکانوں کے فرش پکے کرنے شروع کر دیئے تھے۔



حارم کو مطیع اور فرمانبردار کرنے کے بعد سلطان عماد الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ حلب کی طرف چلا گیا، جبکہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اپنے مسکن کا رخ کیا تھا اور جس روز وہ اپنے لشکر کے ساتھ دونوں مسکن میں داخل ہوئے۔ مسکن کے لوگوں نے شاندار انداز میں ان کا استقبال کیا۔ شیر شہر اور قلعے کا حاکم اسامہ بھی اپنے کچھ سالاروں اور امراء کے ساتھ زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے استقبال میں مسکن میں موجود تھا۔

مسکن میں داخل ہونے کے بعد لشکری اپنے اپنے ٹھکانوں کو چلے گئے۔ زین الدین اور

عدنان بن ہاشم اپنے گھوڑوں سے اترے اتنے میں قاضی ابوسعید، فضل بن اسحاق، احمد بن قاسم اور دوسرے سالار اور امراء جنہیں مسکن کی حفاظت پر چھوڑا گیا تھا زین الدین اور عدنان بن ہاشم کو مبارکباد دیتے ہوئے پر جوش انداز میں ان سے گلے ملے۔ اسامہ اور اس کے امراء بھی اسی انداز میں دونوں سے ملے تھے اور لوگ نعرے بلند کرتے ہوئے خوشی اور مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ مسکن میں جو کھلا میدان تھا، وہاں کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ لوگ خوشی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اسامہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شیر کی طرف چلا گیا۔ عدنان بن ہاشم اپنی رہائشگاہ کی طرف گیا۔ قاضی ابوسعید نے زین الدین کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لے کر اس کے مکان کی طرف ہوئے۔ اس موقع پر احمد بن قاسم اور زین الدین کا بھی تہنیتا بدر الدین بھی ساتھ تھے۔

احمد بن قاسم نے جھپٹ کر زین الدین سے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑی تھی اور اسے اصطبل میں باندھا تھا۔ جس وقت سب دیوان خانے میں داخل ہوئے تب زین الدین چونکا تھا۔ کچھ دیر تک وہ بڑے غور سے دیوان خانے کے فرش کو دیکھتا رہا۔ اس موقع پر ارطالیس بھی وہاں آگئی تھی۔ اس نے بھی دیکھا زین الدین بڑے غور اور حیرت سے اپنے دیوان خانے کے فرش کو دیکھ رہا تھا۔ پھر زین الدین نے قاضی ابوسعید کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید یہ کام کس نے کیا؟“

اس پر ابوسعید مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بیٹے ہمارے مسکن میں جو صنایع اور ہنرمند ہیں انہوں نے اپنے کوہستانی سلسلوں سے ٹکٹے والے چوٹے کھریا مٹی اور دریائے اورش کے گار کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ملا کر اپنے مسکن کے سارے مکانوں کے اس طرح کے عمدہ فرش بنانے شروع کر دیئے ہیں اور اب تو وہ تقریباً اپنا کام ختم کرنے والے ہیں۔ چند ایک مکان ہی رہ گئے ہوں گے جن کے فرش بنانے والے ہیں ورنہ سب فرش انہوں نے پکے کر دیئے ہیں۔“

اس پر زین الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”انہوں نے بڑا اچھا کام کیا ہے۔ مجھے ان سے ملانی چاہیے، انہیں ان کے اس کام کی داد اور

انعام بھی ملنا چاہئے۔“

اس کے بعد اچانک زین الدین کو کچھ خیال گزرا تو دیوان خانے سے نکل کر وہ اس کمرے

کی طرف گیا، جس میں وہ اور بدرالدین سوتے تھے۔ قاضی ابوسعید احمد بن قاسم بدرالدین ارطالیں اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

اپنے کمرے میں اس نے جا کر دیکھا وہ فرش بھی پکا تھا۔ بدرالدین کی مسہری وہیں لگی تھی، جہاں پہلے ہوا کرتی تھی۔ لیکن جہاں ریت بچھائی گئی تھی اور جس پر زین الدین سوتا تھا، وہاں ریت نہیں تھی۔ فرش پر چٹائی بچھا کر اس پر ایک صاف ستھری چادر لگانے کے بعد تکیہ بھی لگا دیا گیا تھا۔ زین الدین نے تھوڑی دیر تک کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید! خدا جھوٹ نہ بلوائے یہ جو میرے سونے کا نیا اہتمام کیا گیا ہے یہ یقیناً ارطالیں نے کیا ہوگا۔“

اس موقع پر ارطالیں ایک دم زین الدین کے سامنے آئی اور کہنے لگی۔

”امیر یہ کام یقیناً میں نے کیا ہے اور مجھے یقین ہے آپ برائیاں نہیں مانیں گے۔ آپ نے قسم یہ کھائی تھی کہ آپ مسہری پر نہیں سوئیں گے۔ اس کا مطلب ہے آپ زمین پر سوئیں گے۔ آپ نے یہ قسم نہیں کھائی تھی کہ آپ کچی زمین پر سوئیں گے یا پکی پر ریت پر سوئیں گے۔ یا مٹی پر آپ نے یہ قسم بھی نہیں کھائی تھی کہ آپ تکیہ ریت کا رکھیں گے یا ٹنگروں کا یا عام تکیہ جو گھروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ میں نے آپ کا بستر کسی مسہری پر نہیں فرش پر ہی لگایا ہے۔ اس میں زیادتی یہ کی ہے کہ چٹائی بچھادی ہے۔ چٹائی کے اوپر چادر لگائی ہے۔ تکیہ بھی رکھ دیا ہے۔ آپ کی قسم میں یہ بات تو نہیں تھی کہ آپ جب زمین پر سوئیں گے تو چادر تکیہ استعمال نہیں کریں گے اور مجھے امید ہے کہ جو کچھ میں نے کیا ہے امیر اس کے خلاف کوئی اعتراض نہیں کریں گے اور اس تبدیلی کو رد بھی نہیں کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ارطالیں رکی۔ دوبارہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر جو کچھ میں نے کیا ہے اس سے آپ کی قسم پر کوئی حرف گیری نہیں آئی۔“

ارطالیں جب خاموش ہوئی تب احمد بن قاسم مغنی بول اٹھا کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے! جو کچھ میری بیٹی ارطالیں نے کہا ہے درست ہے۔ جو کچھ اس نے کیا ہے بیٹے اس سے واقعی تمہاری قسم پر تو حرف گیری نہیں آئی۔“ احمد بن قاسم کے ان الفاظ کا

جواب زین الدین دینا ہی چاہتا تھا کہ اسی لمحہ مکان میں میکل اور سبیت دونوں ماں بیٹی داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے بھی آگے بڑھ کر باری باری زین الدین کو اس کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ پھر سب دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے اور اٹارب و حارم کی فتح پر زین الدین سے تفصیل سننے لگے تھے۔ اس موقع پر ارطالیں اپنی جگہ پر اٹھی اور زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر میں جانتی ہوں آپ کو بھوک لگی ہوگی میں آپ کیلئے کھانا بنا کر لاتی ہوں۔“

اس پر بڑی مومنیت سے ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”ارطالیں اس کی ضرورت نہیں ہے، دیکھو عصر کا وقت ہونے والا ہے۔ شام کو سب اکٹھے

کھائیں گے آج.....“

یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ قاضی ابوسعید بول اٹھے اور

کہنے لگے۔

”آج سب کا کھانا میرے اور میری بیٹی ارطالیں کے ہاں ہوگا۔“

جواب میں مسکراتے ہوئے زین الدین نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر زین الدین

قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید عصر کے بعد ذرا ان مناعوں اور کارنگروں کو ضرور بلائیے گا جنہوں نے

مسکن کے مکانوں کے فرش کو پکا کر ناسودہ کر دیا ہے۔“

قاضی ابوسعید جواب میں کچھ کہنا چاہتے تھے کہ مسکن میں عصر کی اذان ہوئی۔ لہذا نماز کی

ادائیگی کیلئے سب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

عصر کے بعد زین الدین بدرالدین احمد بن قاسم قاضی ابوسعید اور شہزادی ارطالیں پھر

زین الدین کے مکان میں ہو بیٹھے تھے اور ایک شخص کو ان کارنگروں اور مناعوں کو بلانے کیلئے کہا

گیا تھا، جنہوں نے مسکن کے مکانوں کے فرش بنانے شروع کئے تھے۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی

کہ زین الدین کے مکان میں ایک مسلح شخص داخل ہوا۔ جس کمرے میں سب بیٹھے ہوئے تھے۔

اس کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے زین الدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”امیر کچھ لوگ آپ سے ملنے کیلئے آئے ہیں۔ انہیں ہم نے باہر کھڑا کیا ہے۔ اگر آپ

کہیں تو.....“

وہ شخص یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین نے پوچھ لیا۔
”آنے والے کون لوگ ہیں؟“

جواب میں وہ شخص کہنے لگا۔ ”انہیں عیسائی حکمران بالڈون نے روانہ کیا ہے اور بقول ان کے وہ آپ سے کسی اہم مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

بالڈون کا نام سن کر شہزادی ارطالیس چوکی تھی۔ کیونکہ وہ اس کا باپ تھا۔ اس موقع پر ایک گہری اور مسکراتی ہوئی نگاہ زین الدین نے ارطالیس پر بھی ڈالی تھی۔ لیکن اس کے تاثرات کچھ بھی نہیں تھے۔ یہاں تک کہ آنے والے کو مخاطب کر کے زین الدین کہنے لگا۔

”ان سب کو اندر بھیج دو دیکھتا ہوں وہ کیا کہتے ہیں؟“

اس موقع پر ارطالیس اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر میں ساتھ والے کمرے میں بیٹھی ہوں ساری گفتگو سنو گی۔ اگر میری ضرورت ہوئی تو آواز دے کر مجھے بلا لیجئے گا۔“

اس کے ساتھ ہی ارطالیس اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد چار مسلح جوان مکان میں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے پیچھے دونوں عرب سالار عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کے علاوہ کچھ دوسرے سالار بھی تھے۔ سب اس کمرے میں بیٹھ گئے تب بالڈون کی طرف سے آنے والے ان چاروں کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے زین الدین نے پوچھ لیا۔

”اگر تم بالڈون کی طرف سے آئے ہو تو کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“

ردعمل کے طور پر ان چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ کھسر پھسکی اس کے بعد ان چاروں میں سے ایک اپنے ساتھیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہم بڑی مشکل سے اس مسکن کو تلاش کر کے آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں ہمارے حکمران بالڈون کی دو بیٹیاں تھیں ایک میلیسڈرا اور دوسری ارطالیس ارطالیس ایک معاملے میں اپنے باپ سے اختلاف رائے رکھتی ہوئی ناراض اور خفا ہو کر گھر سے چلی گئی تھی۔ ہم نے اسے بڑا تلاش کیا، لیکن کہیں نہیں ملی۔ اب کچھ خبروں نے یہ اطلاع دی ہے کہ مسلمانوں نے اسے اٹھا کر یہاں پہنچا دیا ہے اور وہ یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ لہذا ہم

آپ سے یہ کہنے آئے ہیں کہ ارطالیس نام کی اس لڑکی کو واپس کر دیا جائے تاکہ ہم اسے باعزت طور پر اس کے گھر پہنچا سکیں۔“

وہ شخص جب خاموش ہوا تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔
”تم چاروں کے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم بالڈون کے آدمی ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے تم اس لڑکی کے دعویدار بن کر یہاں آؤ اور اس لڑکی کو نکال کر کہیں اور لے جاؤ۔“

”اس پر اس شخص نے اپنے لباس کے اندر ہاتھ ڈالا ایک خط نکال کر اس نے زین الدین کے سامنے رکھ دیا۔ وہ خط عیسائی حکمران بالڈون کی طرف سے تھا اور اس پر اس کے نام کی مہر لگی ہوئی تھی۔“

وہ خط زین الدین نے پڑھا۔ مسکرایا، پھر نہ کر کے خط اس نے اسے واپس کر دیا اور کہنے لگا۔
”چلو یہ تو ثابت ہو گیا کہ تم بالڈون کے آدمی ہو، لیکن اس کے باوجود دو مسئلے کھڑے ہوتے ہیں۔“

”کیسے دو مسئلے.....؟“ اس شخص نے غور سے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔
اس پر زین الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”پہلا مسئلہ یہ کہ تمہارے مطالبے پر اگر ہم اس لڑکی کو تمہارے ساتھ نہ بھیجیں تو پھر تم لوگوں کا ردعمل کیا ہوگا اور دوسرا مسئلہ یہ اٹھتا ہے کہ وہ لڑکی اگر از خود تمہارے ساتھ جانے سے انکار کر دے پھر.....“

جواب میں وہ شخص جذباتی ہو گیا اور کہنے لگا۔

”ہم اسے زبردستی لے کر جائیں گے۔ اس لئے کہ وہ ہمارے حکمران کی عزت اس کی بیٹی اور عیسائیت کا وقار ہے۔“

زین الدین نے غور سے اس کی طرف دیکھا دوبارہ کہنے لگا۔

”اگر وہ لڑکی عیسائیت ترک کر کے مسلمان ہو چکی ہو تو پھر وہ کس طرح عیسائیت کا وقار رہے گی۔“

جواب میں وہ شخص مزید جذباتی ہو گیا اور کہنے لگا۔

”ہم جانتے ہیں آپ کا نام زین الدین ہے اور آپ مسلمانوں کے اس مسکن کے امیر ہیں“

آپ اس گمنام میں نہ رہے گا کہ یہ ممکن ناقابل تخیر ہے اور اس پر حملہ آور ہو کر ہم زبردستی ارطالیس کو حاصل نہیں کر سکتے۔“ یہاں تک کہنے کے بعد وہ شخص رکا۔ پھر زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے امیر! اگر وہ لڑکی ہمارے حوالے نہ کی گئی تو یاد رکھیے آپ لوگوں کی خوشیاں آہوں میں بدلیں گی۔ ان گنت لوگ تم کی آندھی کا بندھن بنیں گے۔ آپ کے علاقوں میں تعمیر کے گلدانوں میں خار ڈال دیئے جائیں گے۔ کھلیانوں میں قحط کے ڈھیر لگیں گے۔ نیشموں کی دجیاں اڑیں گی۔ لہو بھرا انقلاب خون خون پنج تاب اٹھے گا۔ نفرت کے گہرے گہرام میں تھسب کی گھنی خو خوری اور اذیتیں بربادی کا باعث بنیں گی۔ ہزاروں اچھے طوفان آپ لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ شخص جب خاموش ہوا، تب اس کی طرف گھورنے کے اعزاز میں دیکھتے ہوئے زین الدین نے پوچھ لیا۔

”ایسا کون کرے گا.....؟“

اس پر وہ شخص چماتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

”ایسا ہم کریں گے۔ ہم ارطالیس نہ ملنے کی صورت میں نفرت ملی کر اہتوں شعلہ زن ظلمتوں، عداوتوں کے سیل، موت کے بھنور اور قتل گاہ کی خورایوں کی طرح آپ کے اس مسکن پر حملہ آور ہوں گے اور پھر کوئی ہماری تلواروں سے بچ نہ پائے گا۔ اس کے علاوہ میں آپ سے یہ بھی کہوں۔“

یہاں تک کہتے کہتے وہ شخص ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کے قریب بیٹھا ہوا عرب سالار فضل بن اسحاق انتہائی غصے اور غضبناکی کی حالت میں حرکت میں آیا تھا اور اس شخص کے منہ پر ایسے زور کا طمانچہ مارا کہ وہ لڑھکھا ہوا ایک طرف ہو لیا تھا۔ پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے فضل بن اسحاق کہنے لگا۔

”ہماری موجودگی میں ہمارے ہی امیر کے خلاف تمہیں ایسی گفتگو کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ زیادہ پھیلو گے تو تمہارے دھڑ پیٹیں رہ جائیں گے، سر بالڈوں کے پاس پہنچیں گے۔ تم جو ہمیں اپنی طاقت اور قوت کی دھمکی دیتے ہو تو یاد رکھنا ہم تو وہ لوگ ہیں جو تباہی کے گھنے سناٹوں

میں صداتوں کی دھڑائی آنندھیوں کی طرح اٹھنے والے ہیں۔ وقت کے بدترین کھورے ہاتھوں کی طرح جب ہم تم پر جوانی کا دروائی کرتے ہوئے ضرب لگائیں گے تو یاد رکھنا تم لوگ خود اپنے کندھوں پر اپنی خواہشوں کی صلیب اٹھانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ یہ بھی یاد رکھنا تاریخ کی کوکھ میں ہم نے تم جیسے امن کو مسمار کرنے والے آزادی پر یلغار کرنے والے وحشی بہت دیکھ رکھے ہیں۔ ہمارے مسکن پر حملہ آور ہو گئے تو اپنے ہزاروں ساتھیوں کی لاشوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔“

پھر زین الدین اس شخص کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سنو جو سلوک تمہارے ساتھ میرے بھائی فضل بن اسحاق نے کیا ہے یہ تمہارے لئے کافی

ہے یا مزید کچھ چاہتے ہو۔“

اس پر وہ شخص بڑی ڈھٹائی اور ضد میں کہنے لگا۔

”جس شخص نے مجھے طمانچہ مارا ہے۔ کیا آپ اس کا نام مجھے بتائیں گے۔ میں آپ سے

کہتا ہوں کہ اب یہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے گا۔“

اس کے ان الفاظ پر عدنان بن ہاشم کا رنگ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ زین الدین کی حالت اس سے بھی بری تھی۔ پھر زین الدین نے ہاتھ کے اشارے سے ایک چھوٹے سالار کو اپنے پاس بلایا اور کھولتے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس شخص کو اٹھا کر باہر لے جاؤ۔ اس کی گردن کاٹ دو اور اس کا کٹا ہوا سر اس کے تین ساتھیوں کے حوالے کر کے یہاں سے رخصت کر دو۔ پھر میں دیکھتا ہوں یہ میرے سالار کو کیسے دھمکی دیتا ہے کہ میرا سالار زیادہ دن زندہ نہیں رہے گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر وہ شخص پیلا ہو گیا تھا۔ زین الدین کی منت سماجت کرنے لگا کہ اسے معاف کر دیا جائے، لیکن چھوٹا سالار گھسیٹتا ہوا اسے باہر لے گیا تھا اور اس کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد باقی تین کو مخاطب کرتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”جس لڑکی کو تم لینے آئے تھے وہ لڑکی یہیں ہے۔“ اس کے ساتھ ہی زین الدین نے

ارطالیس کو آواز دے کر جب بلایا تو ارطالیس درمیانی دروازہ کھول کر اس کمرے میں آئی اور اس موقع پر زین الدین ان تینوں کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی ارطالیس ان تینوں کو مخاطب کر کے بول اٹھی۔

ارطالیس کے سامنے جا کر بیٹھ گئیں، پھر گفتگو کا آغاز میکمل نے کیا اور ارطالیس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”ارطالیس میری بیٹی میں اور سب سے پہلے امیر کی حویلی میں گئیں وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ نہ امیر وہاں ہیں نہ بدرالدین اور نہ ہی احمد بن قاسم وہاں ہیں۔ اس کے بعد وہاں سے نکل کر ہم تمہاری طرف آ گئیں اور یہاں تم اکیلی بیٹھی ہوئی ہو، خیریت تو ہے۔“

اس پر ارطالیس نے باری باری ایک گہری نگاہ میکمل اور سب سے دونوں ماں بیٹی پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

”جہاں تک امیر کا تعلق ہے تو وہ فضل بن اسحاق کے ساتھ آپ دونوں ماں بیٹی کا حساب بے باک کرنے گئے ہیں۔ جہاں تک احمد بن قاسم اور بدرالدین کا تعلق ہے تو وہ قاضی ابوسعید کے ساتھ لشکر کاہ کی طرف گئے ہیں۔ ان کے ساتھ عدنان بن ہاشم بھی ہے۔ اس بار امیر اپنے پیچھے عدنان بن ہاشم کو مسکن کی حفاظت کیلئے چھوڑ گئے ہیں۔ اس لئے کہ فضل بن اسحاق نے احتجاج کیا تھا کہ بچہ بچہ باریک بہم میں کیونکہ عدنان بن ہاشم ساتھ گیا تھا اور اسے مسکن میں رکھا گیا تھا۔ لہذا اس کا مطالبہ تھا کہ اس بار عدنان بن ہاشم یہاں رہ کر آرام کرے اور وہ اس مہم میں حصہ لے گا۔ لہذا امیر اور فضل بن اسحاق اپنے کچھ لشکر کے دستوں اور چھوٹے سالاروں کے ساتھ ایک مہم پر نکل گئے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ارطالیس جب خاموش ہوئی، تب استفہامیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے میکمل بول اٹھی۔

”ارطالیس میری بیٹی تو نے اپنے گفتگو کے شروع میں کہا تھا کہ امیر زین الدین ہم دونوں ماں بیٹی کا حساب بے باک کرنے گئے ہیں۔ تمہاری اس بات کو میں سمجھی نہیں ذرا کھل کر کہو بیٹی!“

جواب میں ارطالیس مسکرائی، پھر کہنے لگی۔

”آپ دونوں اور آپ کے اہلخانہ پر کیونکہ آپ کی بستی کے بڑے پادری کے ذریعے نائٹ یو قاس نے مطالبہ کئے تھے۔ لہذا امیر آج نائٹ یو قاس سے ہی منبئے کیلئے گئے ہیں۔ میرے خیال میں اب تک وہ آپ کی بستی میں پہنچ چکے ہوں گے۔“

ارطالیس کے ان الفاظ پر فکر مند سے لہجے میں سب سے بول اٹھی اور کہنے لگی۔

”تم نے جو ہمارے امیر کے خلاف بدتمیزی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ساتھ والے کمرے میں وہ الفاظ میں نے بڑے صبر اور بڑے تحمل کے ساتھ سنے ہیں۔ تم چاروں اس قابل ہو کہ تم چاروں کی گردنیں کاٹ کر تم لوگوں کے کئے ہوئے سر بالذون کے پاس بھیج دیئے جائیں۔ تم تینوں جانتے ہو اور مجھے پہچانتے ہو کہ میں ارطالیس ہوں، پر سنو میں بالذون کی بیٹی نہیں ہوں۔ میں اب اس مسکن کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ کا نام قاضی ابوسعید ہے۔ اگر مزید بدتمیزی کی گفتگو کرو گے تو میں امیر سے گزارش کروں گی کہ تم تینوں کے بھی سر کاٹ کر بالذون کے پاس بھیج دیئے جائیں اور جا کر بالذون سے کہنا کہ اس کی ایک ہی بیٹی ہے۔ نام جس کا ارطالیس ہے۔ واپس جا کر کہنا ارطالیس کی اور کیلئے پیدا ہوئی تھی اور جس کیلئے پیدا ہوئی تھی وہاں وہ پہنچ چکی ہے۔ اب وہاں سے بالذون اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر کرنا چاہتا ہے تو پھر کر دکھائے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا تم لوگوں کا جو بھی لشکر مجھے لینے یا میرے حصول کیلئے ادھر کا رخ کرے گا۔ اسے واپس جانا نصیب نہیں ہوگا۔“

ارطالیس کے ان الفاظ پر وہ تینوں اداس ہو گئے تھے۔ پھر زین الدین نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ جس پر وہ اپنے ساتھی کا کٹا ہوا سر لے کر وہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔

اس واقعہ سے دو دن بعد میکمل اور سب سے دونوں ایک روز زین الدین کی حویلی میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے دیکھا زین الدین کی حویلی کا بیرونی دروازہ کھلا تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوئیں تو بالکل سناٹا تھا۔ سارے کمرے انہوں نے گھوم کر دیکھے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس پر پریشانی کی حالت میں اپنی ماں میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے سب سے کہنے لگی۔

”اماں یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ امیر اس وقت تو کہیں نہیں جاتے اور پھر بدرالدین بھی یہاں نہیں ہے۔“

اس پر حویلی سے باہر نکلتے ہوئے میکمل کہنے لگی۔

”چلو ساتھ والی حویلی میں ارطالیس کے پاس جاتی ہیں، ہو سکتا ہے سب وہاں بیٹھے ہوں۔“

سب سے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ دونوں ماں بیٹی ساتھ والی حویلی میں داخل ہوئیں تو وہاں حویلی میں صرف ارطالیس اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ جب دونوں ماں بیٹی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان دونوں کا استقبال کیا۔ میکمل اور سب سے دونوں

”رات کے اس وقت امیر کو اس بستی میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس بستی کے ارد گرد تو مسلح جنگجو اور نائٹ اکثر و بیشتر منڈلاتے رہتے ہیں۔“

اس پر ارطالیں ایک عزم کے ساتھ کہنے لگی۔

”امیر بھی اکیلے نہیں گئے اور خداوند نے چاہا تو امیر اپنی اس مہم کو کامیابی سے سر کر کے لوٹیں گے۔ امیر کے ساتھ جہاں فضل بن اسحاق گئے ہیں وہاں ان کے ساتھ لشکر کا ایک حصہ بھی ہے اور روانگی سے پہلے امیر نے اپنے ایک خاص جاسوس کو نائٹ یوقاس کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ اسے یہ پیغام پہنچایا جائے کہ کلیسا کے بڑے پادری نے اسے فی الفور بلایا ہے کہ ایک انتہائی خوبصورت لڑکی کا انتخاب اس کیلئے کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں خوبصورت لڑکیاں نائٹ یوقاس کی کمزوری ہیں۔ لہذا وہ بھاگا بھاگا کلیسا کی طرف آئے گا اور اس کے وہاں پہنچنے تک امیر پہلے سے ہی وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کریں گے۔ پھر میں سمجھتی ہوں کلیسا کے ان لمحات میں نائٹ یوقاس کی زندگی کے آخری لمحے گزر جائیں گے۔“

ارطالیں کی اس گفتگو سے میکمل اور سبیتہ دونوں کس قدر مطمئن ہو گئی تھیں، پھر میکمل نے دوبارہ پوچھا۔

”وہ یہاں سے کب روانہ ہوئے؟“

اس پر ارطالیں کہنے لگی۔

”مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد امیر یہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ کھانا کھا کر جائیں۔ مگر ان کا کہنا تھا کہ اس مہم کو کامیابی سے سر کرنے کے بعد کھانا وہ واپس ہی آ کر کھائیں گے اور مجھے امید ہے اس مہم کو نبھانے میں امیر زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔“

اس کے بعد تینوں وہاں بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے لگی تھیں۔



دوسری طرف زین الدین اور فضل بن اسحاق دونوں اپنے مسلح دستوں کے ساتھ کلیسا میں پہنچے۔ کچھ دستوں کو کلیسا کے گرد پھیلا دیا گیا اور انہیں حکم دے دیا گیا کہ نہ کوئی اندر آئے نہ کوئی اندر سے باہر جائے۔ صدر دروازے کے قریب کچھ مسلح جوانوں کو خفیہ جگہ بٹھا دیا گیا تھا، تاکہ جب یوقاس وہاں آئے تب اسے کلیسا کے اندر کسی خطرے کا احساس نہ ہو۔

کلیسا میں داخل ہونے کے بعد چھوٹے پادریوں اور وہاں کام کرنے والی لڑکیوں اور دوسرے مردوں کو ایک جگہ جمع کر کے انہیں ایک کمرے میں بند کر کے زنجیر لگا دی گئی اور ساتھ ہی انہیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی اگر کوئی آواز نکال کر شور شرابہ کرنے کی کوشش کی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔

اس کے بعد زین الدین اور فضل بن اسحاق کلیسا کے ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔ یہ وہی بڑا کمرہ تھا، جس میں عبادت کی جاتی تھی۔ دائیں بائیں آگے پیچھے اور کمرے سے باہر کچھ مسلح جوان کھڑے ہو گئے تھے۔ اس کے بعد زین الدین کے حکم پر بڑے پادری کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

بڑا پادری لرزتا کاغٹا جب اس کمرے میں داخل ہوا تو اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ زین الدین کے سامنے جا کر انتہائی بے بسی، خوف اور ڈر سے وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا تھا۔ جو لشکری اسے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اس نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور زین الدین کے اشارہ کرنے پر اسے ایک نشست پر بٹھا دیا۔

آخر زین الدین نے بڑے پادری کو مخاطب کیا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟“

اس پر بڑے پادری نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔
 ”میں نہیں جانتا آپ کون ہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ مجھ سے کیا غلطی، کیا قصور کیا گناہ سرزد ہوا؟ جس کی بناء پر آپ لوگوں نے کلیسا کے اندر کام کرنے والے سارے لوگوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا ہے اور اس کمرے پر پہرہ لگا دیا ہے اور مجھے یہاں بلا لیا ہے۔“
 اس موقع پر زین الدین کے چہرے پر طنز یہی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور بڑے پادری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”حیرت ہے تمہیں ابھی تک پتا ہی نہیں اور تمہیں یہ احساس تک نہیں ہوا کہ تم سے کوئی گناہ کوئی غلطی، کوئی لرزش بھی سرزد ہوئی ہے۔ تم ناسٹوں کے سربراہ یوقاس کو اپنے کلیسا میں بلا کر اسے خوبصورت لڑکیاں پیش کرتے ہو تاکہ وہ انہیں ان کی عزت آبرو سے محروم کرنے پھر بھی تم کہتے ہو کہ تمہیں احساس نہیں تمہیں پتا نہیں کہ تمہیں کس غلطی، کس جرم، کس گناہ کے سلسلے میں یہاں لایا گیا ہے؟“

بڑے پادری کی گردن جھک گئی۔ کوئی جواب اس نے نہ دیا تھا۔ اس پر غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”اب تم بولتے کیوں نہیں ہو کیا اب بھی تمہیں یہ احساس نہیں کہ تم سے کوئی گناہ، کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے؟“ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آخر کھا جانے والے انداز میں زین الدین نے بڑے پادری کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”کیا تم ایڈریس شہر کے سابق حاکم تھوروس کو جانتے ہو۔“

تھوروس کا نام سن کر بڑا پادری چونکا۔ اپنی گردن سیدھی کی اور غور سے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تھوروس کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ میرے محسنوں میں سے تھا۔ مجھے اس کے مرنے کا بے حد دکھ اور صدمہ ہے۔“

اس پر زین الدین نے کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”اگر وہ تمہارا محسن تھا تو کیا یہ محسن کشی نہیں ہے کہ تم نے اس کی بیٹی نام جس کا سہیت ہے اسے یہاں بلایا تاکہ اسے ناسٹوں کے سربراہ یوقاس کے حوالے کیا جائے اور اسے پیش کیا جائے تاکہ وہ

اسے اس کی آبرو اور عزت سے محروم کر دے۔ اگر تمہاری اپنی کوئی بیٹی ہو تو کیا تم اس سے بھی یوقاس کے ذریعے ایسا ہی سلوک کرو گے۔ اب تم کہو گے کہ اس سلسلے میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ہی کلیسا کا ایک آدمی یوقاس کے ہاں سہیت کو بلانے کیلئے گیا تھا اور ایسا تم نے یوقاس کی ایماء پر کیا تھا۔“ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پادری نے گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ زین الدین نے قہر بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”کیا تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟“

بڑا پادری بڑی عاجزی میں کہنے لگا۔ ”یقیناً میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

جواب میں کھولتے ہوئے لہجے میں زین الدین کہنے لگا۔

”اگر تم میرے متعلق نہیں جانتے تو پھر سنو۔“ میرا نام زین الدین ہے۔ کیا زین الدین نام بھی تمہارے لاشعور یا شعور کے کسی خانے میں جذبات اور احساسات میں پلچل پیدا کرنے والا کوئی لمحہ بن کر نہیں ابھرتا۔“

زین الدین کا نام سن کر بڑا پادری پیلا ہو گیا تھا کہنے لگا۔

”زین الدین کا نام یقیناً میں نے سن رکھا ہے۔ اس لئے کہ شیزر شہر کے نواح میں جو مسلمانوں نے اپنا ایک مسکن اور حصار بنایا ہے زین الدین اس مسکن کا سربراہ ہے۔“

بڑے پادری کے ان الفاظ کے جواب میں زین الدین کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک لشکری تقریباً بھاگتا ہوا اس کمرے کے دروازے پر آیا اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر ہمارے دو مسلح جوان یوقاس کو لے کر ادھر ہی آپ کی طرف آرہے ہیں۔“ اس کیساتھ ہی وہ مسلح جوان وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

یوقاس جس وقت کلیسا کے بڑے دروازے کے ذریعے اپنے دس محافظوں کے ساتھ داخل ہوا تھا تب وہاں زین الدین کے مسلح جوان مقرر تھے۔ انہوں نے ایک دم نمودار ہو کر یوقاس کے دس مسلح جوانوں کو اپنے سامنے بے بس اور غیر مسلح کر دیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر صدر دروازے کے قریب ہی ڈال دیا گیا اور پھر دو مسلح جوان یوقاس کو لے کر کلیسا کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے تھے۔ اس موقع پر یوقاس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ پاؤں اس کے لڑکھڑاہے

تھے۔ چہرے پر پیلاہٹ رقص کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ دونوں مسلح جوان اسے تقریباً ہانکتے ہوئے کلیسا کے بڑے کمرے میں لائے، جہاں اس وقت زین الدین، فضل بن اسحاق اور کچھ دوسرے چھوٹے سالار بڑے پادری کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

یوقاس جب وہاں داخل ہوا تب ہاتھ کے اشارے سے زین الدین نے اسے بڑے پادری کے پہلو میں بیٹھنے کیلئے کہا۔

اس پر یوقاس اکر گیا اور کہنے لگا۔

”تمہارے کہنے پر میں اس نشست پر نہیں بیٹھوں گا۔ جس کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ میں تمہارے حکم کا اتباع کر رہا ہوں اور آج تک میں نے ایسے لوگوں کا اتباع کبھی نہیں کیا، جنہیں میں اپنے سامنے زیر کرنے کا ہنر جانتا ہوں۔“

یوقاس کی اس گفتگو سے فضل بن اسحاق کا چہرہ غصے میں تپ کر رہ گیا تھا۔ کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ زین الدین اپنی جگہ سے اٹھا اپنے دائیں ہاتھ کا اناطما نچہ یوقاس کے چہرے پر اس زور سے مارا کہ یوقاس پلٹیاں کھاتا ہوا اسی نشست پر گر گیا تھا جس نشست پر اسے زین الدین نے بیٹھنے کیلئے کہا تھا۔

یہ ضرب ایسی زوردار اعزاز میں پڑی تھی کہ یوقاس بھونچکا سارہ کر پریشان سے اعزاز میں زین الدین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ پھر سنبلا اور زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”پہلے یہ بتاؤ تم کون ہو اور مجھ سے ایسا سلوک کرنے کی جرأت جسارت تم کیسے کر رہے ہو جانے ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟“

زین الدین اس پر کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس بار معاملہ فضل بن اسحاق کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ جست لگانے کے اعزاز میں وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے پاؤں کی ایک ٹوکراں نے یوقاس کی پسلیوں پر اس زور سے ماری کہ یوقاس بلبلاتا ہوا اور ساتھ ہی گونجتی اور گرجتی ہوئی آواز میں فضل بن اسحاق بول اٹھا تھا۔

”تمہاری یہ جرأت اور جسارت کہ ہمارے امیر سے ایسی اور اس اعزاز میں گفتگو کرو۔ میں تمہاری ہڈیوں سے زندگی بخشے والا گودا اور تمہاری رگوں سے خون نچوڑ کر رکھ دوں گا۔ جانے ہو تم کس سے ہمکلام ہو تمہارے سامنے اس وقت ہمارے امیر زین الدین بیٹھے ہوئے ہیں اور زین

الدین کا نام یقیناً تمہارے شعور اور لاشعور دونوں میں رقص کر گیا ہوگا۔“

زین الدین کا نام سن کر یوقاس کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے اندر زردیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ گردن اس کی جھک گئی تھی۔ پھر زین الدین نے اسے مخاطب کیا۔

”یوقاس اگر تم نے ایک خاص قسم کی غلیظ حرکت نہ کی ہوتی تو میں تمہیں یوں اس کلیسا میں لا کر نہ مارتا، کسی میدان جنگ، کسی رزم گاہ میں تمہیں للکارتا، تم نے ایڈریسہ کے سابق حکمران تھوروس کی بیٹی سبتہ کو یہاں بلا کر اسے اس کی عزت اس کی آبرو سے محروم کرنا چاہا۔ اس لئے کہ وہ انتہائی خوبصورت اور پرکشش ہے اور تم نے اسے اس کے زور و عصمت سے محروم کرنا چاہا۔ وہ اس کی خوش قسمتی اس کی خوش نصیبی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوگئی۔ جس طرح کبھی سبتہ اس کلیسا میں بے بس تھی، آج اسی کے انداز میں تم ہمارے سامنے ہو۔ وہ تمہارے سامنے بے بس اور مجبور ہوئی تھی اور آج تم ہمارے سامنے بے بس اور مجبور ہو۔ وہ تو جان بچا کر کسی نہ کسی طرح بھاگ گئی۔ پر یوقاس تمہیں بھاگنا نصیب نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ تو اس کے مسلح محافظ بھی نہیں تھے۔ تمہارے ساتھ تو تمہارے مسلح محافظ بھی آئے ہیں اور تمہارے ساتھ وہ بھی جہنم کی طرف بانک دیئے جائیں گے۔ سن شیطان کے گماشتے ابلیس کے نمائندے! اتونے کیا سمجھا تھا کہ اس قسم کی غلیظ کارروائیاں کرنے کے بعد ابلیس اور شیطان کی طرح تیری رسی دراز ہو جائے گی۔ تو بے تحشہ بیل اور بے نگیل اونٹ کی طرح کھلے میدانوں اور دشت میں جو جا ہے کرتا پھرے گا۔ کوئی تم سے باز پرس اور جواب طلبی نہیں کرے گا ہرگز نہیں۔“

پھر زین الدین نے ایک چھوٹے سالار کو بلایا۔ اس کے کان میں کھسر پھسری کی۔ اس کو سن کر اس کے چہرے پر ہلکا سا جھمکنا نمودار ہوا۔ اپنے ایک ساتھی کو اس نے ساتھ لیا۔ یوقاس کو اس کی نشست سے اٹھا کر کلیسا کے اس کمرے کے کونے میں لے گئے اور وہاں یوقاس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

یوقاس کے اس طرح مرنے اور اپنے انجام کو پہنچنے پر بڑے پادری پر ایک طرح سے غشی طاری ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ زین الدین نے اس کا شانہ پکڑ کر اسے جھنجھوڑا اور کہنے لگا۔

”تم بے ہوش ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اس لئے کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ چاہئے تو یہ

تھا کہ ہم یوقاس کے ساتھ تیری اور یہاں جس قدر کام کرنے والے ہیں سب کی گردنیں کاٹ دیتے۔ لیکن ہم ایسا نہیں کر رہے۔ ایسا نہ کرنے کی تین وجوہات ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا اور اس کے بعد بڑے پادری کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”پہلی وجہ یہ ہے کہ ہماری نسبت اور ہمارے تعلق سے تمہاری یہ پہلی غلطی ہے۔ اس بناء پر تمہارے لئے معافی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ تم اس کلیسا کے بڑے پادری ہو جبکہ ہم مسلمان عبادت گاہوں اور اس کے نگہداروں کی عزت اور احترام کرنے والے لوگ ہیں۔“

”تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ کام تم نے چونکہ کسی اور کی انگیزت پر کیا ہے۔ لہذا ہم تمہیں زندہ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اگر یہ کام تم نے از خود کیا ہوتا تو پھر ہم تمہیں تمہارے اس کلیسا سے باہر نکال کر عام لوگوں کے سامنے تمہاری گردن کاٹ کر تمہاری کٹی ہوئی گردن اور تمہارے دھڑ کو اس بستی کے کتوں کے آگے پھینکتے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔“

اس کے ساتھ ہی زین الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے فضل بن اسحاق اور دوسرے سالار بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ زین الدین نے پھر بڑے پادری کو مخاطب کیا۔

”میں اب جاتا ہوں۔ پر ایک بات یاد رکھنا میرے چاہنے والے تم اور تمہارے مگاشتون اور نمائندوں پر نگاہ رکھیں گے۔ آنے والے کسی بھی وقت اگر تم نے یا تم سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اس قسم کی کوئی زیادتی کی تو تمہارا ایسا حشر ہوگا کہ آس پاس کی بستیوں والے اپنے ہاتھ کانوں کو لگا نہیں گے۔“

میری ایک اور بات غور سے سن لینا تم نے تمہارے بیٹی سبتہ کو یوقاس کو تحفے کے طور پر پیش کرنے کیلئے بلایا تھا۔ تمہارے دل میں اس موقع پر یہ بھی خیال آ سکتا ہے کہ سبتہ نصرانی ہے اور ہم مسلمان ہیں۔ لہذا ایک نصرانی اور عیسائی کی عزت اور آبرو سے ہمیں کیا تعلق اور واسطہ۔“

”پر بڑے پادری ایک بات یاد رکھنا عورت مسلمان ہو یا نصرانی، یہودی ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والی۔ اس کی عزت اس کی آبرو اس کی عصمت اور اس کا ناموس ہمارے لئے قابل احترام ہے اور ہم سے یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہم ان کی حفاظت کریں اور انہیں وہ عزت دیں جن

کی وہ حقدار ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی زین الدین اور فضل بن اسحاق اپنے ساتھیوں کے ساتھ کلیسا کے اس بڑے کمرے سے نکلے۔ کلیسا کے دوسرے لوگوں کو جو ایک کمرے میں بند کیا گیا تھا۔ اس کی زنجیر جاتے ہوئے زین الدین نے کھول دی۔ وہ سب بھاگتے ہوئے جب اس بڑے کمرے میں گئے جس میں ابھی تک سر جھکائے بڑا پادری بیٹھا ہوا تھا تو وہاں اس کمرے کے کونے میں نائٹ یوقاس کی لاش خون میں لت پت دیکھ کر وہ سارے حیران پریشان اور خوف زدہ رہ گئے تھے۔ پھر سب بڑے پادری کو اٹھا کر اس کے کمرے کی طرف لے گئے تھے۔ جبکہ زین الدین اور فضل بن اسحاق اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلے۔ دروازے کے قریب ہی یوقاس کے جن ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھے تھے ان کی طرف زین الدین نے مخصوص اشارہ کیا اور یہ مخصوص اشارہ کرتے ہی اس کے ساتھی حرکت میں آئے اور انہیں بھی موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔ اس کے بعد زین الدین اور فضل بن اسحاق اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اپنے ممکن کا رخ کر رہے تھے۔



سکون اور طمانیت حاصل ہوگی۔“

اس کے ساتھ ہی سب قاضی ابوسعید کے ساتھ ہوئے۔ زین الدین کے مکان میں داخل ہوئے۔ سب دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ قاضی ابوسعید نے پھر زین الدین کو مخاطب کیا۔

”بیٹے اب کہو یہ مہم تم نے اور فضل بن اسحاق نے کیسے اور کس طرح سر کی؟“ اس موقع پر زین الدین نے مخصوص اشارہ فضل بن اسحاق کی طرف کیا۔ جس پر فضل بن اسحاق نے مزے لے لے کر ساری تفصیل سب سے کہہ دی تھی۔

ساری تفصیل جاننے کے بعد قاضی ابوسعید نے دعا مانگنے کے انداز میں ہاتھ بلند کرتے ہوئے بڑی رقت اور بڑی عاجزی میں کہنا شروع کیا۔

”اے اللہ ہم سب تیرے رگزار ہیں کہ تو نے نفرت کی پیاس کے فرعونوں، حرمت اور تقدیس کے دشمنوں، خزاں رتوں کے خونی گجولوں، خونی سیلابوں کے فریب، دکھ اور حسد کے ہیولوں اور خونی درندوں کے غول کے خلاف ہمیں یہ شاندار کامیابی عطا فرمائی۔

اے میرے رب کریم! ہمارے کردہ گناہوں پر نہ جا، یہ زمین، یہ آسمان تیرے جلال کا کمال ہے اور ہم تیرے عاجز اور تیری ہی عبادت کرنے والے لوگ ہیں۔ میرے اللہ تو ہی ابھرتے چاند کو روشنی کا بحر عطا کرتا ہے تو ہی اندھیروں کے بے کراں ساحلوں سے نور سر کو نکالتا ہے۔ کلیوں کو تو ہی پھول بناتا ہے۔ اے خدائے برتر اور مہربان ہمارے گم گشتہ ماہ و سال کے گناہوں اور کوتاہیوں سے چشم پوشی فرما، ہمارے اعمال کے دھبوں کو نہ دیکھ، زیست کے میدانوں میں ہر موڑ پر ہم سب تیری نصرت، تیری ہی مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اے اللہ ہماری مدد فرما، اے اللہ ہماری مدد فرما۔“

جب تک قاضی ابوسعید دعا مانگتے رہے سب پر ایک طرح کا سکوت اور رقت طاری رہی۔ یہاں تک کہ ارطالیس اپنی جگہ پر اٹھی اور زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر آج سب کھانا پیئیں کھائیں گے۔ میں نے سبتہ اور خالہ میکل کے ساتھ مل کر سب کیلئے کھانا تیار کیا ہوا ہے۔ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا۔ میں پہلے گرم کرتی ہوں۔ اس کے بعد سب کو بلاتی ہوں۔“

یہ الفاظ ادا کرنے کے بعد ارطالیس وہاں سے نکل گئی تھی۔ اس موقع پر قاضی ابوسعید اپنی

زین الدین کے مکان میں قاضی ابوسعید، احمد بن قاسم، بدر الدین، میکل، ارطالیس اور سبتہ سب بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ باہر زین الدین کی آمد کا شورا مٹا۔ اس پر سب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بھاگتے ہوئے مکان سے باہر نکل آئے۔ اتنی دیر تک ایک طرف سے عدنان بن ہاشم بھی تقریباً بھاگتا ہوا ادھر ہی آ گیا تھا۔ یہاں تک کہ زین الدین اور فضل بن اسحاق کے ساتھ جو دوسرے ساتھی گئے تھے۔ انہیں زین الدین نے اپنے اپنے گھروں کو جانے کیلئے کہا۔ وہ خود اور فضل بن اسحاق جب کچھ آگے بڑھے تو ان کا استقبال کرنے کیلئے وہاں قاضی ابوسعید، عدنان بن ہاشم، احمد بن قاسم، ارطالیس، میکل، سبتہ، بدر الدین سب کھڑے ہوئے تھے۔

انہیں دیکھتے ہوئے زین الدین اپنے گھوڑوں سے اترا۔ اتنے میں بدر الدین اس کی طرف بھاگا۔ اسے اپنی طرف بھاگتا دیکھ کر زین الدین زمین پر بیٹھ گیا اور جب بدر الدین اس کے قریب آیا، جب اس نے بدر الدین کو گلے لگا کر اس کا منہ کئی بار چوما۔ پھر بدر الدین بڑے پیار اور بڑی محبت میں کہنے لگا۔

”اے عم! آپ جس مہم پر گئے تھے اس کا کیا بنا؟“

اس پر زین الدین نے بڑی شفقت سے اس کا گال تھپتھپایا اور پھر کہنے لگا۔

”اے فرزند مہربان! جس مہم پر ہم گئے تھے اسے ہم کامیابی سے سر کر کے لوٹے ہیں۔“

اتنی دیر تک قاضی ابوسعید بھی قریب آ گیا تھا۔ باری باری زین الدین اور فضل بن اسحاق کی پیٹھ اس نے تھپتھپائی، پھر کہنا شروع کیا۔

”مجھے بے حد خوشی اور تسکین ہے کہ تم دونوں جس مہم پر گئے تھے اسے کامیابی سے سر کر کے آ رہے ہو۔ میرے بچوں میرے ساتھ آؤ میں اس کی تفصیل جانتا پسند کروں گا۔ اس میں مجھے قلبی

جگہ پر اٹھا اور وہاں بیٹھے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر آپ لوگ برانہ مائیں تو میں ذرا زین الدین سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں بعد میں میں آپ سب لوگوں پر انکشاف کروں گا کہ میں نے کس موضوع پر گفتگو کی۔ فی الوقت میں اس موضوع کو راز میں رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ بڑا اچھا موضوع ہے اور اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو میں سمجھتا ہوں اس مسکن کے اندر ایک نئی بہار اور اس مسکن کے اندر ایک نئی طمانیت کی لہر پھیل جائے گی۔“

پھر قاضی ابوسعید زین الدین کا ہاتھ پکڑ کر اس کمرے سے باہر محن میں لے گیا۔ پھر بڑی اذاری میں کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے میں تم سے کوئی طویل گفتگو نہیں کروں گا۔ گزشتہ کئی دنوں سے ارطالیں کوشش کر رہی تھی کہ اسے تم سے علیحدگی میں گفتگو کرنے کا موقع ملے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آج میں نے اس سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میں تمہیں ایسا موقع فراہم کروں گا۔ بیٹے وہ اپنے اور تمہارے متعلق بہت کچھ کہنا چاہتی ہے۔ بیٹے اس موقع پر میں تم سے یہ بھی نہیں کہوں گا کہ جو ارطالیں کہے تم مان جانا، یہ فیصلہ تم دونوں کا ذاتی ہوگا اور جو فیصلہ بھی تم کرو گے میں قاضی ابوسعید اس کے سامنے سر جھکا دوں گا۔ بچو! میں تمہاری بہتری، تمہاری بھلائی چاہتا ہوں اور ساتھ یہ بھی خواہش رکھتا ہوں کہ جس طرح تم ایک اچھے خاصے بڑے خاندان میں رہتے تھے تمہارا خاندان پھر سے ایسے ہی پھلے پھولے دیکھو اور ارطالیں کھانا گرم کرنے کیلئے گئی ہے اسے پتا ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے میں تمہیں بھیجوں گا۔ لہذا تم سے علیحدگی میں گفتگو کرنے کیلئے تیار ہے۔ بیٹے میں یہیں بیٹھتا ہوں، تم ارطالیں کی طرف جاؤ۔ جو کچھ وہ کہنا چاہتی ہے سننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

قاضی ابوسعید جب خاموش ہوا، تب مسکراتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید! آپ کیسی گفتگو کر رہے ہیں۔ ارطالیں بہت اچھی لڑکی ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے تو میں پوری توجہ سے سنوں گا۔ آپ ان کے پاس جا کر بیٹھیں میں ارطالیں کی طرف جاتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی زین الدین باہر نکل گیا تھا اور قاضی ابوسعید مسکراتا ہوا واپس سب کے پاس کمرے میں بیٹھ گیا تھا۔

ارطالیں مطبخ میں کھانا گرم کر رہی تھی کہ اسے احساس ہو گیا تھا کہ مکان میں زین الدین

داخل ہوا ہے۔ لہذا وہ مطبخ سے باہر آئی۔ مسکراتے ہوئے اس نے زین الدین کا استقبال کیا۔ دیوان خانے میں اسے بیٹھایا۔ جب وہ باہر جانے لگی، تب زین الدین نے اسے مخاطب کیا۔

”ارطالیں یہاں میرے سامنے بیٹھو۔“

اس پر ارطالیں مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں ابھی آتی ہوں، چولہے سے کچھ لکڑیاں نکال کر آگ کو مدھم کر دوں۔ پھر میں آپ کے پاس بیٹھتی ہوں۔“ اس کے بعد بھاگتی ہوئی ارطالیں مطبخ کی طرف گئی، جلد ہی وہ لوٹی اور زین الدین کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ پھر زین الدین نے اسے مخاطب کیا۔

”قاضی ابوسعید کہہ رہے تھے کہ تم علیحدگی میں مجھ سے کہنا چاہتی ہو۔“

جواب میں ارطالیں سنجیدہ ہو گئی۔ گردن جھکا کر کچھ سوچا۔ پھر غور سے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”علیحدگی میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ پرسوجتی ہوں کہ میں کن الفاظ سے اپنی گفتگو کا آغاز کروں۔ دراصل امیر بات یہ ہے چند دن پہلے قاضی ابوسعید نے میرے رشتے کی آپ سے بات کی تھی اور آپ نے انکار کر دیا تھا۔ میں اسی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں کہ کیا آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یا کسی اور کی محبت میں مبتلا ہیں۔“

”جس کی بنا پر آپ نے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔“

ارطالیں کے ان الفاظ پر زین الدین مسکرایا۔ پھر کہنے لگا۔

”یہ کس پاگل نے تم سے کہہ دیا ہے کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں اور یہ کس جنونی نے تم پر انکشاف کر دیا کہ تمہیں چھوڑ کر میں کسی اور کی طرف مائل ہوں۔ ارطالیں میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں، تم سے محبت بھی کرتا ہوں۔ لیکن شادی سے میں نے اس لئے انکار کیا تھا کہ.....“

زین الدین کے یہ الفاظ کہنے تھے کہ ارطالیں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اپنی نشست سے اٹھ کر وہ اس نشست پر ہو بیٹھی۔ جس پر زین الدین بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنا گداز ہاتھ زین الدین کے منہ پر رکھ دیا اور کہنے لگی۔

”امیر اس سے آگے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں نہ کہیے گا۔ یقیناً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ہر

روز کسی نہ کسی مہم پر نکلتے ہیں اور موت کا تعاقب کرتے ہیں اور یہ کہ آپ مجھے کسی دکھ کسی کرب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے۔ امیر آپ جہاں کہیں بھی جاتے ہیں میری دعائیں آپ کے ساتھ ہوتی ہیں۔

آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ اس مسکن میں ایک چھوٹے سے مکان میں زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ میں کسی دور میں بیسائی حکمران بالڈون کی شہزادی تھی اور آپ میرے لئے وہ وسائل مہیا نہ کر سکیں گے جو اس سے پہلے مجھے میسر تھے۔

اگر یہ سب خیالات آپ کے ذہن میں ہیں تو میں آپ سے ایک بات کہتی ہوں کہ میں ارطالیس امیر زین الدین کیلئے پیدا ہوئی تھی۔ امیر زین الدین اگر مجھے کھلے آسمان تلے بھی رکھیں گے تو میں حرف شکایت زبان پر نہیں لاؤں گی۔ امیر میں نے آپ کے وسائل آپ کی مالی حالت آپ کی ناموری اور آپ کے منصب سے محبت نہیں کی، میں نے آپ کی ذات کو چاہا ہے۔ اگر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں مجھے چاہتے ہیں تو میں سمجھوں گی آپ کی محبت میرے لئے زندگی کی سب سے بڑی چاہت اور میری زیست کیلئے سب سے عمدہ اور قیمتی تحفہ ہے۔ امیر آپ کی محبت میری زندگی کا محور اور آپ کا حصول میری زندگی کا مدعا ہے۔ اس کے علاوہ میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ یہاں تک کہنے کے بعد ارطالیس جب خاموش ہوئی تب کچھ دیر تک زین الدین غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

”ارطالیس میرے متعلق اگر تمہارے یہی خیالات ہیں تو پہلے ہم آپس میں منگنی کر لیتے ہیں۔ میرے ساتھ اٹھو بیٹھو مجھے سمجھنے کی کوشش کرو اس کے بعد بھی تمہارے یہی خیالات ہوئے جو اب ہیں تو پھر میں تم سے شادی کرتے ہوئے تمہیں اپنی زندگی کی ساتھی بناتے ہوئے غر محسوس کروں گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر ارطالیس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر ایک دم اسے کوئی خیال آیا اور بڑے غور سے وہ زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”مجھے آپ کو سمجھنے اور جاننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو کچھ میں جانتا چاہتی تھی وہ تو میں پہلے ہی جان چکی ہوں۔ پھر آپ مزید کیا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی زندگی کے کون سے پہلو کو جانوں۔“

جواب میں زین الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ارطالیس تم جانتی ہو میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ریٹارڈس اور اسٹش کو موت کے گھاٹ نہیں اتارتا تب تک میں مسہری پر نہیں سوؤں گا اور نیا لباس نہیں پہنوں گا۔ تم جانتی ہو تب سے میں نہ مسہری پر سویا ہوں نہ ابھی تک میں نے کوئی نیا لباس پہنا ہے۔ میں چاہتا ہوں میری اور تمہاری شادی اس وقت اطمینان قلب کے ساتھ ہو جب میں ریٹارڈس اور اسٹش کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔“ اب بولو تم کیا کہتی ہو۔

اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ارطالیس کہنے لگی۔

”اگر آپ کے یہی خیالات ہیں تو میں آپ کے ان خیالات سے پوری طرح متفق ہوں اور زندگی کے ہر معاملے میں آپ سے تعاون کروں گی۔ اب مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ مجھے اپنی محبت اور چاہت مل گئی ہے۔ یہ میرے لئے سب سے بڑا خزانہ اور یہی میرے لئے زندگی کا اثاثہ الیت اور پونجی ہے۔“ اس کے ساتھ ہی تقریباً اچھلنے کے انداز میں ارطالیس اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی، بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔ زین الدین کے مکان کے بیرونی دروازے پر آئی اور آواز دے کر سب کو کھانے کیلئے بلایا۔

اس پر سب اٹھ کر قاضی ابوسعید کے ہاں داخل ہوئے۔ ارطالیس نے قاضی ابوسعید کو مکان کے صحن میں ہی بازو پکڑ کر روک لیا۔ پھر بڑی رازداری سے وہ ساری گفتگو قاضی ابوسعید سے کہہ دی تھی، جو علیحدگی میں زین الدین کے ساتھ ہوئی تھی۔ اسے سن کر قاضی ابوسعید کی بھی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

پھر ارطالیس اور ابوسعید بھی دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ لہذا قاضی ابوسعید نے ارطالیس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”ارطالیس میری بیٹی سامنے والے کمرے میں سے بائیں کمرے میں چٹائیاں بچھا دو وہیں سب بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

چنانچہ ارطالیس جب اپنی جگہ سے اٹھی تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے سب سے بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں نے اس کمرے میں چٹائیاں بچھائیں۔ پھر وہاں سب مل کر کھانا کھانے لگے تھے۔

کھانے کے بعد قاضی ابوسعید نے پہلے سب کا جائزہ۔ پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس موقع پر میں آپ سے ایک خوشی کی خبر بھی کہنا چاہتا ہوں۔ زین الدین کے مکان میں میں نے آپ لوگوں سے معذرت کی تھی کہ میں زین الدین سے علیحدگی میں کوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلے پر دونوں اطراف راضی اور خوش ہیں۔ میں چاہتا ہوں زین الدین اور ارطالیس دونوں کو رشتہ ازدواج میں جکڑ دیا جائے۔ ارطالیس زین الدین کو پسند کرتی ہے اور اس کی محبت سے میرے خیال میں سارے ہی آگاہ ہیں۔ اس سلسلے میں امیر زین الدین کے ساتھ تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوئی ہے۔ لہذا یہ طے پایا ہے کہ فی الحال ارطالیس امیر زین الدین کی منگنی رہے گی اور جب اسٹس اور رینارڈس کو ختم کر کے زین الدین مسبری پر نہ سونے اور نیا لباس نہ پہننے کی قسم پوری کر لیتے ہیں جب زین الدین اور ارطالیس کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ میرے خیال میں اس رشتے کو کبھی پسند کریں گے۔“

یہ خبر سن کر سب نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ مکمل اور سب سے بھی خوشی کا اظہار رہی تھیں، کچھ دیر سب بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کو ہو لئے تھے۔



ایڈیسہ کا بادشاہ اور شہزادی ارطالیس کا باپ بالڈون ایک روز ایڈیسہ کے قصر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کے کچھ سالار اور امراء بھی بیٹھے ہوئے تھے اور کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ یاد رہے کہ یروشلم کے بادشاہ کا نام بھی بالڈون تھا اور ایڈیسہ کے بادشاہ کا نام بھی بالڈون تھا اور یروشلم کے بادشاہ بالڈون کے مرنے کے بعد ایڈیسہ کا حکمران بالڈون ہی یروشلم کا بادشاہ بھی ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا محافظ دستوں کا سالار اس دروازے پر نمودار ہوا۔ بالڈون کو اس نے تعظیم دی۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے گفتگو کا آغاز کیا اور بالڈون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں دو بری خبریں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔“

بالڈون منہ سے کچھ نہ بولا۔ اثبات میں اپنی گردن ہلائی تب اس کے محافظ دستوں کا سالار بولا اور کہنے لگا۔

”پہلی بری خبر یہ ہے کہ آپ نے اپنے جن چار سرکردہ آدمیوں کو شیزر کے قریب مسلمانوں کے مسکن کی طرف روانہ کیا تھا۔ جس کا امیر ان دنوں ایک شخص زین الدین ہے اس لئے کہ آپ کی بیٹی ارطالیس نے وہاں قیام کر رکھا ہے۔ ہمارے ان چار ساتھیوں نے زین الدین سے ارطالیس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن زین الدین نے ارطالیس کو واپس ہمارے پاس بھیجنے سے انکار کر دیا۔ دوران گفتگو ہمارے سفارتکاروں نے سخت گفتگو بھی کی جس کے نتیجے میں ہمارے چار ساتھیوں میں سے ایک کی گردن کاٹ دی گئی ہے۔ اس کا دھڑ وہاں پھینک دیا گیا ہے اور کٹا ہوا سر ہمارے پاس بھیج دیا ہے۔ اس کے تین ساتھی ابھی ابھی آئے ہیں وہ باہر بیٹھے ہیں اور انہوں نے ہی اطلاع دی ہے۔“

اس پر بالڈون کا رنگ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں تہرہ برسانے لگی تھیں۔ یہاں تک کہ

اپنے محافظ دستوں کے سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ان تین کو فی الحال باہر ہی روکو میں ان سے بعد میں ملاقات کروں گا۔ پہلے دوسری خبر کو کہ دوسری خبر کیا ہے؟“

اس پر وہ شخص بولا اور کہنے لگا۔

”مالک دوسری خبر یہ ہے کہ مسلمانوں کے اسی مسکن کے سالار زین الدین نے نائٹوں کے سالار یوقاس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔“ پھر اس سالار نے یوقاس کو کس طرح مارا تھا۔ اس کی تفصیل اختصار کے ساتھ بالذون سے کہہ دی تھی اور یہ دوسری خبر سن کر بالذون کا غصہ اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تھا۔

ہاتھ کے اشارے سے اس نے اپنے محافظ دستوں کے سالار کو اپنے سامنے بیٹھنے کیلئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گیا، تب اپنے سالاروں اور امراء کو مخاطب کرتے ہوئے بالذون کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے سالار زین الدین کا ہماری بیٹی کو ہمارے حکم پر واپس نہ کرنا ہماری توہین ہماری بے عزتی ہے اور جب تک ہم اس سے اپنی بیٹی ارطالیں کو واپس نہ لیں اس وقت تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس نے مزید براہ فعل یہ کیا ہے کہ اس نے دھوکے سے یوقاس کو کلیسا میں بلوا کر اس کا سر قلم کر دیا ہے اور اس کی بھی سزا سے اسے گزرنا پڑے گا۔“

اس کے بعد اپنے اس سالار کو اس نے اپنے قریب بلایا اور پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

آج اسی وقت طرطوس کے حاکم ٹینکرڈ اور حسن الاکراہ کے حکمران کی طرف تیز رفتار قاصد بھجواؤ۔ فی الحال ہمارے یہی دونوں حکمران ہیں جو اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ ان سے پوری تفصیل کہو کہ کس طرح ہماری بیٹی کو واپس کرنے سے انکار کیا گیا ہے اور کس طرح دھوکہ دہی سے نائٹوں کے سردار یوقاس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ ٹینکرڈ کو میری طرف سے یہ بھی ترغیب دینا کہ اگر وہ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں کے سالار زین الدین سے میری بیٹی ارطالیں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں ارطالیں کو اس سے بیاہ دوں گا۔ وہ دونوں حکمران اپنے عساکر لے کر ہماری طرف آئیں اور پھر ہم یہاں سے شیرز کے نواح میں مسلمانوں کے اس مسکن پر حملہ آور ہوں گے اور پھر ہم دیکھیں گے کہ وہ کیسے ہماری بیٹی ارطالیں کو واپس نہیں کرتے؟ کیسے ہم ان سے یوقاس کے مرنے کا انتقام نہیں لے سکتے اور کیسے اور کس طرح وہ اپنے مسکن کی حفاظت

ہمارے مقابلے میں کرتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی بالذون نے وہ اجلاس ختم کر دیا تھا اور اسی روز اس کے قاصد حسن الاکراہ اور طرطوس کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



جہاں تک طرطوس کا تعلق ہے تو آخری اور ابن حوقل کہتے ہیں کہ طرطوس ساحل کا قلعہ اور اہم شہر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کا قرآن مجید یہاں محفوظ تھا۔ شہر کے گرد سنگین فصیل ہے جو ناگہانی حملوں سے اسے مامون رکھتی ہے۔

مؤرخ اور یسی کے قول کے مطابق طرطوس سمندر کے کنارے واقع ہے جس کے بازاروں میں ہجوم رہتا ہے اور تجارت کا ہجوم یہاں نظر آتا ہے۔ خود شہر ایک بڑی خلیج کے سرے پر واقع ہے اور اس کے شمال میں سلسلہ کوہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ خلیج دس میل لمبی نکلی ہوئی ہے۔ شہر کے گرد فصیل ہے اور اسے مغربی سے قلعہ بند کر دیا گیا ہے۔

یا قوت لکھتا ہے کہ طرطوس ساحلی شہر ہے۔ عرقہ کے مشرق میں اس سے آٹھ فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس میں دو برج چھوٹے قلعوں کی مثل بنے ہوئے ہیں۔ اسے ابتداء میں حضرت ابو عبیدہ ابن صامت نے ہجری سترہ میں لازقیہ اور جبلہ کی فتح کے بعد تخریر کیا تھا۔ پھر یہ شہر مسمار کر دیا گیا اور کئی سال ویران اور غیر آباد پڑا رہا۔ حتیٰ کہ خلیفہ حضرت امیر معاویہ نے اسے مرقیہ اور بلدنیاس کی طرح دوبارہ بنوایا اور قلعہ بند کر دیا۔

دشقی بیان کرتا ہے۔ طرطوس میں نصاریٰ کا ایک گرجا نہایت شاندار بنا ہوا ہے۔ اسی میں ایک عمارت وہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم کے نام پر شام میں سے سب سے پہلی عمارت یہی تھی۔

جہاں تک دوسرے مقام یعنی حسن الاکراہ کا تعلق ہے تو اسے قلعات الحسن بھی کہتے ہیں۔ حمس کے مقابل جانب مغربی پہاڑ پر ایک ناقابل تخریر قلعہ ہے۔ یہ جبل انجلیب کے پہاڑ ہیں جو آگے پھیل کر حمس اور بعلبک کے درمیان جبل لبنان سے جاتے ہیں۔ امراء شام میں سے ایک شخص نے یہاں یہ شہر آباد کیا اور کر دوں کی چھاؤنی قائم کی کہ یورپی حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ اس کے بعد صلیبیوں نے اسے کر دوں سے لے لیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔

ٹینکرڈ، حسن الاکراد کا حکمران ہمارے پرانے دشمن اسمٹس اور رینارڈس خود بالڈون کا لشکر بھی شامل ہے

اس موقع پر میں اپنی طرف سے ایک تجویز آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تمہارے دل کو لگے تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ تم میں سے کسی کے پاس دشمن سے منبے کیلئے بہتر تجویز ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

میرے ذہن میں اس وقت منصوبہ بندی یہ ہے کہ اپنے مسکن کے اطراف میں بلند کوہستانی سلسلوں کے اوپر جو ہم نے برج بنا رکھے ہیں ان کے اندر اور برجوں کے علاوہ برجوں کے درمیان جو بڑی بڑی چٹانیں ہیں ان سب کے پیچھے اپنے تیر انداز بٹھادیئے جائیں۔ ہمارے ان کوہستانی سلسلوں سے کافی گندھک ملی ہے اور رال بھی ہم نے حاصل کر لیا ہے۔ لہذا اس سے ہم نے روغن نفت بتانا شروع کر دیا ہے۔ پس جو تیر انداز مسکن کے ارد گرد برجوں اور چٹانوں کے پیچھے مقرر کئے جائیں گے انہیں روغن نفت کی ہانڈیاں بھی مہیا کی جائیں گی۔ ان ہانڈیوں کے اندر بھرے روغن نفت میں اپنے تیروں کی نوک ڈبو کر وہ تیر چلائیں گے۔ اس طرح جب جلتے ہوئے تیر دشمن کے پڑاؤ پر کریں گے تو وہ بد حالی اور بد نظمی کا شکار ہوں گے اور ان کی اسی حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں انہیں مار بھگا جائے گا۔“

”اس وقت ہمارے پاس جو لشکر ہے وہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ مسکن کے اندر رہے گا۔ میرے دونوں عزیز بھائی عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق مسکن کے اندر رہیں گے اور اس لشکر کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ کچھ چھوٹے سالار ایسے مقرر کئے جائیں گے جو مسکن کے ارد گرد بنے برجوں کے اندر اور چٹانوں کے پیچھے رہ کر کام کرنے والے تیر اندازوں کی نگرانی اور ان کی رہنمائی کا کام سرانجام دیں گے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو دوسرا آدھا لشکر میری کمانداری میں ہوگا اور دشمن کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے آدھے لشکر کو لے کر میں اپنے مسکن سے نکل جاؤں گا اور شمال کی طرف پیچھے جاؤں گا۔ شمال میں جو ہمارے برج ہیں ان کے اوپر ہمارا اپنے مسکن کے ساتھ رابطہ رہے گا اور انہیں برجوں کے ذریعے ہمارے پاس ضرورت کے وقت ہر قسم کا سامان بھی پہنچتا رہے گا۔“

”جہاں تک دشمن کے حملہ آور ہونے کا تعلق ہے تو میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ دشمن اپنے لشکر کو

بہر حال ایڈیسہ کے بادشاہ نے اپنے جو تیز رفتار قاصد مطرطوس اور حسن الاکراد کی طرف بھجوائے تھے وہ کامیاب ہوئے اور مطرطوس کے حکمران ٹینکرڈ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر صورت میں مسلمانوں کے سالار زین الدین کا خاتمہ کر کے رہیں گے۔ چنانچہ حسن الاکراد کا حاکم اور مطرطوس کا حکمران ٹینکرڈ اپنا اپنا لشکر لے کر بالڈون کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ ٹینکرڈ آرمینیا کا رہنے والا تھا اور اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ انتہا درجہ کا جری اور جنگ کا بہترین تجربہ رکھنے والا تھا۔

مطرطوس کا حکمران ٹینکرڈ جسے تاریخ کے اوراق میں ٹینکرڈ بھی لکھا گیا ہے۔ یہ دو بھائی ان صلیبیوں جنگوں میں شامل تھے۔ ایک ٹینکرڈ اور دوسرا بو مانڈ۔ بہر حال حسن الاکراد اور مطرطوس کے حکمران اپنے اپنے لشکر لے کر بالڈون کے پہنچنے۔ اس سے پہلے بالڈون نے ایک اور قدم اٹھایا۔ اس سلسلے میں اس نے کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ سینٹ گرے کے اپنے ہمسایہ حکمرانوں سے بھی پیغام رسائی کی جس کے جواب میں ان دونوں نے اپنے اپنے سالار اسمٹس اور رینارڈس دونوں کے تحت ایک خاصا بڑا لشکر بالڈون کی مدد کیلئے بھجوا دیا تھا۔ جب اسمٹس رینارڈ ٹینکرڈ اور حسن الاکراد کا حکمران اپنے اپنے لشکر کو لے کر بالڈون کے مرکزی شہر ایڈیسہ پہنچ گئے، تب ان سارے لشکر کو لے کر بالڈون نے دو دن تک آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد خوراک کے ذخائر اسلحے اور دوسرے کیل کاٹنے سے لیس ہونے کے بعد بالڈون نے اس جرار اور متحدہ لشکر کے ساتھ دریائے اونیٹس کا رخ کیا تھا۔

دوسری طرف زین الدین اور شیزر شہر اور قلعے کے حکمران اسامہ کو بھی ان کے مخبر یہ اطلاع دے چکے تھے کہ ایڈیسہ کا حکمران بالڈون ایک بہت بڑا لشکر لے کر شیزر اور زین الدین کے مسکن پر حملہ آور ہونے کیلئے کوچ کر چکا ہے۔ ان حالات میں زین الدین نے بھی اپنے سارے سالاروں کو اپنے مکان میں جمع کر لیا اور جس میں سارے چھوٹے بڑے سالاروں کے علاوہ شیزر شہر کا حاکم اور سپہ سالار اسامہ بھی اپنے کچھ دیگر سالاروں کے ساتھ شامل ہوا تھا۔

جب سب لوگ زین الدین کے مکان میں جمع ہو گئے، تب زین الدین نے کچھ دیر سب کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد کچھ سوچا۔ پھر مکان میں اس کی آواز گونجی تھی۔

”میرے عزیز ساتھیو! اس بار دشمن ایک بڑی طاقت اور قوت کے ساتھ ہم پر ضرب لگانے کے درپے ہے۔ ایڈیسہ کا حکمران جو جرار لشکر لے کر ہماری طرف پیش قدمی کر چکا ہے اس میں

اگلے روز مغرب کی نماز کے بعد زین الدین اپنے مکان میں اپنے کپڑے ایک خرچین میں ڈال رہا تھا۔ مغنی احمد بن قاسم اور زین الدین کا بھتیجا بدرالدین بھی اس موقع پر بڑے غور سے زین الدین کو اپنی تیاری کرتے دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں ارطالیس مکان میں داخل ہوئی۔ ارطالیس کو دیکھتے ہی بدرالدین اس کی طرف بھاگا اور اس سے لپٹ گیا۔ ارطالیس نے جھک کر بدرالدین کی پیشانی چومی۔ پھر آگے بڑھی، کچھ دیر تک بڑے غور سے اپنے کام میں مصروف زین الدین کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم آگے بڑھی۔ اس کے قریب جا کر کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“ زین الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میں آج عشاء کی نماز کے بعد اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ مسکن سے نکل کر اپنی گھات کی طرف چلا جاؤں گا۔ اس لئے کہ تھوڑی دیر پہلے خبر آئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ دشمن کل شام تک ہمارے مسکن اور شیرز شہر اور قلعے کے باہر نمودار ہو سکتا ہے۔“

زین الدین کے ان الفاظ سے لمحہ بھر کیلئے ارطالیس اداس اور فکر مند ہو گئی تھی۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے وہ خرچین جس میں زین الدین کپڑے ڈال رہا تھا۔ زبردستی اس سے لے لی ساتھ ہی شکووں بھری آواز میں کہنے لگی۔

”کپڑے خرچین میں اس طرح تو نہیں رکھے جاتے، جس طرح آپ رکھ رہے ہیں۔ آپ تو کپڑے ٹھوس رہے ہیں رکھ نہیں رہے۔ پھر اس نے خرچین الٹ دی، جس قدر کپڑے زین الدین نے خرچین میں ڈالے تھے وہ سارے مسہری پر ڈال دیئے۔ پھر ارطالیس اٹھی، زین الدین کے سارے کپڑوں کا اس نے جائزہ لیا جو سامنے والے صندوق کے اندر پڑے تھے۔ کچھ دیر کیلئے وہ اداس اور افسردہ ہو گئی تھی، کیونکہ کپڑے سارے پرانے اور بوسیدہ تھے اور بہت سے کپڑوں پر پوند لگے ہوئے تھے۔ یہ صورتحال یقیناً اس کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ کچھ دیر تک کھڑی ہو کر گہری سوچوں میں ڈوبی رہی۔ پھر زین الدین نے اسے اس طرح کھڑے دیکھا تو اسے پکارا، اس کے پکارنے پر ارطالیس چونکی، کچھ کپڑوں کا اس نے انتخاب کیا۔ وہ کپڑے اس نے مسہری پر بچھائے، بڑے طریقے اور سلیقے کے ساتھ انہیں تہ کر کے خرچین میں ڈالنا شروع کیا۔ پھر انتہائی دکھ اور پریشان کن انداز میں وہ زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

دو حصوں میں تقسیم نہیں کرے گا کہ آگے بڑھ کر ایک لشکر شیرز پر اور دوسرا ہمارے مسکن پر حملہ آور ہو، دشمن جانتا ہے اس طرح ان کی طاقت اور قوت تقسیم ہو جائے گی اور ان کے اندر کمزوری کے آثار پیدا ہوں گے۔ لہذا وہ اپنے لشکر کو یکجا رکھیں گے اور پہلے ہمارے مسکن کو اپنا ہدف بنائیں گے۔ اس کے بعد شیرز شہر پر حملہ آور ہوں گے۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے۔ اس میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔

جہاں تک میرے بھائی اسامہ اور اس کے سالاروں کا تعلق ہے تو یہ اس وقت سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ان سے گزارش کرتا ہوں کہ جب دشمن یہاں پہنچے تو یہ اپنے قلعے کے اندر محفوظ ہو جائیں اس لئے کہ قلعہ بڑا مضبوط اور بڑا مستحکم ہے۔ چنانچہ اسامہ سے اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ جس قدر لشکر اس کے پاس ہے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ شہر اور قلعے کی حفاظت پر مقرر کیا جائے اور دوسرے لشکر کو اسامہ لے کر وقفے وقفے سے قلعے سے نکل کر دشمن پر ضرب لگائے۔

اب دشمن پر حملہ آور ہونے کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ اسامہ بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرے۔ ایک حصہ کسی اچھے سالار کی کمانداری میں شیرز شہر کی حفاظت کیلئے چھوڑے اور دوسرے آدھے کے ساتھ بالکل تیار، مستعد اور منتظر رہے۔ میں جب دشمن پر حملہ آور ہوں گا تو میرے لشکر میں ہری جھنڈیاں لہرائی جائیں گی اور جب دشمن کا مجھ پر بوجھ پڑے گا تو میں سرخ جھنڈیاں لہراتا ہوا دشمن کے سامنے سے ہٹ کر اپنی پناہ گاہ کی طرف چلا جاؤں گا۔ چنانچہ اسامہ جب میرے لشکر میں سرخ جھنڈیاں دیکھے تو وہ فوراً دشمن پر حملہ آور ہو جائے۔ اس طرح دشمن کو یہ خبر ہوگی کہ ان کی پشت پر سے حملہ کر دیا گیا ہے تو وہ پلٹیں گے۔ ان کے پلٹنے پر میں بھی پلٹوں گا اور پشت کی جانب سے ایسا حملہ آور ہوں گا کہ اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھیے گا، ہماری قسمت ہمارے مقدر جلد اپنے خوشگوار انجام کو پہنچ جائے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد جب زین الدین خاموش ہوا۔ تب وہاں بیٹھے سارے چھوٹے بڑے سالاروں نے زین الدین کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد سب وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینا شروع کر دی گئی تھی۔

”آپ کس قدر کپڑے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر زیادہ کپڑوں کی ضرورت پڑ گئی، جنگ طول پکڑ گئی تو آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی نہ کسی کے ہاتھ آپ تک کپڑے پہنچانے کی کوشش کروں گی اور آپ اس کے ہاتھ میلے کپڑے واپس کر دیجئے گا۔ میں انہیں دھو کر پھر آپ کی طرف بھیجے کیلئے تیار کر لوں گی۔“

ارطالیس کے اس سوال کے جواب میں زین الدین کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ارطالیس بیچاری پریشان لہجہ اور کپکپاتی آواز میں پھر بول اٹھی۔

”اب میرے باپ کے علاوہ سطوس کا حکمران ٹینکروڈ، کاؤنٹ آف سینٹ پال، کاؤنٹ آف گرے اور حسن الاکراد کا حکمران نجائے کتنا بڑا لشکر لے کر ان علاقوں کا رخ کر رہے ہیں اور کتنا عرصہ آپ کو اور شیزر کے حکمران کو ان کے ساتھ الجھنا پڑے گا۔ امیر کیا ایسا ممکن نہ تھا کہ آپ سارے واقعہ کی اطلاع سلطان عماد الدین کو کر دیتے اور وہ اس موقع پر دشمن سے بچنے کیلئے ایک لشکر بھیج دیتے۔ میں جانتی ہوں میرے اس سوال کے جواب میں یقیناً آپ یہی کہیں گے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ دشمن سے بٹ لیں گے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا جو مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے وہ آپ کی مدد کرے گا۔ اس لئے کہ آپ حق پر ہیں۔

امیر! اس موقع پر کہنے کو تو میں بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ اس لئے کہ حالات نے چونکہ مجھے آپ سے منسوب کر دیا ہے۔ لہذا میرا آپ کے ساتھ ایک رشتہ ایک تعلق، ایک واسطہ اور ایک رابطہ ہے۔ اسی تعلق اور رشتے کو سامنے رکھتے ہوئے میں آپ سے یہ گزارش کروں گی کہ آپ جان بوجھ کر اپنے آپ کو خطرات میں نہ ڈال لیں گے۔ دشمن پر ضرب لگانے سے پہلے یہ بھی سوچئے گا کہ اس مسکن کے اندر کوئی بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہا ہوگا۔ خداوند نے چاہا تو ہم ہی فتح مند اور دشمن مغلوب ہوگا۔“ اس کے بعد پریشانی کے عالم میں ارطالیس مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ پہلے اس نے خرچین میں کپڑے ڈالے۔ پھر بوجھل بھرتی آواز میں دوبارہ اس نے زین الدین کو مخاطب کیا۔

”آپ اور کیا کیا چیز ساتھ لے جانا پسند کریں گے۔ میں آپ کی دوسری خرچین لے جا رہی ہوں اس میں خشک اور تازہ پھل بھرتی ہوں۔ کچھ پنیر اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء رکھتی ہوں۔“

جواب میں زین الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر ارطالیس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی اور اس نمی کو چھپانے کیلئے اس نے دوسری خرچین اٹھائی اور مکان سے بوجھل بوجھل قدموں

اور تھکی تھکی چال کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

عشاء کی نماز کے بعد وہ لشکر بالکل تیار ہو گیا تھا۔ جس کے ساتھ زین الدین نے مسکن سے باہر نکلتا تھا۔ اس موقع پر زین الدین اور ان لشکریوں کو الوداع کہنے کیلئے بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ قاضی ابوسعید، عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق، احمد بن قاسم، بدر الدین، میکمل، سبتہ مسکن کی بہت سی عورتیں، مرد سب وہاں جمع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر زین الدین نے دونوں بڑے سالاروں فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کو اپنے قریب بلایا، جب وہ دونوں اس کے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے، تب زین الدین نے انہیں مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”میرے عزیز بھائیو! ہم سب کیلئے یہ بہت بڑے امتحان کا وقت ہے۔ میرے بعد چوکس اور مستعد رہنا۔ تم دونوں بھائیوں میں سے ایک لشکر کے ایک حصے کے ساتھ مسکن کی راہداری کی حفاظت کرنا کہ دشمن ہمارے مسکن میں داخل نہ ہونے پائے اور دوسرا بھائی مسکن کے ارد گرد جو برج بنے ہوئے ہیں یا چٹانوں کے پیچھے ہم نے اپنے تیر اندازوں کے بیٹھنے کی جوجگہ بنائی ہوئی ہے ان سب کی حفاظت اور نگرانی کرے گا۔ دن کے وقت میرا اور تم لوگوں کا رابطہ سرخ اور ہری جھنڈیوں کے ذریعے ہوگا اور رات کے وقت بلند اور نیچی قدیلوں کے ذریعے ہوگا اور وہی ہمارے لئے رابطہ اور ایک دوسرے سے تعلق رکھنے کا ذریعہ ہوں گے۔“ اس کے بعد زین الدین باری باری قاضی ابوسعید، عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق، احمد بن قاسم، مغنی دوسرے چھوٹے بڑے سالاروں سے ملا۔ اس موقع پر ارطالیس بیچاری رو دینے والی ہو رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے زین الدین اس کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔

”ارطالیس اب تم میرے غم اور خوشی دونوں کی حصہ دار ہو۔ میں جانتا ہوں تم کس قدر پریشان اور فکر مند ہو۔ اس موقع پر میں تم سے یہی کہوں گا کہ تم ایک مجاہد کی بیوی بننے والی ہو اور مجھے امید ہے کہ تم میرے حوصلوں، میرے جذبوں کی سر بلندی کا باعث بنو گی۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر ارطالیس نے اپنی آنکھوں میں اترتی نمی کو صاف کر لیا۔ پھر وہ مسکرا دی۔ زین الدین نے پھر اس کو مخاطب کیا۔

”میری غیر موجودگی میں بدر الدین کا خیال رکھنا۔“

اس پر غور سے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے ارطالیس کہنے لگی۔

”وہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔“ ارطالیس کے بعد اس کے قریب ہی کھڑی سبتہ اور میکمل کے پاس زین الدین آیا، پہلے میکمل کو اس نے مخاطب کیا۔

”اماں تم نے جو ماضی میں میرے اور میرے اہلخانہ کے ساتھ خلوص کا اظہار کیا، اس کیلئے میں تمہارا جس قدر بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ اماں! سبتہ سے مجھے کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ دل میں سوچتی اور سمجھتی ہوگی کہ میں اس سے ناراض ہوں، میری اس کی ناراضگی کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اگر کسی لڑکی کا رشتہ مانگا جاتا ہے اور وہ لڑکی انکار کر دیتی ہے تو رشتہ مانگنے والوں کو اس لڑکی سے ناراض تو نہیں ہونا چاہئے۔ یہی معاملہ میرا اور سبتہ کا بھی ہے۔ اماں سبتہ کو آزادی ہونی چاہئے کہ اپنی مرضی سے جہاں یہ چاہے شادی کر لے، کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اماں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تمہاری طرح اس نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے اور بڑی سختی سے اسلام کے اصولوں کی پابندی کرتی ہے۔ میں اسے مبارکباد دیتا ہوں۔ اماں تمہارے اور سبتہ کیلئے اچھی خبر یہ ہے کہ میں نے گزشتہ شب بدرالدین کو سمجھا دیا ہے وہ آپ کو تو پہلے ہی مل لیا کرتا تھا، آپ سے اسے محبت بھی ہے۔ خداوند نے چاہا تو وہ آج سے سبتہ سے بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ سبتہ اگر اسے اپنے پاس بلائے گی تو وہ آئے گا۔ اس لئے کہ سبتہ اس کی خالہ ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک رشتہ ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔“

اس موقع پر قاضی ابوسعید کے پاس کھڑا بدرالدین بھی وہاں سے ہٹا اور زین الدین کی طرف آیا۔

زین الدین کی گفتگو سے سبتہ خوش ہو رہی تھی۔ جب اس نے بدرالدین کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ پھر زمین پر بیٹھ گئی۔ یہ صورتحال دیکھ کر بدرالدین جھکا، ٹھٹکا۔ اس کے بعد ہلکا سا تسیم اس کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پھر بھاگا اور پوری قوت کے ساتھ سبتہ سے لپٹ گیا تھا۔ سبتہ نے اس کی ٹھوڑی اس کے گال، اس کا منہ، اس کا ناک، اس کی پیشانی چومی اور اسے گلے لگا کر دھاروں دھار اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

اس موقع پر بدرالدین فوراً حرکت میں آیا۔ اپنے سر پر بندھے ہوئے رومال سے سبتہ کی آنکھیں صاف کیں، پھر کہنے لگا۔

”میری ماں کی بہن ماں کے بعد میرے پاس تین ہی بڑے رشتے رہ گئے تھے۔ ایک عم

زین الدین، میری نانی میکمل اور میری خالہ سبتہ، اب اس میں ایک بہت بڑے رشتے کا اضافہ ہو گیا ہے، جس نے میری زندگی کو خوشگوار بنا دیا ہے اور وہ خالہ ارطالیس ہے۔ جس کی ممکنہ عم زین الدین سے ملے ہوئی ہے۔“ یہاں تک کہنے کے بعد بدرالدین ذرا رکا۔ پھر اپنا منہ سبتہ کے کان کے قریب لے گیا اور پھر کہنے لگا۔

”خالہ آپ کے سلسلے میں مجھ سے کوئی زیادتی ہوگئی ہو تو بدرالدین آپ سے معافی مانگتا ہے۔ گزشتہ شب عم نے مجھے بڑا سمجھایا تھا۔ آئندہ میں آپ سے وہ سلوک نہیں کروں گا جو اس سے پہلے کرتا رہا ہوں۔“

بدرالدین کے ان الفاظ سے سبتہ بیچاری اور زیادہ پکھل گئی تھی۔ پہلے کی نسبت زیادہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ساتھ ہی ایک بار پھر اس نے پوری قوت سے بدرالدین کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ یہاں تک کہ میکمل آگے بڑھی، دونوں کو اس نے جدا کیا۔ پہلے سبتہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ بدرالدین کو بھی اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اتنی دیر تک زین الدین سب سے گلے مل رہا تھا۔ اس موقع پر سبتہ چونکی، پھر میکمل کی طرف دیکھنے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں جو سامان ہم لے کر آئی ہیں امیر کے حوالے کرتی ہیں۔ یہ نہ ہو ہم تینوں یہاں باتیں کرتے رہیں اور امیر کوچ کر جائیں۔“

اس پر سبتہ ہاتھ میں جو گٹھڑی لئے ہوئے تھی وہ لے کر آگے بڑھی۔ ارطالیس بھی اس کے ساتھ تھی۔ دونوں زین الدین کے گھوڑے کے پاس آئیں۔ سب سے گلے ملنے کے بعد زین الدین جب اپنے گھوڑے کے پاس آیا تب ارطالیس اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ کے گھوڑے کی زین کے دائیں جانب جو بڑی خرچین ہے اس میں آپ کے کپڑے ہیں بائیں جانب جو خرچین میں نے ابھی باندھی ہے اس میں کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ خشک اور تازہ پھل ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں دو چھوٹی چھوٹی گٹھڑیاں ہیں ایک میں ستوا اور دوسرے میں شکر ہے۔ اگر کبھی حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ بھوک لگی ہو اور آپ کو کھانے کا موقع نہ ملے تو ستوا میں شکر ملا کر کام میں لائے جاسکتے ہیں۔ پانی کا مشکیزہ بھی میں نے باندھ دیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ارطالیس جب خاموش ہوئی، تب سبتہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے بدرالدین کو سمجھایا۔ پہلے وہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ ہاتھ جھٹک کر چلا جاتا تھا۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر کیا خوشی کا موقع ہوگا کہ آج وہ مجھ سے گلے ملا اتنے عرصے بعد اسے گلے لگانے کے بعد میں رو پڑی اور میرے لئے یہ بھی ایک بہت بڑی سعادت ہے کہ میری بہن کے بیٹے بدرالدین نے اپنے سر پر بندھے ہوئے رومال سے میری آنکھیں خشک کیں۔ اب میں سمجھتی ہوں کہ میری بہن بدرالدین کی شکل میں زندہ ہے۔“ پھر جو گٹھڑی سبتہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اس نے زین الدین کے گھوڑے کی زین سے باندھی اور پھر کہنے لگی۔

”یہ میں اور اماں نے مل کر آپ کیلئے کچھ چیزیں بنائی ہیں اور مجھے امید ہے.....“

سبتہ کو اس سے آگے کچھ کہنے کا موقع نہ ملا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے زین الدین بول اٹھا۔

”سبتہ تمہیں اتنے اجنبی پن سے تو بات نہیں کرنی چاہئے۔ میکمل میری ماں ہے اور تمہارے ساتھ ایک رشتہ ہے۔ تم ماموں زاد ہو۔ لہذا اس مسکن میں تم اکیلی نہیں ہو، اپنی اس مہم پر جانے سے پہلے میں اماں سے تو کچھ نہ کہہ سکا، ارطالیں کی موجودگی میں میں تم سے کہتا ہوں کہ یہاں تمہاری حیثیت بڑی محترم اور قابل عزت ہے۔ میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنا گھر آباد کر لو، اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو جو تمہاری زندگی کا محور ہے تو بتاؤ تمہیں اسی سے بیاہ دیا جائے گا۔ تمہاری ہر خواہش کا احترام کیا جائے گا اور اگر اس مسکن میں تم کسی کو پسند کر لو تب بھی مجھے بتا دینا، تمہاری شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر سبتہ بیچاری کہیں کھو گئی تھی۔ چپ سی اور انتہائی پریشان حال ہو گئی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ شاید الفاظ اس کا ساتھ نہ دے رہے تھے۔ اتنے میں زین الدین اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس لئے کہ وہ سب سے گلے مل چکا تھا۔ پھر الوداعی انداز میں گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد الوداعی انداز میں اس نے ہاتھ ہلائے۔ اس کے بعد جس لشکر کے ساتھ اس نے کوچ کرنا تھا اس لشکر کے ساتھ وہ حرکت میں آیا اور اپنے مسکن سے نکل گیا تھا۔



گلے روز ایڈیہ کا بادشاہ اپنے متحدہ لشکر کو لے کر وہاں پہنچا۔ بالکل زین الدین کے مسکن کے سامنے انہوں نے پڑاؤ کیا تھا۔ پڑاؤ کرنے کے بعد بالڈون نے سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کی اس طلبی پر ٹینکرڈ، حسن الاکرام کا سالار، سیٹس اور رینارڈس کے علاوہ باقی بڑے بڑے سالار بھی اس کے خیمے میں جمع ہو گئے تھے۔ بالڈون نے کچھ دیر تک سارے سالاروں کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد باری باری بڑے گہرے انداز میں اس کی نگاہیں سیٹس اور رینارڈس پر جم گئیں۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

”یہاں ان سرزمینوں میں سب سے زیادہ بھروسہ سیٹس اور رینارڈس پر کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ان سرزمینوں سے خوب واقف ہیں اور اس مسکن پر وہ اس سے پہلے کئی بار حملہ آور بھی ہو چکے ہیں۔ میرے ساتھیو! یہاں آنے کے بعد میں نے جو منظر دیکھا ہے وہ یہ کہ اس مسکن کے گرد جو کوہستانی سلسلہ ہے وہ کافی بلند ہے اور میں دیکھتا ہوں اس کے اوپر کافی مضبوط ان مکت اور مستحکم برج بھی بنے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم نے اس مسکن کے علاوہ شینز شہر کے قلعے کو بھی فتح اور مساکر کر کے اس مسکن کے علاوہ شینز شہر پر بھی قبضہ کرنے کے بعد واپس جانا ہے، تاکہ پھر کوئی قوت ان علاقوں سے ابھر کر صلیبی مجاہدوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔“

سب سے پہلے میں سارا معاملہ سیٹس اور رینارڈس پر چھوڑتا ہوں کہ یہ فیصلہ کریں گے کہ حملوں کی ابتدا کیسے اور کس طرح کی جائے؟“

بالڈون کے اس استفسار پر تھوڑی دیر تک سیٹس اور رینارڈس دونوں آپس میں صلاح مشورے کرتے رہے، اس کے بعد سیٹس رینارڈس کی نمائندگی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں نے اور رینارڈس نے ایک فیصلہ کیا ہے، ہم دونوں جو لشکر اپنے اپنے علاقوں سے لے کر آئے ہیں اسے آپ اس مسکن کے داخل کے سامنے مقرر کر دیں۔ میں اور رینارڈس دونوں

جانتے ہیں کہ اس مسکن میں داخل ہونے کا راستہ صرف ایک ہی ہے اور کہاں ہے اور کس قدر دشوار گزار ہے۔ باقی لشکر کو جنوب کی سمت کو ہستانی سلسلے کے ساتھ پھیلا دیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کا دن اور آنے والی شب لشکری آرام کریں اور اگلی صبح ہم اپنے کام کی ابتدا کریں۔ میں اور رینارڈس اپنے حصے کے لشکر کو لے کر مسکن کے داخل کے سامنے بالکل تیار اور مستعد ہو جائیں گے جبکہ آپ لوگ مسکن کے کوہستانی سلسلے کی طرف بڑھیں؛ جب آپ لوگ پیش قدمی کریں گے تو مسکن کے اندر جو لشکر ہے یقیناً اس کی نگاہیں آپ پر جم جائیں گی اور وہ یہ کوشش کریں گے کہ آپ لوگوں کو ہر صورت میں کوہستانی سلسلے کے اوپر چڑھنے سے روکا جائے؛ جب مسکن کی بڑی قوت کی توجہ آپ لوگوں کی طرف ہوگی تو ایسے موقع پر ہم اپنے کام کی ابتدا کریں گے۔ میں اور رینارڈس دونوں اس مسکن کے مدخل پر حملہ آور ہو کر وہاں جو پہرے دار اور محافظ ہیں ان کا خاتمہ کر دیں گے اور مسکن میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ جب ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو پھر آپ بھی باقی لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے پر چڑھنے کی کارروائی ترک کر کے ہمارے پیچھے پیچھے مسکن میں داخل ہو جائیں؛ پھر ہم دیکھیں گے کہ مسکن کے اندر وہ کون سی قوت ہے، جو ہمیں روک پائے گی اور اپنا دفاع کر پائے گی۔ میرے خیال میں اگر ہم اس تجویز پر عمل پیرا ہونے میں کامیاب ہو گئے تو اس مہم سے ہم دو ایک دن میں ہی فارغ ہو جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ایسٹس جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک بالڈون کچھ سوچتا رہا۔ پھر ایسٹس کے علاوہ باقی سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ایسٹس نے جو منصوبہ بندی اور تجویز پیش کی ہے اس میں اگر کوئی ترمیم کرنا چاہتا ہو اس میں کوئی اضافہ کرنا چاہتا ہو تو بولے۔“

اس پر ٹینکر ڈبولا اور کہنے لگا۔

”میرے خیال میں یہی تجویز آخری ہونی چاہئے اس لئے کہ یہ تجویز اور منصوبہ بندی پسند ہے اور میرا اپنا اندازہ بھی ہے کہ اس پر عمل کر کے ہم مسلمانوں کے اس مسکن کو اپنے سامنے زیر کر سکتے ہیں۔“

ٹینکر ڈ کے ان الفاظ پر بالڈون نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پھر کہنے لگا ٹینکر ڈ میں تمہارے جذبات کی تعریف کرتا ہوں۔ میں خود بھی ایسا چاہتا ہوں۔ چنانچہ لشکریوں سے کہو کہ کل مسلمانوں

کے اس مسکن پر حملوں کی ابتدا کی جائے گی، ساتھ ہی میں تم لوگوں سے یہ بھی کہتا ہوں کہ لشکر کا ایک حصہ تیار اور بالکل مستعد کر دو تاکہ مسلمان کہیں اچانک باہر نکل کر ہم پر حملہ آور ہو کر یا ہم پر شب خون مار کر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔“

چنانچہ وہ اجلاس ختم کر دیا گیا اور لشکر کا ایک حصہ پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کر دیا گیا تھا۔ دوسری طرف زین الدین نے اپنے کچھ چھوٹے سالاروں کے ساتھ اپنے مسکن کے بائیں پہلو کی طرف چھوٹے بڑے ٹیلوں اور کوہستانی سلسلوں کے اندر گھات لگا رکھی تھی؛ دشمن پر نگاہ رکھنے کیلئے اس نے اپنے منجر اور جاسوس پہلے سے پھیلا دیئے تھے، ساتھ ہی کچھ لشکری مقرر کر رکھے تھے جو دائیں بائیں نگاہ رکھیں کہ اچانک ان پر کوئی شب خون نہ مارے یا دشمن کے کسی حصے کو ان کے یہاں گھات لگانے کی خبر نہ ہو جائے۔

چنانچہ اسی روز عشاء کی نماز کے بعد کچھ منجر زین الدین کے پاس آئے۔ ان کی آمد پر زین الدین جو اپنے چھوٹے سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ٹھٹکا، انہیں مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر ہم ایک خبر لے کر آئے ہیں اب پتا نہیں آپ کی نگاہوں میں یہ خبر اچھی ہے یا بری۔“

دشمن نے یہ حکمت عملی اور منصوبہ بندی بنائی ہے کہ ایسٹس اور رینارڈس دونوں کو ہمارے مسکن کے مدخل پر مقرر کیا جائے گا اور اس کام کی ابتدا کل صبح کو کی جائے گی؛ باقی لشکر ہمارے کوہستانی سلسلے پر چڑھنے کی کوشش کرے گا، تاکہ بقول ان کے مسکن کے اندر جو ہمارا لشکر ہے اسے اپنے ساتھ مصروف رکھا جائے اور جس وقت یہ مصروفیت اپنے عروج پر ہوگی اس وقت ایسٹس اور رینارڈس دونوں ہمارے مسکن کے داخلے پر اچانک حملہ آور ہو کر مسکن میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ انہیں امید ہے کہ وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور پھر ان کے پیچھے پیچھے بالڈون کا سارا متحدہ لشکر بھی ہمارے مسکن میں داخل ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ منجر جب خاموش ہوا۔ تب زین الدین کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ باری باری اس نے آنے والے ان منجروں کو گلے لگایا۔ ان کی پیشانی چومی، پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”شاید قدرت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ فطرت ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ ایسٹس اور

ہولناک آندھیوں، ٹنک کے سناٹوں میں صحرا کے اندر رقص کرتے موت کے ہولناک سایوں اور تاریکی پھیلاتی بدی کی طرح آگے بڑھے تھے، تاکہ آہستہ آہستہ کوہستانی سلسلے کے اوپر چڑھ کر مسکن کے اندر جو مسلمانوں کی قوت ہے اسے اپنے ساتھ مصروف کار رکھیں اور جواب میں اسٹش اور رینارڈس دونوں کو مسکن میں داخل ہونے کا موقع مل جائے۔

جس وقت انہوں نے یہ کارروائی کی تھی، اس وقت عدنان بن ہاشم لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اپنے مسکن کے مدخل کے قریب بالکل تیار اور مستعد کھڑا تھا جبکہ دوسرا عرب سالار فضل بن اسحاق اس وقت کوہستانی سلسلے کے اوپر تھا اور اس کے ہاتھ میں سرخ اور ہری جھنڈیاں تھیں اور برجوں کے اندر اور بڑی بڑی چٹانوں کے پیچھے جو تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے، ان سب کی نگاہیں فضل بن اسحاق پر جمی ہوئی تھیں جبکہ لشکر کے اندر جو نو جوان ابھی جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھے اور عورتیں پانی کے مشکیزے اپنے گلوں میں ڈالے ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھیں تاکہ ان کا کوئی لشکری پیاسا نہ رہے۔ کچھ چھوٹی عمر کے لڑکے برجوں اور چٹانوں کے پیچھے مزید تیر رکھتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک ایسا ہی سماں رہا۔ اس کے بعد اچانک عرب سالار فضل بن اسحاق نے سمندر کے غصیلے رقص کی طرح بکبکیریں بلند کرنا شروع کیں، اس کے بکبکیریں بلند کرنے کے جواب میں برجوں کے علاوہ چٹانوں کے پیچھے جو تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے وہ کسی عارف کے دل و جان کی تڑپ، کسی سالک کے سفر کی جستجو، جذبوں بھرے چنگاڑتے طوفانوں، ماحول کی تنخیاں بھرے سینے کے اعماق تک میں دل آشوبی بے یقینی کی دھند بھر دینے والی سرگرم طوفانی یلغار کی طرح بکبکیریں بلند کرنے لگے تھے۔ پھر اچانک عرب سالار فضل بن اسحاق نے جو سرخ جھنڈی فضا میں بلند کی تو اس سرخ جھنڈی کا فضا میں بلند ہونا تھا کہ روغنِ نفت میں ڈوبے تیر برجوں کے اندر سے اور چٹانوں کے پیچھے سے زین الدین کے تیر اندازوں نے تیر چلانے شروع کئے۔ وہ تیر شعلے برساتے چلتے ہوئے آتے تھے اور جس چیز پر بھی گرتے تھے اسے آگ لگاتے چلے جاتے تھے۔ اس تیر اندازی سے بالڈون کے کئی لشکریوں کے کپڑے جھلس گئے اور کئی کو نقصان پہنچا، جس کے نتیجے میں بالڈون کے لشکر نے پیش قدمی بند کردی، بلکہ جو ان کے لشکری تھے انہیں اٹھا کر وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے تھے۔

عین اسی لمحہ کوہستانی سلسلے کے باہر ہی باہر زین الدین بہاروں کے افسانوں ستاروں کے

رینارڈس دونوں وہی ہیں جن کی وجہ سے میں نے قسم کھائی تھی کہ نہ نیا لباس پہنوں گا نہ مسہری پر سوؤں گا، اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے الہخانہ کے علاوہ ان گنت مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ میرا خیال ہے میرا رب ان سے انتقام لینے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔ اگر وہ دونوں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ہمارے مسکن کے مدخل کے قریب مقرر ہوتے ہیں تو پھر خداوند نے چاہا تو کل کا دن ان کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ پھر اپنے ان مخبروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”میرے عزیز ساتھیو! اب تم دشمن کو اس منصوبہ بندی سے جا کر عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کو بھی مطلع کر دو تاکہ جب ہم دشمن سے ٹکرائیں تو میرے عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کے حملوں میں یکجہتی ہونی چاہئے اور ان سے یہ بھی کہنا کہ کسی طریقے سے آج یا کل تک یہ خیر شیرز کے حاکم اسامہ تک بھی پہنچنی چاہئے، تاکہ وہ بھی اسی حکمت عملی کے مطابق دشمن پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو۔ زین الدین کے ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ مخبر وہاں سے ہٹے، ابھی چند ہی قدم گئے تھے کہ ایک مزا اور کہنے لگا۔

”امیر میرے کچھ ساتھی عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کی طرف جاتے ہیں۔ میں یہاں سے لمبا چکر کاٹتے ہوئے سیدھا شیرز کا رخ کرتا ہوں اور اس ساری حکمت عملی سے اسامہ کو مطلع کرتا ہوں۔“

زین الدین نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا وہ سارے مخبر رات کی گہری تاریکی میں وہاں سے ہٹ گئے تھے۔



بالڈون، ٹینکرڈ اور دوسرے سالاروں نے گزشتہ شب جو حکمت عملی تیار کی تھی اس کے مطابق اگلے ہی روز صبح ہی صبح انہوں نے اپنے کام کی ابتدا کی۔ اسٹش اور رینارڈس دونوں کو ان کے حصے کے لشکر کے ساتھ مدخل کے دہانے پر مقرر کر دیا گیا تھا، جبکہ بالڈون ٹینکرڈ اور باقی سارے سالار کوہستانی سلسلے کے سامنے اپنے لشکر کو استوار کر چکے تھے۔ اس کے بعد بالڈون کے حکم دینے پر اس کے متحدہ لشکر نے اپنی کارروائی کی ابتدا کی پیش قدمی شروع کی۔ پھر صلیبیوں کا لشکر رات کے سایوں کا فضل پہن کر زلزلوں کی طرح ہراساں کر کے ریزہ ریزہ کر دینے والی سرسراتی

ترانوں صولگن نظاروں کی خوش تابی کی طرح بکسیریں بلند کرتا ہوا نمودار ہوا اور تاریخ کی رفتار میں مکاں کو لامکاں ستاروں کو کہکشاں میں تبدیل کر دینے والی ساگر ساگر بکھری موجوں وقت کے مدار میں ذرے کو صحرا قطرے کو سمندر کا روپ دینے کیلئے فطرت کی جولان گاہوں میں ہر شے کو قتل پلٹ کر دینے والی آندھیوں کی طرح ایسٹس اور رینارڈس پر حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے ایسٹس اور رینارڈس بھی زین الدین پر ہر شے میں جدائی ڈال کے شاخوں کو برہنہ کرتے تندخو بگولوں سانسوں کی ڈوریاں منقطع کرتی موت کی رقصاں اٹھکیوں وحشتوں بھرے میدانوں میں آوارہ بدل کو ترستی خواہشوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

کچھ دیر تک زین الدین رینارڈس اور ایسٹس کے درمیان ہولناک ٹکراؤ رہا۔ یہاں تک کہ پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے مطابق زین الدین اپنے لشکر کو سمیٹا ہوا پیچھے ہٹا تھا۔ ایسٹس اور رینارڈس نے یہ سمجھا کہ دشمن کا جو لشکر باہر سے ان پر حملہ آور ہوا ہے وہ ان کے دباؤ کو برداشت نہیں کر سکا لہذا پیچھے ہٹا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لشکر کا تعاقب کر کے اس کا خاتمہ کر دیا جائے، تاکہ مسکن کے باہر سے ان کیلئے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ اس بنا پر ایسٹس اور رینارڈس دونوں نے زین الدین کا تعاقب کیا تھا۔ زین الدین جس وقت آیا تھا تو اس کے لشکر کے آگے کچھ لشکری سرخ جھنڈیاں لہرا رہے تھے۔ اب جبکہ اس کا لشکر واپس ہوا تھا تو لشکر میں ہری جھنڈیاں لہرا رہی تھیں بہر حال ایسٹس اور رینارڈس نے اس کا تعاقب کیا۔

ایسٹس اور رینارڈس کا یہ تعاقب شروع کرنا تھا کہ ایک اور تبدیلی اور انقلاب رونما ہوا۔ وہ یہ کہ اچانک مسکن کے اندر سے عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نکلا اور رینارڈس اور ایسٹس کے لشکر پر پشت کی جانب سے وہ لہو کے طوفان اٹھاتی تملاتی مضطرب لہروں دھواں دھواں غبار کر دینے والے دکھ کے بھورے سایوں لامتناہی فضاؤں میں ہزاروں شورشوں کی بکلی سے نکل کر گناہوں کے سیاہ بیولوں میں گھس کر پیاسے ذروں کی طرح وہ خوف و وحشت طاری کرتی اٹھتے سراپوں کی سی خیر اور نیکی کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

پشت کی جانب سے حملہ آور ہو کر عدنان بن ہاشم نے ایسٹس اور رینارڈس کے لشکر کو خاصا نقصان پہنچایا تھا۔ کچھ دور آگے جا کر اچانک زین الدین نے اپنے لشکر کو روکا، مڑا، ایک بار اس نے آسمان کی طرف دیکھا، بڑی رقت اور عاجزی میں اس نے دعائیہ الفاظ ادا کرنے شروع کئے

تھے وہ کہہ رہا تھا۔

”اے اللہ تو نے ہی کسی کو موت کے سیل کے سامنے کشتی میں امان دی کسی کو بے منزل اور بے راہ سنسان صحراؤں میں آتش نرود سے بچایا۔ کسی کو تو نے ہی طور کی بلند یوں پر باد قار کیا کسی کو صلیب کے پھندے پر حیات کی آگاہی دی اور کسی کو سارے جہانوں کی رحمت بنانے کیلئے غار حرا میں اقراء کہہ کر پکارا۔ اے اللہ اپنی ذات کی تقدیس اور ان سب ہستیوں کے طفیل میرے اللہ تو درد غربی کے ان لمحوں میں میری مدد فرما۔“

اس کے ساتھ ہی زین الدین کے حکم پر اس کے لشکر میں پھر سرخ جھنڈیاں لہرانے لگی تھیں۔ دوبارہ وہ پھرے ہوئے طوفانوں کی طرح حرکت میں آیا۔ پھر وہ ایسٹس اور رینارڈس کے لشکر پر ابتلاؤں بھرے گرداب میں آوازوں کی گلیوں سے گزرتی چبکتی چنگاڑتی وحشت ناک یوں وقت کی بدترین حدتوں میں اپنے شانوں پر قضا اٹھائے عذابوں کے خونی قصوں دکھتی شعلہ بار چمک کے ساتھ خواہشوں کو حسرتوں میں تبدیل کر دینے والے پتے برہنہ بگولوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا اور اپنے اس تیز اور جان لیوا حملے میں اس نے رینارڈس اور ایسٹس کے لشکر کے اگلے آدھے حصے کو مکمل طور پر کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

چنانچہ زین الدین نے جب دیکھا کہ اس نے ایسٹس اور رینارڈس کے لشکر کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ تب وہ عدنان بن ہاشم کو زور زور سے پکارتے ہوئے کہنے لگا۔

ابن ہاشم میرے بھائی اپنے لشکر کو لے کر بیچ میں سے ہٹ جاؤ، کوہستانی سلسلے کے اوپر کی طرف چلے جاؤ۔ دشمن کا لشکر اب پیچھے کو بھاگنے لگا ہے اور اس پر حملہ آور ہوتے ہوئے جب میں تمہارے قریب پہنچوں تو تم میرے ساتھ شامل ہو جانا۔ اس لئے کہ اب دشمن پر آخری اور جان لیوا ضرب لگانے کا وقت آن پہنچا ہے۔ ساتھ ہی بلند آواز میں فضل بن اسحاق کو مخاطب کر کے میری طرف سے کہو کہ وہ کوہستانی سلسلے کے اوپر سے اپنے ساتھیوں کو حکم دے کہ جس قدر تیزی سے چلتے ہوئے تیرہ اپنے دشمن پر چلا سکتے ہیں چلائیں۔ موسلا دھار بارش کی طرح جلتے ہوئے تیران پر پھینکیں، پھر میں دیکھتا ہوں دشمن ہمارے سامنے کتنی دیر مزید ٹھہرتا ہے۔ اس لئے کہ اب دوسری سمت سے یقیناً اسامہ بھی حرکت میں آنے والا ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کو لے کر پیچھے ہٹ گیا اور ساتھ ہی بلند

آواز میں اس نے فضل بن اسحاق کو مخاطب کرتے ہوئے زین الدین کا پیغام اسے پہنچانا شروع کیا تھا۔ یہ پیغام ملتے ہی فضل بن اسحاق نے موسلا دھار بارش کی طرح جلتے تیر اپنے سامنے دشمن پر کچھ اس انداز میں چلانے شروع کئے تھے کہ لگتا تھا اس سے جلتے ہوئے تیروں کی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی ہو۔ عین اسی لمحہ جبکہ عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر پیچھے ہٹا تھا اور ایسٹس اور رینارڈس کے لشکر پر زین الدین تیز حملے کرتے ہوئے بڑی تیزی سے ان کی تعداد کم کرتا جا رہا تھا۔ رینارڈس اور ایسٹس کے لشکر میں زور زور سے یہ آوازیں بلند ہونا شروع ہوئی تھیں کہ اس حملے میں ایسٹس اور رینارڈس دونوں مارے جا چکے ہیں۔

یہ آوازیں جہاں زین الدین نے سنی تھیں۔ وہاں عدنان بن ہاشم نے بھی یہ آوازیں سن لیں اور اس کے لشکریوں نے کوہستانی سلسلے کے اوپر سے بلند آواز میں چلاتے ہوئے مسکن کے اندر ادھر ادھر بھاگتے لڑکوں اور عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں یہ خوشخبری سنانا شروع کر دی تھی کہ امیر زین الدین نے اپنے دونوں بڑے دشمنوں ایسٹس اور رینارڈس دونوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اس خبر سے جہاں اس کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی وہاں بالڈون کے لشکر کے اندر بددلی بدحوصلگی اور خوف پھیلا دیا تھا۔

آخر ایسٹس اور رینارڈس کے مارے جانے خبر ایک زبان سے دوسری زبان ایک فرد سے دوسرے فرد تک ہوتی ہوتی۔ بالڈون اور نیکٹرڈ تک پہنچی کہ کس طرح مسلمانوں کے سالار اور مسکن کے امیر زین الدین نے پیش قدمی کی اور کس طرح اس نے جان لیوا انداز میں حملہ آور ہوتے ہوئے ایسٹس اور رینارڈس دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ساتھ ہی ان کے لشکر کے بڑے حصے کو اس نے تہ تیغ کر دیا ہے۔ اس خبر نے یقیناً نیکٹرڈ بالڈون اور دوسرے صلیبی جنگجوؤں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ ان پر ایک طرح کا خوف اور کچکی طاری ہو کر رہ گئی تھی۔

عین اسی لمحے شیزر کا حکمران اسامہ حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ بھی بالڈون کے لشکر کے ایک حصے پر ناپچے شعلوں اور آگ کی لپٹوں کے گورکھ دھندوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ جس وقت اسامہ نے شمال مغرب کی طرف سے حملہ کیا تھا۔ عین اسی وقت زین الدین اور عدنان بن ہاشم بھی اپنے پورے متحدہ لشکر کے ساتھ آگے بڑھے۔ پھر انہوں نے بالڈون اور نیکٹرڈ کے لشکر کے حصوں پر جلتے پتے ریگستانوں میں قضا سے کھیلتے عناصر، موت کے ہولناک ہیولوں

دشت کے مہیب جنگل میں خون رسیدہ زمین پر اٹھتے طوفانی سیلابی لہجوں اور زندگی کے بے چین لہجوں پر بے رحم زخموں سے آراستہ کرتی شوریدہ سرخری لہروں کی طرح ضربیں لگانی شروع کر دی تھیں۔ اس موقع پر فضل بن اسحاق بھی پیچھے نہیں رہا۔ اس نے زین الدین، عدنان بن ہاشم اور شیزر کے حکمران اسامہ کے درمیان جو دشمن کا لشکر تھا کو ہستانی سلسلے کے اوپر سے اس نے ان پر تیز اور جان لیوا تیر اندازی کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر روغنِ نفت سے بھری تابنے کی ہانڈیاں پھینکنا شروع کر دی تھیں۔ جہاں گرتی تھیں آگ لگاتی چلی جاتی تھیں۔

کچھ دیر تک دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے کوہستانی سلسلے کے دامن میں رزم گاہ میں امیدوں کی سردکھ کے دھند لکوں میں تبدیل ہوتی رہی۔ دردالم کی سلتگی آگ نفرت کے نوے تباہی کی غم انگیزیاں، تشنگی کے کرب کا نزول عناصر کی غضبناکیاں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔ جنگجوؤں کی ہولناک کرب خیزیاں آتھیں سیال کی طغیانیاں نیست و ہست کا کھیل اور ٹکست و کدورت کی دھند میدان جنگ میں چاروں طرف پھیلتا شروع ہو گئی تھی۔

کچھ دیر ایسا ہی ساں رہا، دونوں لشکر ایک دوسرے پر غالب آنے کیلئے جان کی بازی لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ بالڈون اور نیکٹرڈ کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے زنگ آلود داستانوں کی رداؤں، کالی دشت ناک پت جھڑ، صداؤں کے اندھے صحرائے نمی سے نا آشنا خبر پن، بخت رو سیاہ، غم زدہ خریں جذبوں اور بنجر زمین کے سنسان ٹیلوں کی سی ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

عین اسی موقع پر زین الدین، عدنان بن ہاشم اور اسامہ نے تکبیروں کے سائے میں جبرکی داستانوں کے پرچے اڑاتی فکر کی پابندی حق کی تابندگی کی طرح حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا اور ان کے حملوں میں آدمیت کا وقار تھا اور پراسرار قضا کے سراپوں کی سی شدت اور قوت تھی۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد بالڈون اور نیکٹرڈ دونوں مسلمانوں کے حملوں کی شدت اور سختی کو برداشت نہ کر سکے۔ لہذا اپنے پڑاؤ کی ہر چیز اپنے پیچھے چھوڑ کر اپنے بچے کچے لشکریوں کے ساتھ ٹکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ زین الدین، عدنان بن ہاشم اور اسامہ نے کچھ دور تک بھاگتے دشمن کا تعاقب کر کے ان کی تعداد مزید کم کی، پھر وہ لوٹ آئے اور بالڈون، نیکٹرڈ اور دوسرے حکمرانوں کے پڑاؤ کی ہر چیز کو انہوں نے اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیا تھا۔

زین الدین کے مسکن میں جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے لشکر نے شیزر کے حکمران اسامہ کے ساتھ مل کر بالڈون، ٹینگرڈ اور ان کے دوسرے حواریوں کو بدترین شکست دی ہے اور وہ اپنے پڑاؤ کی ہر چیز کو اپنے پیچھے چھوڑ کر اپنی جانیں بچانے کیلئے بھاگ گئے ہیں۔ تب مسکن کے اندر خوشی کا سماں تھا۔ لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ ایک دوسرے کو اس شاندار کامیابی اور فتح مندی پر مبارکباد دینے لگے تھے۔ جنگ کے بعد زین الدین، فضل بن اسحاق، عدنان بن ہاشم، شیزر کا حکمران اسامہ اور بہت سے چھوٹے سالار سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ اس موقع پر سب خوشی اور طمانیت کا اظہار کر رہے تھے کہ زین الدین نے سب کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”سب سے پہلے میں آپ لوگوں کو اس شاندار فتح پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ہمیں ہر حال میں اپنے خداوند قدوس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں ایسی کامیابی، ایسی فتح مندی عطا کی حالانکہ دشمن کے لشکر کی تعداد ہم سے بہت زیادہ تھی اور وہ ایک طرح سے چاروں طرف سے سمٹ کر ہم پر چڑھ دوڑا تھا۔ اس کے باوجود خداوند قدوس نے ہمیں ان پر فتح مندی عطا کی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکالچہ بھر کیلئے اس کی نگاہیں شیزر کے حاکم اسامہ پر جم گئیں پھر اسامہ کو مخاطب کر کے زین الدین کہنے لگا۔

”اسامہ میرے عزیز بھائی! دشمن اپنے پڑاؤ کی ہر چیز چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اس کے لشکر کی تعداد اور حالت ہم نے ایسی کردی ہے کہ آئندہ اگر انہوں نے ہم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو اس ارادے سے پہلے وہ اپنی تباہی و بربادی اور شکست پر کئی بار سوچیں گے۔“ یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ دوبارہ اسامہ کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

”اسامہ میرے عزیز بھائی! دشمن جو سامان چھوڑ کر بھاگا ہے۔ وہ سب تمہارے سامنے پڑا

ہے۔ اس میں سے جس قدر تم حاصل کرنا چاہتے ہو اس کی طرف اشارہ کرو، میں اپنے لشکریوں سے کہتا ہوں وہ علیحدہ کر دیتے ہیں اور وہ سامان تم اپنے شہر شیزر میں منتقل کر سکتے ہو۔“

زین الدین کے ان الفاظ کے جواب میں کچھ دیر تک اسامہ بڑی مومنیت سے زین الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

”امیر! آپ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ وہ سامان جو دشمن چھوڑ کر بھاگا ہے اس میں سے اسامہ کو کچھ نہیں چاہئے۔ آپ جانتے ہیں میرے ذرائع آمدنی بہت ہیں اور میرے پاس سامان کی قلت بھی نہیں ہے۔ نہ کھانے پینے کے سامان کی اور نہ ہی اسلحے کی۔ دشمن جس قدر سامان چھوڑ کر بھاگا ہے۔ امیر زین الدین یہ سب آپ کے مسکن کیلئے ہے۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ جب تک یہ مسکن آباد ہے جب تک اس کے اندر ایک قوت ہے اور جب تک آپ اس قوت کی سربراہی کر رہے ہیں دشمن کی کوئی طاقت، کوئی قوت اس مسکن کے ساتھ ساتھ مجھے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لہذا میں اپنے حصے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ یہ سارا سامان آپ اپنے مسکن میں منتقل کریں۔ مسکن میں آئے دن صلیبوں کے ستارے ہوئے لوگ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی بہتری ان کی بھلائی اور ان کو آباد کرنے کیلئے آپ کو ہر وقت اس طرح کے سامان کی ضرورت رہتی ہے۔ لہذا ان سارے عوامل کو نگاہ میں رکھتے ہوئے میں اس سامان سے کچھ نہیں لوں گا۔“

اسامہ کے ان الفاظ کے جواب میں زین الدین آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔ پھر اپنے بازو پھیلانے اسامہ بھی آگے بڑھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔ پھر اسامہ کی پیشانی چومتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی میں تیری جانثاری، تیری استقامت اور تیری راست بازی کو سلام پیش کرتا ہوں۔“

اس کے بعد دونوں علیحدہ ہوئے۔ پہلے اپنے زخیبوں کی دیکھ بھال کی۔ پھر اسامہ اپنے لشکر کو لے کر شیزر شہر کی طرف چلا گیا تھا جبکہ زین الدین، فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم حرکت میں آئے۔ اس کے بعد اپنے لشکریوں کے ساتھ مل کر دشمنوں کے پڑاؤ کا سارا سامان وہ اپنے مسکن کے اندر منتقل کرنے لگے تھے۔

جس وقت یہ سامان مسکن کے اندر منتقل ہو رہا تھا۔ اس وقت اس سامان کے قریب ہی قاضی

ابوسعیدؓ مغنی احمد بن قاسمؓ ارطالیں سبتہ، میکمل اور مسکن کے دوسرے لوگ کیا مرڈ کیا غور تیں سب جمع ہو کر سامان کو دیکھتے ہوئے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس موقع پر قاضی ابوسعید آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جگہ آیا جہاں شہزادی ارطالیں کھڑی تھی۔ ارطالیں بھی سمجھ گئی کہ قاضی ابوسعید شاید اس سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ لہذا وہ بھی ان کی طرف بڑھی۔ اس موقع پر قاضی ابوسعید ارطالیں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹی میرے ساتھ آؤ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

ارطالیں چپ چاپ ان کے ساتھ ہوئی۔ دونوں ایک طرف کھڑے ہو گئے پھر قاضی ابوسعید ارطالیں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹی تیری منگنی پہلے سے زین الدین کے ساتھ طے ہو چکی ہے۔ وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور تم بھی اس سے محبت کرتی ہو آج کا دن ہمارے لئے بے شمار خوشیوں اور انتہائی طمانیت کا دن ہے۔ تمہارے باپ بالذون نے تمہارا مطالبہ کیا تھا، وہ تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ ارطالیں کو واپس اس کے پاس بھیج دیا جائے، لیکن تم نے جانے سے انکار کر دیا۔ زین الدین نے تمہیں اس کے حوالے کرنے سے انکار کروایا تھا۔ میری بچی میں چاہتا ہوں خوشی کے اس دن تمہاری اور زین الدین کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے اور تم اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے مکان میں منتقل ہو جاؤ۔ اس موضوع پر زین الدین سے بات کرنے سے پہلے میں چاہتا تھا تمہاری رضامندی لی جائے اس لئے کہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے قاضی ابوسعید کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ارطالیں بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا آپ کو اس سلسلے میں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہ تھی، منگنی پہلے ہی میری امیر کے ساتھ ہو چکی ہے اور پھر آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں میں بھی انہیں چاہتی ہوں۔ لہذا آپ جب اور جس وقت بھی مجھے ان کی بیوی کی حیثیت سے ان کے مکان میں منتقل کریں گے بابا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بابا میں اعتراض بھی کیسے کر سکتی ہوں۔ وہ میری زندگی کا محور میری زیست کا مدعا ہیں۔ ان کے بغیر ایک لمحہ کی زندگی بھی گزارنا میں سمجھتی ہوں بے کار اور فضول ہے۔“

ارطالیں جب خاموش ہوئی، تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے قاضی ابوسعید کہنے لگا۔

”بیٹی یہ جواب دے کر تو نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ ابھی دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز مسکن میں منتقل ہو رہی ہے۔ یہ سارا سامان جب مسکن میں پہنچ جائے گا، تب زین الدین اور دوسرے سالار بھی مسکن میں داخل ہوں گے۔ اس کے بعد اس موضوع پر میں زین الدین سے بات کروں گا۔“

قاضی ابوسعید کے ان الفاظ پر ارطالیں خوش ہو گئی۔ پھر قاضی ابوسعید اور ارطالیں پہلے کی طرح مسکن میں لائے جانے والے سامان کا جائزہ لینے لگے تھے۔

سارا سامان مسکن کے اندر منتقل ہو گیا اور مسکن کے چاروں طرف بنے ہوئے برجوں اور مسکن کے راستوں پر پہرہ دینے والے چوکس ہو گئے۔ تب زین الدین، فضل بن اسحاق، عدنان بن ہاشم اور دوسرے سالار مسکن میں داخل ہوئے۔ اس موقع پر لوگوں کا ایک جھوم تھا، جوان کی طرف بڑھا اور انہیں اس شاندار فتح اور کامیابی پر مبارکباد دینے لگا تھا۔ جب یہ جھوم چھٹا سبتہ اور میکمل دونوں ماں بیٹی زین الدین کے قریب گئیں۔ پھر سبتہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”امیر میں.....“

سبتہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ زین الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم یہی کہو گی کہ میں اس فتح اور کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ لہذا میں پہلے ہی کہتا ہوں کہ تمہارا شکریہ کہ تم نے ہماری اس کامیابی پر خوشی کا اظہار کیا۔“ عین اسی لمحہ ایک طرف سے بھاتی ہوئی شہزادی ارطالیں آئی۔ وہ بے حد خوش تھی اور تقریباً چھلنے اور جست لگانے کے انداز میں اس طرف آرہی تھی۔ زین الدین کے پاس آ کر رکی۔ پھر بڑی چاہت اور محبت میں کہنے لگی۔

”میں نہیں جانتی وہ کون سے الفاظ ہیں جنہیں میں استعمال کروں اور آپ کی اس شاندار فتح اور کامیابی پر آپ کو مبارکباد پیش کروں۔“

ارطالیں کے اس انداز پر زین الدین مسکرا دیا کہنے لگا۔

”ارطالیں تمہیں کچھ کہنے یا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، حالات وقت اور لوگ تمہیں

میرے ساتھ منسوب کر چکے ہیں۔ لہذا تم اگر کچھ بھی نہ کہو تب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ تم نے اپنی خوشی کا اظہار کرنے کیلئے سب کچھ کہہ دیا ہے۔“

زین الدین کے ان الفاظ کا جواب ارطالیس دینا ہی چاہتی تھی کہ اس موقع پر قاضی ابوسعید زین الدین کے قریب آیا۔ اس موقع پر دونوں عرب سالار عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق اس کے علاوہ مغنی احمد بن قاسم اور مسکن کے کچھ دوسرے سرکردہ لوگ بھی ساتھ تھے۔ زین الدین کے پاس رک کر پہلے تو سب نے زین الدین کو اس کامیابی پر مبارکباد دی۔ پھر زین الدین کو مخاطب کرتے ہوئے قاضی ابوسعید کہنے لگا۔

”بیٹے تمہاری غیر موجودگی میں ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے اور میں چاہتا ہوں اس فیصلے پر آج ہی عملدرآمد کیا جائے۔“

اس موقع پر زین الدین نے تیز نگاہوں سے قاضی ابوسعید کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

”محترم قاضی ابوسعید! کیسا فیصلہ؟“

اس پر قاضی ابوسعید نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ اپنے پہلو میں عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق، احمد بن قاسم اور دوسرے لوگوں پر ڈالی۔ وہ بھی مسکرا رہے تھے۔ اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر قاضی ابوسعید نے زین الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”بیٹے آج کا دن یا یوں سمجھو کہ آج کے دن سے بڑھ کر ہمارے لئے خوشی اور مسرت کا کوئی دن اس سے پہلے نہ تھا۔ ہم نے دو بڑی قوتوں کو بدترین شکست دے کر مار بھگایا ہے۔ بیٹے ارطالیس کے ساتھ تمہاری متغنی پہلے سے طے ہو چکی ہے اور میں تمہاری آمد سے پہلے اس سے بات کر چکا ہوں۔ اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں آج مغرب کی نماز کے بعد تمہاری اور ارطالیس کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا اور ارطالیس تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہارے مکان میں منتقل ہو جائے گی اور مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

زین الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ عرب سالار فضل بن اسحاق نے اپنے ساتھی عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھا اور اس موقع پر عدنان بن ہاشم قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”محترم قاضی ابوسعید امیر کو اس معاملے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لہذا ہم بھی یہی چاہیں گے کہ آج مغرب کے بعد ان کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔ اس طرح ہمارے مسکن کو ایک ساتھ دو خوشیاں نصیب ہوں گی۔“

قاضی ابوسعید اور عدنان بن ہاشم کی اس گفتگو کے جواب میں جب زین الدین نے اثبات میں جواب دیا، تب ارطالیس کے علاوہ وہاں کھڑے لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ اس موقع پر سبتہ بظاہر مسکرا رہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ آنسو جو ٹپکنے کے درپے تھے، جو بغیر کسی وقعت بغیر کسی وقار کے زمین پر جذب ہو جانے والے ہوں۔

اتنے میں ایک طرف سے بھاگتا ہوا زین الدین کا بھتیجا بدرالدین آ گیا تھا۔ بدرالدین نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ اس نے شاندار انداز میں زین الدین کو مبارکباد دی۔ پھر زین الدین کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔

آخر زین الدین نے قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”محترم ابوسعید، عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق، احمد بن قاسم اور دوسرے سالاروں کے ساتھ مل کے آپ خود اس سامان کی تقسیم کا کام سرانجام دیں۔ یہ سامان اس قدر ہے کہ شمار سے باہر ہے۔ میں چاہتا ہوں لشکریوں کو اس قدر نوازا جائے کہ وہ فکر و روزگار سے بالکل بے پرواہ ہو کر اپنے کام کی طرف دھیان دیں۔ اس کے علاوہ مسکن کے اندر ضرورت مند، مسکین اور غریب لوگ ہیں ان کی فہرست بنائیں اور ان کے اندر بھی سامان کی تقسیم کا کام سرانجام دیں۔ میں چاہتا ہوں اس مسکن کے سب لوگ خوشحال اور آسودہ رہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین جب خاموش ہوا، تب عدنان بن ہاشم نے فضل بن اسحاق سے راز دارانہ گفتگو کی۔ پھر انہوں نے قاضی ابوسعید سے کہا۔ اس موقع پر قاضی ابوسعید زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زین الدین تمہارے دونوں ساتھی عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلے سے مجھے آگاہ کیا ہے۔ وہ فیصلہ میرے دل کو لگتا بھی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس پر عمل کیا جائے۔“

”کیسا فیصلہ.....؟“ زین الدین نے غور سے قاضی ابوسعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

اس پر قاضی ابوسعید نے باری باری ایک گہری نگاہ اپنے پہلو میں کھڑے عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے اس سے پہلے جس قدر مال غنیمت مختلف مہموں کے دوران ہمارے ہاتھ آیا ان میں سے زیادہ مہموں میں سے تم نے کچھ نہیں لیا تھا۔ اپنے بھتیجے اور احمد بن قاسم کے اخراجات تم اپنے ذاتی اثاثے سے پورے کرتے رہے ہو اب چونکہ آج مغرب کے بعد ارطالیس اور تمہاری شادی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لہذا عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق دونوں چاہتے ہیں کہ آپ پہلے خود اس سارے سامان کا جائزہ لیں اس سارے سامان میں سے جو چیز اپنی ضرورت کیلئے آپ بہتر خیال کرتے ہیں اسے چن لیں اور اسے علیحدہ کر دیا جائے گا اور میرے بیٹے تمہارے مکان میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے بعد باقی سامان کی تقسیم کا کام سرانجام دیا جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاضی ابوسعید جب خاموش ہوا۔ تب کچھ دیر تک گھومنے کے انداز میں زین الدین نے باری باری فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھا۔ زین الدین کے اس طرح دیکھنے پر وہ پریشان سے ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ زین الدین کی آواز انہیں سنائی دی۔

”ابن ہاشم اور ابن اسحاق میرے دونوں بھائیو! تم دونوں میرے بازو ہو میری ذات کا استحکام اور میرے مددگار اور معاون ہو۔ میرے بھائیو! اس سے پہلے مال غنیمت سے میں اس لئے نہیں لیتا رہا کہ میرے پاس گھر کے اخراجات پورے کرنے کیلئے اثاثہ تھا اور ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ سارا سامان تقسیم کر دیا جائے اور اس میں میرا حصہ نہ رکھا جائے۔ جہاں تک میری شادی کا تعلق ہے تو میں ارطالیس کو بہتر طور پر جانتا ہوں اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ارطالیس ایسی لڑکی ہے جو مجھ سے شادی کرنے کے بعد میری بیوی کی حیثیت سے مجھ سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گی جو میں کھاؤں گا یہ بھی کھائے گی۔ جہاں میں بیٹھنا پسند کروں گا خواہ وہ زمین پر ہی کیوں نہ ہو وہ بھی وہاں فخر سے بیٹھنا پسند کرے گی۔ اس بناء پر یہ سامان آپ تقسیم کر دیں اس میں سے میرا حصہ نہ رکھیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین خاموش ہو گیا۔ اس موقع پر ارطالیس فخریہ انداز میں

زین الدین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ارطالیس قاضی ابوسعید کے قریب ہوئی اور کہنے لگی۔

”بابا جو اثاثہ میں لے کر آئی تھی اسے آپ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ بابا آپ نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ شادی کے بعد یہ اثاثہ میرے شوہر کی طرف منتقل ہوگا تو بابا اب جبکہ میری شادی امیر سے ہو رہی ہے تو وہ اثاثہ امیر کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ لہذا امیر نے جو مال غنیمت میں سے کچھ نہ لینے کا فیصلہ کیا ہے مجھے ان کے فیصلے پر فخر ہے اور میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتی ہوں۔“

اس موقع پر زین الدین نے اچانک اپنے قریب کھڑی میکمل اور سبتہ کی طرف دیکھا۔ ان کا جائزہ لیا۔ پھر قاضی ابوسعید کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”محترم قاضی ابوسعید! اگر آپ پسند کریں تو میرے حصے میں سے کچھ محترم خاتون میکمل اور ان کی بیٹی سبتہ کو دے دیں۔ یہ اس کا حق رکھتی ہیں اس لئے کہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس موقع پر سبتہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے اس کی ماں میکمل بول اٹھی اور کہنے لگی۔

”زین الدین میرے بیٹے سب سے پہلے تو میں تیرا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ تو نے میرا اور میری بیٹی سبتہ کا خیال رکھا۔ میرے بیٹے تم جو کچھ اپنے حصے سے ہمیں دینا چاہ رہے ہو وہ تو ایک طرف رہا۔ اس مال غنیمت سے اگر میرا اور میری بیٹی کا کوئی حصہ بنتا ہے تو ہم دونوں ماں بیٹی اس سے بھی دستبردار ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اپنی گزر بسر کرنے کیلئے ہم دونوں ماں بیٹی کے پاس بہت کچھ ہے۔“ اس موقع پر فخریہ انداز میں قاضی ابوسعید نے میکمل کی طرف دیکھا۔ پھر قاضی ابوسعید نے اسے مخاطب کیا۔

”میکمل میری بہن! مسکن میں وہ مکان جو بیت المال کے طور پر استعمال ہوتا ہے وہ سامان سے تقریباً بھرا ہوا ہے۔ میری بہن اگر اس سامان سے تم حصہ نہ لینا چاہو اور آنے والے دور میں تمہیں کسی شے کی ضرورت پڑے تو میری بہن تو بلا جھجک مجھ سے کہنا تم دونوں ماں بیٹی کو بیت المال سے بھی نوازا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ تم بیت المال سے لینے کا حق رکھتی ہو۔“

اس موقع پر مسکن کا ایک بوڑھا قاضی ابوسعید کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”محترم ابوسعید! کیا ایسا ممکن نہیں کہ امیر اور شہزادی ارطالیس کی شادی کا اہتمام ابھی اور اسی وقت کیا جائے۔ اگر یہ شادی شان و شوکت سے ہوتی ہے تو پھر بھلے مغرب کے بعد کر لیں۔ اگر یہ معاملہ سادگی سے طے کرنا ہے تو میں مشورہ دوں گا کہ یہ شادی ابھی تھوڑی دیر تک ہو جائے۔ امیر زین الدین اور شہزادی ارطالیس کا نکاح ہی تو پڑھانا ہے۔ اس کے بعد میں چاہوں گا کہ اس سامان کی تقسیم کا کام امیر زین الدین اور ارطالیس دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے کریں۔“

اس موقع پر زین الدین کا بھتیجا جو اس وقت زین الدین کے قریب ہی کھڑا تھا تقریباً اچھلتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہ فیصلہ بالکل درست ہے۔“

بدرالدین کے اس طرح اچھل کر اس فیصلے کی تائید کرنے پر سب مسکرا دیئے تھے۔ پھر عدنان بن ہاشم کہنے لگا۔

”ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔“ اس پر قاضی ابوسعید کہنے لگا اگر یہ معاملہ ہے تو پھر یہیں اللہ کی اسی زمین پر بیٹھ جاؤ اور بڑی سادگی کے ساتھ شادی کا اہتمام کر دیا جاتا ہے۔

سب نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سب اسی سامان کے قریب بیٹھ گئے۔ زین الدین اور ارطالیس کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ اس کے بعد اس سارے سامان کی تقسیم زین الدین اور ارطالیس دونوں میاں بیوی کی نگرانی میں ہونے لگی تھی۔



زین الدین نے چونکہ رینارڈس اور اسٹشس دونوں کا کام تمام کر کے اپنی قسم پوری کر دی تھی۔ لہذا اس کے مکان میں اس کے اور ارطالیس کیلئے بستر و اور شاندار مسہریوں کا اہتمام کر دیا گیا تھا اور پھر ارطالیس نے اس کیلئے کپڑوں کے کئی نئے جوڑے بھی بنا دیئے تھے۔ وہ بے حد خوش تھی کہ اس کے شوہر کی قسم پوری ہو چکی ہے اور اس نے مسلمانوں پر مظالم کرنے والے رینارڈس اور اسٹشس دونوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ایک روز دوپہر کے وقت کھانا کھانے کے بعد زین الدین ارطالیس احمد بن قاسم بدرالدین چاروں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ دروازے پر کھٹکا ہوا۔

اس پر بدرالدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے؟“

چنانچہ بدرالدین بھاگتا ہوا صدر دروازے کی طرف گیا۔ دروازہ جب اس نے کھولا تو باہر ایک نوجوان کھڑا تھا اور بدرالدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بدرالدین امیر سے کہو سلطان عماد الدین کی طرف سے دو قاصد آئے ہیں۔ انہیں قاضی ابوسعید کے ہاں بٹھا دیا گیا ہے۔ فضل بن اسحاق عدنان بن ہاشم اور کچھ دوسرے سالار بھی وہاں پہنچ چکے ہیں۔ ان دونوں قاصدوں کے پاس بیٹھے ہیں۔ دونوں قاصد سلطان کی طرف سے امیر کے نام کوئی اہم پیغام لے کر آئے ہیں۔“ اس پر بدرالدین اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ چلیں میں عم! کو پیغام دیتا ہوں وہ وہیں پہنچتے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ نوجوان وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ بدرالدین نے دروازہ کھلا رہنے دیا۔ تیز قدم اٹھاتا ہوا لوٹا۔ زین الدین کے قریب کھڑا ہوا اور اس سے کہنے لگا۔

”عم سلطان عماد الدین کی طرف سے دو قاصد آئے ہیں وہ آپ کے نام کوئی اہم پیغام

رکھتے ہیں اور انہیں قاضی ابوسعید کے ہاں بٹھایا گیا ہے جو نو جوان آیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق اور دوسرے سالار بھی وہاں پہنچ چکے ہیں اور سب ان دو قاصدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں آپ کی آمد کا انتظار ہے۔“

اس پر زین الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ احمد بن قاسم بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ ارطالیس کھڑی ہوئی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ یہ لباس اتار دیں۔ نیا لباس پہن کر جائیں۔“

اس پر بڑے پیارے انداز میں زین الدین نے ارطالیس کا گال چھپتھپایا اور کہنے لگا۔

”ارطالیس میرا لباس صاف ستھرا ہے۔ اسے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں سلطان کی طرف سے وہ قاصد کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟“ اس کے ساتھ ہی زین الدین وہاں سے نکل گیا تھا۔

زین الدین جب قاضی ابوسعید کے ہاں داخل ہوا تو سب کو اس نے سلام کیا۔ پھر وہ قاضی ابوسعید کے پاس بیٹھ گیا اور قاصدوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! تم سلطان کی طرف سے میرے لئے کیا پیغام لائے؟“

اس پر ایک قاصد بولا اور کہنے لگا۔

”امیر محترم! سلطان نے آپ کے نام یہ پیغام بھیجا ہے کہ قسطنطنیہ اور فرانس کے بادشاہ مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کیلئے آرہے ہیں۔ آپ کے نام ان کا پیغام ہے کہ آپ آگے بڑھ کر ان پر خون ماریں۔

دشمن کو یہ تاثر دینا کہ تمہارا تعلق شیرز رہے۔ شیخون کے بعد فوراً اپنے مسکن کی طرف لوٹ آنا۔ صلیبی یقیناً تمہارے تعاقب میں شیرز کا رخ کریں گے۔“

میرے بیٹے! عالم اسلام کے فرزند عزیز! بالذون اور ٹینکرڈ کو مار بھگانے کے بعد شیرز رہی وہ جگہ ہے جہاں اس دشمن کے لشکر کا بھی قبرستان بنا سکتے ہیں اور جب اپنوں اور فرانسیسیوں کا متحدہ لشکر شیرز کا رخ کرے گا تو تم اس سے پہلے ہی کوچ کرنا اور اپنے مسکن میں پہنچ کر اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دینا اور دشمن پر ضرب لگانے کیلئے تیار رہنا اور شیرز کے حاکم اسامہ کو بھی تیار کر دینا۔ اتنی دیر تک میں بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان علاقوں میں پہنچ کر کسی گھات میں چلا جاؤں

گا۔ اس کے بعد میرا تمہارے ساتھ مجروں کے ذریعے رابطہ رہے گا۔ مل کر دشمن کے خلاف حرکت میں آئیں گے اور اسے وہ سبق سکھائیں گے جو برسوں تک ان کیلئے عبرت خیز رہے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ خبر کا۔ پھر خوش کن انداز میں کہنے لگا۔

”ساتھ ہی سلطان نے آپ کو بالذون اور ٹینکرڈ کے خلاف شاندار کامیابی پر مبارکباد بھی بھیجی ہے۔“

مخبر جب خاموش ہوا تب اسے مخاطب کر کے زین الدین کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! دو دن تک یہاں ہمارے مسکن میں قیام کرو، آرام کرو۔ دو دن تک میں بھی اپنی تیاریوں کی تکمیل کر لوں گا۔ اس کے بعد تم دونوں مسکن سے ہمارے ساتھ روانہ ہونا۔ تم سلطان کی طرف چلے جانا اور ہم دونوں اور فرانس کے بادشاہوں پر ضرب لگانے کیلئے کوچ کریں گے۔“

زین الدین کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ زین الدین کے کہنے پر دو چھوٹے سالار آنے والے ان مجروں کو مسکن کے مہمان خانے کی طرف لے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ زین الدین نے باری باری ایک گہری نگاہ عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق پر ڈالی۔ پھر ہلکا سا تبسم زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوا۔ ساتھ ہی اس نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”میرے عزیز بھائیو! اب تم دونوں مل کر فیصلہ کر لو کہ تم دونوں میں سے کس نے مسکن کی حفاظت کیلئے یہاں رہنا ہے اور کس نے میرے ساتھ کوچ کرنا ہے تاکہ ہم دونوں اور فرانسیسیوں کے بادشاہوں پر ضرب پر ضرب لگاتے ہوئے ان کا رخ دوسرے مسلمان علاقوں کی طرف سے ہٹا کر اپنے مسکن کی طرف کریں اور میرے خداوند کو منظور ہو تو جس طرح اپنے مسکن اور شیرز شہر کے قریب ہم نے بالذون اور ٹینکرڈ کو بدترین شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کیا ہے ایسی ہی حالت ہم دونوں اور فرانس کے بادشاہوں کی بھی کریں گے۔“

اس موقع پر عدنان بن ہاشم مسکراتے ہوئے بول پڑا اور زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر محترم میں سارا فیصلہ اپنے بھائی فضل بن اسحاق پر چھوڑتا ہوں جو کہ فیصلہ کرے گا

میرے لئے قابل قبول ہوگا۔“

فضل بن اسحاق نے اس موقع پر مسکراتی ہوئی ایک نگاہ عدنان بن ہاشم پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔
 ”ابن ہاشم میرے عزیز فیصلہ نہ میرا ہوگا نہ میرے بھائی تمہارا۔ جس طرح تم نے مہربانی،
 اتفاق، محبت اور پیار سے کام لیتے ہوئے یہ معاملہ مجھ پر چھوڑا ہے اسی طرح میں بھی عقیدت اور
 ارادت مندی سے کام لیتے ہوئے یہ معاملہ امیر پر چھوڑتا ہوں۔ امیر جس کا نام لیں گے وہ ان کے
 ساتھ جائے گا اور جسے مسکن کی حفاظت پر مقرر کریں گے وہ مسکن میں رہے گا۔“
 فضل بن اسحاق کے سوال کے جواب میں زین الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر
 مفتی احمد بن قاسم بول اٹھا، کہنے لگا۔

”عزیز ساتھیو کیا ایسا ممکن نہیں کہ قرعہ اندازی کر لیں، جس کا نام قرعہ میں لکھے وہ امیر کے
 ساتھ جائے۔ دوسرا مسکن کی حفاظت کیلئے یہاں رہے۔“

احمد بن قاسم کی اس تجویز کو سب نے پسند کیا تھا۔ لہذا قرعہ اندازی کی گئی۔ قرعہ اندازی میں
 نام عدنان بن ہاشم کا نکلا تھا۔ لہذا فیصلہ یہ ہوا کہ عدنان بن ہاشم اور زین الدین دونوں ایک لشکر
 لے کر روموں اور فرانس کے بادشاہوں کا رخ کریں گے جبکہ فضل بن اسحاق لشکر کے ایک حصے
 کے ساتھ اپنے مسکن کی حفاظت کے فرائض انجام دے گا۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد یہ بھی طے پایا کہ اگلے روز لشکر کی تقسیم کو آخری شکل دے دی جائے
 گی۔ اس کے بعد سب اٹھ کے اپنی اپنی رہائشگاہ کی طرف چلے گئے تھے۔



زین الدین اور احمد بن قاسم دونوں جب اپنے مکان میں داخل ہوئے تو سامنے جو برآمدہ
 تھا اس کے اندر اراطلیس بڑی بے چینی کے عالم میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک ٹہل رہی
 تھی۔ بدرالدین اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ جونہی زین الدین اور احمد بن قاسم گھر میں داخل ہوئے
 اراطلیس رک گئی۔ زین الدین اور احمد بن قاسم اس کمرے میں داخل ہوئے جس سے اٹھ کر گئے
 تھے۔ اراطلیس اور بدرالدین اس کے پیچھے تھے۔ سب نشستوں پر بیٹھ گئے، پھر گفتگو کا آغاز
 اراطلیس نے کیا اور زین الدین کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگی۔

”امیر اب بتائیں سلطان کی طرف سے کیا پیغام آیا ہے؟ کیا کوئی نئی مہم شروع ہونے والی
 ہے؟“

جواب میں زین الدین نے جو گفتگو قاضی ابوسعید کے مکان میں ہوئی تھی اس کی تفصیل کہہ
 دی تھی۔

اس پر کچھ سوچتے ہوئے اراطلیس کہنے لگی۔

”گلتا ہے میرے باپ اور ٹینکرڈ کو جو عبرت خیز شکست اور سزا ملی ہے یہ صلیبیوں کیلئے عبرت
 خیزی کا سامان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روموں اور فرانسیسیوں کے بادشاہ قسمت آزمائی کیلئے پھر
 ان سرزمینوں کا رخ کر رہے ہیں اور خداوند قدوس نے چاہا تو جس طرح میرے باپ اور ٹینکرڈ کو
 بدترین شکست اٹھا کر یہاں سے بھاگنا پڑا تھا، یہی حالت روموں اور فرانس کے بادشاہوں کی بھی
 ہوگی۔“

اس کے بعد اراطلیس اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ احمد بن قاسم اور بدرالدین کے بستر اس
 نے لگائے پہلے اس نے بدرالدین کو سلا یا۔ احمد بن قاسم بھی اپنے بستر پر چلا گیا تھا۔ پھر اراطلیس

زین الدین کے ساتھ اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی تھی۔

دو روز بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اپنے لشکر کے ساتھ رومنوں اور فرانس کے بادشاہوں پر ضرب لگانے کیلئے کوچ کیا تھا اور کوچ کرنے سے پہلے لشکر کا ایک حصہ فضل بن اسحاق کی کمانداری میں دیتے ہوئے مسکن کی حفاظت کیلئے چھوڑا تھا اور دوسری طرف ان سارے معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے شیرز کے حکمران اسامہ کو بھی چونکا کر دیا گیا تھا۔



رومنوں اور فرانس کے بادشاہوں نے اپنے متحدہ اور جرار لشکر کے ساتھ سب سے پہلے مسلمانوں نے شہر بزاز کا رخ کیا تھا۔ کہتے ہیں بزاز ایک ندی کے قریب واقع تھا جسے نہر الذہب یعنی سونے کی ندی کہہ کر پکارتے تھے اور یہ جس وادی کے اندر تھی وہ وادی بطنان کہتے تھے۔ یہ وادی خوشنمائی میں دنیا کے عجائب ترین مقامات میں شامل ہے۔ یہ ندی دو فرسنگ لمبی چوڑی وسیع دلدل میں آ کر خشک ہو جاتی ہے اور صرف نمک چھوڑ جاتی ہے۔ اس دلدل کو یہاں والے الجبول کہتے ہیں اور یہاں جو نمک جمع ہوتا تھا وہ ارض شام کے مختلف اضلاع کو استعمال کیلئے بھیجا جاتا تھا۔ مشہور مورخ یا قوت کے بیان کے مطابق وادی بطنان جس کے اندر بزاز نام کا شہر تھا۔ اس کے بازو میں الباب نام کا ایک اور شہر تھا اور اسے باب بزاز بھی کہہ کر پکارتے تھے۔

بزاز اور الباب دونوں شہروں میں منڈیاں تھیں اور وہ سوتی کپڑا جسے کر بس کہتے تھے۔ بڑی مقدار میں یہاں تیار ہوتا تھا۔ مصر اور دمشق کو فروخت کیا جاتا تھا۔ کہتے ہیں وادی بطنان جس کے اندر بزاز شہر تھا۔ یہ سارا علاقہ حلب ہی کے تابع تھا۔ حلب شہر سے بزاز کا فاصلہ ایک دن کی راہ پر واقع تھا۔ یہاں آب رواں بہت سے چشمے اور ایک عمدہ منڈی تھی۔

دمشقی اس شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ بزاز اور الباب الگ الگ دو شہر وادی بطنان کے قریب واقع ہیں۔ اس کے برابر سے جو ندی گزرتی ہے وہ عین تاب کے مقام سے آئی ہے۔

مشہور مورخ ابوالفدا کہتا ہے کہ بزاز بڑا شہر ہے اس کے قریب الباب چھوٹا ہے جس میں ایک منڈی ہے۔ اس کے علاوہ ان شہروں کے اندر حمام جامع مسجد اور بہت سے فرحت بخش باغات موجود ہیں۔ ابوالفدا یہ بھی لکھتا ہے کہ بزاز کے مقابلے میں الباب چھوٹا ہے جس کے باہر حضرت عقیل بن ابی طالب کا مشہد اور قبر ہے۔



روم اور فرانس دونوں بادشاہوں کے لشکر اور ان کی پیش قدمی سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں۔
یورپ میں جہاد مقدس یعنی کروسیڈ کا واعظ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ قیصر روم اور شاہ
فرانس بہ نفس نفیس اپنے ان گنت جنگجو صلیبیوں کی معیت میں ہجری پانچ سو چونتیس اور سن گیارہ سو
چالیس میں ارض مشرق پر یلغار کر دی۔

سب سے پہلے ان کی زد میں مسلمانوں کا شہر بزاز آیا۔

رومنوں اور فرانسیسیوں نے اس شہر کو فتح کر کے شہر کے سب مردوں کو تہ تیغ کر دیا۔ عورتوں
اور بچوں کو پکڑ کر لے گئے۔ اس کے بعد صلیبی لشکر بزاز شہر سے باہر خیمہ زن ہوا تھا۔



زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ اس وقت بزاز شہر کے نواح میں پہنچے
جس وقت رومنوں اور فرانسیسیوں نے اس شہر کو فتح کر لیا تھا اور یہاں کے لوگوں کا قتل عام کر کے
وہ فارغ ہو چکے تھے۔ اس کا زین الدین اور عدنان بن ہاشم کو بے حد دکھ اور صدمہ ہوا۔

زین الدین کے مخبر بھی بڑے چوکس تھے۔ دشمن کے محل وقوع کے متعلق وہ برابر زین الدین
اور عدنان بن ہاشم کو آگاہ کر رہے تھے۔ جب انہوں نے اطلاع دی کہ بزاز شہر سے باہر رومنوں
اور فرانسیسیوں کے لشکر نے پڑاؤ کر لیا ہے اور بزاز شہر کو انہوں نے فتح کر لیا ہے اور وہاں
مسلمانوں کا قتل عام کر دیا ہے، تب ایک جگہ زین الدین نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ جب لشکر رک
گیا تب زین الدین کچھ دیر تک انتہائی دکھ اور افسردگی کے عالم میں اپنے گھوڑے پر سوار گہری
سوچوں میں ڈوبا رہا۔ اس موقع پر عدنان بن ہاشم اور دوسرے چھوٹے سالار بڑے غور سے اس کی
طرف دیکھے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ زین الدین نے عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے
کہنا شروع کیا۔

”ابن ہاشم میرے بھائی ہم تاخیر سے پہنچے کاش ہم رومنوں اور فرانسیسیوں کے بزاز شہر
پر حملہ آور ہونے سے پہلے پہنچ کر بزاز شہر کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر شہر کا دفاع کرتے۔
میرے بھائی رومنوں نے اگر شہر کے مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے تو یہ ہمارے لئے ایسی خبر ہے جو
ناقابل برداشت ہے۔ میرے بھائی میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم مجھ سے اتفاق
کرو گے اور میرا ساتھ دو گے۔“

اس موقع پر عدنان بن ہاشم نے احتجاجی انداز میں زین الدین کی طرف دیکھا۔ پھر بکھرتی
روہا سی آواز میں وہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

”امیر خدا کیلئے ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں“ آپ اپنا فیصلہ تو دیں۔ عدنان بن
ہاشم نے اگر اس فیصلے پر دشمن پر ضرب لگاتے ہوئے اپنی جان نہ قربان کر دی تو نام ابن ہاشم
نہیں۔“ اس موقع پر تلخ سے مسکراہٹ زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوئی، پھر عدنان بن ہاشم کو
مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جس جگہ ہم نے لشکر کو روکا ہے یہ بڑی مناسب جگہ ہے۔ کوہستانی سلسلہ ہے۔ یہاں
ہمارے لشکر کی محفوظ رہیں گے۔ ان علاقوں کے ارد گرد اپنے مسلح جوان بھی پھیلا دیتے ہیں تاکہ جو
بھی مشکوک شخص انہیں نظر آئے اس کا خاتمہ کر دیں تاکہ کم از کم رومنوں اور فرانسیسیوں کو ہماری
آمد کی خبر نہ ہو۔“

”عدنان بن ہاشم میرے عزیز بھائی یہاں پڑاؤ کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک ظہر کا وقت
ہو جائے گا پہلے لشکریوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ نماز ادا کرنے کے بعد لشکریوں کو کہتے ہیں کہ وہ آرام
کر لیں، سستالیں اور آنے والی شب کو آدھی رات کے وقت ہم دشمن کو اپنا ہدف بنائیں گے۔ اس
پر شب خون ماریں گے اور ان سے بزاز شہر میں مرنے والے اپنے بہن بھائیوں کا انتقام ضرور
لیں گے۔ عدنان بن ہاشم کچھ مخبروں کو چوکس کر دو کہ وہ رات کے وقت دشمن کے پڑاؤ تک ہماری
رہنمائی کریں گے۔“

عدنان بن ہاشم اور دوسرے چھوٹے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لشکر نے وہاں
پڑاؤ کر لیا۔ زین الدین کے حکم پر لشکریوں کیلئے کھانا تیار کیا جانے لگا۔ کچھ مسلح جوانوں کو اس پڑاؤ
کے اطراف میں پھیلا دیا گیا تھا اور حکم دے دیا گیا تھا کہ جو بھی مشکوک شخص نظر آئے اس کا کام
تمام کرتے چلے جائیں۔ اس کے بعد کھانا کھانے اور ظہر کی نماز کے بعد لشکریوں کو سستانے کا
موقع فراہم کیا گیا تھا۔



آتش و آہن کے سیلاب کی طرح آگے بڑھا۔ اس کے بعد وہ ان رومنوں پر زمین پر پھیلے غبار کے بمبورے بادلوں میں موت کی حشر سامانیوں، جھلساتے تند انگاروں کے کھیل اور ہزاروں کھوٹی شور میں کھڑی کرتے طوفانوں اور دہری اندھی ظلمت میں مقتل گاہ کی خواری پھیلاتے آہ و فغاں کے ہنگاموں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح رومنوں کے لشکر کے جس حصے پر زین الدین حملہ آور ہوا تھا۔ اس حصے کو بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ زین الدین نے تہ تیغ کر دیا تھا۔ رومنوں کے لشکر کا وہ حصہ جو زین الدین کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہونے کی ٹھان رہا تھا۔ اس پر عدنان بن ہاشم نے حملہ آور ہو کر انہیں ٹھکانے لگا دیا تھا اور اس قدر شب خون مارنے اور دشمنوں کا نقصان کرنے کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم پلٹے اور اپنے لشکر کو سمیٹتے ہوئے واپس ہوئے۔ ساتھ ہی ان کے کچھ لشکری شور بھی کرتے جا رہے تھے کہ شب خون مارنے والے ان لشکریوں کا تعلق شیراز شہر کے جنگجوؤں سے ہے۔

رومنوں اور فرانسیسیوں کے بادشاہوں نے جب دیکھا مسلمان ان کے لشکر پر کامیاب شب خون مارنے اور ان کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بائیں جانب کے کوہستانی سلسلوں کی جانب بھاگے ہیں، تب انہوں نے فرانسیسی اور رومنوں پر مشتمل اپنے لشکر کا ایک حصہ ان کے تعاقب میں لگا دیا تھا۔

زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنے شب خون کی تکمیل کے بعد بڑی تیزی سے پیچھے ہٹے تھے اور ایک ایسے کوہستانی سلسلے کی طرف بڑھے تھے، جس کے ایک درے میں سے گزر کر دوسری سمت جانا پڑتا تھا۔ زین الدین کے جو مخبر اس موقع پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں کو بتا دیا تھا کہ رومنوں اور فرانس کے بادشاہ کے کہنے پر فرانسیسیوں اور رومنوں کا ایک لشکر ان کے تعاقب میں لگا دیا ہے۔

اس نئی خبر اور نئی صورتحال پر زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اطمینان، بلکہ خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ دونوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ اس صلاح مشورے کے بعد کوہستانی درے کے ایک طرف زین الدین اور دوسری طرف عدنان بن ہاشم دونوں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گھاٹ لگا گئے تھے۔

رات بھاگی جا رہی تھی۔ چاروں طرف دستور زباں بندی، نیم اندھیرے راستوں اور اندھے بے کل نفس کی سی خاموشی طاری تھی۔ ایسے میں زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مخبروں کی رہنمائی میں رومنوں اور فرانسیسیوں کے لشکر کی طرف بڑھے۔ زین الدین نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا دوسرا عدنان بن ہاشم کی کمانداری میں دیا تھا۔ رومنوں اور فرانسیسیوں کا لشکر شہر میں مسلمانوں کے خلاف تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنے کے بعد شہر سے باہر پڑاؤ کئے ہوئے تھا اور نیند اور مستی سے ہسکتا تھا۔ اس لئے کہ ایک تو انہیں بڑا ع شہر فتح کرنے کی خوشی تھی۔ دوسرے انہوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی کوئی ایسی قوت نہیں جو ان کا سامنا کر سکے اور ان پر ضرب لگا سکے۔

ایسے میں سب سے پہلے زین الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اسی طرف نمودار ہوا۔ جہاں رومنوں کا لشکر تھا۔ اس کے بعد بڑے بڑے تلے انداز میں آگے بڑھنے کے بعد اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہ بڑا ع شہر کے نواح میں گہری نیند سوئے رومنوں پر دل میں آتشیں تڑپ لئے حیاتو۔ موت کی کشمکش میں روح کی آخری چمک، فکر کی درخشندگی، عزم کی پائندگی چھین لینے والی تل پلٹ کرتی آنندھیوں، زندگی کی آخری رفق اور اجالوں کے تبسم تک سے محروم کر دینے والی وحشتوں کے شرر کی جنوں خیزیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اپنے پہلے ہی حملے میں زین الدین نے بے خبر سوئے ان گنت رومنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح رومن لشکر کے اندر ایک چیخ و پکار اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اتنے میں رومن لشکر کا ایک حصہ سنبھلا اور جب وہ یہ چاہتا تھا کہ پشت کی جانب سے زین الدین پر حملہ آور ہو، تب عرب سالار عدنان بن ہاشم گریز پاسا عتوں میں دردناک سے برپا کرتے

فرانسیسیوں اور رومنوں کا لشکر بڑی تیزی سے تعاقب کرتا ہوا جب اس درے میں داخل ہو کر ذرا آگے بڑھا، تب سب سے پہلے زین الدین نے اپنی کارروائی کی ابتداء کی اور وہ رومنوں اور فرانسیسیوں پر سراپہ اور وحشت زدہ کر دینے والی انگاروں کی سی آندھیوں، فکرو خیال کو دھول دھول کرتے لاوے کی ندیوں کے تلاطم موت کے بے کراں لمحات پھیلاتے قہر کے کندھوں پر سوار طوفانوں، عالم برزخ میں کھڑا کر دینے والی اندھی خونی یورشوں، آدم خور ہنگاموں اور جتاوت کے خونی حادثوں کی طرح فرانسیسیوں اور رومنوں پر حملہ آور ہوا تھا۔

فرانسیسیوں اور رومنوں نے سنبھل کر جب زین الدین کے خلاف جوانی کارروائی کرنا چاہی تو اس وقت تک زین الدین ان کے کافی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اور پھر رومنوں اور فرانسیسیوں کی مزید بد قسمتی کہ دوسری طرف سے عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور وہ بھی ان پر بے کراں صحرا کی ویرانیوں میں ہر شے کو راگہ کا انبار بنا کر اڑاتے بھاپ اور تیل کے جلتے غبار آئینہ درآئینہ عکس کی طرح ہر شے کے حصار کو توڑتی نا امید یوں اور دکھ کے دھاروں، خاموشی کی ذات کے گہرے نفس میں رگ رگ میں خوف چبھاتے بے کراں صحرائی ویرانوں کے اندیشوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

کچھ دیر تک اس درے اور کوہستانی سلسلوں کی ڈھلانوں میں ہولناک معرکہ ہوتا رہا۔ رات کے گہرے اندھیرے میں زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے بڑی تنظیم اور بڑے تحمل سے کام لیتے ہوئے فرانسیسیوں اور رومنوں پر جان لیوا حملے کئے تھے اور ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر فرانسیسیوں اور رومنوں کی حالت گہری رات کی تاریکیوں میں ٹوٹی قبروں کے میلے کتبوں، منزلوں کے آخری نوحوں، جدائی کے قصوں، سوکھے پتوں کی کہانیوں، دکھ کے سایوں اور کرم خوردہ عہد ناموں سے بھی زیادہ المناک ہونا شروع ہو گئی تھی۔

اور پھر زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کرتے ہوئے ایک طرح سے ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اس طرح تعاقب کرنے والے فرانسیسیوں اور رومنوں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بہت کم کو اپنی جانیں بچا کر واپس بھاگنا نصیب ہوا تھا۔

ان دروں کے اندر بھی زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے کہنے پر ان کے کچھ لشکری حملہ آور

ہوتے ہوئے شور کرتے جا رہے تھے کہ ہمارا تعلق شیر شہر سے ہے اور ہم تمہیں آگے بڑھنے نہیں دیں گے گاٹ کر رکھ دیں گے۔

اپنی یہ کارروائی مکمل کرنے کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے فوراً وہاں سے کوچ کیا۔ اب وہ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ اپنے مسکن کا رخ کر رہے تھے۔

دوسری طرف رومنوں اور فرانسیسیوں دونوں کے بادشاہ اس موقع پر اپنے کچھ بڑے سالاروں کے ساتھ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں اس بات کا انتظار تھا کہ حملہ آور مسلمانوں کے تعاقب میں انہوں نے جو لشکر بھیجا ہے وہ عنقریب شب خون مارنے والوں کا خاتمہ کر کے لوٹے گا اور ہمیں اچھی اور خوش کن خبریں سنائے گا۔

اس طرح یورپ کے وہ دونوں حکمران اپنے سالاروں کے ساتھ جو گفتگو تھے انتظار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ پڑاؤ کے اندر کچھ زخمی رومن اور فرانسیسی داخل ہوئے ان میں سے کچھ کو یورپ کے ان دونوں حکمرانوں کے پاس لے جایا گیا۔ انہیں دیکھتے ہوئے فرانس اور رومنوں کے شہنشاہ پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ پھر فرانس کے بادشاہ نے انہیں مخاطب کیا۔

”تم لوگ کہاں سے آئے ہو اور تمہیں زخمی کرنے والا کون ہے؟“

ان پر ان میں سے ایک کہنے لگا۔

”ہم شب خون مارنے والوں کے تعاقب میں گئے تھے۔ وہ بڑے عیار رکھے۔ ان کا تعلق مسلمانوں کے شہر شیر سے ہے۔ شاید ان کو پتا چل گیا تھا کہ ہم ان کے تعاقب میں ہیں۔ لہذا ایک کوہستانی سلسلے میں انہوں نے گھاٹ لگالی تھی اور جو نبی ایک درے سے گزر کر ہم نے پار جانا چاہا ان کے لشکر کے دو حصوں نے دائیں بائیں سے حملہ آور ہو کر ہمارے لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بہت کم لشکریوں کو اپنی جانیں بچا کر واپس اپنے پڑاؤ میں آنا نصیب ہوا۔“

اس موقع پر فرانس کے بادشاہ نے اپنے قریب بیٹھے ایک سالار کو حکم دیا کہ وہ خود اٹھے اور آنے والے زخمیوں کی دیکھ بھال کرے۔ اس پر وہ سالار اٹھا اور جو زخمی خیمے میں داخل ہوئے تھے انہیں بھی ساتھ لے گیا اور جو زخمی باہر تھے ان سب کو اکٹھا کر کے ان سب کی دیکھ بھال اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرانے لگا تھا۔



خیمے میں کچھ دیر گہری خاموشی رہی یہاں تک کہ فرانس کا بادشاہ رومنوں کے حکمران کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے شہر بزاع کو فتح کرنے کے بعد ہمارے لشکریوں کے حوصلے بڑے بلند ہو گئے تھے۔ میں بڑا بڑا امید تھا کہ ایک شہر کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور اب جست و خیز کرتے ہوئے ہم مسلمانوں کے دوسرے شہروں کو فتح کرتے ہوئے دمشق حلب اور موصل تک پھیلتے چلے جائیں گے اور ان سرزمینوں میں مسلمانوں کے پاس جو بچے کچھ علاقے رہ گئے ہیں ان پر قبضہ کر لیں گے۔“

”لیکن ان شب خون مارنے والوں نے ہمیں تعجب اور ایک طرح کی تشویش میں ڈال دیا ہے۔ ایک تو انہوں نے اپنے پہلے شب خون میں ہمیں کافی نقصان پہنچایا اور اس کے بعد جو لشکر ہم نے ان کے تعاقب میں بھجوایا۔ اس کی اکثریت کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ حملہ آور جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور تیغ زنی کے ہنر میں بھی ماہر ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد فرانس کا بادشاہ جب دم لینے کیلئے رکاب زدمن حکمران غصے اور غضبناکی میں بول اٹھا۔

”مسلمانوں کے وہ تیغ زن ہنرمند ہوں یا خام کاران کے پاس طاقت بڑی ہو یا چھوٹی اب ہم انہیں زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ انہوں نے ہم پر اس وقت شب خون مارا جب ہم اور ہمارے لشکری مسلمانوں کا شہر بزاع فتح کرنے کے بعد بڑی آسودگی اور اطمینان کی حالت میں شہر کے باہر پڑاؤ کئے ہوئے تھے اور ہمارے لشکری گہری نیند سوئے تھے آرام کر رہے تھے۔ گو چند دستوں کو جاگ کر پہرہ دینے پر مقرر کیا تھا، لیکن حملہ آوروں نے پہلے ان پر حملہ آور ہو کر ان کا کام تمام کیا اور اس کے بعد لشکر کے دوسرے حصوں پر حملہ آور ہو کر انہوں نے اپنے شب خون کو کامیاب کیا اور جو لشکری ہم نے ان کے تعاقب میں بھیجے ایک کارگر طریقے سے ان کا قتل عام کیا۔ لیکن اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان دو کارروائیوں میں معمولی درجے کی کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہم پر اٹھتے بادلوں کی طرح چھا جائیں گے تو یہ ان کی سوچوں کا فریب اور دھوکہ ہے۔ اگر یہ ایسے ہی ہنرمند اور تیغ زنی میں لا جواب اور بے مثال ہوتے تو ماضی میں جو یورپی لشکر جنگ مقدس کی ابتدا کرتے ہوئے ان کی سرزمینوں پر حملہ آور ہوئے تھے تو یہ اپنے علاقوں پر قبضہ نہ کرنے دیتے۔ اب ان کے

کافی بڑے بڑے شہر نصرانیوں کی عملداری میں ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رومنوں کا حکمران رکا، کچھ سوچا۔ پھر فرانس کے بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”حملہ آوروں کے شب خون کی کامیابی اور کوہستانی سلسلے کے درے میں تعاقب کرنے والے ہمارے لشکر کا خاتمہ کر کے مسلمانوں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا تعلق شیراز سے ہے اور ہم تم لوگوں کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔

اب ہم نے ان پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم آگے بھی بڑھ سکتے ہیں ان پر حملہ آور بھی ہو سکتے ہیں اور اتنی طاقت، قوت اور ہنرمندی رکھتے ہیں کہ ان کا شہر شیراز بھی ان سے چھین کر اسے اپنی گرفت میں کر سکتے ہیں۔“

رومنوں کا حکمران رکا، کچھ سوچا۔ دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔

”کل ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ مسلمانوں کے شہر شیراز کا رخ کریں گے اور اس وقت تک اس کا محاصرہ جاری رکھیں گے جب تک وہ ہمارے ہاتھوں فتح نہیں ہو جاتا یا شہر کے اندر جو محافظ لشکر ہے وہ ہتھیار نہیں پھینک دیتا۔ پھر میں دیکھتا ہوں شیراز والے کس طرح اپنا دفاع کرتے ہیں اور ان میں کتنا دم غم ہے کہ کیسے اور کس طرح جنگ کا رخ اپنے حق میں کرنے کی کوشش کریں گے۔ مسلمانوں نے حال ہی میں جو ہمارے دو شہر چھینے ہیں وہ تو ہم نے واپس لینے ہی ہیں۔ اس کے علاوہ اب ہم انتقام پر اترتے ہوئے مسلمانوں کے دیگر وسیع علاقوں میں ترک تاز اور یلغار کرتے ہوئے ان پر قبضہ کرنے اور انہیں اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کریں گے۔“

چنانچہ فرانس کے بادشاہ کے علاوہ جس قدر سالار وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب نے رومنوں کے شہنشاہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اس اتفاق رائے کو سامنے رکھتے ہوئے اگلے روز رومنوں اور فرانسیسیوں کے لشکر نے مسلمانوں کے ویران ہو جانے والے شہر بزاع کے نواح سے شیراز شہر کی طرف کوچ کیا تھا۔



کر آرام کرو۔“

اس کے ساتھ ہی قاضی ابوسعید اپنے مکان میں داخل ہو گئے۔ دوسری طرف زین الدین جب اپنے مکان میں داخل ہوا تو اس وقت گھر کے برآمدے میں حسین خوبصورت اربطالیں بڑی بے چینی میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ زین الدین کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ آگے بڑھی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ کی آمد سے پہلے ہی ہمارے مسکن میں خبریں پہنچ چکی ہیں کہ آپ اور بھائی عدنان بن ہاشم نے دشمن پر شاندار اور کامیاب شب خون مارا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے اربطالیں کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مسکراتے ہوئے اور اس کی بات کاٹتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”اربطالیں اس سے آگے کچھ نہ کہنا۔ میں جانتا ہوں تم شکریہ ادا کرنے کی کوشش کرو گی اور تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اب تم میری بیوی ہو۔ میری ہر کار کردگی میرے ہر معرکے کی تم بھی حصہ دار ہو۔“

اربطالیں مسکراتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ پھر کہنے لگی۔

”میں نے طہارت خانے میں آپ کا نیا لباس رکھا ہے۔ نہا کر لباس تبدیل کریں۔ میں نے ابھی ابھی کھانا تیار کیا ہے۔ کھانا ابھی گرم ہے۔ پہلے کھانا کھائیں اور آرام کریں۔“

زین الدین نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس نے غسل کیا، کھانا کھایا اور پھر اپنی خواب گاہ میں چلا گیا تھا۔



اسی روز مغرب کی نماز کے بعد زین الدین احمد بن قاسم اور بدر الدین تینوں اپنے مکان سے نکل کر قاضی ابوسعید کے مکان کا رخ کرنا چاہتے تھے کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ دستک سنتے ہی بدر الدین بھاگتا ہوا حویلی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ کھول کر کسی سے گفتگو کرتا رہا۔ پھر پلٹا اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”عم! ایک شخص آپ کو بلانے کیلئے آیا ہے۔ فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم کے علاوہ دوسرے سالار بھی قاضی ابوسعید کی رہائش گاہ پر جمع ہو گئے ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر

زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مسکن میں داخل ہوئے تھے۔ مسکن کے لوگوں نے اپنے دونوں سالاروں اور لشکریوں کا شاندار انداز میں استقبال کیا۔ لشکر کا شاندار استقبال کرنے والوں میں فضل بن اسحاق، قاضی ابوسعید دوسرے سالار اور مسکن کے سرکردہ لوگ تھے۔ ان میں بدر الدین بھی شامل تھا جو زین الدین کو دیکھتے ہی بھاگ کر اس کے ساتھ لپٹ گیا تھا۔ اس موقع پر زین الدین نے کچھ سوچا، پھر فضل بن اسحاق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن اسحاق میرے بھائی لشکریوں کو اپنے اپنے گھروں اور اپنی اپنی آرام گاہ کی طرف جانے دو۔ انہیں اس وقت آرام کی سخت ضرورت ہے۔ میں چاہوں گا کہ عدنان بن ہاشم بھی آرام کرے اور مغرب کی نماز کے بعد تم دونوں قاضی ابوسعید کی رہائش گاہ پر آ جاؤ اس کے بعد دشمن سے نبٹنے کیلئے اپنا آخری لائحہ عمل طے کریں گے۔ اس لئے کہ دشمن اپنی پوری قوت اور سارے ساز و سامان کے ساتھ شیرزیر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ان کے پاس بڑی بڑی منجیقیں بھی ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان منجیقوں کے ذریعے شیرزیر شہر کے آگے اور اس کی فصیل کو پاش پاش کر کے اس پر قبضہ کر لیں جبکہ ہم نے کوشش یہ کرنی ہے کہ دشمن کی طاقت اور قوت کو پاش پاش کر کے انہیں یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیں۔“

فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سارے لشکریوں کو آرام کرنے کیلئے کہا گیا۔ قاضی ابوسعید، احمد بن قاسم اور بدر الدین کے ساتھ زین الدین بھی اپنے مکان کی طرف بڑھا۔ مکان کے قریب جا کر قاضی ابوسعید رک گیا اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے اب ملاقات مغرب کی نماز کے بعد ہوگی۔ تم تھکے ہوئے ہو جا

پہلے سلطان عماد الدین زنگی کی طرف سے بھی تین قاصد آئے ہیں اور ان کو بھی وہیں بٹھا دیا گیا ہے۔ اب وہ سب بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

اس موقع پر زین الدین اپنے روغل کا اظہار کرتا ہی چاہتا تھا کہ اراطالیس بول اٹھی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ بابا کے ہاں جاتی ہوں۔ ظاہر ہے آپ سب لوگ دیوان خانے میں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔ دیوان خانے اور اس سے ملحقہ کمرے کے بیچ میں جو درمیانی دروازہ ہے میں اس کے پیچھے کھڑی ہو کر آپ لوگوں کی گفتگو سن لوں گی۔“

زین الدین مسکرایا اور اراطالیس کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس پر اراطالیس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر سب اپنے مکان سے نکلے، قاضی ابوسعید کے ہاں داخل ہوئے۔ پہلے سلطان عماد الدین زنگی کے قاصدوں سے تعارف کروایا گیا۔ پھر زین الدین ان کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔ پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! تمہاری آمد سے پہلے ہم نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ قاضی ابوسعید کی رہائش گاہ پر آج ہم مغرب کی نماز کے بعد جمع ہوں گے اور دشمن سے نبٹنے کا لائحہ عمل تیار کریں گے۔ اچھا ہوا اس سے پہلے ہی تم سلطان کا کوئی پیغام لے کر آ گئے۔ اب بولو کیا سلطان اس معاملے میں کوئی تبدیلی چاہتے ہیں۔“

زین الدین کے اس استفسار پر آنے والے وہ خبر ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر زین الدین آپ کیلئے اچھی خبر یہ ہے کہ سلطان اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ چکے ہیں۔ آپ کے مسکن کے قریب ہی ایک انتہائی مناسب جگہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے ہیں۔ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ سلطان نے دشمن کی آمد سے پہلے ہی اس کے خلاف گھات لگالی ہے اور آپ کیلئے جنگ کا ایک لائحہ عمل اور منصوبہ بنا کر بھیجا ہے اور سلطان کا یہ کہنا ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دشمن کی طاقت اور قوت کے ہم پر نچے اڑا کر اسے بدترین شکست دے سکتے ہیں۔“

یہ الفاظ سن کر زین الدین کے علاوہ عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کے علاوہ وہاں بیٹھے

لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس موقع پر زین الدین پھر بول اٹھا۔ ”مجھے یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ سلطان اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ چکے ہیں۔ اب تم لوگ یہ کہو کہ سلطان نے کیا منصوبہ بندی کی ہے۔“

اس پر وہ خبر زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔

”امیر دودن پہلے سلطان اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ چکے ہیں۔ لیکن کسی کو انہوں نے اس کی اطلاع نہیں کی، جو منصوبہ بندی سلطان نے طے کی ہے اسی کے بارے میں پیغام دے کر ہمیں آپ کی طرف بھیجا گیا ہے۔ سلطان چاہتے ہیں کہ جس قدر مسلح جوان آپ کے پاس ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ آپ لے کر آج رات کے پچھلے حصے میں اپنے مسکن سے نکل کر سلطان کا رخ کریں گے۔ ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ سلطان سے ملنے کے بعد سلطان کے کچھ چھوٹے سالار آپ کے ساتھ جائیں گے اور آپ کو وہ جگہ بتائیں گے جو سلطان نے آپ کے اور آپ کے لشکریوں کیلئے گھات لگانے کیلئے مقرر کی ہے۔“

”فضل بن اسحاق کیلئے سلطان کا یہ پیغام ہے کہ آپ کے برج کے اطراف میں اور ارد گرد جو برج بنے ہوئے ہیں بڑی بڑی چٹانیں اور بڑے بڑے پتھر کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ ان چٹانوں اور پتھروں کے پیچھے اور برجوں کے اندر مسکن کے کیا مرد کیا عورتیں بٹھا دیئے جائیں۔ بوڑھے لوگ بھی اس کام میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ان کے پاس پتھروں کے ڈھیر لگا دیئے جائیں اور وہ لوگ جو تیر اندازی کر سکتے ہیں ان کے پاس تیروں کے ڈھیر لگا دیئے جائیں۔ انہیں کمائیں مہیا کر دی جائیں تاکہ وہ لگا تار اور برابر آپ کے مسکن پر بڑھنے والوں کی طرف پتھر پھینکیں، تیر اندازی کریں اور اس سارے کام کی نگرانی فضل بن اسحاق کریں گے۔“

”آپ کی آمد سے پہلے سلطان عماد الدین شیرز شہر کے حاکم اسامہ سے بھی رابطہ قائم کر چکے ہیں اور اپنے پیغام کے ذریعے اسامہ کو بھی سلطان نے چوکس کر دیا ہے۔ اب دشمن سے نبٹنے کا جو طریقہ کار ہوگا جو سلطان نے ہمیں بتا کر بھیجا ہے وہ کچھ اس طرح ہوگا۔“

”آپ اپنے حصے کے ساتھ نکل کر سلطان نے جو جگہ آپ کیلئے مقرر کی ہے وہاں گھات میں چلے جائیں گے۔ دشمن جب یہاں آ کر پڑاؤ کرے گا تو اسی وقت ہم اپنے کام کی ابتدا کر دیں گے۔ سب سے پہلے شیرز کا حاکم اسامہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلے گا اور مسلمینوں کے لشکر کے ایک

پہلو پر حملہ آور ہوگا۔

صلیبی ہمارے مسکن کی طرف کم توجہ دیں گے۔ ان کی زیادہ خواہش یہی ہے کہ شیزر شہر کو فتح کریں۔ چنانچہ اسامہ جب اپنے شہر سے باہر نکل کر ان پر حملہ آور ہو گیا تب صلیبیوں کی خوشی کی کوئی انتہاء ہوئی۔ اس لئے کہ سلطان کو مخبر یہ پیغام دے چکے ہیں کہ فرانس اور رومنوں کے شہنشاہ اپنے ساتھ بڑی بڑی منجھنٹیں لے کر آ رہے ہیں تاکہ شیزر شہر پر سنگ باری کر کے شہر کی تفصیل کو گرا کر مسلمانوں سے یہ شہر چھین لیں۔

جب اسامہ خود ہی شہر سے باہر نکل کر حملہ آور ہوگا تو صلیبی خوش ہوں گے کہ انہیں شیزر شہر کا محاصرہ نہیں کرنا پڑا۔ مجتہدوں سے کام نہیں لینا پڑا۔ اب وہ اسامہ پر جوابی کارروائی کرتے ہوئے اسے دھکیلتے ہوئے آسانی شیزر شہر میں داخل ہو جائیں گے۔

جس وقت اسامہ حملہ آور ہوگا صلیبی جوابی کارروائی کرنے کیلئے اس کی طرف پلکیں گے تب عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نکلے گا اور پشت کی جانب سے صلیبیوں پر ضرب لگائے گا۔

”جب پشت کی طرف سے عدنان بن ہاشم رومنوں اور فرانسیسیوں پر حملہ آور ہوگا تب اسامہ کی طرف ان کی پیش قدمی رک جائے گی۔ وہ اس خوف اور خدشے کا شکار ہوں گے کہ کچھ لشکر ان کی پشت پر بھی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک اسامہ کی طرف پیش قدمی کرے گا دوسرا عدنان بن ہاشم سے نبٹنے کی کوشش کرے گا۔“

”جس وقت یہاں تک کارروائی پوری ہوگی اس کے بعد امیر زین الدین آپ کے کام کی ابتداء ہوگی۔“

”آپ دشمن کے لشکر کے اس حصے کو اپنا ہدف بنائیں گے جو عدنان بن ہاشم پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ اس طرح اس لشکر کی پیش قدمی رک جائے گی جو عدنان بن ہاشم پر چڑھ دوڑنے کیلئے بڑھ رہا ہوگا۔ اس وقت سلطان عماد الدین بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنے کام کی ابتدا کریں گے اور وہ دوسری سمت سے صلیبیوں کے اس لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہوں گے جس نے اسامہ کی طرف پیش قدمی کرنے کی ٹھان رکھی ہوگی اور جب سلطان ان پر حملہ آور ہوں گے تو اسامہ کی طرف ان کی پیش قدمی رک جائے گی۔ اس طرح کھلے میدانوں میں کچھ دیر تک رزم گاہ

کے اندر دشمن پر ہولناک ضربیں لگائے جائیں گے اور سلطان کا کہنا ہے کہ ایسا کر کے یقیناً ہم رومنوں اور فرانسیسیوں کو بدترین شکست دے سکیں گے۔“

”سلطان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب یہ دیکھا جائے کہ ہمارے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد فرانسیسی اور رومن بھاگنا شروع ہو گئے ہیں تب ہمارے سارے لشکر اکٹھے ہو جائیں گے۔ اسامہ اور عدنان بن ہاشم اپنے اپنے لشکریوں کے ساتھ بھی رہیں گے تاکہ دشمن دھوکہ دہی سے کام لے کر کسی انجانے راستے سے پلٹ کر آپ کے مسکن یا اسامہ کے شہر شیزر میں داخل نہ ہو جائیں جبکہ خود سلطان اور آپ دشمن کا تعاقب کریں گے اور ان کی تعداد کو مزید کم کر کے انہیں اس قابل نہیں رہنے دیں گے کہ وہ پھر مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ آور ہونے کی جرأت اور جسارت کر سکیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر جب خاموش ہوا۔ تب لمحہ بھر کیلئے زین الدین مسکراتا رہا۔ پھر ان مخبروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”جنگ کی جو منصوبہ بندی سلطان نے کی ہے وہ یقیناً بہترین، عمدہ، لا جواب اور قابل عمل ہے اور اسی پر سختی کیساتھ عمل کیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ ایسا کر کے ہم سلطان کی خواہش کے مطابق دشمن کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ پھر آنے والے مخبروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تم تینوں کے کھانے کا اہتمام کرتا ہوں تاکہ تم.....“

اس پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”امیر آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھانا ہم کھا کر آئے ہیں۔ آپ صرف یہ بتادیں گے آپ اپنے لشکر کے ساتھ کب تک اپنے مسکن سے نکل کر سلطان کی طرف جانا پسند کریں گے۔“

اس پر زین الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”تم تینوں یہیں محترم قاضی ابوسعید کے پاس بیٹھو احمد بن قاسم بھی تمہارے پاس بیٹھے ہیں۔ میں، عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کو اپنے ساتھ لے کر جاتا ہوں تاکہ لشکر کی تقسیم کے کام کو آخری شکل دیں۔ اس تقسیم کے بعد میں اپنے مسکن سے نکل کر سلطان کی طرف جانا پسند کروں گا اور تم تینوں بھی کوچ کیلئے تیار رہنا۔ میں تھوڑی دیر تک لوٹا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی زین الدین اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم دونوں بھائی مستقر کی طرف چلو۔ میں ذرا گھر سے ہو کر تمہاری طرف آتا ہوں۔“ اس پر عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

زین الدین بھی باہر نکلا۔ اس کے باہر نکلنے سے دوسرے کمرے سے ارطالیں بھی نکل آئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی وہاں سے نکل کر اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ بدر الدین بھی ان کے ساتھ تھا۔ مکان میں داخل ہونے کے بعد تینوں دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گئے۔ پھر ارطالیں کو مخاطب کر کے زین الدین کہنے لگا۔

”ارطالیں اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے خیال میں تم نے سب کچھ سن لیا ہوگا۔“

اس پر ارطالیں کہنے لگی۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں آپ کی تیاری مکمل کرتی ہوں۔ میں جانتی ہوں آپ تھوڑی دیر تک یہاں سے کوچ کرنا پسند کریں گے۔“

ارطالیں کے ان الفاظ کو زین الدین نے پسند کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ارطالیں اٹھ کر زین الدین کیلئے کپڑے اور اس کا دوسرا جنگی سامان سمیٹنے لگی تھی۔ اس موقع پر زین الدین نے بدر الدین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”بدر الدین میرے بیٹے تم جا کر اپنے کمرے میں سو جاؤ آرام کرو۔ تھوڑی دیر تک احمد بن قاسم بھی یہاں آ جائیں گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر جاؤں گا۔“

اس کے ساتھ ہی زین الدین اٹھا۔ بدر الدین کو لے کر دوسرے کمرے میں گیا۔ اسے مسہری پر لٹا دیا۔ خود ارطالیں کے پاس آیا جو اپنی خواب گاہ میں زین الدین کا سامان سمیٹ رہی تھی۔ زین الدین نے جلدی جلدی اپنا جنگی لباس پہنا، ضرورت کا سامان خرچینوں میں ڈالا، پھر وہ باہر نکلا۔ گھوڑے پر زین ڈالی، اسے دھانہ چڑھایا۔ اتنی دیر تک ارطالیں نے چڑے کی خرچینیں گھوڑے کی زین سے باندھ دی تھیں۔ زین کے پچھلے حصے میں ایک بستر بھی باندھ دیا گیا تھا۔ پانی

کا مشکیزہ اور دوسری چیزیں بھی ارطالیں نے بڑے اہتمام کے ساتھ زین کے ساتھ باندھی تھیں۔ پھر زین الدین نے اپنے گھوڑے کی باگ کھولی۔ ایک گہری نگاہ مدھم چاندنی رات میں ارطالیں پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”ارطالیں!“

ارطالیں کچھ دیر ہونٹ کاٹتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

”آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں میں ایک مجاہد کی بیوی ہوں۔ جب آپ اپنی کسی ہم سے لوٹیں گے تب بھی میرے چہرے پر مسکراہٹ ہوگی اور جب آپ کسی ہم پر نکلیں گے تب بھی میں آپ کو مسکرا کر رخصت کرنے کا حوصلہ اور جرأت رکھتی ہوں۔“

ارطالیں کے ان الفاظ پر زین الدین مسکرا دیا۔ آگے بڑھ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہنے لگا۔

”میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے تم جیسی بیوی ملی ہے۔“ اس پر ارطالیں مسکرا دی اور کہنے لگی۔

”میں اس سے اتفاق نہیں کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے آپ جیسے شوہر ملے ہیں۔“

اس کے بعد زین الدین کو ارطالیں دروازے تک چھوڑنے گئی۔ زین الدین اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور مستقر کی طرف چلا گیا۔ فضل بن اسحاق اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنے جنگی لباس میں وہاں موجود تھے۔ لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دیا گیا، پھر زین الدین عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق قاضی البوسعید کے ہاں آئے۔ زین الدین نے تینوں قاصدوں کو ساتھ لیا، سب سے ہاتھ ملا کر الوداع کہا، پھر تینوں قاصدوں اور اپنے آدھے لشکر کے ساتھ زین الدین اپنے مسکن سے نکل گیا تھا۔



سے اتفاق کرتے ہو۔“

اس پر مسکراتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اتفاق نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو دشمن سے نبٹنے کی منصوبہ بندی آپ نے بنائی ہے یقیناً ہم اس میں کامیاب اور کامران نکلیں گے اور خداوند قدس کو منظور ہوا تو ان میدانوں کے اندر دشمن کو ہم بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانک کر رکھ دیں گے۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر سلطان کہنے لگا۔

”ابھی تو تھی دیر تک میرے دو سالہ آتے ہیں۔ وہ تمہیں اس جگہ لے جائیں گے جہاں تم نے گھات لگائی ہے۔ میری گھات یہاں سے چند قدم جنوب مغرب کی طرف ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے سلطان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کے دو چھوٹے سالار آگئے تھے اور سلطان کے حکم پر وہ زین الدین کو اس کے لشکر کے ساتھ اس سمت لے جا رہے تھے جہاں اس نے گھات لگائی تھی۔

وہ دونوں سالار جس جگہ زین الدین کو لے کر گئے وہ نا صرف کوہستانی سلسلہ تھا، بلکہ کئی پھٹی زمین تھی اور لشکر کے قیام کیلئے بڑی معقول اور عمدہ تھی۔ چنانچہ اپنے لشکر کے ساتھ زین الدین نے وہاں قیام کر لیا، جبکہ سلطان کے وہ دونوں چھوٹے سالار واپس چلے گئے تھے۔ اس طرح عدنان بن ہاشم بھی دوسرے آدمی کے لشکر کے ساتھ رات کے پچھلے حصے میں اپنے مسکن کے مدخل کے قریب ذرا آگے پڑاؤ کر گیا تھا، جبکہ فضل بن اسحاق نے مسکن کے مرد عورتوں کو کل کیلئے چوکس رہنے کی اطلاع کر دی تھی۔ دوسری طرف شیزر کا حاکم اسامہ بھی اپنی تیاریوں کو اسی طرح آخری شکل دے چکا تھا۔ اسی طرح رومنوں اور فرانسیسیوں کے لشکر کا بے چینی سے انتظار ہونے لگا تھا۔

ارطالیس اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف تھی کہ میکمل اور سبتہ دونوں ماں بیٹی مکان میں داخل ہوئیں۔ دونوں ماں بیٹی کو دیکھتے ہی ارطالیس نے خوشی کا اظہار کیا۔ آگے بڑھ کر اس نے دونوں کا استقبال کیا۔ پھر اس نے انہیں دیوان خانے میں بٹھایا۔ خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس موقع پر میکمل نے ارطالیس کی طرف غور سے دیکھا، پھر کہنے لگی۔

”بیٹی میں دیکھتی ہوں تو اس وقت گھر پر اکیلی ہے۔ محترم احمد بن قاسم کہاں ہیں؟ بدرالدین کہاں ہے؟ زین الدین اس وقت کہاں ہے؟“ میکمل کے ان الفاظ میں ارطالیس نے باری

ان تینوں قاصدوں اور خبروں کی رہنمائی میں زین الدین اپنے لشکر کے ساتھ ایک کوہستانی ویرانے میں ان کے کہنے پر رک گیا۔ جونہی وہ گھوڑے سے اترا ایک طرف سلطان عماد الدین نمودار ہوا۔ زین الدین کو دیکھتے ہی سلطان نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے تھے اور زین الدین بھاگ کر سلطان سے بغلیں ہو گیا تھا۔ سلطان نے اس کی پیشانی چومی پھر کہنے لگا۔

”اے فرزند عزیز! تو نے اس سے پہلے جو بالذون کو بدترین شکست دی اور نیکرڈ کو جو ناقابل تغیر خیال کیا جاتا تھا، شکست دے کر مار بھگایا تو اس موقع پر میرے بچے مجھے جو خوشی ہوئی تھی اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا اور اب میں تجھے دوسری مبارکباد دیتا ہوں کہ تو نے فرانسیسیوں اور رومنوں کے خلاف بھی کامیاب شب خون مارا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اپنے شہر بزرگ کی حفاظت نہیں کر سکے اور صلیبی فرانسیسیوں اور رومنوں نے وہاں مسلمانوں کا قتل کیا۔ عزیز بیٹے یہ جو رزم گاہ تجھے والی ہے خداوند قدس نے چاہا تو اسی رزم گاہ میں ہم اپنے بزرگ شہر کے مسلمانوں کے قتل عام کا انتقام خوب لیں گے۔ بچے دشمن کی پیش قدمی پر نگاہ رکھنے کیلئے میں نے اپنے خبر مقرر کر رکھے ہیں اور میرے خبروں کا کہنا ہے کہ کل عصر کے قریب دشمن کا لشکر یہاں پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ ہم دشمن پر شب خون نہیں ماریں گے۔ خداوند قدس نے چاہا تو دن کے اجالے میں ان سے لگرائیں گے اور انہیں بتائیں گے کہ اب مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور وہ دیکھیں کہ ہم اپنی حفاظت کا سامان کیسے کرتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، کچھ سوچا۔ پھر دوبارہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے

لگا۔

”میں نے اپنے ان تین قاصدوں کے ہاتھ جگ کی منصوبہ بندی بھی بھجوائی تھی، کیا تم اس

باری غور سے دونوں ماں بیٹی کی طرف دیکھا۔ پھر سوالیہ سے انداز میں کہنے لگی۔

”جوسنے حالات رونما ہونے والے ہیں کیا آپ کو ان سے متعلق کوئی خبر نہیں ہے؟“

ارطالیں کے ان الفاظ کا جواب میکل دینا چاہتی تھی کہ خوبصورت سبیت پہلے بول اٹھی اور کہنے لگی۔

”ہمیں اس قدر خبر ضرور ہوئی ہے کہ فرانسسی اور دونوں کا ایک لشکر حملہ آور ہونے والا ہے اور ساتھ ہی کچھ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ لشکر کل یہاں پہنچے گا۔ اسی سلسلے میں، میں اور اماں امیر سے گفتگو کرنے کیلئے آئی ہیں۔“

سبیت کے خاموش ہونے پر ارطالیں بولی اور کہنے لگی۔

”امیر تو گزشتہ شب ہی مسکن سے نکل کر جا چکے ہیں۔“

ارطالیں کے ان الفاظ پر میکل اور سبیت دونوں چونک سی گئی تھیں۔ اس بار میکل نے پوچھ

ایا۔

”زین الدین کہاں گیا ہے بیٹی؟“ جواب میں ارطالیں نے پورے حالات تفصیل کے

ساتھ کہہ سنائے تھے۔

ارطالیں کے تفصیل کہنے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ یہاں تک کہ گفتگو کا

آغاز بڑی فکر مندی اور تفکرات بھرے انداز میں سبیت نے کیا کہنے لگی۔

”اس کا مطلب ہے حالات زیادہ ابتری کا شکار ہیں۔ اگر سلطان عماد الدین بھی یہاں پہنچ

چکے ہیں اور امیر زین الدین ان کی طرف چلے گئے ہیں تو اس کا مطلب ہے ہمارے مسکن کے

نواحی میدانوں ہی میں دشمن سے بننا جائے گا۔“ یہاں تک کہ سبیت نے بعد کچھ دیر تک خاموشی طاری

رہی، پھر کس قدر خفگی اور غضب کا اظہار کرتے ہوئے سبیت کہنے لگی۔

”ان یورپی حکمرانوں کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ بار بار یہ مسلمانوں کے علاقوں پر کیوں

چڑھ دوڑتے ہیں۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی، جبکہ جگہ جگہ شہروں اور قصبوں کے

اندر مسلمانوں کا قتل عام کیا اور اب جب مسلمان قوت پکڑنے لگے ہیں تو پھر انہیں اپنے لئے

خطرات محسوس ہونے لگے ہیں اور ایک بار پھر فرانس اور دونوں کے بادشاہ لشکر لے کر ان

سرزمینوں کی طرف چڑھ دوڑے ہیں۔“

سبیت دم لینے کیلئے رکی۔ پھر پہلے کی نسبت زیادہ غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”نجانے یہ یورپی قوتیں کب سنبھلیں گی؟ کب ان کے دلوں سے کروہ جائے گا۔ اگر یہ

اسی طرح شعلوں کی طرح بھڑک کر بجھتے رہے تو خداوند قدوس کو منظور ہوا تو ایک روز وہ بھی آئے گا

کہ انہیں بیت المقدس سے بھی محروم ہو کر واپس یورپ کا رخ کرنا پڑے گا۔“

سبیت جب رکی، تب میکل بول اٹھی۔ ”احمد بن قاسم اور بدر الدین اس وقت کہاں ہیں؟“

ارطالیں پھر بولی اور کہنے لگی۔

مسکن کے اطراف میں جو برج بنے ہوئے ہیں یا بڑی بڑی چٹانوں کے پیچھے جو جگہ ہیں

ہموار اور صاف کر دی گئی ہیں وہاں پتھروں اور تیروں کے ڈھیر لگا دیئے گئے ہیں۔ دراصل ہمارے

مسکن کے باہر یہ ایک کرب خیز نگراؤ ہوگا۔ فرانس اور دونوں کے حکمران ایک بہت بڑا لشکر لے کر

ان علاقوں کا رخ کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے کئی بار ان دشمن قوتوں نے شیرز کو فتح کرنا چاہا، لیکن

انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسے وہ اپنی بے عزتی اور توہین خیال کرتے ہیں کہ وہ شیرز کو فتح نہیں

کر پا رہے۔ اب پھر وہ شیرز ہی کو ہدف بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن میرے محترم خداوند قدوس کو منظور

ہوا تو اس بار ان کی حالت پہلے حکمرانوں سے بھی زیادہ ابتر اور عبرت خیز ہوگی۔“

جہاں تک عم احمد بن قاسم اور بدر الدین کا تعلق ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر

برجوں کے اندر اور چٹانوں کے پیچھے پتھروں اور تیروں کے ڈھیر لگانے میں مصروف ہیں۔

اچانک ارطالیں کو کوئی خیال گزرا۔ ایک گہری نگاہ اس نے سبیت پر ڈالی، پھر سبیت کو مخاطب

کر کے کہنے لگی۔

”سبیت میری بہن! جب سے امیر کے ساتھ میری شادی ہوئی ہے بدر الدین میرے ساتھ

زیادہ مانوس ہو چکا ہے۔ میں نے میری بہن! تمہیں فراموش نہیں کیا۔ گا ہے گا ہے میں تمہارے

متعلق اس سے گفتگو کرتی رہی ہوں اور میں تمہیں خوشخبری دیتی ہوں کہ بدر الدین میں اب تبدیلی

آئے گی۔ اگر کسی موقع پر تم بیار سے اسے اپنی طرف بلاؤ گی تو جس طرح پہلے وہ تم سے نفرت کا

اظہار کرتا تھا یا تم اگر اس کا ہاتھ تھامنا چاہتی تھیں تو ہاتھ چھڑا کر بھاگ جاتا تھا۔ مجھے امید ہے کہ وہ

اب ایسا نہیں کرے گا۔ میں اس کے ذہن میں یہ بات ڈال چکی ہوں کہ تم اس کی خالہ ہو اور تمہاری

ماں سبیت کی سگی بہن اور میکل کی بیٹی تھی اس لئے ان دونوں سے تمہارا ایسا رشتہ ہے جس کبھی کسی

وقت جدا نہیں کیا جاسکتا۔

یہ باتیں میں اس سے اکثر کہتی رہی ہوں۔ اس کے اندر اب تم یقیناً ایک تبدیلی دیکھو گی۔“
یہاں تک کہتے کہتے ارطالیس کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مکان میں بدرالدین بھاگتا ہوا داخل ہوا تھا۔ سانس اس کی پھولی ہوئی تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھتے ہوئے ارطالیس پریشان ہو گئی اسے آواز دے کر پوچھا۔

”بدرالدین کیا بات ہے؟“

اس پر بدرالدین اس سمت بھاگا جہاں پینے کیلئے پانی رکھا جاتا تھا اور ارطالیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خالہ مجھے سخت پیاس لگی ہے پانی بیوؤں گا اور عم احمد بن قاسم کیلئے بھی لے کر جاؤں گا۔“

اس پر ارطالیس دیوان خانے سے باہر آئی اور بدرالدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بدرالدین بیٹے پہلے ادھر آؤ۔“

بدرالدین فوراً رک گیا۔ ارطالیس کے کہنے پر واپس آیا۔ ارطالیس کے پاس جب وہ آکر

کھڑا ہوا، جب ارطالیس اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹے اندر میکل اور سبتہ بیٹھی ہوئی ہیں کیا تم پانی پینے کے بعد ان دونوں سے ملے بغیر ہی

بھاگ جاؤ گے؟ بچے! تم سے ان کا ایک ایسا رشتہ ہے جس سے متعلق میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔“

ارطالیس کے یہ الفاظ سن کر بدرالدین سنجیدہ ہو گیا تھا۔ دیوان خانے کی طرف بڑھا۔ اسے دیکھتے ہی میکل اور سبتہ دونوں ہی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ دونوں کو بدرالدین نے سلام کہا۔ پھر میکل کی طرف گیا۔ میکل نے اسے اپنے ساتھ لپٹایا، اسے جی بھر کر چوما۔ اس موقع پر سبتہ بیچاری رو دینے والی ہو رہی تھی۔ عجیب سے انداز میں میکل اور بدرالدین کو ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ بدرالدین علیحدہ ہوا۔ سبتہ کی طرف دیکھا، لمحہ بھر کیلئے گردن جھکائی پھر بھاگا اور سبتہ کی طرف بڑھا۔ اس کے اس انداز کو دیکھتے ہوئے سبتہ بیٹھ گئی۔ اپنے دونوں بازو اس نے پھیلا دیئے تھے۔ بھاگ کر جب بدرالدین اس سے گلے ملا تب سبتہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ بدرالدین بھی رورہا تھا۔ ان دونوں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے میکل اور ارطالیس بھی

دھاروں دھار رونے لگی تھیں۔ پھر سبتہ سنبھلی سر پر بندھے ہوئے رومال سے پہلے اس نے بدرالدین کی آنکھیں صاف کیں۔ کئی بار اس کے چہرے کو چوما۔ پھر اپنی آنکھیں خشک کیں۔ اپنی جگہ سے اٹھی بدرالدین کا ہاتھ پکڑا۔ پھر انتہائی چاہت اور محبت میں کہنے لگی۔

”میرے ساتھ آؤ۔ میں اپنے بیٹے کو خود پانی پلائی ہوں۔“

اس پر سبتہ اور بدرالدین باہر نکلے۔ میکل اور ارطالیس بھی ان کے پیچھے پیچھے ہوئی تھیں۔

سبتہ نے خود بدرالدین کو جب پانی پلایا تو بدرالدین پانی پینے کے بعد سبتہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خالہ میں نے عم احمد بن قاسم کیلئے بھی پانی لے کر جانا ہے۔“ اس پر ارطالیس آگے بڑھی

مطبخ سے اس نے ایک برتن لیا۔ اس میں پانی بھرا اور بدرالدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹے اسی برتن کو پکڑ کر لے جاؤ۔ کسی اور کو بھی پیاس لگی ہو تو اس کو بھی پینے کیلئے پانی دے

دیتا۔“ اس کے ساتھ ہی بدرالدین پانی کا وہ برتن لے کر مکان سے نکل گیا تھا۔ پہلے کی طرح

ارطالیس، میکل اور سبتہ پھر دیوان خانے میں بیٹھ گئی تھیں۔ یہاں تک کہ سبتہ نے ارطالیس کو

مخاطب کیا اور کہنے لگی۔

”ارطالیس میری بہن! میں تیرا کیسے اور کس طرح شکریہ ادا کروں۔ زندگی بھر تیری ممنون

رہوں گی کہ تم نے بدرالدین کا دل میری طرف سے صاف کر دیا ہے اس لئے کہ.....“

سبتہ کو رک جانا پڑا۔ ارطالیس فوراً اس کی بات کا نٹے ہوئے کہنے لگی۔

”سبتہ تمہیں میں نے بہن کہا ہے۔ بہن اپنی بہن کیلئے اگر کوئی اچھا کام کرتی ہے تو اس کا

شکریہ ادا نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ میں نے کیا ہے مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ اب تم میرے لئے

دعا کرو کہ جس طرح میں نے بدرالدین کا دل تمہارے لئے صاف کیا ہے اسی طرح کسی روز امیر

زین الدین کا دل بھی تمہاری طرف سے صاف کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ جس روز ایسا ہوا

میں سمجھوں گی میں تمہاری کامیاب بہن اور امیر زین الدین کی ایک کامیاب بیوی ہوں۔“

ارطالیس کے ان الفاظ پر میکل اور سبتہ مسکرا رہی تھیں۔ پھر تینوں مل کر آنے والے

حالات سے متعلق فکر مندی سے گفتگو کرنے لگی تھیں۔



اور فرانسیسیوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی تھی۔ لہذا اس صورتحال نے فرانسیسیوں اور رومنوں کے اندر ایک خوشی کی لہر برپا کر دی اور وہ سمجھنے لگے کہ شیزر کے حکمران اسامہ نے حماقت اور غلطی کر کے ایک طرح سے شہر خود ہی ہمارے حوالے کرنے کا قدم اٹھالیا ہے، مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے ارد گرد قضاہ قدر کی صورت میں اور بہت سی قوتیں گھات لگائے بیٹھی ہیں جو ان پر شاہینوں کی طرح جھپٹنے کیلئے بے چین اور بے تاب ہیں۔

بہر حال شیزر کے حکمران اسامہ کو اس طرح اپنے لشکر کے ساتھ نکلنے اور حملہ آور ہوتے دیکھ کر فرانسیسی اور رومن بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس پر حملہ آور ہونے کیلئے لپکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ فوراً ہی شیزر کے اس لشکر کا خاتمہ کر کے شیزر شہر میں داخل ہوں گے اور شہر کے اندر لوٹ مار اور قتل و عارت گری کا وہ بازار گرم کریں گے، جو اس سے پہلے شیزر کے رہنے والوں نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

کچھ رومن اور فرانسیسی جلد بازی سے کام لیتے ہوئے تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے لشکر کے آگے آگے گئے اور انہوں نے ریگستانوں کی ویرانیوں میں رات کے رجال غیبِ تاخت و تاراج کی کہانیوں، خلجان کی داستانیں کھڑی کرتے ہوئے خونخوار حیوانی جذباتوں، عزائم کو شکن شکن ارادوں کو لہو لہو کر می نبض حیات کو تمام کرتی دکھ اور فراق گھڑیوں کی بازگشت کی طرح اسامہ کے لشکر کے اگلے حصے پر حملہ کر دیا تھا۔

ابھی رومن اور فرانسیسی پوری طرح اسامہ کے لشکر سے ٹکرائے نہیں تھے کہ وہ چونک اٹھے اس لئے کہ ان کی پشت کی طرف سے ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ان کی پشت پر نمودار ہوا اور تحفظ و سلامتی برباد کرتے، آتش و برق کے سنگم ہست کو نیست میں تبدیل کرتی دکھ اور فراق کی گھڑیوں پر سانس میں بے چینی اور بے تابی بھرتے آلام کی گرد اور پیمانہ مشیت میں شب کے اندھیروں کو دن کے اجالوں میں تبدیل کر دینے والے برق کے کوندوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

پشت کی جانب سے جب اچانک عدنان بن ہاشم نے حملہ آور ہو کر فرانسیسیوں اور رومنوں کا قتل عام شروع کیا۔ تب اسامہ کی طرف بڑھتے ہوئے رومنوں فرانسیسیوں کے قدم کسی قدر رک گئے تھے۔ ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئے تھے۔ ان کی اسی ہچکچاہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسامہ نے

اسی روز عصر کے قریب رومنوں اور فرانسیسیوں کا لشکر شیزر اور زین الدین کے مسکن کے درمیان جو وسیع میدان تھے وہاں پہنچا اور وہاں انہوں نے خیمے نصب کر کے اپنا پڑاؤ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان گنت بار برداری کے جانوروں سے سامان اتار کر جگہ جگہ ڈھیر لگائے جانے لگے تھے۔ لشکر کے ایک حصے کو چوکس کر دیا گیا تھا تاکہ مسلمانوں کا کوئی لشکر اچانک حملہ آور ہو کر انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ اس طرح رومنوں اور فرانسیسیوں نے اپنا پڑاؤ قائم کر لیا۔ دن کا وہ بچا ہوا حصہ اور اگلی رات بالکل خاموشی طاری رہی رومن بھی شاید کوئی ہلچل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف سلطان عماد الدین زین الدین اور باقی سالار بھی فرانسیسیوں اور رومن دونوں کو ستانے اور آرام کرنے کے بعد شکست کی مار مارنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

اگلے روز صبح سویرے ٹکراؤ کی ابتداء ہوئی اور یہ شروعات شیزر شہر کے حکمران اسامہ کی طرف سے ہوئی۔ اسامہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نکلا اس کے پیچھے شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے اور شہر سے نکلنے ہی اسامہ فرانسیسیوں اور رومنوں کے لشکر کے ایک پہلو پر پردہ عدم سے نکل کر آسمانی برق کی چمک کے آتشیں گروہ خوابیدہ چٹانوں سے ٹکراتے سمندر کے غصیلے رقص سنگ و خشت تک کو پھٹلا دینے والے سیل آتش کے طوفانوں، دل و جان کے روگ برپا کر کے ذات کے مکمل اور بھرپور خاکوں کو تباہ کرتی تیز بھڑکتی اذیتوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

شیزر کے حکمران اسامہ کے اس طرح اپنے شہر سے باہر نکل کر صلیبیوں پر حملہ آور ہونے سے فرانسیسی اور رومنوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

وہ ابھی تک سلطان کی آمد سے بے خبر تھے۔ وہ ابھی تک کوہستانی مسکن کی طاقت اور اصل قوت سے بھی آگاہ نہیں تھے۔ چونکہ جو لشکر اسامہ شیزر شہر سے لے کر نکلا تھا اس کی تعداد رومنوں

ان پر تیز حملے شروع کر دیئے تھے۔

جس وقت رومنوں اور فرانسیسیوں نے فوراً اپنے لشکر کی تنظیم درست کر کے سامنے کی طرف سے اسامہ اور پشت کی جانب سے عدنان بن ہاشم کے حملوں کے سامنے دفاع کرتے ہوئے جوابی کارروائیاں کرنی شروع کی تھیں۔ ان کیلئے ایک ایسی معیبت اٹھی جس نے ان کے پاؤں تلے سے زمین کھینچنا شروع کی تھی۔

اس لئے کہ اسی لمحہ زین الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنی گھاٹ سے نکلا اور فتح مندی کی بیدار چٹانوں میں سمندر کے غصیلے رقص، لہو کے طوفان اٹھائے چگاڑتے ناچتے شعلوں سمندر کے اگلے سینے پر پڑتے برہنہ گولوں عذابوں کے خونی قصوں چگاڑتے ناچتے شعلوں لہو کے طوفان اٹھاتی تملاتی مضطرب لہروں کی طرح رومنوں اور فرانسیسیوں کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا اور زین الدین کے ان تیز اور جان لیوا حملوں نے ایک طرح سے فرانسیسیوں اور رومنوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

رومن اور فرانسیسی اس سے پہلے اپنی پشت پر اور سامنے اسامہ اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ مصروف جنگ تھے۔ جب اسی وقت زین الدین ان کے ایک پہلو پر حملہ آور ہوا تب وہ فرانسیسی اور رومن جو اس وقت شیر کے حکمران اسامہ سے ٹکرا رہے تھے ان میں سے اکثریت کو تیز حملے کرتے ہوئے زین الدین نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور پھر اس نے آگے بڑھتے ہوئے دشمن کے لشکر کے اندر گھس کر موت کا رقص شروع کر دیا تھا۔

جس وقت زین الدین کے اس طرح حملہ آور ہونے اور دشمن کے ساتھ موت کا کھیل کھیلنے کی وجہ سے رومنوں اور فرانسیسیوں پر خوف اور المناکی طاری ہو رہی تھی۔ عین اسی لمحہ رزم گاہ کے ایک طرف ایسے ہولناک انداز میں تکبیریں بلند کی گئیں کہ میدان اور کوہستانی سلسلے ان تکبیروں کی بازگشت سے گونج اٹھے تھے۔ پھر انہی گونجوں میں سلطان عماد الدین زنگی اپنے لشکر کے ساتھ اس طرح نمودار ہوا۔ جس طرح کسی انجانی قوت نے کسی گہری نیند سوئے شیر کو کچی نیند سے جگا کر برہم کر دیا ہو۔

دیکھتے ہی دیکھتے سلطان عماد الدین زنگی رومنوں اور فرانسیسیوں کے لشکر پر دلوں کو نا آشنا جلن، روحوں کو لاعلاج گھاؤ، جسم و جان کو ہجر کی تنہیوں سے آشنا کرتے موت کے سمندر کے غصیلے

رقص، زندگی کے اسرار میں خونی انقلاب برپا کرتی موت کی ہولناک طاقت اور پراسرار اشاریت میں آگ و خون کے پیغام دیتے باجبروت مجاہدوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

جب ایک طرف سے سلطان عماد الدین زنگی اور زین الدین اور دوسری سمت سے اسامہ اور عدنان بن ہاشم نے فرانسیسیوں اور رومنوں پر جان لیوا حملے شروع کئے، تب میدان جنگ پوری طرح بھڑک اٹھا تھا۔ کچھ فرانسیسی اور رومنوں نے اس موقع پر پیچھے ہٹتے ہوئے زین الدین کے مسکن کے کوہستانی سلسلوں کی طرف بڑھنا چاہا۔ لیکن جب فضل بن اسحاق کی کمانداری میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں نے اوپر سے ان پر تیر اندازی کی اور پتھر پھینکے تب وہ چیختے چلاتے بھاگ گئے تھے۔ اب وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے چاروں طرف موت نے اپنے جڑے کھولے ان کے خلاف رقص شروع کر دیا ہے۔

میدان جنگ میں موت کے اژدھے حکومت کی قید و غلامی کی زنجیریں منخوس جڑے کھولے مرگ کا رقص کرنے لگی تھی۔ زندگی پر موت کو ترجیح دیتے آگ اور خون کے تند طوفان اپنا کام دکھانے لگے تھے۔ کف اڑاتے اندیشوں اور سایوں کی طرح ابھرتے خطرات نے رزم گاہ کو اپنی لپیٹ میں لیتا شروع کر دیا تھا۔

جس وقت فرانسیسی اور رومنوں پر مسلمانوں کی طرف سے دباؤ کافی بڑھ گیا تھا اور وہ جارحیت سے نکل کر اب صرف اپنے دفاع پر محدود ہوئے تھے۔ تب پہلے سلطان کی طرف سے تکبیریں بلند ہوئیں۔ پھر زین الدین نے تکبیریں بلند کیں۔ جن کے جواب میں جب سارے مسلمانوں نے تکبیریں بلند کیں تو کوہستانی سلسلے بلند بازگشت سے گونج اٹھے تھے۔ ان تکبیروں کے جواب میں اضافہ کرتے ہوئے زین الدین کے مسکن کے اوپر جو لوگ کھڑے تھے وہ بھی تکبیریں بلند کرنے لگے تھے۔

ان تکبیروں کی وجہ سے مسلمان لشکریوں میں ایک نیا جوش اور جذبہ پیدا ہوا اور وہ پہلے کی نسبت بڑھ چڑھ کر خیر و شر کی رزم گاہ میں فتح اور کامرانی کے نقیب، کرب مسلسل اور گرم سراپوں کی طرح حملہ آور ہونے لگے تھے۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد اب مسلمان مجاہدوں کے سامنے رومنوں اور فرانسیسیوں کی حالت اداسیوں کی زبردست باطن کے آشوب، آنکھوں کے خوف چہروں کے کرب، اندر کے

روگ الم زندہ گونجوں کے بھنور زندان کے سناٹوں اور شکن شکن عزائم کی سی ہونا شروع ہوئی تھی۔
کچھ دیر مزید انہوں نے اپنا دفاع کیا۔ جب انہوں نے اندازہ لگایا کہ اب وہ اپنا دفاع بھی
نہیں کر سکتے اور ایک طرح سے مسلمانوں نے چاروں طرف سے ان کا قتل عام شروع کر دیا ہے
تب رومنوں اور فرانسیسی حکمرانوں نے اپنے بچے کچھ لشکریوں کو سمیٹا اور اپنی جانیں بچا کر بھاگ
کھڑے ہوئے۔

سلطان کے کہنے پر اسامہ اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہیں رہے
اور سلطان ہی کے حکم پر دونوں نے دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا، جبکہ سلطان
اور زین الدین نے اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کوڑے برسائی بیابانوں کی ریت بدرجہا
کی مقدس روایتوں قدیم راتوں کے بیابانی غول اور دستک اجل کی چھٹک کی طرح بھاگتے
فرانسیسیوں اور رومنوں کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی تعداد مزید کم کرنا شروع کر دی تھی۔

سلطان عماد الدین اور زین الدین نے کچھ دور تک دشمن کا اسی طرح تعاقب کیا۔ جب
انہوں نے اندازہ لگایا کہ فرانسیسیوں اور رومنوں کا وہ لشکر اب مسلمانوں کیلئے کسی نقصان کا باعث
نہیں بن سکتا، جب سلطان اور زین الدین دونوں اپنے لشکر کے ساتھ پلے اور ان میدانوں کا رخ
کیا تھا، جہاں فرانسیسیوں اور رومنوں کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تھا۔

اس جنگ سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ رومنوں اور فرانس کے شہنشاہ کو جب مسلمانوں
کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے تابوت و حملوں سے مسلمانوں نے یورپ کی ان
قوتوں کو شکست دی تو رات کی تاریکی میں بھاگتے ہوئے صلیبی اپنے پیچھے بہت سی سختیوں اور
دوسرا ساز و سامان چھوڑ گئے تھے۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ عماد الدین نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں صلیبیوں کو
موت کے گھاٹ اتار دیا اور کچھ کو گرفتار کر لیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو بڑی کثیر مقدار میں مال
غنیمت ملا۔ مسلمانوں کی اس شاندار اور عظیم فتح پر بہت سے مسلمان شعراء نے قصیدے لکھے۔ ان
میں مسلم بن خضر حموں کے قصیدے نے بڑی شہرت حاصل کی۔

بہر حال بھاگتے دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے سلطان عماد الدین اور زین الدین دونوں اس
جگہ آئے جہاں دشمن کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تھا۔ دوسری طرف فرانس اور قسطنطنیہ کے بادشاہ دونوں

شکست اٹھانے کے بعد یروشلم کی طرف بھاگے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ واپس شکست کا داغ
لے کر یورپ نہیں جائیں گے، بلکہ یروشلم پہنچ کر پھر اپنی تیاریوں کو اپنے عروج پر لائیں گے اور
یروشلم کے بادشاہ بالڈون کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ مسلمان کہیں بھی
جم کران کا مقابلہ نہ کر پائیں۔

سلطان عماد الدین اور زین الدین دونوں جب ان میدانوں میں آئے جہاں رزم گاہ کا رن
سجا تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے دشمن کے چھوڑے ہوئے سامان کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر تک
عماد الدین زین الدین اپنے سالاروں کے ساتھ اس سامان کے گرد گھوم کر اس کا جائزہ لیتا رہا۔
پھر سلطان ایک جگہ رکا۔ اس موقع پر ایک گہری نگاہ اس نے زین الدین پر ڈالی۔ پھر باقی
سالاروں کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کے بعد وہ زین الدین کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا
کہ اس بار زین الدین نے بولنے میں پہل کی اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ جانتے ہیں میں نے کبھی آپ کی بات ٹھکرائی نہیں! آپ کی بڑی
مہربانی آپ کا بڑا احسان کہ آپ مجھے بیٹوں کی سی اہمیت دیتے ہیں۔ میرے لئے یہ بہت بڑا
اعزاز! ایک بہت بڑی سعادت کا مقام ہے۔ اس موقع پر جبکہ ہم سب نے یکجہتی کا ثبوت دیتے
ہوئے یورپ کی دو بڑی قوتوں کو شکست دے کر مار بھگایا ہے اور یہ لحاظ ہمارے لئے یقیناً خوشی
اور مسرت کے لحاظ ہیں۔ اس موقع پر سلطان محترم میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی
میں یہ امید رکھتا ہوں کہ آپ میرا کہا ٹالیں گے نہیں۔“

اس موقع پر سلطان عماد الدین نے مسکراتے ہوئے زین الدین کی طرف دیکھا۔ پھر بڑی
شفقت اور محبت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زین الدین تمہاری حیثیت میرے بیٹے کی سی ہے اور کچھ کہنے کیلئے تمہیں اس قدر پیش لفظ
اور تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

زین الدین نے اس موقع پر ایک گہری نگاہ سلطان پر ڈالی۔ پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم میری خواہش ہے کہ دشمن جس قدر سامان چھوڑ کر گیا ہے۔ یہ سارا مال
غنیمت آپ اپنے ساتھ حلب لے کر جائیں۔ اس میں سے ہم کچھ نہیں رکھیں گے۔ میں سمجھتا ہوں
کہ آپ میری بات ٹھکرائیں گے نہیں اور اگر آپ میری بات مان لیں گے تو ہم سب آپ کے

اپنے گھوڑوں سے اتر کر وہ قریب آئے۔ پہلے دونوں نے بلند آواز میں سلام کہا۔ سلطان اور اس کے سارے سالاروں نے بھی ان سے بہتر انداز میں سلام کا جواب دیا۔ پھر ان دونوں سے ایک سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم قسطنطنیہ اور فرانس کے شہنشاہ کے شیزر پر حملہ آور ہونے کی خبر چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ اکثر عیسائی حکمران مطمئن تھے کہ فرانس اور قسطنطنیہ کا متحدہ لشکر مسلمانوں کو ہر محاذ اور ہر میدان جنگ میں شکست فاش دے گا اور مسلمانوں کے آخری علاقوں تک فتح کے پھریرے لہراتا چلا جائے گا۔

اس بنا پر بہت سے عیسائی حکمرانوں نے اس طرف توجہ نہیں دی کہ وہ اس سلسلے میں قسطنطنیہ اور فرانس کے بادشاہ کی مدد کریں۔ اس لئے کہ ان کا پختہ یقین تھا کہ ان دونوں یورپی حکمرانوں کو مسلمانوں کے خلاف یقینی کامیابی نصیب ہوگی۔ اسی بنا پر وہ ان دونوں حکمرانوں کی مدد کیلئے اپنے لشکر لے کر نہیں نکلے۔ ہاں عیسائیوں کا ایک حکمران ضرور حرکت میں آیا ہے اور وہ عرقہ کا حکمران ہے۔ عرقہ شہر کے اس لشکر کو ابھی تک یہ خبر نہیں ہوئی کہ شیزر شہر کے نواح میں مسلمانوں کے ہاتھوں رومنوں اور فرانسیسیوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور وہ دونوں یروشلم کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اسی بنا پر عرقہ شہر والوں کا لشکر بڑی تیزی سے شیزر شہر کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ خبر کا دوبارہ اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم عرقہ والوں کا جو لشکر اس طرف آ رہا ہے اس کے ساتھ بھیڑ بکریوں کے بہت سے ریوڑ ہیں، بار برداری کے جانور بھی بے شمار ہیں۔ یہ ساری چیزیں وہ قسطنطنیہ اور فرانس کے حکمرانوں کو دینے کیلئے لا رہے ہیں تاکہ ان دونوں حکمرانوں کی اگر مسلمانوں کے ساتھ جنگیں طویل ہو جائیں تو انہیں رسد اور ضروریات کی دوسری چیزوں کی کمی محسوس نہ ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ خبر جب خاموش ہوا، تب زین الدین نے مسکراتے ہوئے سلطان کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم قدرت ہم پر مہربان ہے اور قدرت یقیناً ہماری مدد ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ سلطان محترم ابھی ہم اس مال غنیمت کی تقسیم میں الجھے ہوئے تھے کہ خداوند قدوس میرے محترم رب نے ہمارے لئے ایک اور راستہ کھول دیا ہے۔ سلطان محترم اگر آپ برانہ مانیں اور

منون اور شکر گزار ہوں گے۔“

اس موقع پر سلطان نے تیز نگاہوں سے زین الدین کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”زین الدین! بیٹے بات یہ ہے کہ اگر میں سارا سامان سمیٹ کر اپنے ساتھ لے جاؤں تو یہ تمہارے، تمہارے سالاروں اور تمہارے لشکریوں اسامہ اور اس کے لشکریوں کے ساتھ انتہا درجہ کی زیادتی ہوگی۔“

اس پر سب سے پہلے اسامہ بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! شیزر شہر کی حیثیت سے میرے ذرائع آمدنی بہت ہیں۔ میں بڑے احسن طریقے سے نام صرف اپنے لشکر کے اخراجات پورے کر سکتا ہوں، بلکہ میرے شہر کے اندر جو لوگ ضرورت مند ہیں ان کی میں مدد بھی اسی آمدنی سے کرتا ہوں۔ لہذا میں اس مال غنیمت کے اپنے حصے سے دستبردار ہوتا ہوں۔“

لحمہ بھر کیلئے سلطان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر وہ اسامہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اسامہ اس سے پہلے بھی کئی بار تم اپنے حصے سے دستبردار ہوتے رہے ہو لیکن اس بار میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان نے زین الدین کی طرف دیکھا۔ پھر بڑی شفقت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زین الدین بیٹے! میں یقیناً تمہاری بات مانتے ہوئے خوش محسوس کرتا ہوں۔ پر بچے یہ دیکھ تیرے ذرائع آمدنی نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ تیرے مسکن کے لوگوں نے ریوڑ پال رکھے ہیں اور کوہستانی سلسلے کے اوپر پھل دار درخت لگا رکھے ہیں اور جو تھوڑے بہت میدان ہیں ان میں غلہ اگا لیتے ہیں۔ لیکن ان سب سے تمہاری ساری ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں اس بنا پر یہ جو مال غنیمت ہے.....“

یہاں تک کہتے کہتے سلطان عماد الدین کو روک جانا پڑا۔ اس لئے کہ گھوڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہاں آئے۔ اس جگہ آ کر رکے جہاں سلطان سارے سالاروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ سلطان انہیں دیکھتے ہوئے مسکرایا اس لئے کہ وہ سلطان کے خبر تھے۔

مجھے اجازت دیں تو میں اور عدنان بن ہاشم دونوں عرقہ شہر والوں سے جلتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا پھر آنے والے مخبروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”میرے عزیز ساتھیو! پہلے یہ کہو کہ عرقہ کی طرف سے آنے والے لشکر کی تعداد کس قدر ہے؟“

جب آنے والے ان دونوں مخبروں نے دشمن کی تعداد سے زین الدین کو آگاہ کیا۔ تب زین الدین کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ دوبارہ سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”سلطان محترم میں اور عدنان بن ہاشم اس لشکر سے بڑے احسن طریقے سے مٹ لیں گے۔“

سلطان محترم میں پھر آپ سے یہ عرض کرتا ہوں فرانس اور قسطنطنیہ کا بادشاہ جو سامان چھوڑ کر بھاگے ہیں ان میں چھوٹی بڑی مجتہدیں بھی کافی ہیں۔ یہ سب آپ کی ملکیت ہیں اور یہ سب آپ اپنے ساتھ حلب لے کر جائیں گے۔ میں اور عدنان بن ہاشم تھوڑی دیر تک آپ کی اجازت سے ان مخبروں کے ساتھ کوچ کریں گے اور عرقہ کے لشکر پر حملہ آور ہوں گے۔“
”سلطان محترم جیسا کہ خبر بتا چکے ہیں کہ ان کے پاس سامان کے ذخیر ہیں تو اس موقع پر میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ آپ اس سامان کی تقسیم کے کام کو ختم کر دیں۔ یہ سارا سامان آپ کے ساتھ جائے گا۔ عرقہ والے جو سامان لے کر آئے ہیں انہیں بدترین شکست دینے کے بعد اس سامان پر ہم قبضہ کر لیں گے اور وہ سامان آدھا ہمارا اور آدھا اسامہ کا ہوگا۔ اسامہ بے شک انکار کرتا رہے، لیکن اس سامان کا نصف میں اسے زبردستی دے کر شہر بھیجوں گا اور مجھے امید ہے کہ اسامہ میری بات کو ٹالے گا نہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین جب خاموش ہوا۔ تب سلطان نے مسکراتے ہوئے باری باری عدنان بن ہاشم، اسامہ اور دیگر سالاروں کی طرف دیکھا۔ جب ان سارے سالاروں نے زین الدین کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ تب سلطان عماد الدین بڑی خوش دلی سے زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے مجھے تمہاری یہ تجویز تمہاری یہ پیشکش منظور ہے۔ تمہاری آمد تک میں اپنے لشکر کے ساتھ یہیں رکوں گا۔ اسامہ بھی اس وقت تک میرے پاس رہے گا جب تک تم

عرقہ والوں کو شکست دے کر ہمارے لئے خوشخبری لے کر نہیں آتے۔“

سلطان کے اس فیصلے سے سب خوش ہو گئے تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنے لشکر کو لے کر آنے والے ان دونوں مخبروں کے ساتھ عرقہ شہر کے لشکر پر حملہ آور ہونے کیلئے آندھی اور طوفان کی طرح وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔



نکبیریں بلند کیں۔ ان نکبیروں کا بلند ہونا تھا کہ پورے لشکر نے نکبیریں بلند کرنا شروع کر دیں اور ان نکبیروں کی آوازوں نے صرف میدان جنگ ہی کو نہیں ارد گرد کے کوہستانی سلسلوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

زین الدین کے اس طرح نکبیریں بلند کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور بیچ میں ایک خلا بن گیا تھا۔ اس کے بعد سب سے پہلے زین الدین نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ دشمن کے لشکر پر شدید موسمی جھکڑوں میں زوال اور فضا کی لہروں کی طرح رات کے بھاری کواڑوں پر دستک دیتی موت، وقت کے کالے بھاگتے لمحوں میں نیستی کے خوف، بے بسی کے زہر کی طرح ہزاروں گزند دیتے طوفانوں اور کھنڈروں کی بھر بھری زمین اور لکڑی کے بوسیدہ پورا دے کا سا کر دینے والے تغیر تبدیلی کے خونی انقلاب کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

زین الدین کے ساتھ ہی ساتھ عدنان بن ہاشم بھی بے کراں صحرائی ویرانے میں انجانے سرکش جذبے لئے بارودی ہواؤں کی سانسوں، رگ رگ میں خوف کی طرح چھ کر لیوں کو بے لطف اور بے حرکت کرتی اجل کی خوفناک دستک، ہر شے کے حرف و صوت کے سایوں کو قافلوں کی گرد کی طرح اڑا دینے والے عقوبت کے سمندر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری طرف عرقہ والوں کا لشکر بھی زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے لشکر پر تعصب اور وحشت کے گھمنڈ، زلت اور کجبت کے لمبے سایوں، سیاہ راتوں کے سایوں میں تباہی کی انیس ہفتی بخت روح سیاہ کی گردشوں، پنجر پیاس طاری کرتے لہروں کے بیچ و تاب، سانپوں کی سی پھنکار اور موت کی کراہوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدان جنگ میں سوبو بکھرتے قہر اور کوبہ کو پھیلنے عذاب نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ بدن پارہ پارہ چہرے لہو لہو ہونا شروع ہو گئے تھے۔ آوازوں کا ترنم، روحوں کا سرد، مہتاب چہرے، پھول جسم رنگ بھری صدائیں، آوازوں کی کھنک غرض کہ ہر شے خون آلود ہونا شروع ہو گئی تھی۔ میدان جنگ کے اندر وحشی تماشے سیاہ تقدیر کے سائے بد بختیاں اور ہولناکیاں رقص کرنے لگی تھیں۔

کچھ ہی دیر کے ٹکراؤ کے بعد عرقہ والوں کے لشکر کی حالت شکم شکم کو گرسنہ کرتی خواری اور خرابی روحوں کو زخم زخم کرتی کالی سازشوں، چہروں کو سلوٹ سلوٹ کرتے سیاہ سناٹوں کی سی ہونا

زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ جھوم کر اٹھتے طوفانوں، انگڑائیاں لیتے آتشیں سیل، موت کے پیغام، قضا کے ہجوان، فضا کی نبض کو زہم کرتی شعلہ نگاہ برق کی طرح بڑی تیزی اور بجلی کی سی سرعت کے ساتھ عرقہ شہر کے لشکر کی طرف بڑھے تھے اور انہوں نے آخر اس لشکر کی راہ جارو کی۔ عرقہ کے لشکر کی تعداد زین الدین کے لشکر سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ وہ پریشان تھے کہ یہ کون سا لشکر ہے جو ان کی راہ روک کر کھڑا ہوا ہے۔ وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان علاقوں میں جو بھی مسلمانوں کے چھوٹے بڑے لشکر ہیں وہ سب قسطنطنیہ اور فرانس کے بادشاہ کے ساتھ الجھے ہوں گے اور جب وہ بھی فرانسیسیوں اور قسطنطنیہ والوں سے جاملیں گے تو مسلمانوں کی طاقت میں ضعف اور یورپ والوں کی طاقت میں مزید اضافہ ہوگا۔

چنانچہ جب زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے ان کی راہ روکی تب وہ بھی مقابلہ کرنے کیلئے بالکل تیار اور مستعد ہو گئے۔

اب صورتحال یہ تھی کہ دونوں لشکرا ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنے لشکر کے آگے تھے اور دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ شاید راستے ہی میں انہوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اپنی کارروائی کی ابتدا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ جب دونوں لشکرا ایک دوسرے کے سامنے استوار ہوئے، تب عدنان بن ہاشم نے اپنے لشکر کے سامنے کھڑے ہی کھڑے فضا کے اندر ایک سرخ جھنڈی لہرائی، شاید یہ زین الدین کیلئے ایک اشارہ تھا کہ وہ دشمن پر ضرب لگانے کیلئے بالکل تیار اور مستعد ہے۔

یہ اشارہ پانے کے بعد زین الدین کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ اس موقع پر اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں ڈھال اور دائیں ہاتھ میں تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے زوردار انداز میں

شروع ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ عرقہ والوں کا لشکر شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ دور تک زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے ان کا تعاقب کر کے ان کی تعداد کو مزید کم کیا، پھر وہ پلٹے زخموں کو دیکھ بھال کی اس کے بعد دشمن کے پاس جس قدر ساز و سامان تھا جو شمار سے باہر تھا، اسے سمیٹ کر وہ واپس اپنے مسکن کی طرف ہو لئے تھے۔



زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں جب سارے سامان کے ساتھ اپنے مسکن سے باہر کھلے میدانوں میں اس جگہ پہنچے، جہاں سلطان کے علاوہ اسامہ نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ تب سلطان نے اپنے سارے سالاروں سمیت زین الدین اور عدنان بن ہاشم کا شاندار انداز میں استقبال کیا اور جو سامان وہ لے کر آئے تھے وہ جب بار برداری کے جانوروں سے اتارا گیا اور بار برداری کے سارے جانور ایک طرف کر دیئے گئے۔ ساتھ ہی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ جو عرقہ کا لشکر اپنے ساتھ لا رہا تھا اور جسے انہوں نے قسطنطنیہ اور فرانس کے بادشاہوں کے لشکر کے حوالے کرنا تھا، سب ایک جگہ کھڑے کر دیئے گئے تھے۔

سلطان سب چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے بے حد خوشی کا اظہار کر رہا تھا کہ ایسے موقع پر کچھ گھوڑ سوار اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے مال غنیمت کے اس سامان میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر سلطان چونکا تھا۔ سامان کا جائزہ لینا اس نے چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوا۔ آنے والے قریب آ کر رکے سلام کہا۔ اس کے بعد سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم کچھ ایسی خبریں لے کر آئے ہیں جنہیں ہم اپنے حق میں اچھا خیال نہیں کرتے۔“

سلطان غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس لئے کہ وہ سلطان کے مقرر تھے۔ یہاں تک کہ سلطان نے انہیں مخاطب کیا۔

”جو کچھ کہنا چاہتے ہو جلد کہو مجھے تجسس میں مت ڈالو۔“

اس پر جو پہلے مخاطب ہوا دوبارہ بول اٹھا۔

”سلطان محترم! پہلی خبر جو ہمارے حق میں اچھی نہیں ہے وہ یہ کہ فرانس اور قسطنطنیہ کے دونوں بادشاہ اپنے بچے کچھ لشکریوں کو لے کر یروشلم کی طرف بھاگے تھے۔ یروشلم پہنچ کر انہوں

نے یروشلم کے بادشاہ بالڈون کے ساتھ ساز باز کر کے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرنا شروع کیا ہے اور مناسب تیاریوں کے بعد وہ اس لشکر کو حرکت میں لائیں گے اور ہم پر حملہ آور ہوتے ہوئے وہ یہ کوشش کریں گے کہ آپ کے ہاتھوں انہیں جو ناکامیاں اور شکستوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا انتقام لے کر مسلمانوں کے علاقوں میں دور تک ترک ناز کی جائے۔

”دوسری بری خبر یہ ہے کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہونے سے پہلے کچھ تیز رفتاری کا قصد قسطنطنیہ بھجوائے تھے اور اس نے وہاں سے مزید لشکر طلب کئے تھے تاکہ مسلمانوں کے خلاف اپنی کامیابیوں کو یقینی بنایا جائے۔ اسی دوران یہ خبریں یورپ کے سارے علاقوں میں پھیل گئیں کہ قسطنطنیہ اور فرانس کے بادشاہوں نے مل کر ایک نئی صلیبی کنکاش کی طرح ڈالی ہے۔ لہذا ان خبروں کو سن کر جرمینوں کا ایک بہت بڑا لشکر تیار ہوا۔ وہ لشکر پہلے قسطنطنیہ پہنچا اور اب قسطنطنیہ کے لشکر کے ساتھ یہ مشرق کی طرف پیش قدمی کر چکا ہے۔ قسطنطنیہ یعنی رومنوں اور جرمینوں کا یہ متحدہ لشکر خشکی کے راستے نہیں آ رہا۔ انہیں پتا ہے کہ خشکی کے راستے انہیں اناطولیہ کے میدانوں سے گزرنا ہوگا اور وہاں سلجوقی سلطان کی حکومت ہے۔ لہذا وہ ان پر حملہ آور ہو کر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔ اس بنا پر وہ ایک بہت بڑے بحری بیڑے کے ذریعہ اٹلا کیہ پہنچیں گے اور وہاں سے ہمارے علاقوں کا رخ کریں گے۔ جہاں تک ہم خبریں حاصل کر چکے ہیں وہ ایک دوروز تک اٹلا کیہ پہنچ کر اپنی کارروائیوں کی ابتدا کریں گے۔“

”سلطان محترم تیسری بری خبر یہ ہے کہ عرقہ اور بحرین جو کبھی ہمارے شہر ہوا کرتے تھے اور پچھلی صلیبی جنگ میں صلیبی دونوں شہروں پر قابض ہو گئے تھے۔ ان شہروں کے نصرانی حکمرانوں نے مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ ان دونوں نصرانی شہروں کے ارد گرد اور آس پاس جس قدر مسلمانوں کی آبادی یا چھوٹے بڑے شہر اور قصبے ہیں نصرانی جنگجو ان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مال اسباب لوٹ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان شہروں کے آس پاس جتنی شاہراہیں اور راستے ہیں وہاں مسلمانوں کا کوئی قافلہ سفر نہیں کر سکتا۔ اگر کرتا ہے تو اسے اپنی ہر چیز سے محروم کر کے قافلے کے مسافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مقرر جب رکا۔ تب سلطان نے باری باری بڑے غور سے پہلے زین الدین، پھر عدنان بن ہاشم اور دیگر سالاروں کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر زین الدین سلطان کو

خطاب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہوں۔“

سلطان نے خفگی اور کس قدر گھورنے کے انداز میں زین الدین کی طرف دیکھا پھر کہنے

لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے! ایسے الفاظ استعمال نہ کیا کرو۔ تم بیٹے کی حیثیت سے ایک ایسے فرزند ہو جو میرے لئے پسندیدہ اور قابل اعتماد ہے۔ ایک ایسے سالار ہو جس پر میں بد سے بدترین حالات میں بھی مکمل اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔ کہو تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“

ہلکی سی مسکراہٹ اس پر زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم قبل اس کے کہ دشمنوں کے اتنے بڑے بڑے عساکر ہمارے خلاف حرکت میں آجائیں گے۔ ہم پہلے ہی ان کے خلاف یلغار کر دیں۔ پہلے عرقہ شہر کا رخ کرتے ہیں۔ عرقہ والوں نے واقعی مسلمانوں پر مظالم کی حد کر رکھی ہے اور پھر انہوں نے فرانس اور قسطنطنیہ کے بادشاہوں کی مدد کیلئے ایک لشکر بھی روانہ کیا۔ گواس لشکر کو ہم نے شکست دے دی ہے۔ لیکن عرقہ والوں کا احتساب کرنا ضروری ہے۔ میں چاہتا ہوں یہاں سے کوچ کرنے کے بعد پہلے عرقہ پر ضرب لگائیں اور انہیں زیر کر کے اور عرقہ کو اسلامی حدود میں شامل کر کے پھر بحرین کا رخ کریں اور وہاں جو نصرانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہے، اس کا خاتمہ کر کے بحرین پر بھی قبضہ کریں۔ اس لئے کہ یہ دونوں شہر پہلے ہمارے تھے نصرانیوں نے گزشتہ صلیبی جنگ میں ان پر قابض ہو کر وہاں مسلمانوں کا بے پناہ قتل عام کیا تھا۔ لہذا وہاں جو حکمران ہیں ان سے انتقام لینا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! مال غنیمت میں جو سامان ہمیں ملا ہے پہلے اسے سنبھالنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ آپ اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اپنے حصے کا مال غنیمت حلب کی طرف روانہ کریں اس لئے کہ.....“

زین الدین کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ بیچ میں سلطان بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ یہ سامان فی الحال حلب نہیں جانا

چاہئے۔ ہو سکتا ہے دشمن کا کوئی لشکر تاک میں ہو اور جب ہم یہ سامان حلب بھیجیں تو وہ حملہ آور ہو کر نہ صرف یہ کہ مال غنیمت کے ساتھ جانے والے دستوں کا خاتمہ کر دیں، بلکہ مال غنیمت پر بھی قبضہ کر لیں۔ لہذا میں یہ پسند کروں گا کہ فی الحال سارا سامان تمہارے مسکن میں منتقل کر دیا جائے۔ ہاں جو سامان اسامہ کے حصے کا ہے وہ ابھی اسی وقت اسامہ کے حوالے کیا جائے گا۔ اسامہ وقت ضائع کئے بغیر اس سامان کو شیزر میں منتقل کر دے گا اور اسامہ اپنے لشکر کے ساتھ شیزر ہی میں قیام رکھے گا۔ جہاں تک تمہارے مسکن کا تعلق ہے تو پہلے ہی کی طرح فضل بن اسحاق کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ مسکن کی حفاظت پر چھوڑنا۔ تم اور عدنان بن ہاشم میرے ساتھ جاؤ گے۔ ہماری غیر موجودگی میں دشمن کا کوئی لشکر اگر تمہارے مسکن یا شیزر کا رخ کرتا ہے تو پھر اسامہ اور فضل بن اسحاق دونوں مل کر تمہارے مسکن اور شیزر شہر کا خوب دفاع کر سکتے ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان جب خاموش ہوا۔ تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اس موقع پر میری ایک خواہش ہے امید ہے آپ رد نہیں کریں گے۔“

سلطان نے مسکراتے ہوئے زین الدین کی طرف دیکھا کہنے لگا۔

”کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

اس پر زین الدین پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں چاہتا ہوں کہ آج کی رات سارے لشکری آرام کریں۔ کل یہاں سے کوچ کریں اور پہلے عرقہ کا رخ کریں۔ میری یہ خواہش ہے کہ آنے والی رات کا کھانا میرے مسکن کی طرف سے ہو۔ اسے یوں جاپے کہ میرے مسکن کی طرف سے آپ اور آپ کے لشکر کی یہ ضیافت ہوگی۔ اس کے علاوہ سلطان محترم.....“

زین الدین اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ کیونکہ اسامہ بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! یہ میرے ساتھ زیادتی ہے۔ اس ضیافت کا اہتمام ضرور ہونا چاہئے۔ لیکن اخراجات میرے اور زین الدین کے مسکن کے آدھے آدھے ہوں گے۔ اگر یہ سارا انتظام اور اہتمام زین الدین نے کیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ مجھے جان بوجھ کر ایک سعادت سے محروم رکھا جا رہا ہے۔“ اسامہ کے ان الفاظ پر سلطان ہی نہیں زین الدین عدنان بن ہاشم بھی مسکرا دیئے تھے۔ پھر

یہی فیصلہ ہوا کہ سلطان اور اس کے لشکر کی ضیافت اسامہ اور زین الدین دونوں مل کر کریں گے۔ جب یہ فیصلہ ہو چکا تب سلطان نے باری باری اسامہ اور زین الدین کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”پہلے تم دونوں اپنے حصے کا سامان اپنی اپنی محفوظ جگہ پہنچاؤ۔ اسامہ تم اپنے لشکر کے ساتھ شیراز شہر میں رہو گے۔ یہاں میرے پاس قیام نہیں کروں گے۔ تمہارے یہاں قیام کرنے سے شیراز شہر کا تحفظ خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

زین الدین جہاں تک تمہارا اور عدنان بن ہاشم کا تعلق ہے تو تم بھی اپنے لشکریوں کے ساتھ اپنے مسکن کے اندر اپنے اہلخانہ کے ساتھ قیام کرو گے۔ پہلے اپنے اپنے حصے کا سامان منتقل کرو۔ اس کے بعد سارے لشکر یہاں کھلے میدانوں میں شام کا کھانا کھائیں گے۔ پھر اسامہ شیراز میں منتقل ہو جائے گا۔ تم اپنے مسکن میں چلے جانا۔ فجر کی نماز کے بعد زین الدین تم اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مسکن سے نکلتا پھر ہم یہاں سے کوچ کریں گے اور آج ہی مغرب کی نماز کے بعد میرے حصے کا جو مال غنیمت ہے وہ بھی تمہارے مسکن میں منتقل کر دیا جائے گا۔ بحرین اور عرقہ شہروں کی مہموں سے فارغ ہونے کے بعد میں واپسی اسی راستے سے اختیار کروں گا اور جس قدر مال غنیمت ہے اس کا زیادہ حصہ اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دوں گا۔ اس وقت میں تقسیم نہیں کروں گا اس لئے کہ ہمیں دشمن کے خلاف حرکت میں آنا ہے اور میرے لشکر کی اس سامان کو سنبھال نہیں پائیں گے۔

سلطان کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا تھا۔ عرقہ کے لشکر کو شکست دینے کے نتیجے میں جو مال غنیمت ملا تھا اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ شیراز شہر میں منتقل کر دیا گیا اور دوسرا زین الدین کے مسکن میں چلا گیا تھا۔ جس وقت سامان منتقل کر کے زین الدین اپنے گھر میں داخل ہوا اس وقت ارطالیس گھر میں اکیلی تھی۔ اس نے شاندار انداز میں زین الدین کا استقبال کیا۔ زین الدین نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ارطالیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ عم احمد بن قاسم اور بدر الدین کہاں چلے گئے ہیں؟“

اس پر ارطالیس مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”بھائی فضل بن اسحاق کی سرکردگی میں جو لشکر اپنے بر جوں اور چٹانوں کے پیچھے مستعد کیا

کھینچا تھا، وہ اسی لشکر میں شامل ہیں۔ آپ بیٹھیں آپ کو بھوک لگی ہوگی، میں آپ کیلئے کھانا تیار کرتی ہوں۔“

اس پر زین الدین نے مسکن سے باہر سلطان سے جو گفتگو ہوئی تھی وہ کہہ دی۔ اس پر ارطالیس خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بہت اچھا ہے کہ سلطان اور اس کے پورے لشکر کی دعوت آپ اور بھائی اسامہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔“ یہاں تک کہنے کے بعد ارطالیس رکی۔ پھر دوبارہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”جس وقت مال غنیمت مسکن میں منتقل ہو رہا تھا میں نے ایک فیصلہ کیا تھا اور مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس فیصلے سے اتفاق کریں گے۔“

”کیسا فیصلہ.....؟“ ارطالیس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے زین الدین نے پوچھ لیا تھا۔ اس پر زین الدین خوش کن انداز میں مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”اس موقع پر میں دو انتہائی امور پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ اول یہ کہ میں جو قیمتی سامان اور نقدی لے کر آپ کے مسکن میں داخل ہوئی تھی وہ میں نے پہلے بابا کے حوالے کرنا چاہی۔ مگر انہوں نے وہ سارا سامان میری ہی تحویل میں رہنے دیا اور اس میں سے نہ کچھ لیا نہ خرچ کیا۔ نہ اس کی ذمہ داری انہوں نے قبول کی اور وہ سامان میرے پاس ہی رہا۔ اب جبکہ ہم دونوں کی شادی ہو چکی ہے۔ لہذا وہ سارا سامان یہاں منتقل ہو چکا ہے۔ میں چاہتی ہوں آئندہ کیلئے جس قدر بھی جنگیں ہوں اس میں سے مال غنیمت جو آپ کے حصے میں آئے اسے آپ دوسرے لوگوں میں بانٹ دیا کریں، اس لئے کہ جو سامان میرے پاس ہے وہ اس قدر ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی کے علاوہ ہماری آنے والی نسل کیلئے بھی کافی ہے۔“

ارطالیس جب یہاں تک کہہ چکی تب غور سے کس قدر مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر زین الدین بول اٹھا۔

”ارطالیس میں تمہارے ارادوں، تمہاری اس پیشکش کو سلام پیش کرتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ جیسا تم چاہو رہی ہو ایسا ہی ہوگا۔ اس لئے کہ میرے حصے کا مال غنیمت واقعی مسکن کے دوسرے لوگوں کے کام آ سکتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ پھر غور سے ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ اس نے پوچھ لیا۔

”تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے دو باتیں کہنا چاہتی ہو ایک بات تو تم نے کہہ دی اب دوسری بات کیا ہے جو تم کہنا چاہتی ہوگی۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر ارطالیں کیونکہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ لہذا اس خوشی میں وہ زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میری دوسری بات بھی انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ دراصل میکمل اور سببہ دونوں ماں بیٹی میرے پاس آئی تھیں اور میری شادی کی خوشی میں انہوں نے کچھ زیورات اور کچھ دوسری قیمتی اشیاء کی صورت میں مجھے تحائف پیش کرنا چاہے اس میں کچھ چیزیں آپ کیلئے بھی تھیں جو وہ آپ کو آپ کی شادی کی خوشی میں دینا چاہتی تھیں۔ میں نے وہ ساری چیزیں قبول نہیں کیں۔ ان دونوں ماں بیٹی نے برا تو نہیں مانا۔ اس لئے میں نے ان سے کہا کہ اس سلسلے میں میں پہلے امیر سے مشورہ کروں گی اور جو فیصلہ امیر دیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اس بنا پر وہ دونوں ماں بیٹی مطمئن سی حالت میں اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ اب آپ بولیں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ جب دوبارہ آئیں گی تو آپ دوبارہ یہاں نہیں ہوں گے تو آخر مجھے انہیں کچھ جواب تو دینا ہے۔“

ارطالیں مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس موقع پر مکان میں میکمل سببہ اور بدر الدین تینوں داخل ہوئے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر زین الدین اور ارطالیں نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ جب وہ نشستوں پر بیٹھ گئے جب بدر الدین کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”بیٹے احمد بن قاسم کہاں ہیں؟“ اس پر بدر الدین کہنے لگا۔

”عم وہ ایک برج میں بیٹھے لوگوں کے ساتھ اپنی فتح کے متعلق خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔“

بدر الدین کے ان الفاظ کا جواب زین الدین دینا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر میکمل بول اٹھی اور زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”زین الدین میرے بیٹے تمہاری غیر موجودگی میں میں اور سببہ دونوں ماں بیٹی ارطالیں کے پاس آئی تھیں۔ تم دونوں کی شادی کے موقع پر میں اور سببہ نے تمہیں کچھ نہیں دیا تھا۔ یہی سوچا

تھا کہ بعد میں مشورہ کریں گی۔ اس کے بعد ان دونوں کی شادی میں کچھ تحائف پیش کریں گی۔ بیٹے تمہاری غیر موجودگی میں کچھ قیمتی اشیاء لے کر میں اور سببہ ارطالیں کے پاس آئی تھیں لیکن ارطالیں نے وہ چیزیں لینے سے انکار کر دیا۔“

”ہمیں ارطالیں سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا جواب بڑا معقول

تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ تم سے مشورہ کرے گی اور جو فیصلہ تم کرو گے وہی آخری ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد میکمل جب خاموش ہوئی۔ تب زین الدین اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اماں آپ کے ساتھ میرا رشتہ ایسا ہے کہ آپ کو کچھ دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو

رشتہ آپ کے ساتھ میرا ہے میں سمجھتا ہوں وہی میرے لئے ایک بہت بڑی سعادت میرے لئے

ایک عظیم تحفہ ہے۔ اماں آپ مجھے اپنا بیٹا کہتی ہیں۔ بیٹے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں آپ

کی خدمت کروں نہ کہ.....“

زین الدین مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی بات کاٹ کر اس بار سببہ بول اٹھی۔

”امیر آپ ہمیں ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کی شادی کی خوشی پر بہر حال کچھ نہ کچھ تو

ہمیں دینا ہے۔“

”کچھ بھی نہیں دینا۔“ غور سے سببہ کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین نے کہہ دیا تھا۔

پھر قبل اس کے کہ میکمل یا سببہ میں سے کوئی مزید کچھ کہتا میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے زین

الدین بول اٹھا۔

”اماں اگر آپ اور سببہ دونوں پسند کریں تو کیا میں اپنے مسکن میں سببہ کے رشتے کی کہیں

بات کروں۔ اماں! سببہ کی شادی جب کسی اچھے نوجوان سے اسی مسکن میں ہو جائے گی تو پھر تم اپنا

وہ مکان چھوڑ کر ہمارے پاس مستقل رہائش رکھ لینا۔ اس طرح تمہارے یہاں رہنے سے

بدر الدین بھی بے حد خوش اور مطمئن رہے گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ کو سببہ نے محسوس کیا تھا اور اس موقع پر وہ احتجاجی سے انداز میں

اس کی طرف دیکھ رہی تھی، جبکہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے میکمل بول اٹھی تھی۔

”بیٹے شادی کرنے کیلئے میں کئی بار سببہ سے کہہ چکی ہوں لیکن اس نے ہر بار شادی کرنے

سے انکار کر دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں شادی کروں گی ہی نہیں۔ لہذا بیٹے اس موضوع پر اب بات نہیں ہو سکتی اور اگر میں کبھی اس موضوع پر بات کرتی ہوں تو سببہ فحشا اور ناراض ہوتی ہے۔ ہاں ہم دونوں ماں بیٹی کی ایک خواہش ضرور ہے۔

”کیسی خواہش.....؟“ غور سے میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین نے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں میکمل پھر بولی اور کہنے لگی۔

”زین الدین میرے بیٹے! میں اور سببہ چاہتی ہیں کہ جب تم کسی ہم پر ہوا کرو مسکن میں موجود نہ ہو تو کیا ایسا ممکن نہیں کہ میں اور سببہ دونوں یہاں ارطالیس کے پاس آ کر رہ لیا کریں۔ اس موضوع پر پہلے ارطالیس سے میری بات ہوئی تھی تو میں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کبھی کبھی بدر الدین ہم دونوں ماں بیٹی کے پاس رہ لیا کرے۔ اس پر ارطالیس کہنے لگی اس کے بغیر تو میرا جی نہیں لگتا۔ لہذا میں چاہتی ہوں کہ.....“

میکمل کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ مسکراتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”اماں میری غیر موجودگی میں ارطالیس کے ساتھ رہنے کیلئے کسی کی اجازت کی تو ضرورت نہیں ہے۔ تم دونوں ماں بیٹی جب اور جس وقت چاہو یہاں ارطالیس اور بدر الدین کے پاس قیام کر سکتی ہو۔“

زین الدین کا یہ جواب سن کر میکمل اور سببہ دونوں خوش ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد زین الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”آپ سب اسی طرح بیٹھ کر باتیں کریں۔ میں اب جاتا ہوں۔ اس لئے کہ لشکر نے یہاں سے ایک بہت بڑی ہم کیلئے کوچ کرنا ہے اور کوچ سے پہلے سلطان کے سارے لشکر کے کھانے کا اہتمام ہم نے کرنا ہے۔“

اس کیساتھ ہی زین الدین وہاں سے نکل گیا تھا۔



سلطان نے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ عرقہ شہر کا رخ کیا تھا۔ اس شہر سے متعلق یعقوبی لکھتا ہے کہ یہ ساحل کا ایک ضلع ہے۔ یہاں ایک قدیم بستی ان لوگوں سے بھی آباد ہے جو ایران سے وہاں لائے گئے تھے۔

مقدسی لکھتا ہے کہ عرقہ سمندر سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔

ایرانی سیاح ناصر خسرو بھی عرقہ گیا اور وہ اپنے زمانے میں لکھتا ہے کہ یہ شہر سمندر سے دو فرسنگ دور واقع ہے۔

اور یسعی کا بیان ہے کہ یہ پہاڑوں کے دامن میں جو یہاں کچھ زیادہ بلند نہیں ہیں ایک خوشنما اور بارونق شہر ہے۔ آبادی کے وسط میں بلندی پر قلعہ ہے اور باہر ایک بڑا محلہ آباد ہے۔ اس کے باشندے دولت مند ہیں۔

پینے کا پانی ایک نہر کے ذریعے جو ایک ندی سے نکالی گئی ہے آتا ہے اور یہ ندی بستی کے قریب سے گزرتی ہے اور کبھی خشک نہیں ہوتی۔ میدہ دار درختوں کی بہت بہتات ہے۔ بے شمار باغ ہیں اور مذکورہ بالا ندی پر پن چکیاں لگ ہوئی ہیں۔ بستی سمندر سے کچھ فاصلے پر ہے۔ اس کا قلعہ بڑا ہے۔ سامان خورش ارزاں اور افراط سے ہے۔ مکانات چونے اور مٹی کے ہیں اور اکثر بہت بڑے بڑے ہیں۔ مؤرخ ابوالفد اس شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ اس میں بہت باغ ہیں۔ ایک پتلی ندی بہتی ہے۔

جغرافیہ نویس مہلبی اسے اس زمانے میں دمشق کے توابع شمار کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ساحل کے کنارے یہ سب سے شمالی قطعہ ہے۔

عرقہ بقول ابوالفد اطرابلس کے جنوب میں بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ عرقہ سے

سے آنے والی اس کمک میں شامل ہو چکا ہے۔ یہ لشکر بحری جہازوں کے ذریعے سفر کر رہا ہے اور ابھی تک وہ کسی بندرگاہ پر لشکر انداز نہیں ہوئے۔ سمندر ہی میں محسوس ہیں اس بناء پر فی الحال ہمارے لشکر کو کہیں سے بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

ان مخبروں کے اس انکشاف پر سلطان نے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے پرسکون انداز میں انہیں کہنا شروع کیا۔

”میرے عزیز ساتھیو! ہمارے مخبر ہمارے لئے انتہائی اہم اور اچھی خبریں لے کر آئے ہیں۔ اگر قسطنطنیہ اور فرانسیسیوں کا لشکر اس وقت یروشلم میں ہے تو فی الوقت ان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ جرمنی اور قسطنطنیہ والوں کا لشکر جو متحد ہو چکا ہے وہ اگر سمندر کے اندر بحری جہازوں میں سفر طے کر رہا ہے تو اس کی طرف سے بھی ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ اس موقع پر میرے ذہن میں ایک منصوبہ بندی آئی ہے اور وہ یہ کہ ہمیں وقت ضائع کئے بغیر عرقہ پر حملہ آور ہونا چاہئے۔ عرقہ کو فتح کر کے اس پر اپنی گرفت کرنے اور یہاں ایک لشکر اور حاکم مقرر کرنے کے بعد ہمیں بڑی تیزی اور برق رفتاری سے ہلبک شہر کا رخ کرنا چاہئے اور ہلبک کو فتح کر کے فی الفور پلٹ کر پھر بحرین شہر کی طرف آنا چاہئے اور اسے فتح کرنا چاہئے اس لئے کہ بحرین کے صلیبیوں اور نصرانیوں نے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھانے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔“

زین الدین، عدنان بن ہاشم اور دیگر سارے سالاروں نے سلطان عماد الدین کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر بڑی تیزی سے پڑاؤ قائم کیا گیا اور لشکر کیلئے کھانے کا اہتمام کیا جانے لگا تھا۔



مشرق کی جانب ہلبک شہر چھبیس میل دور ہے اور خود بستی کا فاصلہ بھی سمندر کے قریب ہی ہے۔ یا قوت لکھتا ہے کہ یہ سمندر سے ایک میل کے فاصلے پر اور ایک پہاڑی کے بازو پر طرابلس سے جانب مشرق چار فرسنگ دور ہے۔ اسی پہاڑی پر ایک قلعہ ہے۔

شروع کے زمانے میں عرقہ اتنا مشہور اور اہم تھا کہ اسے فلسطین کے خوب آباد اور بڑے شہر قیساریہ کی طرف نسبت دیتے ہوئے اسے لبنان کا قیساریہ کہا جاتا تھا۔

سلطان عماد الدین بڑی تیزی سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ عرقہ پہنچا اور شہر سے باہر اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔ جس وقت لشکر کا پڑاؤ ہو رہا تھا سلطان کے وہ مخبر جنہیں اس نے آس پاس اور ارد گرد کی نصرانی قوتوں پر نگاہ رکھنے کیلئے مقرر کر رکھا تھا۔ ان میں سے کچھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت سلطان بڑے انہماک کے ساتھ زین الدین، عدنان بن ہاشم اور اپنے دوسرے چھوٹے بڑے سالاروں کے ساتھ اپنے لشکریوں کیلئے نصب ہوتے خیموں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب وہ تین مخبر سلطان کے سامنے آئے تب سلطان اپنے سالاروں کے ساتھ ایک جگہ رک گیا۔ گھوڑوں سے اتر کر آنے والے مخبروں نے بلند آواز میں سلام کہا۔ اسی کے سے انداز میں سلطان اور باقی سالاروں نے جواب دیا۔ پھر آنے والوں نے مصافحہ کرنے کے بعد جب سلطان کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہا تب سلطان نے پہلے ہی انہیں مخاطب کیا اور پوچھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! کیا ان علاقوں کے اطراف میں دشمن کے کسی لشکر کی نقل و حرکت ہے۔“

اس پر آنے والوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم حالات بالکل ہمارے حق میں پرسکون اور پر امن ہیں۔ قسطنطنیہ اور فرانس کے لشکر شکست اٹھانے کے بعد بھاگ کر یروشلم پہنچے اور وہاں ان دنوں کوئی کھجوری پک رہی ہے ساز باز ہو رہی ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق فرانسیسیوں، قسطنطنیہ اور یروشلم والوں کا ایک متحدہ لشکر غریب یروشلم سے نکلے گا اور مسلمانوں کے علاقوں کو اپنا ہدف بنانے کی کوشش کرے گا۔“

”جہاں تک قسطنطنیہ سے کمک آنے کا تعلق ہے تو جرمنوں کا ایک بہت بڑا لشکر بھی قسطنطنیہ

مشرقی دروازے ہی سے نکل کر ہم پر شب خون مارے گا۔ ساتھ ہی میں یہ بتا دوں کہ عرقہ کی فصیل کا مشرقی دروازہ نہایت مضبوط اور مستحکم ہے۔“

سلطان آگے بڑھا۔ پہلے آنے والے ان مخبروں کی اس نے پیٹھ تھپتھا کر انہیں شاباش دی، ساتھ ہی انہیں آرام کرنے کا مشورہ دیا اور اپنے خیمے کی طرف بڑھا تھا۔ ساتھ ہی اپنے سالاروں کو اس نے اپنے ساتھ آنے کیلئے کہا تھا۔

چنانچہ اپنے سالاروں کے ساتھ سلطان اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر سلطان اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! آنے والے ہمارے مخبروں نے ہمارا سارا ہی کام آسان کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے میں نے یہ ٹھان رکھی تھی کہ عرقہ شہر کے چاروں اطراف سے ایک دم زوردار حملے شروع کر دیئے جائیں گے اور عرقہ شہر کو ہر صورت میں کم سے کم وقت میں فتح کرنے کی کوشش کی جائے گی، لیکن عرقہ والوں نے خود ہی ہماری کامیابی، ہماری کامرانی اور ہماری فتح مندی کے در کھول دیئے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، کچھ سوچا۔ اس کے بعد باری باری اس نے ایک بار بڑے غور اور انہماک سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”میرے جانثار ساتھیو! تم دونوں کی حیثیت میرے بیٹوں کی سی ہے۔ دیکھو آج رات کوئی لشکری سوئے گا نہیں، یہاں سے نکل کر واپس اپنے لشکریوں کے پاس جانا اور انہیں کہنا کہ رات بھر جاگنا ہے۔ اگلا پورا دن اور آگلی رات بھی اگر وہ سو کر آرام کرنا چاہیں تو کوئی انہیں زحمت نہیں دی جائے گی۔“

زین الدین جو لشکر میں لے کر آیا ہوں وہ میرے ساتھ پڑاؤ کے اندر ہی رہے گا۔ اس لئے کہ جنگ کے دوران وہ میرے اشاروں، میرے نعروں کو خوب سمجھتے ہیں جو لشکر تم اور عدنان بن ہاشم لے کر آئے ہو اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ تم لوگ پڑاؤ سے تھوڑا سا آگے شہر کی طرف پڑاؤ کے دائیں بائیں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گھات لگا لو گے۔ کوشش یہ کرنی ہے کہ آدمی رات تک کوئی کھٹکا، کسی کے گفتگو کرنے کی آواز سنائی نہ دے۔ ظاہر ہے عرقہ اور طرابلس کا حکمران جب فصیل کے مشرقی دروازے سے نکل کر ہم پر شب خون مارنے کی کوشش کرے گا، تو وہ

لا انتہا مسافتوں کی اسیر رات ہواؤں کے صوت و صدا پر سرکتی سرسراتی ہوئی گزرتی جا رہی تھی۔ لختہ بہ لختہ رفتہ بہ رفتہ رات کے دکھوں کے پر پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ ہر شے کو اپنے پاؤں تلے کھلتا ہوا وقت سراپوں کے دشت میں بھٹکتے مسافر کی طرح بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ایسے میں سلطان عماد الدین جب اپنے سالاروں کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے خیمے کی طرف جانے لگا۔ تب سلطان نے اپنے لشکر کے اطراف میں جو اپنے مخبر مقرر کر رکھے تھے وہ لوگ اپنے خیمے کی طرف جاتے جاتے سلطان کے قدم رکے اور سارے سالار بھی اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ آنے والوں میں سے ایک سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم ایک اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ آج رات جبکہ شب اپنی آدمی مسافت طے کر لے گی عرقہ شہر کا حکمران کاؤنٹ آف ٹریپولی ایک لشکر لے کر نکلے گا اور ہم پر شب خون مارنے کی کوشش کرے گا۔ دراصل کاؤنٹ آف ٹریپولی عرقہ کے علاوہ طرابلس کا بھی حکمران تھا اور مسلمانوں کے لشکر کی آمد کا سن کر وہ طرابلس سے عرقہ پہنچ چکا تھا تا کہ اپنے شہر کی حفاظت کی جا سکے۔“

مخبر جب خاموش ہوا۔ تب سلطان کے چہرے پر خوشگوار تبسم نمودار ہوا۔ پھر آنے والے ان مخبروں کی طرف تشکر آمیز انداز میں دیکھتے ہوئے پہلے ان کا شکریہ ادا کیا، پھر کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! کیا تم بتا سکتے ہو کہ کاؤنٹ آف ٹریپولی عرقہ کی فصیل کے کس طرف کے دروازے سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہوگا۔“

اس پر وہی مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اس وقت ہم عرقہ شہر کے مشرق میں ہیں اور کاؤنٹ آف ٹریپولی عرقہ کے

سیدھا ہمارے پڑاؤ کا رخ کرے گا۔ اس وقت میں اپنے پڑاؤ میں اپنے لشکر کے ساتھ بالکل تیار اور مستعد ہوں گا، بلکہ اپنے لشکر کا ایک حصہ اپنے ایک سالار کی کمانداری میں پڑاؤ کی حفاظت پر بھی مقرر کر دوں گا۔

اس کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم تم دونوں کے کام کی ابتدا ہوگی اور تم دونوں دشمن کے دائیں بائیں سے یکمیریں بلند کرتے ہوئے ایسی ضربیں لگانا کہ دشمن کے لشکر کو بھاگنے کے علاوہ کچھ نہ بن پڑے۔“

”لیکن دشمن کو بھاگنے بھی نہیں دینا۔ جب وہ بھاگ کر شہر کی طرف جائے تو تم دونوں دائیں بائیں سے انہیں کاٹتے ہوئے ان کے ساتھ ہی شہر میں داخل ہونا اور پیچھے پیچھے میں بھی شہر میں آن گھسوں گا۔ پھر میں دیکھوں گا عرقہ شہر کیسے نہیں فتح ہوتا اور کیسے عرقہ کے محافظ ہمارے سامنے اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان عماد الدین رک گیا۔ پھر ایک غائر نگاہ اپنے سامنے سارے سالاروں پر ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا، تم میں سے اگر کوئی کچھ کہنا چاہے تو بولے۔“

جب سارے سالاروں نے سلطان کی اس تجویز سے اتفاق کیا، تب سلطان نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا۔ پھر سلطان اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے بعد لشکر کی تقسیم کا کام شروع ہو گیا تھا۔



آدھی رات کے قریب کاؤنٹ آف ٹریپولی ان ارادوں کے ساتھ عرقہ شہر سے نکلا کہ شاید مسلمانوں کا سلطان اور اس کے لشکر کی اس وقت گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ لہذا وہ شب خون مارنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ چنانچہ شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے نکل کر وہ آگے بڑھا۔ پھر سلطان کے پڑاؤ پر وہ کرب مسلسل کی حواس باختگی، مقتول اور شکستہ کر دینے والے ذلت کے گرداب بھرے بے روک شوریدہ جذبوں، لب بستہ جس رتوں میں موت کے طمانچے مارتی آندھیوں اور بخت رُوسیاہ کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

لیکن کاؤنٹ آف ٹریپولی کی بدبختی کہ سلطان اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ بالکل چوک تھا۔ چنانچہ کاؤنٹ آف ٹریپولی حملہ آور ہوا تو جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان بھی اس کے

لشکر پر قضا کی تحریریں رقم کرتی تباہ کن آندھیوں، حوصلہ شکن طوفانوں کے سایوں، ظلمات شب میں تاریکیوں کے اندھے زہر پھیلاتی جنوں خیزیوں، وحشت کے شراروں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سلطان کے تھوڑی ہی دیر بعد کاؤنٹ آف ٹریپولی کے لشکر کے دائیں جانب سے زوردار انداز میں یکمیریں بلند ہوئیں۔ چنانچہ اس سمت سے زین الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ذہن کے درپچوں میں ہولناک کرب خیزیاں، دلوں کی سرحدوں پر آتش رقص رندانہ برق کے سائبانوں، روجوں کے ان دیکھے عرفوں میں خشکی اور بیچارگی اور جسموں کے ریشم کوادیٹرے پر عذاب عداوت بھرے عذابوں کی یلغار کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

زین الدین کے ساتھ ہی ساتھ بائیں جانب سے یکمیریں بلند ہوئیں اور پھر اس سمت سے عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ آنکھوں کے نیلم میں خون کے بحر بے کراں کھڑے کرتے مرگ کے انقلاب، بن بیاہی خواہشوں کو تہہ خانوں کی تاریکی اور لمبی ساعتوں کی تھکن میں جتلا کرتے خون آشام طوفانوں کے سایوں اور جھلملاتی سوچوں تک کو اندھا کر دینے والے یاسیت کے بے کراں سلسلوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

چونکہ عرقہ شہر بنیادی طور پر مسلمانوں کا تھا اور مسلمان اسے واپس لینے کے درپے ہو گئے تھے۔ لہذا مسلمان لشکر کی عجیب سے جذبے اور انوکھے جذبات میں خونی پرندوں کے غول، سرکشیدہ لپکتے شعلوں، ہول آفریں اندھیروں میں افسوسناک باب کھلوتی عناد کی آگ اور وقت کی اڑتی رفتار میں بلند اڑانوں کے سنہری سفر کی طرح صلیبیوں پر وارد ہونا شروع ہو گئے تھے۔

رات کی گہری تاریکی میں تھوڑی دیر کے لکڑاؤ کے بعد کاؤنٹ ٹریپولی اور اس کے لشکر کی حالت خشک بیول کے سوکھے سایوں، بے معنی فرسودہ الفاظ، نیم اندھیرے راستوں، آخربخش کے سناٹوں، اداسیوں کی زرد رتوں اور خزاں پوش اندھیروں میں بد قسمتی کے سایوں کی سی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

سلطان نے بھی دشمن کی اس حالت کو بھانپ لیا تھا۔ لہذا رات کے بھاگتے لمحوں میں اس کی تیز آواز بلند ہو کر اس کے لشکریوں سے لکرائی۔ اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ ”میرے عزیز ساتھیو! بھائیو! فرزند و ارات تیزی سے بھاگتی جا رہی ہے، اس کی نگاہ تمہاری کارگزاری پر ہے۔ نسل انسانی کا محسن چاند بوڑھے باریک بین ستارے تمہارے حملوں کو جستجو

بھرے انداز میں دیکھ رہے ہیں۔ کائنات کی قسمت کے مالک بن کر دشمن کی ہڈیوں کے گودے تک میں لرزہ طاری کر کے ان اہلیوں کے منہ میں لگام ڈال دو۔“

”تسلیم رضا کے میرے ساتھیو! موت کا تبسم بن کر زندگی کی آخری رفق اور رحوں کی آخری چمک اپنے دشمن سے چھین لو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا۔ اس کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تیز اور بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

”اپنے گھیموں کے اندر ضرب کلیسی کی یلغار رکھنے والے میرے فرزندو! اپنی رگوں میں بجلیاں اپنے دل میں آتشی تڑپ لے کر اپنے دشمنوں کی حالت لب بستہ جس رتوں اور آرزوؤں مجبور یوں کے روتے اشجار سے بھی بدتر کر کے رکھ دو۔ مسلم امہ کی عظمت کے پاسبانوں! دین کی سطوت کے رکھوالو! رسول عربی کے جانثارو! نعرہ مارو۔ خداوند قدوس کے نام کی تکبیریں بلند کرو کہ فتح ہماری ہے۔“

سلطان کے ان الفاظ نے اس کے لشکریوں میں گویا آگ بھڑک کر رکھ دی تھی اور وہ بڑے وحشیانہ انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ ہولناک انداز میں کاؤنٹ آف ٹریپولی کے لشکر پر ضربیں لگانے لگے تھے۔

اب صلیبیوں کا لشکر تین اطراف سے پھنا شروع ہو گیا تھا۔ سامنے کی طرف سے سلطان ان کی تعداد کم کرتا چلا جا رہا تھا، جبکہ دائیں اور بائیں سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم بڑی تیزی اور بڑی ہولناکی سے ان پر وارد ہوتے ہوئے ان پر نزول کرتے ہوئے ان کے لشکریوں کو زمین پر بساط کی طرح بچھاتے چلے جا رہے تھے۔

کاؤنٹ آف ٹریپولی نے جب دیکھا کہ شکست تو بالکل اس کے قریب پہنچ گئی ہے، تب وہ اپنے بچے کچھ لشکریوں کو لے کر شہر کے اندر محصور ہونے کیلئے بھاگا۔ لیکن اس کی بد قسمتی کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ زین الدین، عدنان بن ہاشم اور پشت کی جانب سے سلطان بھی شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک شہر کے اندر پھر ہولناک ٹکراؤ ہوا۔ جس کے نتیجے میں سلطان اور اس کے سالاروں نے سارے جنگجو صلیبیوں کا خاتمہ کر دیا اور جس وقت سورج نے مشرق سے طلوع ہو کر

دھرتی پر جھانکا تھا، اس وقت تک شہر پر سلطان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ یہ ایک شاندار فتح تھی۔ اس فتح کے بعد سلطان نے اپنے لشکریوں کی دیکھ بھال کی اور انہیں مکمل طور پر آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

سلطان نے صرف دو دن عرقہ شہر میں رک کر اپنے لشکریوں کو آرام دیا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کی۔ اس کے بعد اس نے زخمیوں کو بھی عرقہ شہر ہی میں چھوڑا۔ اپنے لشکر کا ایک حصہ عرقہ شہر کی حفاظت پر چھوڑا اور وہاں اپنی طرف سے شہر کا حاکم بھی مقرر کیا۔ اس کے بعد پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق سلطان عرقہ شہر سے نکلا۔ پھر زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ عرقہ سے ہلکے شہر کی طرف بڑھا تھا۔



اور کسی نے سن گیارہ سو چوں میں اس شہر سے متعلق لکھا۔ بعلبک پہاڑ کے پہلو میں قلعہ بند شہر ہے۔ اس کی مورچہ بندی ایک سنگین فصیل سے کی گئی ہے۔ بستی کے اکثر گھروں میں سے آب رواں گزرتا ہے۔ قریب کی ندی میں پن چکیاں اور پانی نکالنے کی چرخیاں لگی ہوئیں بعلبک میں قسم قسم کی اجناس کثرت سے نباتات اور میوے ہوتے ہیں۔ کولہوانگور سے بھرے رہتے ہیں اور ہر طرح کے میوہ جات درخت موجود ہیں جس کے باعث سامان خورد و نوش کا سامان دافر ہے۔

بعلبک میں عجیب عمارتیں اور کھنڈر پڑے ہیں۔ جن کی شان اور پائیداری ملک مشہور ہے۔ ان میں بھی سب سے عجیب دو عمارتیں ہیں جو پہلے تماشا گاہ تھیں۔

ان میں سے ایک بڑی ہے اور ایک چھوٹی اور بڑی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اسے حضرت سلیمان کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ حقیقت میں اسے دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ اس میں دس دس ہاتھ کے لمبے اور بعض کم اور بعض اس سے بھی زیادہ پتھر لگائے گئے ہیں اور ایک حصہ اونچے اونچے کھنبوں پر اس طرح بنایا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

چھوٹی تماشا گاہ کا اکثر حصہ گر کر کھنڈر ہو گیا ہے اور اس کی شان و خوبی بھی قصہ ماضی رہ گئی ہے۔ آج کل اس کی چار دیواری کا صرف ایک حصہ کوئی بیس ہاتھ طویل سلامت ہے جو فرش سے بیس ہاتھ بلند ہے۔ اگرچہ اس کی تعمیر میں صرف سات پتھر کی ڈالیں صرف ہوئی ہیں۔ ان میں سے بھی ایک تہہ کے اندر اور اس پر دو ڈالیں دھری ہیں جن پر باقی چار ڈالوں سے دیوار پوری ہو جاتی ہے۔ اس طرح بعلبک میں اور بھی حیرت انگیز عمارتیں ہیں۔

یعقوت نے عام الفاظ میں بعلبک کے حیرت انگیز آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے جن میں سنگ مرمر کے ستونوں کے عالی شان محلات بھی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ شہر ساحل سے بارہ فرسنگ اور دمشق سے تین دن کی راہ پر واقع ہے۔ بعل ایک دیوتا کا نام تھا اور بک اس کی گردن یا جسم کا پتلا حصہ ہے۔ کہتے ہیں یہ شہر سبکی ملکہ بلقیس کے جہنم میں داخل تھا اور یہاں حضرت سلیمان کا محل ستونوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔

اسلامی فتوحات کے وقت جب دمشق تسخیر ہوا تو بعلبک نے اطاعت قبول کر لی۔ جبل سیر اس شہر کا پہاڑ ہے جس پر یونانیوں نے ایک بت خانہ تعمیر کیا تھا۔ بعل اس قوم کا بت تھا جس کی ہدایت کیلئے حضرت الیاس علیہ السلام معبوث ہوئے۔ یہاں ایک چھوٹا اور ایک بڑا دمندر ہیں

جہاں تک بعلبک شہر کا تعلق ہے تو رومنوں نے اسے پہلو پولس کا نام بھی دیا۔ نویں صدی عیسوی میں مورخ یعقوبی اس شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ بعلبک شام کے نفیس اور خوبصورت ترین شہروں میں سے ہے۔ اس میں پتھر کی نہایت شاندار عمارتیں ہیں اور ایک عجیب و غریب چشمہ ہے جس سے لبریز ندی نکلتی ہے۔ شہر کے اندر باغ و خیابان دونوں ہیں۔

مورخ مسعودی اس شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ بعلبک شہر میں قدیم عربوں کے دیوتا بعل کا مندر تھا۔ قدیم یونانیوں نے اس شہر کو جبل لبنان اور جبل سیر کے درمیان واقع ہے بتوں کیلئے بہترین جگہ سمجھ کر اسے مندر کی تعمیر کیلئے انتخاب کیا تھا۔ اس مندر میں دو عمارتیں ہیں۔ ایک بڑی اور دوسری چھوٹی دونوں میں سنگ تراشی کے عجیب و غریب نمونے نظر آتے ہیں کہ دوسری جگہ چوبی کام ایسا نہیں ملے گا۔ لیکن چھت کی بلندی پتھروں کا اتنا بڑا ہونا ستونوں کا طول اور سائبانوں کا اس پر ہونا اتنی تعجب انگیز نہیں جس قدر خود عمارت مجموعی طور پر عجیب ہے۔

اتخری اور ابن حوقل اس شہر سے متعلق لکھتے ہیں کہ بعلبک ارض شام کا ایک ایسا شہر ہے جسے پہاڑی کی ڈھلان پر بنایا گیا ہے جس کی سب عمارتیں پتھر کی اور نگین قصور و حصار بہت اونچے ستونوں کے بنے ہوئے ہیں۔ ارض شام میں اس سے زیادہ حیرت انگیز مقام یا اس سے زیادہ بڑی عمارت نہیں ہے۔

مقدس لکھتا ہے بعلبک قدیم قلعہ بند مقام ہے۔ دوسروں کے اندر مضروبہ اراضی اور بہت سے کھنڈر ہیں۔ انگور کثرت سے ہوتا ہے اور یہ ارض شام کے دوسرے شہروں کی طرح خوشحال اور خوشگوار مقام ہے اور ان قطعات میں واقع ہے جو دریائے عاصی سے سیراب ہوتے ہیں۔ شام کا سب سے سرد مقام بعلبک سمجھا جاتا ہے اور یہاں کی مٹھائی ملین مشہور ہے۔

جن میں حیرت انگیز سنگ تراشی کا کام لیا گیا ہے۔ گویا پتھر لکڑی تھا اور ان میں بلند ستون ہیں۔ دمشق لکھتا ہے کہ بعلبک بہت قدیم شہر ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ، موسیٰ اور حضرت سلیمان اور یونانوں کے زمانے کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔ یہاں چالیس چالیس ہاتھوں کے ستون موجود ہیں اور اس میں نیچے کا حصہ جو بنیاد میں دبا ہوا ہے شمار نہیں کیا گیا ہے۔ ان ستونوں کو پتھر کی بڑی بڑی ڈالوں سے باہم ملا دیا ہے جو پایہ بہ پایہ جاتی ہیں۔

بعلبک کے قصر یا بالا حصار میں دو برج ہیں۔ جن کی دیواروں میں تین پتھر اس قدر بڑے لگائے گئے ہیں کہ چھتیس قدم طویل ہیں اور آدی کے دو قدم کے برابر موٹائی ہے اور فصیل کے پورے آثار کے برابر عرض میں ہیں۔ اسی قصر میں ایک کنواں رحمت کہلاتا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ امن کے زمانے میں اس کے اندر بھی پانی نہیں ہوتا لیکن جب کبھی اس قلعے کا محاصرہ کیا جائے اور مصیبت اور خوف کا وقت آئے تو یہ پانی سے بھر جاتا ہے اور جب تک امن اور صلح ہو ان کو کافی پانی ملتا رہتا ہے اور امن ہوتے ہی پانی اس میں سے ختم ہو جاتا ہے۔

مورخ ابوالفدا سن تیرہ سو اکیس میں تحریر کرتا ہے کہ ولایت دمشق میں بعلبک پہاڑیوں پر واقع ہے۔ یہ بہت قدیم شہر ہے اور اس کی فصیل اور مضبوط قلعہ نہایت خوبی سے بنا ہوا ہے۔ اس میں اشجار، انہار، چشمے اور اچھی اچھی چیزیں موجود ہیں۔

مہلبی کا بیان ہے کہ قدیم زمانہ میں صابیوں کا مقام قربانی ہونے کے باعث یہ بڑا اور خوشناما شہر تھا۔ ان کا ایک مندر جو بہت مقدس مانا جاتا تھا، یہاں تھا۔ بعلبک سے انزبدانی اٹھارہ میل ہے۔

ابن بطوطہ نے سن تیرہ سو پچپن میں بعلبک کی سیاحت کی اور وہ اس کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ ایک خوشناما شہر ہے جو ایسے باغ اور خیابان سے گھرا ہوا ہے جو دمشق کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہاں ایک قسم کا بیر ہے جسے الملوک کہتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے کہ کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک خاص قسم کا مربہ بھی بعلبک سے مخصوص ہے جسے انکور سے بناتے ہیں پھر ایک سفوف ملا کر اسے گاڑھا کر لیتے ہیں بعد میں شیرہ تیار کیا جاتا ہے اور اس میں ڈالا جاتا ہے پھر جو شیرہ تیار ہوتا ہے اس میں پستہ اور بادام ملا کر ایک قسم کی شربتی یا حلوہ بنا دیتے ہیں۔ اس کو ملین بھی کہتے ہیں۔ بعلبک میں کپڑا بنایا جاتا ہے، لکڑی کے پیالے اور چمچے بھی بنتے ہیں اور یہ ایک دوسرے کے اندر خانے بنا کر دس کی تعداد

میں جمادیے جاتے ہیں۔



بہر حال سلطان عماد الدین زنگی زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ بعلبک شہر کی طرف بڑھے۔ بعلبک کے مسلح لشکر نے مزاحمت کی لیکن سلطان عماد الدین زنگی نے جب شدت سے حملے شروع کئے، تب انہوں نے شہر کو بآسانی فتح کر لیا۔ اس طرح بعلبک شہر بھی سلطان کی عملداری میں شامل کر لیا گیا تھا۔



میکل کہنے لگی۔

”میں اس سے مل کر بھی آئی ہوں، اسے مبارکباد بھی دے کر آئی ہوں۔ اس کے بچے کو پیار بھی کر کے آئی ہوں اور یہ خبر صرف تجھے سنانے کیلئے آئی ہوں۔ میں پھر واپس جا رہی ہوں۔ دیکھ میری بیٹی تو اپنی کوئی کیفیت مجھ سے چھپا نہیں سکتی۔ ارطالیس کے ہاں بیٹے کی پیدائش کا سن کر تو سنجیدہ اور اداس ہوئی تھی۔ تیری یہ سنجیدگی تیری یہ اداسی اپنی جگہ درست ہے۔ پر میری بیٹی جن طوفانوں، جن آندھیوں سے ان دنوں تو گزر رہی ہے وہ خود تیری ہی مانگی ہوئی ہیں۔ اب تو یہ سن کر چھٹا رہی ہوگی کہ کاش تم زین الدین کی بیوی ہوتی اور تمہارے ہاں بیٹا ہوتا۔ میری بچی یہ بھی تو یاد کر جس وقت زین الدین تم سے ملنے کیلئے ہمارے ہاں آیا کرتا تھا تم پر امانا کرتی تھی اور یہ کہا کرتی تھیں کہ زین الدین ہمارے ہاں کیوں آتا ہے۔ تم اس بات کو بھی تسلیم کرتی تھی کہ زین الدین تمہیں پسند کرتا ہے۔ تم سے محبت کرتا ہے۔ لیکن بیٹی اس وقت تو نے اس کی محبت اس کی چاہت کی کوئی قدر نہ کی بلکہ تم نے ایک طرح سے ڈانٹ ڈپٹ کر اسے اور اس کے بھتیجے اور اپنے بھانجے بدر الدین کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ میری بچی یہ وہ باتیں ہیں جو زین الدین کے ذہن سے کمرچ کر نکالنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہیں۔ میری بچی میں تو شروع سے چاہتی تھی کہ تو زین الدین سے شادی کرے۔ زین الدین کی پیشانی اس کا چہرہ شروع ہی سے بتاتا تھا کہ خداوند قدوس نے اسے کسی بہت بڑے کام کیلئے پیدا کیا ہے اور اب تو دیکھتی ہے کہ مسلمانوں کے علاقوں میں زین الدین کی شہرت کا ڈنکا بجتا ہے۔ وہ ایسا شیر دل، ایسا خوش نصیب سالار ہے کہ جس دشمن کا بھی رخ کرتا ہے اسے روند کر رکھ دیتا ہے۔ میری بچی کاش تو نے اس سے نفرت نہ کی ہوتی، میری بچی وقت تجھے خواب ریزوں کے گلستانوں، روح کے سکوت زاروں کی طرف بلاتا رہا، تو بے روک شور دیدہ جذیوں اور بخت سیاہ کی طرف بھاگتی رہی۔ زین الدین تجھے محبتوں کے عطیوں کے خمار، شیرینی بھری نذرتوں کی طرف بلاتا رہا اور تو رنگ آلود داستانوں کی ردا اوڑھ کر کالی وحشت ناک پت جھڑ کی طرف بھاگتی رہی۔“

میری بیٹی زیست ایک سمندر ہے، محبت کے سپنوں کا، امیدوں چاہتوں کی ترجمانی کا۔ زین الدین تیرے لئے خاموش محبت کا گوہر دہنی دہنی چاہتوں کا جو ہر الفت بھرے قمقوں کی روح فشانی تھا۔ وہ تیرے نطق کے زمزموں کی شاعری بن جانا چاہتا تھا، پر تو نے اس کی محبت کی قدر نہ کی،

میکل تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے مکان میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے سبتہ پریشان ہو گئی تھی اور جب میکل اس کے قریب گئی، تب سبتہ نے بڑی فکر مندی میں اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”ماں آپ اس طرح بھاگتی ہوئی کیوں آرہی ہیں، خیریت تو ہے؟“

اس پر میکل بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”سبتہ میری بیٹی میں آج بے پناہ خوش ہوں۔“

”کیا اس خوشی میں مجھے شامل نہ کریں گی؟“ غور سے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے سبتہ

نے پوچھ لیا۔

سبتہ کے ان الفاظ پر میکل کچھ سنجیدہ ہو گئی تھی۔ پہلے اس نے ایک غائیر اور گہری نگاہ سبتہ پر ڈالی۔ پھر غدشات بھری آواز میں کہنے لگی۔

”میری بچی ہو سکتا ہے میں جو کچھ کہوں وہ تیری خوشی کا باعث نہ ہو، بلکہ تو پچھتاوے کا اظہار کرے۔“

”اماں بات کیا ہے، کھل کر کہو؟“ سبتہ نے اس پر جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

چنانچہ میکل بولی اور کہنے لگی۔

”میری بچی خوشی کی بات یہ ہے کہ ارطالیس کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔“ یہ خبر سن کر پہلے تو سبتہ

سنجیدہ اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ پھر جلد ہی اس نے اپنے سر کو ایک جھٹکا دیا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں کیا تم ارطالیس سے مل کر آرہی ہو۔“ اس پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے

نفرت کا اظہار کرتے ہوئے تو نے اسے بیگانگی کی مایوس لہروں، نفرت کے سنسان ٹیلوں اور بیزاری کی بنجر زمینوں کی طرف دھکیل دیا۔ میری بچی تجھ سے تو بہتر انداز میں ارطالیس نے اپنی زندگی کا فیصلہ کیا۔ وہ ایڈریس بادشاہ کی بیٹی اور شہزادی تھی، لیکن اس نے زین الدین کی محبت کو خوب بھانپا اور تم دیکھتی ہو آج وہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے میکمل کو رک جانا پڑا اس لئے کہ دکھ بھرے انداز میں سبتہ کہنے لگی۔

”اماں یہ تم نے کون سا موضوع چھیڑ دیا ہے۔ اماں یہ تو خوشی کا موقع ہے اور پھر دیکھو.....“ غور سے سبتہ کی طرف دیکھتے ہوئے میکمل بول اٹھی تھی۔

”بیٹی اگر تو چاہے اور پسند کرے تو اس مسکن میں میں تیرے لئے کوئی مناسب رشتہ تلاش کروں، میری بیٹی تو بھی شادی کر کے اپنا گھر آباد کر۔“

میکمل کے یہ الفاظ سن کر سبتہ کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے اندر ویرانیاں ادا سیاں بنجر پن رقص کرنے لگا تھا۔ پھر وہ اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں آئندہ اس موضوع پر گفتگو نہ کرنا۔ اماں میں نے ایک محبت کو اپنے ہاتھوں سے کھویا ہے۔ مجھے اس کا خیا زہ تو بھگتنا ہے۔ اماں جس وقت زین الدین مجھے چاہتے تھے اس وقت میں نے ان کی چاہت کی قدر نہ کی، بیزاری کا اظہار کیا اور اب جبکہ میں ان سے محبت کرنے لگی ہوں تو وہ مجھ سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ اماں زین الدین کے بعد کسی اور سے شادی کرنے سے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ اماں میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں ان کے ساتھ اس مسکن میں رہ رہی ہوں۔ انہیں دیکھتے ہی خوش ہو جاتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں اب یہی میری زندگی کا مدعا اور یہی میری زیست کا محور ہے۔“

اس کے ساتھ سبتہ نے ایک دم موضوع بدلا اور میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے۔ چلو ارطالیس کے پاس چلتی ہیں۔ وہ اکیلی پڑی ہوگی۔ امیر بھی یہاں نہیں ہیں۔ وہ ہم پر گئے ہوئے ہیں۔ لہذا ان کی غیر موجودگی میں ارطالیس کو آخر ہم نے ہی سنبھال دینا ہے۔ اماں بے شک اس کی شادی امیر سے ہو چکی ہے اس کے باوجود میں اسے اپنی بہن سمجھتی ہوں اور بہن ہی سمجھتی رہوں گی۔ اماں آؤ وقت ضائع نہ کریں اور اس کے پاس چلیں۔“ اس پر میکمل کہنے لگی۔

”میری بچی ارطالیس اس وقت اکیلی نہیں ہے۔ مسکن کی بہت سی عورتیں وہاں جمع ہیں۔ یوں جانو اس کی خواب گاہ اس وقت مسکن کی عورتوں سے بھری ہوئی ہے۔ بہر حال آؤ دونوں ماں بیٹی چلتی ہیں اور اس کو پکا کر کھلانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری ہم دونوں ماں بیٹی پر پڑتی ہے۔“ سبتہ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر دونوں ماں بیٹی اپنے مکان سے نکل کر تیز تیز چلتی ہوئی زین الدین کے مکان کا رخ کر رہی تھیں۔

جب وہ زین الدین کے مکان میں داخل ہو کر ارطالیس کی خواب گاہ کی طرف گئیں، تب مسکن کی بہت سی عورتیں وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک نشست پر بدر الدین بیٹھا بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ ارطالیس مسہری پر پڑی تھی، پہلو میں اس کا بیٹا تھا۔ سبتہ آگے بڑھی پہلے جھک کر اس نے ارطالیس کی پیشانی پر ایک طویل بوسہ دیا۔ بچے کو کئی بار چوما۔ پھر وہ اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گئی اور کہنے لگی۔

”میں تمہیں صد ہزار بار اس بچے کی پیدائش پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اب میری بہن تو مجھ سے یہ کہہ کہ تیرا کیا چیز کھانے کو جی کرتا ہے وہی میں پکا کر تیرے لئے لاؤں۔“ ارطالیس مسکرائی کہنے لگی۔

”سبتہ تم نے مجھے اس طرح مبارکباد دی ہے۔ اس کیلئے میں تمہاری ممنون اور شکر گزار ہوں۔ آج اماں کے ساتھ مل کر مجھے جو کچھ بھی کھلا دو گی وہی میرے لئے ایک نعمت ہوگی۔ سبتہ میری بہن ذرا بدر الدین کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ عم احمد بن قاسم تو باہر گئے ہوئے ہیں۔ میرے بیٹے کی پیدائش پر بدر الدین ایسا خوش ہے کہ کھانا تک بھول چکا ہے۔ اسے بھوک لگ رہی ہوگی اسے ساتھ لے جا کر کھانا کھلاؤ۔“

سبتہ مڑی مسکراتے ہوئے بدر الدین کی طرف بڑھی۔ بدر الدین نے جب دیکھا کہ سبتہ اس کی طرف آرہی ہے تب وہ کھڑا ہو گیا۔ آگے بڑھ کر سبتہ نے جھک کر بدر الدین کی پیشانی چومی، پھر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہنے لگی۔

”بیٹے میرے ساتھ آؤ۔“ بدر الدین چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لیا تھا اور پھر میکمل اور سبتہ دونوں ماں بیٹی بدر الدین کو لے کر مطبخ کی طرف ہوئی تھیں۔



بحرین کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔

سلطان عماد الدین زین الدین عدنان بن ہاشم اور دوسرے سالار اپنے لشکر کو لے کر بحرین کے نواح میں پہنچے ہی تھے کہ سلطان نے دشمن پر نگاہ رکھنے کیلئے اپنے جو مخبر مقرر کر رکھے تھے، وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سلطان کو اطلاع کی کہ بحرین والوں کی مدد کیلئے دو بڑے بڑے لشکر بحرین کا رخ کئے ہوئے ہیں۔ ایک یروٹلم، فرانس اور قسطنطنیہ کے حکمرانوں کا متحدہ لشکر ہے، جو یروٹلم سے نکل کر بحرین کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے۔ دوسرا لشکر رومنوں اور جرمنوں کا ہے۔ وہ ابھی ذرا فاصلے پر ہے۔

اس صورت کو دیکھتے ہوئے سلطان نے جس جگہ اپنے لشکر کو رکھا تھا اس کا جائزہ لیا۔ وہ بڑی مناسب اور جنگ کیلئے سودمند جگہ تھی۔ لشکر کو وہاں محفوظ بھی رکھا جاسکتا۔ لہذا سلطان نے وہیں اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔

دوسری طرف جب یروٹلم، قسطنطنیہ، فرانس کے بادشاہوں کو یہ خبریں پہنچی کہ سلطان عماد الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ بحرین شہر کے نواح میں پڑاؤ کر لیا ہے تو انہوں نے بھی بحرین کے نواح میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

سلطان نے لشکر کا پڑاؤ کرنے کے بعد اپنے سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب سب سالار وہاں پہنچ گئے، تب سلطان نے ان کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد انہیں مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”جو نبی صورت حال ہمارے سامنے آ رہی ہے تم سب لوگوں کو خبر ہے بحرین والوں کی مدد کیلئے دو بڑے بڑے لشکر پہنچ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں، میں چاہتا ہوں کہ ان سارے لشکروں کو متحد اور اکٹھا ہونے دیا جائے۔ فی الحال، ہم بحرین پر حملہ آور ہونے اور اس کا محاصرہ کرنے کے کام کو اتنا میں ڈالتے ہیں۔ پہلے ہمیں باہر سے آنے والے دونوں لشکروں سے نبٹنا چاہئے۔ یروٹلم، فرانس اور قسطنطنیہ کے متحدہ لشکر نے بحرین کے جنوب میں ذرا فاصلے پر پڑاؤ کر لیا ہے اور ہمارے مخبران کے لشکر پر گہری نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ وہ ان کی نقل و حرکت سے ہمیں بروقت مطلع کرتے رہیں گے۔

جہاں تک جرمنوں اور رومنوں کے لشکر کا تعلق ہے تو وہ ابھی دور ہیں اور بحرین کی طرف

بعلبک شہر کو فتح کرنے کے بعد سلطان عماد الدین نے وہاں سلطان صلاح الدین کے باپ نجم الدین ایوب کو حاکم مقرر کیا اور پھر وہ اپنے لشکر کو لے کر بحرین کی طرف بڑھا۔ اس نے پہلے سے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ عرقہ اور بحرین دونوں کو اپنی گرفت میں کرے گا۔ اس لئے کہ ان دونوں شہروں پر پہلے عیسائیوں کا قبضہ تھا اور وہاں سے جنگجو صلیبی نکل کر مسلمانوں کے قریبی علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے لوٹ مار، قتل و غارتگری کا بازار گرم کرتے تھے۔ اب سلطان نے بعلبک کی فتح سے پہلے عرقہ شہر کو فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ بعلبک پر اپنی گرفت کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ اب سلطان بحرین کی طرف بڑھا تھا۔



دوسری طرف قسطنطنیہ اور فرانس کے حکمران یروٹلم میں قیام کئے ہوئے تھے۔ یروٹلم کا بادشاہ اب ارطالیس کا باپ بالڈون تھا۔ تینوں حکمران چند ہفتوں تک صلاح مشورہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ان کے درمیان طے پایا کہ اپنی متحدہ قوت کو حرکت میں لاتے ہوئے مسلمانوں کے سلطان عماد الدین کے خلاف حرکت میں آنا چاہئے۔ اس سے نمٹ کر شیر شہر اور اس کے نواح میں جو مسلمان جنگجوؤں کا مسکن ہے اسے بھی نیست و نابود کر دینا چاہئے۔

اسی دوران انہیں یہ بھی خبریں پہنچیں کہ مسلمانوں کے سلطان نے عرقہ شہر کو فتح کرنے کے بعد بعلبک پر بھی قبضہ کر لیا ہے اور اب وہ بحرین شہر پر بھی ضرب لگانا چاہتا ہے۔ چنانچہ یہ خبریں ملتے ہی تینوں حکمران ایک متحدہ لشکر لے کر نکلے اور سلطان کا مقابلہ کرنے کیلئے بحرین کی طرف بڑھے تھے۔

دوسری طرف رومنوں اور جرمنوں کا ایک متحدہ لشکر بھی بحرین شہر کے صلیبیوں کی مدد کیلئے

پیش قدمی کر رہے ہیں۔ لہذا ان کی پیش قدمی سے ہی ہم نے فائدہ اٹھا کر انہیں فرانس، قسطنطنیہ اور یروشلم کے متحدہ لشکر سے نہیں ملنا دیتا۔“

سلطان یہاں تک کہنے کے بعد جب رکا۔ تب زین الدین سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اس میں کوئی شک نہیں کہ دشمن ہم سے کئی گنا بڑی عسکری تعداد لے کر پیش قدمی کر رہا ہے اور ان کے کچھ حصے بحرین کے نواح میں پڑاؤ بھی کر چکے ہیں۔ سلطان محترم مجھے اور عدنان بن ہاشم کو آپ اجازت دیں میں اور ابن ہاشم دونوں اپنے لشکر لے کر آنے والی شب کی تاریکی میں یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ ہمارے وہ خیر جو رومنوں اور جرمونوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ جنہوں نے یہاں آ کر ان کی پیش قدمی کی اطلاع دی ہے وہ ہمارے ساتھ جائیں گے تاکہ ان تک وہ ہماری رہنمائی کرتے رہیں۔

میں چاہتا ہوں ابن ہاشم اور میں دونوں مل کر رومنوں اور جرمونوں پر ایسا شب خون ماریں کہ ان کی اکثریت کو کاٹ کر رکھ دیں اور ان پر ایسا خوف، ان پر ایسی ہولناکی طاری کریں کہ بحرین والوں کی مدد کیلئے پیش قدمی کرنے کے بجائے وہ اپنی جانیں بچا کر واپس بھاگنے پر مجبور ہو جائیں۔

سلطان محترم! جب میں اور عدنان بن ہاشم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور رومنوں، جرمونوں کو مار کر واپس بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے تب اس کام کی اطلاع اپنے خیروں کے ذریعے آپ تک پہنچائیں گے۔ ساتھ ہی میں اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنے لشکر کو لے کر اس مقام کے قریب پہنچنے کی کوشش کریں گے جہاں یروشلم فرانس اور قسطنطنیہ کے عساکر نے پڑاؤ کر رکھا ہے۔

ہماری طرف سے پیغام ملنے کے بعد آپ اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئیے گا۔ آپ خم ٹھونک کرتیوں اقوام کے متحدہ لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوں گے۔

جب یروشلم، فرانس اور قسطنطنیہ کے حکمران یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کا سلطان ان کے مقابلے کیلئے ایک چھوٹا سا لشکر لے کر آیا ہے جس کی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تو وہ آپ پر حملہ آور ہونے میں جلد بازی سے کام لیں گے تاکہ آپ کو مار بھگانے کے بعد مسلمانوں کے

علاقوں میں دور تک نزک تاز اور یلغار کر کے اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔“

”لہذا جب دشمن کے تینوں حکمران اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ آپ سے ٹکرائیں گے اس وقت تک میں اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ قریب پہنچ چکے ہوں گے۔ چنانچہ ہم بروقت دشمن کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہوں گے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ دشمن ہمارا کتنی دیر تک مقابلہ کرنے کی سکت رکھتا ہے اور مجھے امید ہے کہ دشمن کے لشکر کی اکثریت کو ہم کاٹ کر رکھ دیں گے اور اس منصوبہ بندی کے تحت تینوں حکمرانوں کو اپنی جانیں بچا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔“

زین الدین جب تک بولتا رہا، سلطان مسکراتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تب سلطان نے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا اور جو تجویز زین الدین نے پیش کی تھی اس کے متعلق سوال کیا، جب اس منصوبہ بندی سے سب نے اتفاق کیا۔ تب سلطان اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”جو کچھ زین الدین نے کہا ہے اسی پر عمل کیا جائے گا۔“

اس کے ساتھ ہی سلطان نے مشاورت کی وہ مجلس ختم کر دی تھی اور آنے والی شب کو زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر جرمونوں اور قسطنطنیہ کے رومنوں کے لشکر سے منہ کیلئے وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔



رات کے سفر کی لکیریں بڑی تیزی سے اپنی قضا کی تحریروں کی طرف دراز ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ سوچوں کے بے انت اعتکاف میں تیرگی کے عذاب سے لپٹی گریز پاسا عتیں بھاگتی ہی جا رہی تھیں۔ چاروں طرف دیمک آلود دروبام، وحشت کی پت جھڑ اور خیالات کی مسمار ہوتی کائنات جیسی چپ اور خاموشی تھی۔

ایسے میں زین الدین اور عدنان بن ہاشم بڑی تیزی اور برق رفتاری سے اپنے لشکر کے ساتھ جرمونوں اور رومنوں پر حملہ آور ہونے کیلئے فاصلوں کو سمیٹتے جا رہے تھے۔ ان کے وہ خیر جنہوں نے رومنوں اور جرمونوں کے محل وقوع سے آگاہ کیا تھا۔ وہی ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ آخر جب ان مجبوروں نے خبر دی کہ اب دشمن کا پڑاؤ آگے قریب ہی ہے، تب اس جگہ زین الدین نے اپنے

لشکر کو روک دیا۔ اس وقت رات اپنے انجام کو پہنچ رہی تھی۔ مشرق کی طرف سے روشنی کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ ایسے میں زین الدین نے اپنے قریب ہی گھوڑے پر سوار عدنان بن ہاشم کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

”ابن ہاشم میرے عزیز بھائی! یہیں سے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہمارے جو خنجر ہماری رہنمائی کر رہے ہیں ان میں کچھ تمہارے ساتھ اور کچھ میرے ساتھ ہو لیں گے۔ میں سیدھا آگے جاتا ہوں، تم تھوڑا سا دائیں طرف ہٹ کر بڑھنا۔ میں پہلے دشمن پر حملہ آور ہوں گا اور جب دشمن کی پوری قوت سمٹ کر مجھ پر جوابی کارروائی کرنے کیلئے لپکے گی تب پشت کی طرف سے تم حملہ آور ہو جانا۔ پھر دیکھیں گے کہ دشمن کتنی دیر تک ہمارے سامنے اپنی جنگجوئی اپنی بہادری اور اپنی جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔“

عدنان بن ہاشم نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور جو معاملہ طے ہوا تھا اس کے مطابق دونوں نے پھر آگے بڑھنا شروع کیا۔

رات اب اپنے سارے پتے جھاڑ چکی تھی۔ اس لئے کہ مشرق کی طرف سے سورج کی سرخ نیکیا نے اپنا چہرہ دھرتی کو دکھانا شروع کر دیا تھا۔ ایسے میں جرمنوں اور رومنوں کا لشکر عجیب حالت میں تھا۔ کچھ اٹھ چکے تھے۔ کچھ اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ اٹھ رہے تھے کہ ان کے ایک طرف سے زین الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اندھیروں کی کوکھ سے نکل کر خوفناک نعرے بلند کرنے والے قدیم راتوں کے بیابانی غول کی طرح نمودار ہوا۔ اس کے بعد اس نے داستان درداستان خاک و خون سے گلے ملتی لہروں، افسانہ در افسانہ اضطراب جاوداں برپا کرتے الزم زدہ گونجوں کے بھنور اور مرگ و موت کے کٹہرے میں کھڑا کر دینے والی جلا دی سونتی ہوئی تلوار کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

پہلے تو جرمنوں اور رومنوں کے لشکر میں ایک شور و غوغا اور چیخ و پکار اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن ان کے لشکر کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی۔ لہذا وہ سنبھلے اور جوابی کارروائی کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ سنبھلنے کے ساتھ ہی وہ پناہ گاہوں کو کھنڈر کرتی لہروں کے بیچ و تاب ہڈیوں کی تازگی تک اتار لینے والی موت کی تارکیوں، حسرتوں کے انبار تلے خوش نما ارادوں تک کو منقطع کر دینے والے کروٹیں بدلتے طوفانوں، تعصب اور گھمنڈ کے سیل بے پناہ کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

جس وقت بے پناہ خون خواری اور انتقام لینے کی خاطر رومن اور جرمن چیخ و پکار کرتے ہوئے زین الدین پر حملہ آور ہونے کیلئے لپکے تھے تب مقدرنے ان کیلئے ایک اور تجدیلی اور انقلاب لاکھڑا کیا۔ اس لئے کہ ان کی کچھلی سمت سے عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ رخ کو دھواں دھواں کرتی قبر و جبر کی گھٹاؤں، گوشہ در گوشہ بننے والی آشوب بھری آوازوں، خون کی چکیاں چلاتے نفرتوں کی آگ بجڑکاتے خوفناک قضا کے حروف ارقام کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جرمنوں اور رومنوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ دونوں طرف کے حملہ آوروں سے نبٹ کر ان کے خلاف ایسی کارروائیاں کریں کہ ان کا صفایا کر کے رکھ دیں۔ لیکن ان کی بد قسمتی کہ مسلمان سالار اور لشکری ان پر ایسے انداز میں حملہ آور ہو رہے تھے جیسے وقت کے ان گت مختص، مسما رستیوں کے معنی، تباہ شدہ شہروں کے قاضی، خون میں نہائی ساعتوں کے فقیہ، اپنے تن کے بھید کھولتے، روجوں کے وجدان کو گلے لگاتے، خونی ہنگاموں کے خالق بن کر بخت کمال و جمال کی گردش کی طرح رومنوں اور جرمنوں پر ضربیں لگانے لگے ہوں۔

رومنوں اور جرمنوں نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی کہ حملہ آوروں کو اگر بھگا نہیں سکتے تو اپنا دفاع کر لیں۔ لیکن زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اس تیزی کے ساتھ ان کا قتل عام کیا اور اس قدر سرعت کے ساتھ ان کے لشکر کی تعداد کو انہوں نے کم کیا کہ بہت جلد رومن خود محسوس کرنے لگے کہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے حملوں کے سامنے ان کے لشکر کی حالت راتوں کی سیاہیوں، بدگمانیوں، بھری راتوں، درد بھری داستانوں، بکھرے بکھرے کرداروں، ذلت و بکبت کی لمبی راتوں سے بھی زیادہ المناک ہونا شروع ہو گئی ہے۔

اور جب انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ ان کے لشکر کی کثرت کو تو حملہ آوروں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو مکمل طور پر ان کے لشکر کو فنا کر دیا جائے گا۔ لہذا بچے کچھ رو من اور جرمن اپنی جانیں بچا کر جدھر سے آئے تھے، اُدھر ہی کو بھاگ گئے۔

مورخین بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جرمنوں اور رومنوں کا آنے والا لشکر یروشلیم فرانس اور قسطنطنیہ کے بادشاہوں سے مل کر بحرین شہر کی حفاظت نہ کر سکا، بلکہ وہ راستے ہی سے بھاگ گیا۔

بہر حال زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے پہلے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی۔ جرمن اور روسن اپنے پڑاؤ میں جو چیزیں چھوڑ بھاگے تھے۔ ان سب پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ جہاں جنگ ہوئی تھی اس کے ارد گرد زین الدین نے اپنے حفاظتی دستے پھیلا دیئے تھے اور جو پڑاؤ رومنوں اور جرمنوں نے اپنے لئے قائم کیا تھا اسی میں اس نے اپنے لشکریوں کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔



دوسری طرف یروشلم، فرانس اور قسطنطنیہ کے حکمرانوں کا متحدہ لشکر سلطان عماد الدین کے لشکر کے سامنے آیا۔ سلطان کے خبر دشمن کی نقل حرکت کے ہر لمحے سے اس کو آگاہ کئے ہوئے تھے۔ لہذا جب ان تینوں حکمرانوں کے متحدہ لشکر نے سلطان کے لشکر کی طرف کوچ کیا، تب ہی ان کا مقابلہ کرنے کیلئے سلطان نے اپنے آپ کو مستعد اور تیار کر لیا تھا۔

تینوں نصرانی حکمرانوں نے جب سلطان کے لشکر کے سامنے آ کر پڑاؤ کیا تو انہوں نے اندازہ لگایا کہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے سلطان کے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اور اگر وہ وقت ضائع کئے بغیر مسلمانوں پر ضرب لگا دیں تو ان کی فتح یقینی ہوگی۔ چنانچہ تینوں حکمرانوں نے باہم فیصلہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کے سلطان پر حملہ آور ہونے کیلئے تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور سمت سے بھی ہمارے خلاف مسلمانوں کے سلطان کو مدد مل جائے۔ اس طرح ان کا کام مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ جس روز متحدہ نصرانی قوتوں کا لشکر وہاں پہنچا تو اس کے اگلے روز جنگ کی ابتداء کرنے کیلئے انہوں نے اپنے لشکر میں طبل بجوا دیئے تھے۔

سلطان پہلے ہی بالکل تیار اور مستعد تھا۔ چنانچہ اس نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کر لی تھیں۔ اس کے بعد جنگ کی ابتداء یروشلم، فرانس اور قسطنطنیہ کے حکمرانوں کے متحدہ لشکر کی طرف سے ہوئی اور وہ کانٹوں کے جنگل میں جبروتوں کی قبرمانیوں اور صدیوں کے مضطرب اور حیران لحوں میں عذابوں کے ہولناک سلسلوں کی طرح آگے بڑھے۔ پھر وہ سلطان کے لشکر پر اہانت اور ذلت کی جولان گاہیں کھڑی کرتی، دھاڑتی اندھی قوتوں خاموشی کے بھیانک ساگر میں قضا کا ارتعاش پھیلاتے، رقص کرتے شیطانی گماشتوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان نے بھی بہترین انداز میں اپنے کام کی ابتدا کی۔ پہلے سلطان اور اس کے سارے لشکریوں نے قضا کے تاریک ہیولوں میں بلاخیز طوفانوں کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد سلطان صلیبیوں کے متحدہ لشکر پر فضاؤں کے سناٹوں میں صحراؤں کے اندر رقص کرتے موت کے ہولناک بگولوں، خاک سے خلاء تک چیختی چلاتی ہواؤں کے اندر بھنور کی طرح چکر کاٹنے پر شور و غما، غمگین شاموں کے دکھ، اداس صبح کی دھند میں جسم اور روح کے سارے روابط کو منقطع کرتی آنکھوں کے بے اماں تھیںڑوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

جہاں متحدہ نصرانی لشکر کا حملہ بڑا زوردار تھا۔ وہاں سلطان کی جوابی کارروائی بھی انتہائی بھیانک تھی۔ چنانچہ دونوں لشکر اپنی پوری ہنرمندی اور قوت کے ساتھ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے تھے۔

جنگ شروع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد نصرانیوں کیلئے ایک اور مصیبت اور خونی انقلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ اچانک ان کی پشت کی طرف سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے۔ قریب آ کر انہوں نے دریاؤں کے قطرے قطرے دشت کے ذرے ذرے زمین کی رگ رگ اور سمندر کے سینے تک کو موج زن کر دینے والی شعلہ اور خون آشام لہروں اور زلزلوں کی دھمک کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم دشت عقوبت میں جو ہر لائحہ کی طرح ابھرنے والے فرزندان جلیل و عظیم کی طرح اپنے کام کی ابتداء کر چکے تھے۔ چنانچہ وہ نصرانیوں کے لشکر پر ان کی پشت کی طرف سے جسموں کو تار تار روحوں کو خاک و خون کرتی بجلیوں کی کڑک کی طرح حملہ آور ہوئے۔ ان کا یہ حملہ ایسا زوردار اور جان لیوا تھا، جیسے انہوں نے ہنر نصرانی سحر سامری، طلسم اسرائیلی، جادوئے بائل آرزوئے مانی اور ابلیس کی نفرت تک کو اپنے عزم مہراخ، اپنی جرأت مستحکم اور اپنے لازوال ایمانی جذبوں کے ذریعے اپنے پاؤں تلے روندنے کا عزم کر لیا ہو۔ دونوں لگاتار تلخ لہجوں کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے جادو، شعلہ نشان اور بے کراں اور بے پایاں عذابوں کی طرح دشمن پر حملہ آور ہو کر بڑی تیزی سے اس کی تعداد کم کرنے لگے تھے۔

یہ صورتحال تینوں متحدہ قوتوں کیلئے انتہائی خطرناک تھیں۔ تینوں نصرانی قوتیں پہلے ہی سلطان کے لشکر کو پسپا کرنے یا پیچھے ہٹانے میں ناکام ہوئی تھیں۔ اب جو ان کی پشت کی طرف سے

زین الدین اور عدنان بن ہاشم پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہو گئے تب نصرانی لشکر کے اندر ایک ہلچل، ایک افراتفری اور بد نظمی کا سا عالم برپا ہونے لگا تھا۔

اب میدان جنگ کے اندر دردِ عالم کی سلگتی آگ، نفرتوں کے اتھاہ نوئے، موت کے سرخ رنگ بیولے جراتوں کے بادبانوں، جھیر جھیر کرتی خونخوار درنگی اور ذوقِ جنگ آوری رقص کرنے لگے تھے۔ کچھ دیر جب لگاتار جنگ اپنے عروج پر رہی تب نصرانیوں نے اندازہ لگایا کہ مسلمانوں کے دوطرفہ حملوں نے ان کے لشکر کی آدمی سے زیادہ تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یہ اندازہ کرنے کے بعد ان کے لشکریوں، سالاروں اور حاکموں کی حالت برق کے گہواروں میں مایوسی کی گھٹاؤں، سرخ شعلوں کے رقص میں زہر آلود اضطراب، آتش و آہن کے کھیل میں یادوں کے پرانے گنبدوں اور مقل گاہوں کی خواری سے بھی ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ تینوں متحدہ نصرانی قوتوں نے اپنی شکست تسلیم کی اور واپس یر و ظلم کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطان نے اپنے کچھ سالاروں کو دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا جبکہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے ساتھ اس نے بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا اور کچھ دور تک مار دھاڑ کرتے ہوئے ان کی تعداد کو مزید کم کر کے رکھ دیا۔ اس طرح بحرین کے نواح میں بقول مؤرخین مسلمانوں کے ہاتھوں فرانسیسیوں، قسطنطنیہ والوں اور یر و ظلم کے حکمرانوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ خود اور ان کے بچے کچھ لشکری اپنی جانیں بچا کر یر و ظلم کی طرف بھاگے تھے۔



سلطان عماد الدین، زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے جب اپنے سامنے بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب ترک کر دیا اور اپنے لشکر کو لے کر واپس ہوئے تب ایک مناسب اور محفوظ جگہ دشمن کا بھاگتا ہوا لشکر رک گیا۔ اس کے بعد یر و ظلم، فرانس اور قسطنطنیہ کے حکمران اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ قسطنطنیہ کا حکمران فرانس اور یر و ظلم کے حکمرانوں کے علاوہ وہاں جمع ہونے والے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ کس قدر بھیانک بد قسمتی کی بات ہے کہ ہماری تینوں قوتوں کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے، جس وقت ہم نے مسلمانوں کے سلطان پر حملہ آور ہونے کی ابتداء کی تھی اس وقت مجھے یہی اور پختہ امید تھی، بلکہ یقین تھا کہ ہم مسلمانوں کے سلطان کو شکست دے کر

مار بھگائیں گے لیکن لگتا ہے کہ اب قدرت مسلمانوں کے حق میں اور ہمارے خلاف کارفرما ہو چکی ہے۔ اب میں یہ بھی اندازہ لگاتا ہوں کہ جس وقت ہم نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر ان سے بیت المقدس کے علاوہ دیگر شہر چھینے تھے، اس وقت مسلمانوں کے اندر کوئی اتحاد تعاون یکجہتی اور باہمی ربط نہیں تھا نہ ان کا کوئی ایک بڑا حکمران تھا جو ان کی رہنمائی کرتا اور یورپ سے نکل کر حملہ آور ہونے والے صلیبیوں کا مقابلہ کرتا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب صورتحال بالکل مختلف اور ہمارے لئے انتہائی خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔

مسلمانوں کا سلطان عماد الدین اب ہمارے لئے ایک معمولی حکمران نہیں رہا۔ اس نے پے در پے ہمارے کئی عساکر کو شکستیں دے کر نہ صرف اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کیا ہے بلکہ اس طرح اس کے لشکریوں کے حوصلے بھی بلند ہوئے ہیں اور اب وہ ہمارے خلاف جنگ میں اس طرح بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہوتے ہیں کہ انہوں نے گویا ہماری شکست اور اپنی فتح کو یقینی بنانے کیلئے قسم کھالی ہو۔

قسطظیفہ کا بادشاہ یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ایک سمت سے کچھ گھوڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آئے اور اس جگہ آ کر وہ اپنے گھوڑوں سے اترے جہاں تینوں حکمران اور ان کے بڑے سالار جمع تھے۔ تینوں شاید یروٹلم کے حکمرانوں کے مخبر تھے اس لئے کہ انہیں دیکھتے ہی اس نے اسے مخاطب کیا اور پوچھا۔

”کیا تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو اور ان جرمنوں اور رومنوں کا متحدہ لشکر اس وقت کہاں ہے اور اس نے ہمارے پاس پہنچنے میں اس قدر دیر اور تاخیر کیوں کی ہے؟“

یروٹلم کے حکمران کے اس استفسار پر آنے والوں میں سے ایک بولا اور دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”اب جرمنوں اور رومنوں کا کوئی لشکر آپ لوگوں کی مدد کیلئے نہیں پہنچ سکے گا۔ اپنے بحری بیڑے سے نکل کر یقیناً جرمنوں اور رومنوں کا لشکر آپ سے ملنے کیلئے کوچ کر چکا تھا اور اس کی رفتار بھی بڑی تیز تھی۔ لیکن مسلمانوں کے دو سالاروں نے اچانک ان پر حملہ آور ہو کر انہیں بدترین شکست دی۔ ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس معرکے اور جنگ میں بچنے والے جرمن اور رومن اپنی جانیں بچا کر واپس اپنے بحری بیڑے کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ میرے

خیال میں اب تک وہ سمندر کے اندر واپسی کا کافی سفر طے کر چکے ہوں گے۔“ یہ خبر سن کر کچھ دیر تک سب خاموش رہے حیران پریشان اور فکر مند تھے۔ پھر یروٹلم کے بادشاہ نے آنے والے ان مخبروں کو مخاطب کیا۔

”کیا تم بتا سکتے ہو کہ جرمنوں اور رومنوں پر حملہ آور ہو کر انہیں نقصان پہنچانے اور شکست دے کر واپس بھاگ جانے پر مجبور کرنے والے مسلمانوں کے کون سے سالار تھے۔“

اس پر وہی مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”جرمنوں اور رومنوں پر حملہ آور ہونے والے مسلمانوں کے سالار زین الدین اور عدنان بن ہاشم تھے اور انہوں نے ایک طرح سے جرمنوں اور رومنوں کی عسکری طاقت کو بالکل روندھ کر رکھ دیا ہے۔“

اس پر یروٹلم کا بادشاہ دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔ ”یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ مسلمانوں کا زین الدین نام کا یہ سالار گزشتہ کئی برس سے ہمارے لئے مصیبت عذاب اور آفتوں کا باعث بنا ہوا ہے۔ میرے علاوہ دیگر نصرانی حکمرانوں کی بھی یہ بڑی خواہش رہی ہے کہ شیزر کے قلعے اور شہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس لئے کہ جہاں یہ شہر بڑا خوبصورت ہے وہاں اپنے محل وقوع کے لحاظ سے بڑا مضبوط، مستحکم اور محفوظ ہے۔ ہم سب کی خواہش تھی کہ اس کو فتح کرنے کے بعد اس کے اندر ایک ایسی عسکری طاقت رکھی جائے جو آنے والے دور میں مسلمان حملہ آوروں کا بآسانی مقابلہ کر سکے، لیکن شیزر پر کئی حملے کرنے کے باوجود بھی ہم شیزر شہر اور اس کے قلعے کے قریب نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے کہ شیزر کا حکمران نام جس کا اسامہ ہے اس کے روابط اس کے تعلقات اسی زین الدین نام کے مسلمان سالار سے ہیں جہاں شیزر شہر دریائے اورنٹس کے کنارے ہے وہاں کوہستانی سلسلوں کے اندر اسی زین الدین نے اپنا ایک مسکن بھی بنا رکھا ہے جو بلند و بالا کوہستانی سلسلوں سے گھرا ہوا ہے اور حیرت کی بات یہ کہ اس کا مدخل بھی ایک ہے۔ چاروں طرف بلند پہاڑ ہیں جنہیں عبور کرنا اتنا آسان نہیں جب کوئی قوت انہیں عبور کرنے کی کوشش کرتی ہے تو ان کوہستانی سلسلوں کے اوپر اسی زین الدین نے برج بنائے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی چٹانیں کھڑی کر دی گئی ہیں اور ان کے پیچھے محافظ بٹھادیئے جاتے ہیں جو کوہستانی سلسلوں پر چڑھنے والوں پر ناصرف تیر اندازی کرتے ہیں بلکہ روغن نفت پھینک کر قلع قمع کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح

شیزر شہر پر قبضہ مسلمانوں کے اس سالار زین الدین کی وجہ سے اب تک نہیں ہو سکا۔“
کچھ دیر خاموشی رہی اس کے بعد قسطنطنیہ کا بادشاہ دکھ بھرے انداز میں سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم شیزر شہر کو فراموش کر کے اسے پس پشت ڈال کر پہلے زین الدین نام کے سالار کے مسکن پر حملہ آور ہوں اس کی عسکری طاقت اتنی بھی بڑی اور مسخر کر دینے والی نہیں کہ کوئی اسے اپنے سامنے زیر نہ کر سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کے مسکن کا لگا تار تختی کے ساتھ محاصرہ کیا جائے۔ کھانے پینے کی کوئی بھی چیز باہر نہ جانے دی جائے تو وہ آپ سے آپ ہمارے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گا یا اپنے مسکن سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کرے گا۔ ایسی صورت میں کیا اس پر قابو نہ پایا جاسکے گا۔“

قسطنطنیہ کے حکمران کے ان الفاظ کے جواب میں یروخلم کے بادشاہ بالڈون کے چہرے پر طنزیہی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی کہنے لگا۔

”جو کچھ آپ سوچ رہے ہیں یہ سب خام خیالیاں ہیں۔ اس طرح اس پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ اول بات یہ کہ اس کے مسکن کا محاصرہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے پہلے کاؤنٹ آف سینٹ پال اور کاؤنٹ آف گرے دونوں کے سپہ سالاروں اسٹس اور رینارڈس نے کئی بار اس زین الدین کے مسکن پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کرنا چاہا، لیکن ہر بار انہیں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا اور پھر ایسا ہوا کہ ایڈیبرہ کی پوری عسکری قوت نے ان دونوں قوتوں کو بھی اپنے ساتھ ملایا، ساتھ ہی ٹینکرڈ نے بھی اپنے ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کی۔ آپ لوگ جانتے ہیں ٹینکرڈ عیسائی دنیا میں ایک ناقابل شکست سالار تسلیم کیا جاتا ہے اور ماضی میں اس نے بڑے بڑے معرکوں کو بھی سر کیا، لیکن حیرت کی بات یہ کہ ایڈیبرہ کا لشکر ٹینکرڈ کا لشکر کاؤنٹ آف گرے کا لشکر اور کاؤنٹ آف سینٹ پال کا لشکر چاروں قوتیں متحد ہو کر اس کے مسکن پر حملہ آور ہوئیں اور جانتے ہیں کہ اس کا کیا انجام ہوا ہمارے ان چاروں قوتوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور کاؤنٹ آف گرے اور کاؤنٹ آف سینٹ پال دونوں کو اپنے سپہ سالار اسٹس اور رینارڈس سے بھی ہاتھ دھوئے پڑے اس لئے کہ مسلمان سالار زین الدین نے ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔“

”یہاں ایک اور بات بھی عجیب و غریب ہے۔ اس اسٹس اور رینارڈس دونوں نے ماضی

میں مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر کافی مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا اور اس قتل عام میں زین الدین کے ماں باپ بھائی تک مارے گئے تھے۔ یہ اس وقت بذات خود حلب میں قیام کئے ہوئے تھا۔ چنانچہ یہ وہاں سے ان علاقوں کی طرف آیا اور اس نے قسم کھالی کہ جب تک اسٹس اور رینارڈس دونوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارے گا اس وقت تک نہ سہری پر سونے گا اور نہ ہی کوئی نیا لباس زیب تن کرے گا۔

کہتے ہیں وہ اپنی اس قسم پر بالکل قائم و دائم رہا۔ تاوقتیکہ اس نے اسٹس اور رینارڈس دونوں کو اپنی قسم اور وعدے کے مطابق موت کے گھاٹ اتار دیا۔“
یہاں تک کہنے کے بعد یروخلم کا بادشاہ خاموش ہوا۔ اس وقت قسطنطنیہ کا حکمران بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”یہ کیسے اور کیونکر ممکن ہے کہ مسلمانوں کا یہ سالار اکیلا ایڈیبرہ کاؤنٹ آف گرے کاؤنٹ آف سینٹ پال اور ٹینکرڈ جیسی قوتوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے۔“
اس بار پھر طنزیہ انداز میں یروخلم کا بادشاہ بول اٹھا کہنے لگا۔

”یہ کوئی گورکھ دھندہ یا سنی سانی بات نہیں ہے۔ آپ پہلے مجھے یہ بتائیں کہ کیا آج ہمیں بھی ویسی ہی شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا، ہم تین حکمران یکجا ہوئے ہیں۔ تینوں کے پاس بہترین عساکر ہیں۔ اس کے علاوہ ایک لشکر جرمنوں کا اور ایک رومنوں کا بھی آ رہا تھا، جس کی وجہ سے ہمارے لشکریوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ کیا ان سارے عوامل کے باوجود ہمیں بدترین شکست اور ہسپائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔“

یروخلم کے بادشاہ کے ان الفاظ کے جواب میں قسطنطنیہ کے حکمران کو کس قدر شرمندگی کا احساس ہوا۔ پھر شرمندگی کو دور کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

”لیکن یہاں ہمارے خلاف مسلمانوں کا سالار زین الدین اکیلا تو کارفرما نہیں رہا۔ مسلمانوں کا حکمران بھی تھا۔ شیزر کا حکمران اسامہ بھی تھا۔“
ہلکی ہلکی خفگی میں یروخلم کا بادشاہ پھر بول اٹھا۔

”لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس جنگ میں زین الدین اور اس کے ساتھی ہی ہماری شکست کا باعث بنے۔ یہ اسی مسلمانوں کے سالار کا کمال ہے کہ ایک طرف اس نے

اپنے لشکر کے ساتھ جرمنوں اور رومنوں کے لشکر کو بدترین شکست دے کر ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار کے انہیں واپس یورپ کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کیا اور پھر اچانک اس وقت ایک خونی انقلاب برپا کر دینے والے طوفان کی طرح ہماری پشت پر نمودار ہوا جس وقت ہم مسلمانوں کے حکمران سے ٹکرا رہے تھے۔ اس ساری گفتگو نے یروٹلم قسطنطنیہ، فرانس کے حکمرانوں کو اداس اور افسردہ کر دیا تھا، پھر یروٹلم کا بادشاہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اطمینان کیلئے کہنے لگا۔

”اب ہم ایک ایسی مہم کی ابتدا مسلمانوں کے خلاف کریں گے کہ اپنی ساری پچھلی شکستوں کے داغ دھو کر رکھ دیں گے۔ یہ مہم کسی اور کس طرح کی ہوگی اس کا اظہار ابھی میں نہیں کروں گا۔ پہلے اس کی تیاری کریں گے اس کے بعد میں مسلمانوں کے سلطان ہی نہیں اس ناقابل تخیل خیال کے جانے والے مسلمانوں کے سالار زین الدین پر بھی ثابت کروں گا کہ ہم جب اور جس وقت چاہیں ان پر ہماری اور کامران ثابت ہو سکتے ہیں۔“

یروٹلم کے بادشاہ کی گفتگو سن کر فرانس اور قسطنطنیہ کے حکمران مطمئن ہو گئے تھے۔ لشکریوں کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے بچے کچھ متحدہ لشکر کو لے کر یروٹلم کی طرف چلے گئے تھے۔



سلطان اپنے پورے لشکر کے ساتھ بحرین شہر کی طرف آیا۔ شہر کے نواح میں سلطان نے پڑاؤ کیا اور جب پڑاؤ قائم ہو گیا تو سارے چھوٹے اور بڑے سالاروں کو سلطان نے اپنے خیمے میں طلب کر لیا تھا اور جب سارے سالار اس کے خیمے میں جمع ہو گئے۔ تب تھوڑی دیر تک سلطان نے بڑے پرسکون انداز میں اپنے ان سارے سالاروں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جس گفتگو کیلئے میں نے آپ لوگوں کو بلایا ہے۔ اس کا آغاز کرنے سے پہلے میں آپ سب لوگوں کو گزشتہ جنگ میں شاندار کامیابی اور فتح مندی حاصل کرنے پر دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ بحرین کی مدد کیلئے جو قوتیں باہر سے آنا تھیں انہیں تو ہم نے فراموش کر دیا ہے۔ تینوں حکمران جو متحدہ لشکر لے کر آئے تھے واپس جا چکے ہیں اور کچھ عرصہ وہ اپنے زخم چاٹتے رہیں گے اور ہمارے

مقابل آنے کی جرأت اور جسارت نہیں کریں گے۔ فی الحال کوئی اور ایسی نصرانی قوت نہیں جو بحرین والوں کی مدد کیلئے متحرک ہو۔ لہذا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں بحرین پر چاروں طرف سے حملہ آور ہو کر اسے فتح کرنے اور اپنے تسلط میں لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔

میں چاہتا ہوں آنے والی شب اور یہ جو دن گزر رہا ہے لشکر کو آرام کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اپنے کام کی ابتدا کی جائے۔ لشکر کو اس بار چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ میرے پاس دوسرا زین الدین، تیسرا عدنان بن ہاشم اور چوتھا ایک اور سالار کی کمانداری میں دیا جائے گا۔ چاروں عساکر بحرین شہر کے چاروں طرف فصیل کے بڑے دروازوں سے باہر متعین ہو جائیں گے۔ فی الحال شہر پر حملوں کی ابتدا نہیں کی جائے گی۔ محاصرے میں سختی پیدا کی جائے گی۔ نہ باہر سے سے کوئی شے اندر آنے دی جائے گی اور نہ ہی کسی کو شہر سے نکل کر باہر جانے دیا جائے گا۔ اس طرح شہر والوں کو باہر سے ضرورت کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔ میرے خیال میں اگر ایسا سخت محاصرہ کچھ دن تک جاری رہتا ہے تو بحرین والے خود ہی تنگ ہو کر ہمارے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور شہر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ اور تیار ہو جائیں گے۔“

سلطان کی اس تجویز سے سارے چھوٹے بڑے سالاروں نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ سلطان اس اتفاق رائے سے خوش ہوا تھا، پھر سب کو آرام کی اجازت دے دی تھی۔

اگلے روز لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور بحرین شہر کے چاروں طرف شہر پناہ کے دروازوں کے سامنے چاروں حصوں کو مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح شہر کا سختی کے ساتھ محاصرہ کیا گیا۔ نہ کسی کو شہر سے نکل کر جانے دیا جاتا تھا نہ باہر سے کسی کو شہر میں داخل ہونے دیا جاتا تھا۔ دوسری طرف بحرین شہر کے اندر بھی صلیبیوں کا ایک بہت بڑا لشکر تھا، اس کے علاوہ بحرین کے اندر انہوں نے ضروریات کا اس قدر سامان جمع کر رکھا تھا جو کئی ماہ تک ان کیلئے کافی تھا۔ صلیبی پہلے بڑے پر امید تھے کہ بیدنی قوتیں ان کی مدد کیلئے آ رہی ہیں اور سلطان کے لشکر کو یہاں سے مار بھاگائیں گی، لیکن جب انہیں خبر ہوئی کہ مسلمانوں نے بحرین سے باہر کھلے میدانوں میں تینوں بادشاہوں کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست دے کر یروٹلم کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیا ہے اور جو لشکر ان کی مدد کیلئے جرمنوں اور رومنوں پر مشتمل ہو کر آیا تھا اسے بھی مسلمان روندھ کر واپس جانے پر مجبور کر چکے ہیں تب وقتی طور پر بحرین والوں کے حوصلے کس قدر پست ہوئے تھے۔ لیکن ان کے

ہیں۔“
 ”اب دو اور قوتیں بحرین والوں کی مدد کیلئے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کیلئے آ رہی ہیں اور ان کے پاس بڑے جہاز لشکر ہیں اور وہ یہ عزم کئے ہوئے ہیں کہ ہر صورت میں بحرین شہر کے نواح میں مسلمانوں کو شکست دے کر تا صرف یہ کہ فتح مندی حاصل کریں گے، بلکہ بحرین شہر کو بھی مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے۔“
 یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا خبر کا، کچھ سوچا۔ دوبارہ سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! میں سمجھتا ہوں ان قوتوں کے آنے سے پہلے ہی پہلے ہمیں ان سے نبٹنے کیلئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دینی چاہئے۔ سلطان محترم اگر وہ دونوں قوتیں بحرین شہر کے نزدیک آ جاتی ہیں تو ہمارے لئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جس قدر لشکر اس وقت ہمارے پاس ہے اس سے بھی بڑا لشکر تو آنے والی دو قوتوں میں ایک ہی کے پاس ہے اور جب یہ دونوں قوتیں بحرین کے نزدیک آ جائیں گی تو بحرین میں صلیبیوں کا جو حفاظتی لشکر ہے، اسے بھی خیر ہو جائے گی کہ دو مزید قوتیں ان کی مدد کیلئے آ رہی ہیں تو ان کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور وہ محصور نہیں رہیں گے۔ شہر سے باہر نکلیں گے۔ اس طرح ہمیں بیک وقت تین لشکروں سے نبٹنے کی مصیبت اور اہل میں جھلا ہو جانا پڑے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا خبر جب خاموش ہوا۔ تب سلطان کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر مخبر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”پہلے آنے والی ان دونوں صلیبی قوتوں کے متعلق بتاؤ، پھر فیصلہ کیا جائے گا کہ بحرین کے صلیبی لشکر کے علاوہ نئے آنے والے دونوں صلیبی لشکریوں سے کیسے نبٹا جائے گا۔“ سلطان کے اس سوال پر وہ مخبر پھر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جو لشکر جنوب کی طرف سے آرہا ہے وہ تو طرطوس کے حاکم ٹینکرڈ کی سرکردگی میں ہے۔ یہ بہت بڑا لشکر ہے اور ٹینکرڈ کے ساتھ کچھ ایسے صلیبی سالار ہیں جن کے ذاتی عساکر بھی ہیں۔ وہ بھی ٹینکرڈ کے ساتھ لے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک ریمائڈ ہے جو فرانس کے علاقے طولوس کا نواب ہے۔ اس کا ذاتی لشکر بھی بہت بڑا ہے اور دوسرا ایڈمیرا ہے۔ یہ ریمائڈ کا

کلیساؤں کے پادریوں شہر کے بٹپ اور حکمران نے لوگوں کا حوصلہ بڑھایا اور لوگوں کو یقین دلایا کہ شہر کے اندر اس قدر حفاظتی لشکر ہے کہ مسلمانوں کو شہر کے اندر داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لوگوں کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ شہر کے اندر ضرورت کا اس قدر سامان ہے کہ مسلمان جو پڑاؤ کئے ہوئے ہیں ان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء ختم ہو سکتی ہیں لیکن بحرین شہر والوں کے پاس ضرورت کا سامان ختم نہیں ہوگا۔ ان ساری تسلیوں نے شہر کے لوگوں کے حوصلے اور بلند کر دیئے اور جو حفاظتی لشکر تھا وہ بھی ختم ٹھوٹک کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گیا تھا۔ اس طرح محاصرہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ اس محاصرے پر پندرہ دن گزر گئے۔



اگلے روز عصر کے بعد سلطان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بحرین شہر کے مشرقی حصے میں بالکل چوکس اور تیار تھا۔ ہر چیز پر اس کی نگاہ تھی، کچھ گھوڑ سوار اس کے لشکر میں داخل ہوئے، وہ سلطان کے مخبر تھے۔ انہیں دیکھتے ہی سلطان نے خوشی کا اظہار کیا۔ اپنے گھوڑوں سے اتر کر وہ مخبر سیدھے سلطان کے پاس گئے۔ سلطان ان سے بے تکلیف ہو کر ملا۔ پھر انہیں اپنے قریب بٹھایا اور بڑی شفقت اور محبت میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! کیا تم ہمارے لئے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو۔“

اس پر آنے والوں میں ایک سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
 ”سلطان محترم جو خبر ہم لے کر آئے ہیں ہم نہیں جانتے وہ اچھی ہے یا بری، لیکن خبر ہے

بہت اہم.....“

اس کے ان الفاظ پر سلطان کس قدر چونکا تھا، کہنے لگا۔

”اگر خبر اہم ہے تو بچے دیر نہ کرو بولو کیا معاملہ ہے؟“ سلطان کے اس استفسار پر وہ مخبر پھر

بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے ہم دو قوتوں کو شکست دے چکے ہیں۔ ایک یروٹلم، فرانس اور قسطنطنیہ کے بادشاہ کی متحدہ قوت جو یروٹلم سے ہم پر حملہ آور ہونے کیلئے آئی تھی اور دوسری قوت جرمینوں اور رومینوں کی تھی۔ یہ دونوں قوتیں تو ایک طرح سے فنا ہو چکی ہیں۔ ان میں کچھ سکت نہیں ویسے بھی یہ لوگ واپس اپنے اپنے مسکنوں اور مامنوں کو جا چکے

تب سلطان نے وہ ساری تفصیل دونوں سے کہہ دی تھی جو تھوڑی دیر پہلے مخبروں نے کہی تھی۔
سلطان جب خاموش ہوا، تب ہلکا سا تبسم زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوا کہنے لگا۔
”سلطان محترم! ایسے کئی باؤلے ہم پر حملہ آور ہونے کیلئے آئے اور ایسے کئی جنونیوں کو ہم نے کئی بار عصا مار مار کر سیدھا کر کے رکھ دیا۔“

سلطان محترم جہاں تک ٹینکرڈ کا تعلق ہے تو عیسائی دنیا میں بڑا ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جس لشکر میں یہ شامل ہوتا ہے اس کی فتح یقینی ہوتی ہے۔ لیکن اس ٹینکرڈ کی بد قسمتی کہ گزشتہ مہینوں میں یروٹلم کے حکمران کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ آور ہونے کیلئے آیا تھا اور ہم نے اسے بدترین شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر یہ دوبارہ قسمت آزمائی کیلئے بحرین کا رخ کر رہا ہے تو کوئی بات نہیں اسے قسمت آزمائیلینے دیں۔ جہاں تک نواب آف طولوس ریماڈ اور اس کے بھائی ایڈمیر کا تعلق ہے تو اگر ان دونوں نے بھی زیادہ پھیلنے اور پاؤں مارنے کی کوشش کی تو یہ اسی طرح اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، جس طرح اس سے پہلے صلیبوں کے بڑے سالار اسٹس اور رینارڈس ہمارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ سلطان محترم! اٹھائیہ کا حکمران یوہاننا پہلی بار ہم سے قوت آزمائے کے درپے ہوا ہے۔ اگر اس کے ساتھ فرانس کے بادشاہ کا بھائی ہیو اور نارمنڈی کا حاکم رابرٹ ہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سلطان محترم! یہ ساری قوتیں جو جنوب اور شمال مغرب کی طرف سے چیلوں کی طرح اٹھتی ہوئی ان علاقوں کا رخ کر رہی ہیں یہ نہتے مسلمانوں سے لڑنے کے عادی ہیں۔ جب ان کا واسطہ ہماری فسیل شدہ تلواریں سے پڑے گا، تو انہیں سمجھ آئے گی کہ جن مسلمانوں کو وہ بے ضرر سمجھ کر حملہ آور ہونے کیلئے آئے ہیں وہ انہیں موت کا پیغام دے سکتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد تھوڑی دیر کیلئے زین الدین رکا، کچھ سوچا۔ پھر غور سے اس نے سلطان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان مخبروں کو مخاطب کر کے کچھ اطلاعات حاصل کر سکتا ہوں تاکہ ان دونوں قوتوں سے نبٹنے کیلئے کوئی آخری فیصلہ کیا جائے۔“

اس پر سلطان نے گھورنے کے انداز میں زین الدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔
”زین الدین تم کس قسم کی گفتگو کرتے ہو۔ تمہاری حیثیت میرے ہاں ایک عزیز اور محترم

بھائی ہے۔ اس کی کمانداری میں بھی خاصا بڑا لشکر ہے۔ اس طرح یہ ایک طرح تین متحدہ لشکر جنوب کی طرف سے ہم پر ضرب لگانے کیلئے پیش قدمی کر رہے ہیں۔“

سلطان محترم! جو لشکر شمال مغرب کی طرف سے پیش قدمی کر رہا ہے وہ لشکر اٹھائیہ کے حکمران بورینڈ کا ہے۔ اس کے ساتھ بھی دو بڑی قوتیں ہیں جو اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ایک تو ہیو کا لشکر ہے۔ یہ شخص فرانس کے بادشاہ کا بھائی ہے اور دوسرا ایک صلیبی کمانڈر ہے نام جس کا رابرٹ ہے اور یہ نارمنڈی کے علاقے کا حاکم ہے۔ اس کا بھی ایک خاصا بڑا ذاتی لشکر ہے۔ اس طرح جنوب سے اور شمال مغرب سے دو بڑے عساکر ہم پر ضرب لگانے کیلئے پیش قدمی کر رہے ہیں اور ان کا مدعا یہ ہے کہ بحرین شہر سے باہر ہم سے ٹکرائیں اور اپنی گزشتہ شکستوں کا ہم سے انتقام لیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا۔ تب کچھ دیر تک سلطان خاموش رہا۔ سوچتا رہا۔ پھر آنے والے مخبروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے خداوند قدوس! کو منظور ہوا تو جس طرح اس سے پہلے صلیبی قوتیں ہم سے سر ٹکرا کر شکست خوردہ ہو کر واپس جانے پر مجبور ہوئی ہیں اس طرح یہ دونوں قوتیں بھی بالکل ایسے ہی شکست کھا کر پلٹیں گی جیسے سمندر کی لہریں ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر ناکامی اور نامرادی کی صورت میں واپس لوٹتی ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے ایک چھوٹے سالار کو بلا دیا۔ جب وہ سلطان کے پاس آیا تو سلطان نے بڑی رازداری سے مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

”ابھی اسی وقت بھاگ کر جاؤ زین الدین اور عدنان بن ہاشم کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ میری طرف سے ان کو یہ پیغام دو کہ اپنے لشکر میں جو بھی ان کے تحت چھوٹے سالار ہیں انہیں کہیں کہ وہ شہر کے دروازوں کے سامنے مستعد رہیں اس لئے کہ یہ جو مخبر آئے ہیں یہ بہت اہم خبریں لے کر آئے ہیں۔“

سلطان کا یہ حکم سن کر وہ چھوٹا سالار پیچھے ہٹا۔ پھر وہ بھاگتا ہوا ایک سمت ہولیا تھا۔
تھوڑی دیر بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں ایک ساتھ سلطان کے پاس پہنچے۔
ہاتھ کے اشارے سے سلطان نے انہیں اپنے پہلو میں بیٹھنے کیلئے کہا۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا۔ تب سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”سلطان محترم! مخبروں کو جانے کی اجازت دے دیجئے تاکہ یہ کچھ کھاپی کر آرام کریں۔ اس لئے کہ انہیں پھر یہاں سے کوچ کرنا ہوگا کس طرح کوچ کرنا ہوگا۔ یہ میں تفصیل کے ساتھ آپ سے گفتگو کرتا ہوں۔“

سلطان کے کہنے پر وہ مخبر آرام کرنے کیلئے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین بول اٹھا۔

”سلطان محترم! آپ ابھی اسی وقت شہر کا محاصرہ ترک کرنے کا حکم دے دیں۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر سلطان چونکا تھا۔ جواب طلب سے انداز میں اس نے زین الدین کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”بیٹے یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ آج پندرہ دن ہو گئے ہیں۔ شہر کا محاصرہ کئے ہوئے اور میرے خیال میں شہر کے لوگ اور شہر کے اندر جو صلیبی لشکر ہے وہ کسی حد تک تنگ اور نالاں ہو چکے ہوں گے اور اب تو کسی وقت وہ ہمارے سامنے ہتھیار پھینک سکتے ہیں اور اگر ہم محاصرہ اٹھا لیتے ہیں اور پہلے کی طرح شہر کے مشرق میں اپنے پڑاؤ میں چلے جاتے ہیں تو ان کو تو شہر سے باہر نکلنے کا موقع مل جائے گا اور باہر سے جو ان کیلئے ضروریات کا سامان آتا ہے وہ بھی آنا شروع ہو جائے گا اور وہ پھر تازہ دم ہو جائیں گے اور ایک لمبے محاصرے کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔“

اس پر زین الدین کہنے لگا۔

”سلطان محترم! خداوند قدوس کو منظور ہوا تو اب ہمیں زیادہ عرصہ تک محاصرہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ سلطان محترم فی الحال ہمیں بحرین والوں کو بالکل فراموش اور نظر انداز کر دینا چاہئے۔ اپنی پوری توجہ اپنی پوری طاقت اور قوت کو آنے والے دونوں لشکروں کے خلاف استعمال کرنا ہوگا۔ سلطان محترم پورا لشکر جب آپ کے حکم کے بعد واپس پڑاؤ میں آجائے گا اور شہر کا محاصرہ ختم کر دیا جائے گا تب آنے والی شب کے پہلے حصے میں ہم اپنے کام کی ابتداء کریں گے۔ لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ آدھے لشکر کے ساتھ آپ ہمیں پڑاؤ میں قیام کریں گے۔ دشمن کو یہ خبر نہیں ہونی چاہئے کہ ہمارا آدھا لشکر پڑاؤ میں ہے اور آدھا

فرزند کی ہے۔ بیٹے میں پہلے بھی کئی بار تم سے کہہ چکا ہوں کہ جب تم نے کچھ کہنا ہوتا ہے تو وہ کہنے کیلئے تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“

سلطان کے ان الفاظ پر ہلکا سا تبسم زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ پھر ایک گہری نگاہ اس نے اپنے سامنے بیٹھے مخبروں پر ڈالی۔ پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! پہلے یہ کہو کہ جنوب اور شمال مغرب سے آنے والے دونوں عساکر اس وقت کہاں ہیں؟ کس رفتار سے سفر کر رہے ہیں اور کب تک وہ بحرین کے نواح میں پہنچنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟“

اس پر جو مخبر پہلے بولا تھا اس نے پھر اپنے ساتھی سے مشورہ کیا۔ اس کے بعد اس نے زین الدین کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”امیر زین الدین! جہاں تک ان دونوں عساکر کی پیش قدمی کا تعلق ہے تو وہ درمیانی رفتار سے بحرین شہر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جس رفتار سے وہ سفر کر رہے ہیں اسی رفتار سے اگر وہ سفر کرتے رہیں تو میرے اندازے کے مطابق وہ کل شام تک بحرین شہر پہنچنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے ایک جگہ مخصوص کر رکھی ہے جو بحرین سے لگ بھگ پانچ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہوگی۔ ان کا خیال ہے کہ پہلے ٹینکروں کا لشکر وہاں پہنچے گا۔ وہ لشکر وہاں پہنچنے کے بعد رک جائے گا اور وہاں قیام کرے گا۔“

گویا وہ لشکر وہاں رک کر اٹھا کیہ کے حکمران بوہمینڈ فرانس کے بادشاہ کے بھائی ہوا اور نارمنڈی کے حاکم رابرٹ کا انتظار کرے گا۔ چنانچہ جب یہ تینوں اپنے اپنے عساکر کے ساتھ وہاں پہنچ جائیں گے، تب متحدہ لشکر چھ کمانڈروں ٹینکروں، ریماٹڈ ایڈمیر، بوہمینڈ، ہوا اور رابرٹ کی کمانڈری میں ہوگا۔ وہ بحرین شہر کی طرف بڑھے گا اور ہم سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا۔ جس جگہ دونوں لشکروں نے ملنا ہے۔ اگر وہاں وہ قیام نہیں کرتے اسی وقت کوچ کر جاتے ہیں تب تو وہ میرے خیال میں کل شام یا شام کے بعد کسی وقت بحرین کے نواح میں پہنچ سکتے ہیں اور اگر انہوں نے وہاں قیام کر لیا، ہم سے ٹکرانے سے پہلے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کیا تو لازمی امر ہے کہ وہ شب ب سری وہیں کریں گے اور اگر وہ شب ب سری وہاں کرتے ہیں تو پھر میرے خیال میں وہ ایک دن بعد بحرین کے نواح میں پہنچ پائیں گے۔“

کسی مہم پر جا چکا ہے۔ آپ اپنے لشکر کا ایک حصہ مستعد کر دیجئے گا۔ جو رات کو بیدار رہ کر پہرہ دے تاکہ بحرین کا صلیبی لشکر شہر سے نکل کر شب خون مارنے کی کوشش نہ کرے۔“

”جہاں تک میرا اور عدنان بن ہاشم کا تعلق ہے تو سلطان محترم میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ یہ جو ٹینکرڈ جو طرطوس کا حاکم ہے اور اس کے تحت طرطوس کا نواب ریمائڈ اور اس کا بھائی ایڈمیرا اور پھر انطاکیہ کا بادشاہ بوہمینڈ فرانس کے بادشاہ کا بھائی ہیو اور حاکم نارمنڈی رابرٹ بڑے بڑے عساکر لے کر ہم پر حملہ آور ہونے، ہمیں شکست دے کر اپنے گزشتہ داغ دھونے اور بحرین والوں کی مدد کیلئے آرہے ہیں وہ حسب سابق بدترین شکست اٹھا کر واپس جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

”سلطان محترم! میں اور عدنان بن ہاشم آنے والی شب کے پہلے صبح میں جو خبریں لے کر آئے ہیں ان کے ساتھ کوچ کر جائیں گے۔ وہ خبر ہماری رہنمائی کریں گے اور ہم صلیبیوں کے ان دونوں لشکروں سے ایسا ٹیٹھیں گے کہ سلطان محترم ہم آپ کو باپوں نہیں کریں گے۔ عنقریب یہ فضائیں رات کو آسمان پر چمکنے والے ستارے ہماری جانثاری ہماری شجاعت کی گواہی دیں گے کہ ہم نے آنے والے دونوں لشکروں کو کھلے میدانوں میں بدترین شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ سلطان محترم جنوب اور شمال مغرب کی طرف سے آنے والے صلیبیوں کے ان لشکروں سے ٹکرانے کا جولاٹھ عمل میرے ذہن میں ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

ہم دشمن کے دونوں گروہوں سے باری باری ٹھٹھٹھ کر سکتے ہیں اور انہیں اکٹھا اور یکجا ہونے نہیں دیں گے۔ آپ اپنے پڑاؤ میں جب منتقل ہو جائیں گے تو ہم اپنے کام کی ابتدا کریں۔ پہلے ہم ٹینکرڈ کے لشکر سے ٹھٹھیں گے۔ وہ چونکہ جنوب کی طرف سے آرہا ہے اس لئے اسی نے پہلے مخصوص مقام پر پہنچ کر پڑاؤ کرنا ہے اور پھر مغرب سے آنے والے دشمن کے لشکر نے اس پڑاؤ میں آکر ان سے ملنا ہے۔ جنوب والے لشکر پر حملہ آور ہو کر ہم اسے مار بھگائیں گے اور کوشش کریں گے کہ اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر کے بیٹھ جائیں۔ دشمن کا مغرب سے آنے والا لشکر جب وہاں پہنچے گا تو یہی خیال کرے گا کہ جنوب کی طرف سے آنے والا صلیبی لشکر وہاں پہنچ کر بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا ہے۔ لہذا ہم وہاں سے ٹھٹھیں گے اور ان پر بھی حملہ آور ہو جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ انہیں بھی ہم شکست و ریخت میں مبتلا کرتے چلے جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ رکا تو سلطان نے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”بچے تیری تجویز بہت اچھی ہے۔ لیکن تو صرف وہ لشکر لے کر نہیں جائے گا جو تو اپنے ساتھ اپنے مسکن سے لے کر آیا ہے۔ اس وقت جو لشکر ہمارے ساتھ ہے اس کا آدھا حصہ تم اور عدنان لے کر اپنی مہم کی طرف روانہ ہو جاؤ اور مجھے امید ہے کہ خداوند قدوس تم دونوں کو پہلے کی طرح کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرے گا۔“

سلطان کے ان الفاظ سے سارے سالار خوش ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی روز بحرین کا محاصرہ ختم کر دیا گیا۔ سلطان اپنے لشکر کے ساتھ اپنے پڑاؤ میں چلا گیا اور آنے والی شب کو زین الدین اور عدنان بن ہاشم آدھے لشکر کو لے کر اپنی مہم کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ دوسری طرف بحرین کا صلیبی لشکر جو شہر کے اندر محصور تھا۔ وہ اور ان کے سالار اور حکمران خوش ہو گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پندرہ روز تک محاصرہ کرنے کے بعد آخر مسلمان تنگ آ گئے ہیں اور اب وہ محاصرہ ترک کر کے واپس جانے لگے ہیں۔ انہوں نے اس بات کو بھی نظر انداز کر دیا کہ مسلمانوں کا لشکر اپنے پڑاؤ میں چلا گیا ہے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ چند روز مزید یہاں قیام کریں گے پھر چلتے بنیں گے۔



کہنا چاہتی ہو تم جانتی ہو میں تمہاری تجویز کو ہمیشہ اہمیت دیتی ہوں۔“
اس پر سبتہ نے کچھ سوچا اور کہنے لگی۔

”ارطالیس جس وقت میں تمہاری خواب گاہ کے سامنے آئی تھی۔ میں نے دیکھا تم نے سر جھکا رکھا تھا۔ گہری سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کیا جنگی مہم سے کوئی ایسی خبر آئی ہے جو تمہارے لئے باعث تشویش ہے۔ دیکھو مجھ سے کوئی بات چھپانا مت زین الدین میرے لئے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ تم بھی جانتی ہو بتاؤ کیا معاملہ ہے؟“

اس پر ارطالیس نے ایک گہری نگاہ اس موقع پر سبتہ کے چہرے پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔
”سبتہ میں ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ زین الدین کو خداوند قدوس ہر مہم میں کامیاب اور محفوظ رکھے۔ ان کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی، لیکن میں تمہاری بات کو رد بھی نہیں کر سکتی۔ میری اداسی اور افسردگی کی ایک اور وجہ ہے اور رات بھر مجھے نیند نہیں آئی اور میں نے صبح کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ بس ایک پریشانی ہے جو ذہن اور دل کو لاحق ہو گئی ہے میں اس سے چھٹکارا نہیں پا رہی۔“
ارطالیس کے اس جواب پر سبتہ پریشان ہو گئی تھی، کہنے لگی۔

”کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

جواب میں ارطالیس نے گلہ صاف کر کے پھر کہنے لگی۔
”سبتہ میری عزیز بہن رات کو میں نے ایک خواب دیکھا۔ اس خواب نے مجھے انتہا درجے کا پریشان اور فکر مند کر دیا ہے۔“

”کیسا خواب.....؟“ سبتہ نے غور سے ارطالیس کی طرف دیکھتے ہوئے کس قدر فکر گیر آواز میں پوچھ لیا تھا۔

جواب میں ارطالیس کہنے لگی۔

”میری بہن بات یہ ہے کہ خواب میں، میں نے دیکھا کہ میں کسی انتہائی ہولناک کھنڈر نما دیرانے میں ہوں، چاروں طرف خاموشی اور ہوکا عالم ہے، پھر اچانک میرے کانوں میں ایسی آوازیں آنا شروع ہوتی ہیں کہ چاروں طرف سے کوئی خونخوار قوتیں اٹھ کر مجھے نگل جانے کے درپے ہوں۔ لمحہ بہ لمحہ یہ آوازیں بلند اور ہولناک ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ آسمان پر ایک شاہین نما پرندہ ہوتا ہے وہ مجھ پر چھٹتا ہے۔ میں ایسی بے بس اور مجبور ہوتی ہوں کہ اپنا دفاع

سبتہ ایک روز سورج چڑھنے کے تھوڑی دیر بعد زین الدین کی رہائش گاہ میں داخل ہوئی۔
اس نے دیکھا اس وقت ارطالیس اپنی خواب گاہ میں ایک نشست پر اکیلی بیٹھی تھی۔ مسہری پر اس کا بچہ گہری نیند سو یا ہوا تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر سبتہ ٹھکی اس لئے کہ اس نے دیکھا ارطالیس اداس اور افسردگی میں کس قدر گردن جھکائے بیٹھی ہوئی تھی اور جب اسے احساس ہوا کہ سبتہ آئی ہے۔ تب وہ چونک کر اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی۔ آگے بڑھ کر سبتہ کا ہاتھ اس نے پکڑا اور ایک طرح سے اپنے ساتھ لپٹا کر اسے اسی نشست پر بٹھالیا۔ جس پر وہ تھوڑی دیر پہلے خود بیٹھی ہوئی تھی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس دوران سبتہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھی، مسہری پر سوتے ہوئے ارطالیس کے بیٹے کو اس نے اس کے گال پر ایک بھر پور بوسہ دیا۔ پھر دوبارہ اپنی نشست پر آ کر بیٹھی اور کہنے لگی۔

”بالکل زین الدین جیسا ہے۔“

جواب میں ارطالیس منہ سے کچھ نہ بولی، بلکہ ہلکے سے ایک تبسم میں اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ سبتہ نے ایک غائیر نگاہ اس پر ڈالی، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔
”ارطالیس مجھے تمہاری ذاتی زندگی میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں چونکہ تمہیں اپنی بہن خیال کرتی ہوں اس لئے.....“

سبتہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ چونکہ ارطالیس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگی۔

”تم میری بہن ہو اور تمہیں میری ذاتی زندگی میں دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ بولو تم کیا

نہیں کر سکتی اور وہ پرندہ جھپٹ کر مجھے اٹھا لیتا ہے اور پرواز کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں نیچے خون کی صورت میں ایک ندی بہتی ہے وہاں پہنچ کر اس شاہین نما پرندے کو نہ جانے کیا ہوتا ہے کہ وہ اپنی پرواز کھو بیٹھتا ہے اور مجھ سمیت خون کی اس ندی میں گر کر ہلاک ہو جاتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رطالیں رکی۔ دوبارہ سبتہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بس اسی خواب نے مجھے رات سے پریشان کر رکھا ہے۔ ذہن میں الجھن ہے اور طرح طرح کے وہم اٹھتے ہیں جو نہ چین لینے دیتے ہیں نہ ان سے جان چھوٹی ہے اور نہ مجھے سکون ملتا ہے۔“

سبتہ نے آگے بڑھ کر رطالیں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کی پیشانی اس کا چہرہ چوما اور پھر کہنے لگی۔

”تمہیں اتنا پریشان اور فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خواب کا اتنا اثر کیوں لیتی ہو؟ خواب خواب ہی ہوتے ہیں اور طرح طرح کے آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں تو نہیں بدل جاتے۔ اب تم اس سے چمکنا حاصل کرو اور اس سے متعلق قطعی سوچنا بند کر دو اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لئے کھانا تیار کرتی ہوں۔“

اس پر رطالیں نے ایک دم سبتہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگی۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ تم کھانا کھا کر آئی ہو۔“ سبتہ نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگی۔

”نہیں میں کھانا تیار کرتی ہوں پھر دونوں بہنیں کھاتی ہیں۔“

سبتہ کے ان الفاظ پر رطالیں مسکرا دی تھیں۔ سبتہ کے ساتھ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

”اچھا یہ بات ہے تو دونوں بہنیں مطبخ میں چلتی ہیں کھانا تیار کرتی ہیں اور پھر بیٹھ کر کھاتی ہیں۔“ سبتہ اس پر رضامند ہو گئی تھی۔ چنانچہ دونوں مطبخ کی طرف ہوئی تھیں۔ سبتہ کے آنے اور اس طرح گفتگو کرنے سے رطالیں کو کس قدر طمانیت اور سکون ہو گیا تھا۔



زین الدین اور عدنان بن ہاشم رات کی گہری تاریکی میں اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی

اور برق رفتاری کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف بڑھے تھے۔ چونکہ ان کی روانگی سے پہلے سلطان نے اپنے کچھ مجبوروں کو آگے روانہ کر دیا تھا، تا کہ وہ ان دونوں کو دشمن کی نقل و حرکت اور ان کے محل وقوع سے آگاہ کریں۔ چنانچہ بڑی بے فکری اور ایک انوکھے جذبے میں وہ مسافروں کو سیٹھتے چلے جا رہے تھے۔

جس وقت مشرق سے سورج طلوع ہو رہا تھا اچانک زین الدین نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ سامنے کی طرف سے کچھ سوار آتے دکھائی دیے۔ زین الدین اور عدنان بن ہاشم انہیں پہچان گئے۔ وہ وہی مجبورتھے جنہیں سلطان نے دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کیلئے روانہ کیا تھا۔ ایسے ہی مجبورتوں کی طرف سے آنے والے صلیبی لشکر کیلئے بھی مقرر کئے گئے تھے۔

چنانچہ جونہی وہ سوار قریب آئے انہوں نے بلند آواز میں سلام کیا۔ سب نے انہیں کے انداز میں سلام کا جواب دیا۔ پھر ان میں سے ایک زین الدین اور عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہم آپ کیلئے ایک اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ دشمن کا وہ لشکر جو جنوب کی طرف سے آ رہا ہے وہ یہاں سے اب زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم یہ بھی جان کر آئے ہیں کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ کہاں پڑاؤ کریں گے۔ یہاں سے صرف تین میل آگے ایک جگہ ہے جہاں انہوں نے پڑاؤ کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہاں پڑاؤ کر کے ناصر وہ اپنے کھانے کا اہتمام کریں گے، بلکہ جس لشکر نے مغرب سے آنا ہے اس کا انتظار بھی کریں گے۔“

یہ خبر سن کر زین الدین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس موقع پر اس نے اپنے پہلو میں عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اطمینان کا اظہار کر رہا تھا۔ پھر زین الدین عدنان بن ہاشم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ہاشم میرے بھائی قدرت نہ صرف ہماری مدد کر رہی ہے بلکہ ہماری رہنمائی پر بھی آمادہ ہے۔ اب دشمن کے جس لشکر نے تین میل آگے پڑاؤ کرنا ہے یوں جانو یہ ان کی زندگی کی آخری صبح ہوگی۔“

اس کے بعد زین الدین نے آنے والے مجبوروں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ جس جگہ انہوں نے پڑاؤ کرنا ہے وہاں وہ کتنی دیر تک پہنچیں گے۔“

اس پر اس خبر نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا پھر کہنے لگا۔

”اگر آپ یہاں سے آگے کو سفر کریں اور جس رفتار سے آپ آرہے تھے اسی رفتار سے آگے بڑھتے چلے جائیں تو ہمارا اندازہ ہے کہ آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے دشمن کا وہ لشکر وہاں پہنچ چکا ہوگا۔“ زین الدین نے اس پر بھی خوشی کا اظہار کیا۔ دوبارہ عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن ہاشم میرے بھائی دشمن پر ہم اس وقت حملہ آور ہوں گے جس وقت وہ پڑاؤ قائم کر رہے ہوں گے پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے مزاحمت کرتے ہیں اور کیسے بحرین پہنچ کر ہمارے معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں۔ میرے بھائی آؤ اب اپنی پیش قدمی شروع کریں اور دشمن کو بتائیں کہ ہم یہاں موجود ہیں۔“

عدنان بن ہاشم اور دوسرے سالاروں نے بخوشی اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد زین الدین اپنے لشکر کے ساتھ جس رفتار سے سفر کر رہا تھا اسی رفتار سے آگے بڑھنے لگا تھا۔



جنوب سے آنے والا صلیبوں کا وہ لشکر جس کے اندر ٹینکروں، فرانس کے علاقے طولوس کا نواب ریمائڈ اور اس کا بھائی ایڈمیر شامل تھے اپنے لشکر کے ساتھ ایک ایسی جگہ پہنچے جس کے ایک طرف کوہستانی سلسلہ تھا اور سامنے کھلی وادی اور میدان تھے اور انہی میدانوں کے اندر انہوں نے پڑاؤ کرنا شروع کیا تھا۔ ابھی وہ آدھا پڑاؤ ہی قائم کئے ہوں گے کہ چانک ایک طرف سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ اس طرح نمودار ہوئے جیسے زندگی کے شبستانوں سے نکل کر فضا کی گود کھولے خونی حروف رقم کرنے والے طوفان اٹھتے ہیں، یا جیسے عشرت ہستی کے ہر عنوان ہر شوق و شینگی کی رگ رگ کو خم اور بربادی میں تبدیل کرنے کی کوئی قوت آن نمودار ہوئی ہو۔ اس کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم گہرے ادھام کے ساگر سے اٹھ کر خزاں کے شانوں پر سوار ان گنت طوفان بدوش بے تاروں کیلئے تیار جھکڑوں نگار خانہ کن میں بدی کو اپنا رنگ دکھا کر جتلانے رخ و خم کر دینے والی پر غیض اور برہم امواج کی یورش کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

وقت کی آنکھ نے دیکھا حملہ آور ہوتے وقت زین الدین کی آنکھوں میں جلال بھرا تجسس، اس کے چہرے پر جذبات کی طغیانی تھی۔ اس کے ماتحت کام کرنے والے قوی بازوؤں والے بدو بت چمکن حوصلوں کے امین ترک ہر طبقاتی نفرت کو لات مارتے ہوئے حسد اور نسلی تعصب کے عفریت کو روندتے ہوئے قانون قدرت کے بے غرض اور جفاکش مجاہدوں کی طرح حملہ آور ہونا شروع ہوئے تھے۔

کیونکہ ٹینکروں، ریمائڈ ایڈمیر کا یہ لشکر اس وقت پڑاؤ کر رہا تھا۔ لہذا وہ اپنا دفاع نہ کر سکے۔ زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے ان کی اکثریت کو بڑی آسانی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ٹینکروں اور ریمائڈ بڑی بے بسی کے عالم میں بچے کچھے اپنے لشکریوں کو سمیٹ کر جدھر سے آئے

تھے ادھر ہی بھاگ گئے۔ ریمائڈ کی بد قسمتی کہ اس جنگ کے دوران اس کا بھائی ایڈمیر امارا گیا اور ٹینکر ڈ کی بد قسمتی کہ زین الدین کے ہاتھوں یہ اس کی دوسری اور بدترین شکست تھی۔

اس شاندار فتح اور عظیم کارنامے کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم طوفانی انداز میں حرکت میں آئے دشمن کی لاشوں کو انہوں نے ٹھکانے لگا دیا۔ اپنے زخیبوں کی دیکھ بھال کی اور دشمن کا پڑاؤ قائم کر کے ٹینکر ڈ، ریمائڈ اور ایڈمیر امارا جو ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لائے تھے اسے بھی محفوظ کر دیا تھا۔ اس کے بعد کچھ لشکریوں کو بازو والے کوہستانی سلسلے کے اوپر مقرر کر دیا گیا تھا تاکہ صلیبیوں کا دوسرا لشکر جو اٹھائیے کے حکمران بوہمینڈ، فرانس کے بادشاہ کے بھائی ہیو اور نارمنڈی کے حاکم رابرٹ کے تحت تھا۔ اس پر نگاہ رکھ سکیں باقی لشکر کو انہوں نے سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔

جس کوہستانی سلسلے کے قریب ٹینکر ڈ، ریمائڈ اور ایڈمیر امارا اپنے لشکر کا پڑاؤ قائم کرنے لگے تھے اور جہاں زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے انہیں بدترین شکست دی۔ اس میدان کے پہلو میں جو کوہستانی سلسلہ تھا اس کے اندر خاصا بڑا ایک درہ تھا اور اسی درے سے گزر کر دوسرے صلیبی لشکر نے ان سے آن کر ملنا تھا اور اسی پر نگاہ رکھنے کیلئے زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے اپنے آدی کوہستانی سلسلے کے اوپر مقرر کر دیئے تھے۔

عصر کے قریب ان مسلح جوانوں نے جو کوہستانی سلسلے کے اوپر مقرر کئے گئے تھے فضاؤں کے اندر بڑے رازدارانہ انداز میں سرخ جھنڈیاں لہرانا شروع کیں۔ یہ سرخ جھنڈیاں زین الدین کیلئے اشارہ تھا کہ صلیبیوں کا دوسرا لشکر اس طرف آ رہا ہے۔ چنانچہ یہ اشارہ ملتے ہی زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے اپنے حصے کے لشکر کو بالکل تیار اور مستعد کر دیا تھا۔

چنانچہ دوسرے صلیبی لشکر کی بد قسمتی جب وہ لشکر بوہمینڈ حاکم اٹھائیے فرانس کے بادشاہ کے بھائی ہیو اور نارمنڈی کے حکمران رابرٹ کی سرکردگی میں کوہستانی سلسلے کے درے سے گزر کر ان میدانوں میں داخل ہوا، جس میدان کے اندر پڑاؤ قائم کیا گیا تھا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس لئے کہ انہیں اپنے سامنے خیموں کا ایک شہر دکھائی دیا۔ وہ یہی سمجھے کہ یہ پڑاؤ ٹینکر ڈ، ریمائڈ اور ایڈمیر امارا کا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ایڈمیر امارا جا چکا ہے۔ ٹینکر ڈ اور ریمائڈ بدترین شکست اٹھانے کے بعد واپس اپنے علاقوں کی طرف جا چکے ہیں۔

چنانچہ ایسا ہوا کہ جونہی وہ لشکر میدان کے اندر تھوڑا سا آگے آیا۔ اچانک زین الدین اور عدنان بن ہاشم پڑاؤ کے اندر سے اپنے لشکر کے ساتھ نکلے۔ بڑی تیزی سے آگے بڑھے۔ پھر وہ ٹھنڈی سانسوں سے لبریز خاموشی اور خلاؤں کے طلسمی سکوت کے اندر نعرے اور ٹیکیریں بلند کرتے ہوئے کپڑے پھاڑ دینے والے جھنڈوں اور عالم خود فراموشی سے اٹھ کر ہواؤں کی گہری سنسانوں میں ہر خباثت اور ہر مکاری کو قہرمانیت اور اضطراب میں ڈبوئے شور کرتے آتشی گولوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

دوسری طرف بڑی تیزی سے بوہمینڈ، ہیو اور رابرٹ نے اپنے لشکر کو سنبھالا اور جوابی کارروائی کرتے ہوئے وہ بھی زمانے کی داغ بیل پر خوف اور وسوسوں کی تحریروں لکھتی طبقہ داری کی نفرت جنگ، کڑوے کیلے لکھوں میں تن کے لاعلاج سیم و تھور اور قریہ قریہ بربادی پھیلاتی تیزای تاکباری کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

یوں ان میدانوں کے اندر ان دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے رزم گاہ کے اندر سوکھے ہونٹوں کی سسکتی پیاس، نصرت بھری عبارتیں لاوارثی کے درد موت و قضا کی بارش سلگتی قیامت جلتے عذاب بیت کو نیست کرتے سوز اور عدم کا راستہ دکھاتی موت اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔

اس ٹکراؤ میں بھی بوہمینڈ، ہیو اور رابرٹ زیادہ دیر تک زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ انہوں نے جب اندازہ لگایا کہ حملہ آور مسلمانوں نے ان کے لشکر کو پوری طرح پامال کر کے ان کی طاقت اور قوت کو روندنا شروع کر دیا ہے تب شکست قبول کرتے ہوئے وہ ادھر ہی بھاگ گئے جدھر سے آئے تھے اور اپنے پیچھے وہ ان میدانوں کے اندر دور تک پھیلی لاشوں کے بستر چھوڑ گئے تھے۔

رابرٹ، ہیو اور بوہمینڈ کو بدترین شکست دینے کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے اپنے پڑاؤ میں آئے۔ اپنے لشکریوں کی دیکھ بھال کی۔ پہلے کی طرح اپنے لشکر کے ارد گرد اپنے مسلح ساتھی مقرر کر دیئے تاکہ کسی اور قوت کو ان کے خلاف قسمت آزمائی کا موقع نہ ملے۔ اس طرح ایک شب انہوں نے وہیں بسر کی۔ اس کے بعد صلیبیوں کے دونوں لشکروں سے حاصل ہوئے والے سامان اور خیموں کو سیٹھتے ہوئے وہ واپس بحرین شہر کا رخ کر گئے تھے۔



زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ ابھی بحرین شہر سے چند میل دور ہی تھے کہ اچانک زین الدین کو کوئی خیال گزرا اور عدنان بن ہاشم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”عدنان بن ہاشم میرے بھائی اس وقت میرے ذہن میں ایک عمدہ خیال آیا ہے تم اسے اچھی ترکیب کہہ سکتے ہو جس کی بناء پر ہم بحرین کو بہت جلد فتح کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر عدنان بن ہاشم نے چونکنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا پھر کہنے لگا۔

”کیسی ترکیب.....؟“ اس پر زین الدین نے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کہنے لگا۔

”میرے بھائی اگر بحرین شہر کے قریب جا کر ہم زور شور سے بڑے جذبے اور بلند آوازوں کے ساتھ بجیریں بلند کرتے ہوئے اپنے پڑاؤ کی طرف جائیں تو اس سے دشمن پر متنی تاثر قائم ہو سکتا ہے۔ بحرین میں جو صلیبی لشکر ہے اور ان کے جو سالار ہیں یا جوان کا حاکم ہے وہ سب یہی خیال کریں گے کہ مسلمانوں کے سلطان کو کمک پہنچ گئی ہے اور جب ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھے گی تو یاد رکھنا وہ کسی بھی صورت یہ پسند نہیں کریں گے کہ مزید محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ وہ ہمت چھوڑ بیٹھیں گے اور ہماری اطاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ ہو جائیں گے۔

ایسا کرنا اس لئے بھی کامیاب ہوگا کہ ہم رات کی تاریکی میں اپنے پڑاؤ سے نکلے تھے اور بحرین والوں کو یہ علم نہیں کہ سلطان کے لشکر کا ایک حصہ جنوب اور مغرب کی طرف سے آنے والے ان کے حامیوں سے جتنے کیلئے آچکا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا۔ اس کے بعد اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے وہ پھر کہہ رہا تھا۔

”میرے بھائی جب ہم اس طرح بجیریں اور نعرے بلند کرتے ہوئے پڑاؤ میں داخل ہوں گے تو یہ تاثر تو دشمن کو ضرور ملے گا کہ سلطان کو کمک مل گئی ہے اور سلطان کی عسکری طاقت اور قوت میں اضافہ ہو گیا ہے اور اب سلطان بحرین میں بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونا شروع ہو جائے گا۔

اگر اس تاثر نے بھی ان کی کمر نہ توڑی اور وہ اطاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ نہ ہوئے تو پھر ان کے سامنے ایک اور حربہ آ جائے گا۔ ہمارے پڑاؤ میں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد یا اگلے روز کوئی نہ کوئی ان تک یہ خبریں پہنچا دے گا کہ صلیبیوں کے جو دو لشکر جنوب اور مغرب سے ان کی مدد کیلئے روانہ ہوئے تھے ان کا راستہ ہی میں قلع قمع کر کے بچے کچھے نصرانیوں کو واپس بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تب بحرین والے ہمت ہار بیٹھیں گے اور ان کے سامنے اطاعت اور ہماری فرمانبرداری کے سوا اور کوئی راستہ نہ رہے گا۔“

جب تک زین الدین بولتا رہا۔ عدنان بن ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔ تاہم اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ اور سکون بھی کھلتا رہا۔ جب زین الدین خاموش ہوا تب وہ بولا اور کہنے لگا۔

”میرے بھائی یہ ایک عمدہ تجویز ہے اور تمہارا کہنا درست ہے کہ اس پر عمل کر کے ہم بحرین کے محاصرے کو مختصر کر سکتے ہیں۔“

ابن ہاشم کا یہ جواب سکر زین الدین بھی مطمئن خوش ہو گیا تھا۔ پھر پہلے کی طرح آگے بڑھنے لگے تھے۔

بحرین شہر کے قریب جا کر انہوں نے بلند آوازوں میں بجیریں بلند کرنا شروع کی تھیں اور جب ان کے پورے لشکر نے بجیریں بلند کیں، تب بحرین شہر کے درو دیوار گونج اٹھے تھے۔ شہر کے اندر بجیریوں کی بازگشت نے ہر شے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسی طرح بجیریں بلند کرتے ہوئے وہ اپنے پڑاؤ کی طرف گئے۔ پڑاؤ سے نکل کر سلطان اور دیگر سالاروں نے شاندار انداز میں ان کا استقبال کیا۔ پھر سلطان کے کہنے پر لشکر اپنے اپنے خیموں کی طرف چلے گئے تھے۔ زین الدین اور عدنان بن ہاشم اور دیگر سالار سلطان کے پاس ہی کھڑے رہے۔ سلطان نے پہلے شاندار انداز میں دونوں کو ان کی کامیابی اور فتح مندی پر مبارکباد دی۔ اس کے بعد سلطان نے فور سے زین الدین کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

”زین الدین میرے بیٹے تم اپنے پڑاؤ میں بجیریں بلند کرتے ہوئے داخل ہوئے ہو اور

تمہارے پورے لشکر نے بھی بکیریں بلند کیں، کیا اس کی کوئی خاص وجہ تھی؟“

جواب میں راستے میں جو تجویز زین الدین نے عدنان بن ہاشم کے ساتھ ملے کی تھی۔ اس کی تفصیل زین الدین نے سلطان سے کہہ دی تھی۔ یہ تفصیل جان کر سلطان کچھ دیر مسکراتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”زین الدین میرے بیٹے تم نے اچھا کیا، مجھے امید ہے کہ تمہارے اس طرح بکیریں بلند کرنے سے لہرائی یہ تاثر لیتے ہیں کہ ہمیں مکمل گئی ہے تو پھر وہ زیادہ دنوں تک محصور رہ کر ہمارے خلاف سرکشی کا اظہار نہیں کریں گے بلکہ بہت جلد ہتھیار بھینک کر ہماری شرائط کے مطابق صلح کی التجا کریں گے۔“

اس کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم اور دیگر سالاروں کے ساتھ سلطان نے اس سامان کا جائزہ لینا شروع کیا تھا، جو زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے ساتھ لائے تھے۔ زین الدین کے اندازے درست ہوئے۔ جس روز عدنان بن ہاشم کے ساتھ وہ نعرے بلند کرتا ہوا اپنے پڑاؤ میں داخل ہوا تھا بحرین کے لہرائیوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف رسد اور مکمل گئی ہے۔ لہذا ان کے حوصلے پست ہونا شروع ہو گئے اور اس معاملے کو سامنے رکھتے ہوئے شہر کے حاکم نے اپنے سارے سالاروں اور سرکردہ لوگوں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

اس اجلاس میں کچھ لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینے چاہئیں۔ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کر لینی چاہئے۔ لیکن کچھ لوگ جو تشدد پسند اور انتہا پسند تھے انہوں نے یقیناً اس کی مخالفت کی۔

اسی روز جب بحرین شہر کے اندر یہ خبریں پہنچیں کہ ان کی مدد کیلئے اٹھائیے اور سطوس کے شہر وئی کی طرف سے جو لشکر آ رہے تھے۔ مسلمانوں کے ایک لشکر نے اچانک ان پر باری باری حملہ آور ہو کر انہیں بدترین شکست دیتے ہوئے واپس بھاگ جانے پر مجبور کر دیا ہے تب جو تھوڑے بہت حوصلے ان کے بحال تھے وہ بھی جاتے رہے اور ان انتہا پسندوں نے جو یہ کہہ رہے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح نہیں کریں گے، ہتھیار ڈال دیئے اور خود حاکم بحرین کے خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے یہ معاملہ پیش کیا کہ اب مسلمانوں کے آگے ہتھیار نہ ڈالنا اور اس معاملے

میں تاخیر کرنا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے۔ بلکہ انہوں نے بحرین کے اپنے صلیبی حاکم پر زور دیا کہ فی الفور ایک وفد تیار کیا جائے اور یہ معاملہ مسلمانوں کے سلطان کی خدمت میں پیش کیا جائے اور جو بھی شرائط مسلمانوں کا سلطان مسلط کرتا ہے انہیں تسلیم کر کے سلطان کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لینی چاہئے۔

وہی ہوا جس کا اندازہ زین الدین نے لگایا تھا۔ اگلے روز بحرین کا ایک وفد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے سلطان کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی۔ آئندہ کیلئے سلطان کا مطیع اور فرمانبردار رہنا قبول کر لیا۔ ایک طرح سے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔

سلطان نے بحرین کی لہرائی آباد سے کوئی تردد نہیں کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے صلیبی مسلمانوں کے جس شہر میں بھی داخل ہوتے تھے اس کے اندر وہ قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے تھے اور ان کی اس قتل و غارت گری سے نہ بوڑھے بچتے تھے نہ عورتیں اور نہ بچے۔ لیکن سلطان نے اسوہ نبویؐ کی پیروی کرتے ہوئے بحرین کی فتح پر کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ سلطان اپنے لشکر کے ساتھ بحرین میں داخل ہوا جو لوگ اس سے پہلے لڑنے، مرنے پر آمادہ تھے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس طرح شہر کے اندر امن و امان قائم ہو گیا تو سلطان نے سارے شہر کے لوگوں کو امان دے دی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد سلطان نے شہر کا نظم نسق اپنے طور پر استوار کیا۔ اس کے بعد سلطان وہاں سے نکلا۔ پہلے زین الدین کے مسکن کی طرف گیا۔ وہاں سلطان کے حصے کا جو مال غنیمت تھا وہ سارا اسمیت کر سلطان نے مناسب حصہ اپنے لشکروں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح اس کے لشکر کی مالامال ہو گئے تھے اور یوں سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ حلب کا رخ کر لیا تھا جبکہ زین الدین عدنان بن ہاشم اپنے مسکن میں داخل ہوئے تھے۔



لوگوں کا ایک جھگڑا تھا جو ان دونوں کے گرد جمع ہو گیا تھا اور سب لوگ بڑی عقیدت اور ارادتمندی سے انہیں ان کی کامیابیوں پر مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ مسکن میں داخل ہونے کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے فضل بن اسحاق، قاضی ابوسعید اور احمد بن قاسم اور دیگر سالاروں اور سرکردہ لوگوں کے ساتھ مال غنیمت لوگوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد احمد بن قاسم اور

اپنے بھتیجے بدرالدین کے ساتھ اپنا حصہ لے کر وہ اپنے مکان میں داخل ہوا۔

اس موقع پر اس کے مکان میں میکمل، حسین خویصورت سبہ اور زین الدین کی بیوی ارطالیں تھیں۔ تینوں برآمدے میں کھڑی تھیں اور ارطالیں بچے کو اٹھائے مسکراتے ہوئے زین الدین کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ رہی تھی۔

بدرالدین زین الدین کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اصطبل کی طرف لے گیا تھا جبکہ زین الدین اور احمد بن قاسم سامان اٹھائے برآمدے میں آئے۔ زین الدین نے سامان رکھ دیا۔ پہلے مسکراتی ہوئی نگاہ اس نے ارطالیں پر ڈالی، بچے کو اس سے لیا، اسے پیار کیا۔ اتنی دیر تک بدرالدین بھی گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر آیا گیا تھا۔ چنانچہ سب دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ جب سب نشستوں پر بیٹھ گئے تب میکمل کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین کہنے لگا۔

”اماں یہ جو سامان برآمدے میں رکھا ہے اس میں آپ کا اور سبہ کا بھی حصہ ہے۔ آپ دونوں ماں بیٹی اس سامان کا جائزہ لیجئے گا جو سامان آپ کی ضرورت کا ہو اس کو نکال لیجئے گا۔ باقی سامان آپ ارطالیں کے حوالے کر دیجئے گا۔“

اس پر سبہ نے گھورنے کے انداز میں زین الدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

”امیر ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم آپ سے یا میں خود اپنی بہن ارطالیں سے مانگ لوں گی۔ آپ کی مہربانی آپ اگر تھکاوٹ محسوس نہ کر رہے ہوں تو آپ ہمیں ان جنگوں کے حالات سنا دیں۔“

اس موقع پر ہلکا سا تبسم زین الدین کے چہرے پر نمودار ہوا۔ ارطالیں نے بھی اس موقع پر یہی مطالبہ کیا تھا۔ لہذا زین الدین گزشتہ دنوں ہونے والی ان ساری مہموں کی تفصیل انہیں بتا رہا تھا۔



چند ماہ تک سلطان بالکل خاموش رہا۔ اس دوران وہ بیکار نہیں بیٹھا۔ اپنی جنگی تیاریوں میں مزید اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے لشکریوں کو آرام کرنے اور سستانے کا موقع فراہم کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ ایک بار پھر آندھی اور طوفان کی طرح حلب شہر سے نکلا۔ اپنی روانگی سے چند دن پہلے سلطان نے تیز رفتار قاصد زین الدین کی طرف بھجوا دیے تھے جس کے نتیجے میں زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنا لشکر لے کر سلطان سے مل گئے تھے۔ سلطان نے اب ان دو شہروں پر ضرب لگانے کا تہیہ کیا، جو پہلے کبھی مسلمانوں کے تھے اور صلیبیوں نے قتل و غارت گری اور خونریزی کر کے ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان میں سے پہلا شہر معرۃ النعمان اور دوسرا کفرطاب تھا۔ چنانچہ سلطان اور زین الدین اپنے لشکر کو لے کر تیزی سے حرکت کرتے گولوں کی طرح معرۃ النعمان کی طرف بڑھے۔ اس شہر کے اندر صلیبیوں کا ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ شہر بڑا مضبوط اور مستحکم تھا اور یہاں کے صلیبی یہ فخر کرتے تھے کہ اس شہر کا فتح کرنا نصرانیوں کیلئے بڑی سعادت ہے اور یہ آئندہ مسلمان ان سے کبھی واپس نہیں لے سکیں گے۔

اس شہر کے متعلق مختلف مؤرخین نے مختلف انداز میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مشہور مؤرخ اصطخری ہجری نو سو اکیادہ میں اس شہر میں گیا اور اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔

معرۃ النعمان کے کھیت اور آس پاس کی زمینوں کو بارش کا پانی سیراب کرتا ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی ندی نالہ یا چشمہ نہیں بلکہ سچ پوچھئے تو اس سارے علاقے کی یہی کیفیت ہے باشندے بھی بارش کا ہی پانی پیتے ہیں۔ اس شہر میں اچھی چیزوں کی کثرت ہے اور یہ نہایت حرفہ الحال بستی ہے۔ نیز پستہ اور اس قسم کے میوے نیز انگور یہاں کاشت ہوتا ہے اور ابوالغدہ اکا بھی یہی خیال ہے

اور انہوں نے بھی ان جیسے الفاظ میں ہی شہر کی تعریف کی ہے۔

مشہور مؤرخ ناصر خسرو نے بھی اس شہر کی سیر کی۔ وہ اپنے روزنامے میں لکھتا ہے کہ معرۃ النعمان کی شہر پناہ پتھر کی بڑی مضبوط اور مستحکم ہے اور شہر خوب آباد ہے۔

شہر کے دروازے پر اس کا کہنا ہے کہ میں نے پتھر کا ایک ستون دیکھا جس پر عربی کے سواء کسی دوسری زبان میں کتبہ تحریر تھا۔ ایک شخص سے میں نے دریافت کیا تو اس نے کہا یہ پتھر کا طلسم ہے اور اس کے باعث کوئی پتھر یہاں نہ آ سکتا ہے نہ اس بستی میں رہ سکتا ہے۔ اگر باہر سے بھی لا کر چھوڑ دیں تو فوراً بھاگ جاتا ہے۔ اس پر جلد نہیں ٹھہرتا۔

اس ستون یا مینار کی بلندی میرے اندازے میں دس دس ہاتھ ہوگی۔ معرۃ النعمان کے بازاروں کو میں نے آنے جانے والوں سے بھرا ہوا پایا۔ جامع مسجد بستی کے وسط میں بلندی پر بنی ہوئی ہے۔ اس میں جدھر سے بھی داخل ہونا چاہیں سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ بستی کے متعلق جو قابل زراعت اراضی ہے وہ سب پہاڑوں کے پہلوؤں میں ہے اور کافی وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ انجیر زیتون کے بھی یہاں درخت ہیں۔ پستہ بادام اور انگور کی کثرت ہے۔ بستی کیلئے پانی بارش کا کام میں لایا جاتا ہے۔ کنویں بھی ہیں اور اسی شہر سے متعلق اور کسی یہ خبر دیتا ہے کہ معرۃ النعمان خوب آباد اور اچھا بنا ہوا ہے اور اس کے بازار بھی اچھے ہیں۔ اس کے علاقے یا نواح میں کوئی چشمہ یا آب رواں نہیں۔ ریت نے بہت سی زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ لوگ بارش کا پانی پیتے ہیں۔ لیکن اس جگہ طرح طرح کی اچھی چیزیں بھی ہیں جیسے زیتون انگور انجیر پستہ وغیرہ۔

مشہور سیاح ابن حیر معرۃ النعمان کے قریب سے گزرا وہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ جنوب کو جاتے ہوئے ہم معرۃ النعمان کی سرزمینوں سے گزرے جو ہمارے دائیں ہاتھ کو تھی اور خود بستی ہمارے راستے سے دوسرے تھی۔ یہ تمام اراضی زیتون انجیر پستہ اور دوسری قسم کے میوہ جات اور درختوں کی کثرت سے سیاہ نظر آتی تھی۔ کیونکہ بستی کے گرد و دور درستی کے دودن کی راہ تک باغوں کا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ واقعی یہ دنیا کی سرسبز اور زرخیز زمینوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل لبنان کے کوہستانی سلسلے میں جو بہت بلند اور سیدھے اٹے ہوئے ہیں سارے ساحل پر پھیلے ہوئے ہیں انہی پر اساعلییوں کی کڑھیاں اور قلعے واقع ہیں۔

یا قوت اس شہر سے متعلق لکھتا ہے۔ معرۃ النعمان صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر کے نام

سے موسم ہے۔ ان کا اس جگہ انتقال ہوا۔ شہر پناہ کے جنوب میں اندر داخل ہونے سے پہلے ایک مقبرہ ملتا ہے اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت یوشع بن نون کا مزار ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ حضرت یوشع بن نون کا مزار فلسطین کے شہر نابلس میں ہے۔

دشقی کا بیان ہے کہ معرۃ النعمان انتہا درجہ کا آباد شہر ہے۔ اس میں میوہ جات درختوں کے جیسے انجیر پستہ بادام خوبانی زیتون سیب انار وغیرہ کے جھنڈ کے جھنڈ میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں یہ سب بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ان کیلئے فقط اتنا تردد کرنا پڑتا ہے کہ جب جڑوں کی مٹی الٹ پلٹ کر دی جائے تو کسی آبپاشی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ابن بطوطہ بھی اس شہر میں داخل ہوا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس شہر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر یہاں مدفون ہیں۔ ان سے پہلے اس علاقے کا نام ذات القصور تھا اور ابن بطوطہ یہ بھی لکھتا ہے کہ معرۃ النعمان کے نواح میں ایک اونچا کوہستانی سلسلہ ہے۔ اس کی چوٹی کا نام بھی النعمان ہے۔ یہ خوشنما مگر پیداوار کے لحاظ سے بہترین شہر ہے۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس شہر سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر مدفون ہیں۔

معرۃ النعمان کے ان صلیبیوں کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ ان پر حملہ آور ہونے کیلئے مسلمانوں کا سلطان ان کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ لہذا انہوں نے آس پاس کی نصرانی ریاستوں سے بھی سلطان کے خلاف مدد طلب کر لی تھی۔ لہذا کفر طالب اور ارد گرد کی دوسری صلیبی ریاستوں کے ان مکت رضا کار اور جنگجو بھی ان کی مدد کیلئے پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ سلطان جب اپنے لشکر کے ساتھ معرۃ النعمان کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے صلیبی اپنے لشکر کو پہلے سے استوار کر چکے تھے اور شہر سے باہر انہوں نے ایک خاصا بڑا پڑاؤ قائم کر رکھا تھا شاید وہ شہر سے باہر ہی مسلمانوں سے نبٹنا چاہتے تھے۔

چنانچہ جو جنی سلطان وہاں پہنچا نصرانیوں نے اپنے لشکر کے اندر طبل بجادیئے تھے۔ گویا وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ابتداء کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے سلطان نے بھی اپنے لشکر کو وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان نے اپنے پورے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا دوسرا زین الدین کی کمانداری میں دیا گیا تھا۔

یوں دونوں لشکر اپنی صفیں درست کرنے کے بعد ٹکراؤ پر آمادہ ہوئے۔ سب سے پہلے معرۃ

العمان کے صلیبی لشکر نے حملہ آور ہونے کی ٹھانی۔ چنانچہ صلیبیوں نے برسوں صدیوں اور قرونوں سے موسموں کے غمار تلے تپتے روز و شب کے ہنگاموں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور اس کے بعد وہ سلطان کے لشکر پر رگوں میں لہو کی گردش کے اندر جسم و جان کے حوصلوں کو پست کرتے افق سے اٹھتے منہ زور طوفانوں اور زیست کی رنگین روشنیوں میں تپتے سایوں کی صورت نمودار ہو کر ہر شے کو شکن شکن کرتے بد بختیوں کے سیل بے کراں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

صلیبیوں کے حملے کے اس جواب میں پہلے سلطان نے اپنے کام کی ابتداء کی اور جواب میں وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ارادوں میں ذلت آمیز پسپائی بانٹتے جنونی کیفیت کے شرار برق سینوں میں طوفانی تلاطم کھڑے کر دینے والے آگ و خون کے پیغام اور ظلم کے بحر بے کنار تک پر اعضاء شکنی طاری کرتے آندھیوں کے خوفناک خروش کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سلطان کے تھوڑی ہی دیر بعد زین الدین بھی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ اس نے بھی ماحول کے تپتے صحرا میں آنکھوں کی سحر کاری تک چھین لینے والے گرم تند کھولنے لاؤں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ ویرانہ حیات کے گوشوں میں زمین کے سرد پاتال تک کو ہلا دینے والے قدرت کے قہر بھرے عذاب جذبوں کی محرابوں، بشارتوں پر اترتے عکس اور خیالوں کی رنگینیوں تک کو نوچ کرتی سسکیوں میں تبدیل کر دینے والے وقت کے جوش مارتے بحر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

مسلمان لشکری، صلیبیوں کے مقابلے میں زور دار انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے اس طرح حملہ آور ہو رہے تھے، جیسے وہ چراغوں سے آندھیاں، ماتھوں کی شکنوں سے انقلاب برپا کرنے کے درپے ہو گئے ہوں۔ وہ اس طرح بے خوف و خطر ہو کر دشمن کے منوں میں گھسنے لگے تھے۔ جیسے وہ وجود الہانہ کے سایوں اور رکوع بے قیام کے عکس تلے ہر قدم پر اپنی منزلوں کے سنگ میل نصب کرنے کے درپے ہو گئے ہوں۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے یہ شان لی ہو کہ زمین سے آسمان تک خداوند قدوس نے ان کیلئے نصرت کا سماں باندھ کر رکھ دیا ہے۔

شہر کے نواح میں اس کھراؤ کے دوران قوی بازوؤں والے بدو بت جنم حوصلوں کے امین ترک، قانون قدرت کے محافظ کرد اپنی ثقافت تہذیب کے امین بن کر حسد تعصب کے ابلیس اور طبقاتی نفرت کے بتوں کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے بڑی تیزی اور بڑے جوش کے ساتھ

صلیبیوں کے لشکر کی ایک صف سے دوسری صف میں گھستے ہوئے ان کا صفایا کرتے چلے جا رہے تھے۔

آخر اس ہولناک کھراؤ کے نتیجے میں معرۃ العمان شہر کے باہر صلیبیوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھاگ کر شہر میں محصور ہو گئے۔ ان کی اس حرکت پر مسلمانوں نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اس لئے کہ معرۃ العمان میں صلیبیوں کی ایک بہت بڑی طاقت اور قوت تھی اور اسے شکست دینا مسلمانوں کی صنایع اور ان کی ہنرمندی کا ایک کمال تھا۔ چنانچہ دشمن جب شکست اٹھا کر شہر میں محصور ہو گئے تب سلطان نے بڑی سختی کے ساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔

آخر کار سلطان نے اس محاصرے میں ایسی تنگی ایسی تیزی اور سختی پیدا کی کہ اس کے لشکری شہر پناہ کو پھلانگ کر شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ شہر کے اندر ایک بار پھر گھمسان کارن پڑا اور اس رن کے دوران مسلمانوں نے صلیبیوں کی ساری عسکری قوت کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کا پورا لشکر معرۃ العمان شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یورپی صلیبیوں نے جس وقت معرۃ العمان پر قبضہ کیا تھا، تو انہوں نے وہاں کے مسلمان باشندوں کو بڑے بے دردی سے تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ لیکن سلطان عماد الدین نے اسوۂ نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے شکست خوردہ نصرائیوں کو عام معافی دے دی اور ان کو اپنے مال اسباب سمیت ان شہروں سے نکلنے کی اجازت دے دی۔ معرۃ العمان کے بعد سلطان اور زین الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ دوسرے شہر کفرطاب کا رخ کیا۔ وہاں کے صلیبی بھی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے۔ چنانچہ معرۃ العمان کی طرح کفرطاب پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اس طرح دواہم اور انتہائی اہمیت کے حامل شہر یعنی معرۃ العمان اور کفرطاب دونوں صلیبیوں سے چھین کر مسلمان علاقوں میں شامل کر لئے گئے تھے۔

جس وقت سلطان کفرطاب کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے حالات اپنے حق میں درست کر رہا تھا سلطان کے کچھ خبر کفرطاب میں پہنچے۔ جب انہیں سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا اور سلطان نے ان سے صورتحال دریافت کی تب انہوں نے سلطان کو ایک انتہائی بری خبر سنائی۔ آنے والوں میں سے ایک خبر سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم یہ ظلم سے ایک بہت بڑا لشکر جو تین متحدہ قوتوں کا لشکر ہے جس میں

بالذون فرانس اور قسطنطنیہ کے حکمران بھی شامل ہیں بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ حلب کی طرف بڑھ رہا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی غیر موجودگی میں حلب کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں اور اس طرح آپ کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیں۔

یہ خبر یقیناً سلطان کیلئے فکر مندی اور تکلیف کا باعث تھی۔ اس موقع پر وہ اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے زین الدین بول اٹھا۔

”سلطان محترم! ہم نے چند دن پہلے معرۃ النعمان کو فتح کیا ہے اور اب ہم کفرطاب میں داخل ہوئے ہیں۔ یہاں کے انتظامات اور انصرام ابھی تک ہم نے پوری طرح درست نہیں کئے اور شہر کے مالات پر ابھی ہمارا پوری طرح قابو بھی نہیں ہے۔ لہذا میں سمجھتا ہوں لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصے کے ساتھ آپ یہیں قیام کریں۔ میں اور عدنان بن ہاشم یہاں سے حلب کی طرف کوچ کر جائیں گے۔

سلطان محترم اگر پورا لشکر لے کر حلب کی طرف کوچ کرتے ہیں تو یاد رکھیے کہ جب ان دونوں شہروں کے نصرانیوں کو خبر ہوگی کہ صلیبیوں کا ایک بہت بڑا لشکر حلب پر حملہ آور ہونے کیلئے پیش قدمی کر رہا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کا سلطان اور اس کے سارے سالار حلب کا دفاع کرنے کیلئے جا چکے ہیں، تب ان کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔ وہ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے اور جو کام ہم نے اب تک کیا ہے اس پر پانی پھر جائے گا۔ یہ لوگ بغاوت کر کے آس پاس کی جو مسلمانوں کی بستیاں ہیں ان پر حملہ آور ہوں گے اور مسلمانوں کا قتل عام کریں گے اور یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔“

”اگر میں اور عدنان بن ہاشم یہاں سے جاتے ہیں اور آپ یہیں قیام کرتے ہیں تو پھر معرۃ النعمان اور کفرطاب ہی نہیں آس پاس کی کسی نصرانی ریاست یا کسی دوسرے شہر کو ہمت اور جسارت نہیں ہو سکے گی کہ آپ کی موجودگی میں وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی کرے یا کوئی بغاوت یا سرکشی کی علامت کھڑی کرنے کی کوشش کرے۔ سلطان محترم مجھے امید ہے آپ میری اس تجویز سے اتفاق کریں گے۔ اسے رد نہیں کریں گے۔ یوں جائیں یہ میری اور عدنان بن ہاشم کی خواہش ہے اور سلطان محترم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں صلیبیوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اپنی منزل پر پہنچ کر حلب کے والی سے اپنی جنگی منصوبہ بندی کا معاملہ طے کر لوں گا اور جب

صلیبیوں کا لشکر شہر کا محاصرہ کرنے کیلئے وہاں پہنچے گا۔ پھر میں دوبارہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کی وہ حالت ہوگی جو اس سے پہلے شاید صلیبی لشکر نے مسلمانوں کے کسی شہر کے آس پاس نہ دیکھی ہوگی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین جب خاموش ہوا تب سلطان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔
”زین الدین میرے بیٹے تم نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ سارا معاملہ ایک ہی سانس میں تم نے طے کر دیا ہے۔ اگر یہ تمہاری خواہش ہے اور تمہارے ساتھ عدنان بن ہاشم بھی یہی چاہتا ہے تو میں تمہاری اس تجویز کو منظور کرتا ہوں۔ اس سے روگردانی نہیں کروں گا۔ لیکن بیٹے اس کیلئے تم اور عدنان بن ہاشم آج ہی ان مخبروں کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جاؤ۔“

زین الدین نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ آنے والی شب کو آدمی رات کے قریب زین الدین اور عدنان بن ہاشم آنے والے مخبروں کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ حلب کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

حلب شہر کے قریب جا کر زین الدین نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ وہ سارے علاقے زین الدین اور عدنان بن ہاشم کے خوب دیکھے بھالے تھے۔ چنانچہ جو منصوبہ بندی زین الدین حلب کے حاکم کے ساتھ طے کرنی تھی۔ وہ زین الدین نے سلطان کے مخبروں کے ذریعے اس تک پہنچا دی تھی اور اس نے خود ایک مناسب جگہ گھات لگائی تھی۔

دوسری طرف صلیبیوں کا لشکر اس بات پر ہی مطمئن تھا کہ سلطان اپنے پورے لشکر کے ساتھ معرۃ النعمان کو فتح کرنے کے بعد کفرطاب میں قیام کئے ہوئے ہے۔ لہذا وہ پر امید تھے کہ سلطان کی غیر موجودگی میں وہ حلب شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور وہ یہ بھی امید رکھتے تھے کہ حلب کیونکہ سلطان کا مرکزی شہر ہے۔ لہذا اس پر قبضہ کرنے کے بعد تا صرف وہ سلطان کو اپنے سامنے بے بس کر سکتے تھے، بلکہ مسلمانوں کے مزید علاقوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اپنے لئے فوائد حاصل کر سکتے تھے۔ اسی بنا پر صلیبیوں کا وہ لشکر بڑی تیزی سے حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ ان وہ دیکھی موت اور دیکھی قضا کی تاک میں ہے اور کسی وقت بھی ان کے سروں پر سوار ہو کر ان کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ بہر حال صلیبی لشکر نے آگے بڑھ کر حلب کے قریب پڑاؤ کیا تھا اور ایک طرح سے انہوں نے حلب کا محاصرہ کرنے، اس کا گھیراؤ

طرف سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم مگر مگر پکارتی موت چار سو بھڑکی آگ کی تپش اور پشت کی جانب سے حلب کا حاکم جسوں کو تار تار کرتے نزع کے ٹکس ہیلوں کی طرح ان کے اندر ٹکس کر ان کا قتل عام شروع کر چکے تھے۔ حلب شہر سے باہر مسلمان لشکری اس چوپان کی طرح دائیں بائیں مڑتے ہوئے دشمن پر خیریں لگا رہے تھے، جس چوپان کے اندر میں بھیڑے ٹکس آئے ہوں۔ اپنے سامنے آنے والے ہر ظلم اور جبر کو کھدیرتے ہوئے وہ آفاق کی وسعتوں پر محیط ہو جانے والے باد بالوں کی طرح چھانا شروع ہو گئے تھے۔ خاک اور خاکستر کر دینے والی بجلیوں کی کڑک اور ولولوں کی دھمک کی طرح انہوں نے دشمن کے لشکر کو اپنی اذیت ناک کا شکار کرنا شروع کر دیا تھا۔

حلب شہر سے باہر اس ٹکراؤ میں صلیبی لشکر کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے بڑے بڑے جنگجو، بڑے بڑے سوراخوں سے باہر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بہت کم کو اپنی جانیں بچا کر یروٹلم کی طرف بھاگنا پڑا۔ حلب کے نواح میں صلیبیوں کے خلاف مسلمانوں کی یہ شاندار اور سنہری فتح تھی۔

اس جنگ سے متعلق مؤرخین اختصار کے ساتھ اس طرح لکھتے ہیں کہ جن دونوں سلطان عماد الدین معرۃ النعمان اور کفرطاب وغیرہ کی تسخیر کیلئے جدوجہد کر رہا تھا ایک زبردست صلیبی لشکر حرکت میں آیا اور حلب کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ لیکن مسلمانوں نے نہایت استقلال اور پامردی سے صلیبی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور بہت جلد ان کو بدترین شکست دے کر حلب سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔

اس شاندار فتح کے بعد حلب کا حاکم بڑی تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا اس طرف آیا جہاں زین الدین اور عدنان بن ہاشم تھے۔ وہ اپنے سالاروں کے ساتھ زخموں کی نگرانی کر رہے تھے۔ حلب کا حاکم حسرت لگا کر اپنے گھوڑے سے اترا بڑے پر جوش انداز میں باری باری زین الدین اور عدنان بن ہاشم سے وہ گلے ملا۔ اس شاندار فتح پر اس نے دونوں کو مبارکباد دی۔ اس موقع پر زین الدین حلب کے حاکم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز! اب صلیبی کبھی حلب کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ جو لشکر وہ لے کر آئے تھے اس کا دو تہائی حصہ وہ یہاں گنوا چکے ہیں اور باقی جو بھاگے ہیں ان میں ان گنت

کرنے اور اس پر دباؤ ڈالنے کی کوششوں کی ابتداء کی تھی۔

صلیبی لشکر ابھی ان ہی انتظامات میں مصروف تھا کہ اچانک ایک طرف سے کوبھٹانوں کے جگر شق کر کے ہر شے کا سکون برباد کر دینے والے اشتیاق اضطراب بھرے انقلاب کی طرح تکبیریں بلند ہوئیں۔ ان تکبیروں کی آوازوں اور ان کی بازگشت سے ایسے لگا جیسے کوئی ماورائی قوت بت خانوں کے سایوں کا سدہ بدی کے پرستاروں کے اندر ایک خونی انقلاب برپا کر کے کانہوں کی مناجات اور راہبوں کے راز نیاز جیسی خاموشی کے اندر ہر شے کو شکن شکن کر دینے والی انوکھی تہذیب کی آندھیاں اٹھ کھڑی ہوں۔

ان تکبیروں کے جواب میں صلیبی لشکری چونکے تھے۔ سنبھلے تھے کہ اتنے میں ایک طرف سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم ہر اوراک کو غیر متحرک کرتے جراثیموں کے نقیب وقت کے محتسب کی طرح نمودار ہوئے۔ پھر وہ بے کراں خونی مناظر بھرے بگولوں، کالی دہشت ناک پت جھڑ اور زنگ آلود داستانوں کی ردا اتار چھیننے والے قضا کے ستم کی آگ کی طرح صلیبی لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ان کا یہ حملہ ایسا تھا، جیسے وہ اپنے پہلے ہی حملے میں ہزاروں گزند دیتے طوفانوں اور انقلاب اور تبدیلی کے غالب شباب کی طرح ہر شے کو اپنی گرفت میں لینے کے درپے ہو گئے ہوں۔

جس وقت صلیبیوں کا لشکر ستم کر زین الدین اور عدنان بن ہاشم کو اپنا ہدف بنانے لگا تھا عین اسی وقت شہر پناہ کا ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے مسلمان لشکری اور جنگجو اس طرح نکلے، جیسے ان گنت تیندوؤں اور خوفناک بھیلیوں کی زنجیریں کھول دی گئی ہوں۔ حلب کا حاکم اپنے لشکر کے ساتھ شہر پناہ کے اس دروازے سے نکلا پھر اس نے صلیبیوں کے لشکر کی پشت پر دہر کی اندھی ظلمت میں مقتل گاہ کی خواری آہ و فغاں کے ہنگاموں میں موت کے پیغام دیتے فنا کے جہان کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ ان جنگجوؤں کے حملوں میں ایک عجیب عزم راسخ اور جرأت محکم ایک انوکھا عظیم اعتماد اور مسار کر دینے والے جذبے تھے۔

صلیبی لشکر جو تھوڑی دیر پہلے اپنی ساری طاقت اور قوت کو مجتمع کر کے زین الدین اور عدنان بن ہاشم پر حملہ آور ہونے لگا تھا، اب جبکہ پشت کی طرف سے حلب کا حاکم بھی ان پر حملہ آور ہوا، جب انہیں اپنے اندر ایک تبدیلی کرنا پڑی۔ جب تک وہ تبدیلی پیدا کرتے اس وقت سامنے کی

ہوئے تھے انہیں علاج کیلئے زین الدین نے اپنے مسکن میں چھوڑا اور باقی لشکریوں کو لے کر وہ اور عدنان بن ہاشم دونوں سلطان سے جا ملنے کیلئے کفرطاب کا رخ کر گئے تھے۔



کفرطاب میں قیام کے دوران سلطان اور زین الدین کے درمیان یہ طے پا گیا تھا کہ چند ماہ کیلئے سارے لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ ساتھ ہی سلطان اور زین الدین کے درمیان یہ بھی فیصلہ ہو گیا تھا کہ اب ایڈریس شہر پر حملہ آور ہوا جائے گا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی سرزمین میں نصرانیوں کی پہلی قائم ہونے والی ریاست یہ ایڈریس شہر ہی تھا۔ لہذا سلطان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہر صورت میں ایڈریس پر چڑھائی کر کے وہاں کے صلیبی لشکر کو شکست دے گا۔ ایڈریس شہر پر حملہ کرنے سے نصرانیوں اور صلیبیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور اگر وہ اس شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو مسلمان لشکریوں کے حوصلے جوان اور دلوں کو مستحکم ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ اسی فیصلے کے بعد سلطان اور زین الدین کے درمیان ایڈریس شہر پر حملہ آور ہونے کیلئے مہینے اور تاریخ کا تعین بھی کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سلطان اپنے لشکر کے ساتھ حلب کی طرف چلا گیا تھا، جبکہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر اپنے مسکن میں پہنچ گئے تھے۔



ایسے زخمی بھی ہیں جو جانبر نہ ہو سکیں گے۔ یہ سلطان کی غیر موجودگی میں اپنے لئے فائدے مائل کرنے کیلئے آئے تھے۔ لیکن یہ غیر ذمہ دار لوگ الٹا نقصان اٹھا کر بھاگے ہیں۔ میرے عزیز شہر کے ارد گرد جوان کی لاشیں بکھری پڑی ہیں اپنے لشکریوں کے ساتھ آج ہی دفن کر دیے ہیں۔ ورنہ یہ تعفن اور بیماری پھیلائیں گی۔“ یہاں تک کہنے کے بعد زین جب خاموش ہوا تب حلب کا حاکم بڑی افسردہ اور اودھمندی میں کہنے لگا۔

”امیر زین الدین میری آپ سے اتنا اس ہے کہ آپ چند روز حلب میں قیام کریں اور ہم سب کو خدمت کا موقع دیں۔“

زین الدین نے بڑے پیارے انداز میں حلب کا حاکم کو گلے پہنچایا اور کہنے لگا۔

”میرے عزیز! تجھے ہماری خدمت اور تواضع کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اپنے ہر شہر کا دفاع کرنا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ دیکھ سلطان اس وقت کفرطاب میں بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں صرف دو دن یہاں حلب میں قیام کروں گا۔ اتنی دیر تک میرے زخمی ہونے والے لشکری بھی اپنے آپ کو سنبھال لیں گے۔ اس کے بعد میں یہاں سے سلطان کی طرف کوچ کر جاؤں گا اور جو لشکری زیادہ زخمی ہوئے ہیں انہیں میں جاتے ہوئے اپنے مسکن میں چھوڑوں گا۔ اس کے بعد سلطان کا رخ کروں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین رکا، مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حلب کا حاکم پھر بول اٹھا۔

”امیر صلیبی لشکر جو اس قدر مال اسباب چھوڑ کر بھاگا ہے اسے آپ اپنے ساتھ لیتے جائیں۔“

اس پر آگے بڑھ کر ایک بار پھر زین الدین نے اس کی پیٹھ پیچھائی اور کہنے لگا۔

”میرے عزیز! اس میں سے میں اور میرے لشکری کچھ نہیں لیں گے۔ یہ سب کچھ یہیں رہے گا اور اپنے لشکریوں کا حصہ تقسیم کرنے کے بعد باقی کو سلطان کے بیت المال میں ڈال دو اس سے پہلے ہمارے ہاتھ کافی مال غنیمت لگ چکا ہے اور ہمارے لشکری اب کافی آسودہ حال ہیں۔“

زین الدین کی اس گفتگو سے حلب کا حاکم بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ لہذا سب حرکت میں آئے۔ حلب شہر میں داخل ہوئے۔ زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے دو روز تک وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ سلطان کی طرف جاتے ہوئے جو لشکری زیادہ زخمی

معافی بھی مانگی ہے اور پھر اب تو وہ بیچاری ایک عرصے سے حلقہ بگوش اسلام ہو چکی ہے۔ دونوں ماں بیٹی کی یہ خواہش ہے کہ آپ کے ساتھ رشتہ ہو جائے، لیکن آپ مانتے ہی نہیں۔ اس موضوع پر سب نے تو میرے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ دراصل اس نے اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر اس کے مقدر میں آپ کی بیوی بننا لکھا ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا اور اگر یہ رشتہ اس کے مقدر میں نہیں ہے تو پھر کوئی اسے استوار بھی نہیں کر سکتا۔ تاہم اس موضوع پر اماں میکمل نے مجھ سے بات کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی ہے کہ سب سے کہیں شادی کرے۔ لیکن وہ ماننی نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنے نام کو آپ کے نام کے ساتھ وابستہ کر چکی ہے اور اگر ان دونوں ناموں کے مقدر میں ملنا لکھا ہے تو مل جائیں گے ورنہ نہیں۔ اب اماں میکمل پریشان ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے مرنے سے پہلے پہلے سب سے کھر آباد ہو جائے اور وہ اپنے گھر والی ہو جائے۔ بس اماں کے انہی الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے آج فیصلہ کیا تھا کہ اس موضوع پر آپ سے گفتگو کروں گی اس لئے کہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے ارطالیں کو رک جانا پڑا۔ کیونکہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی سنجیدگی میں زین الدین بول اٹھا تھا۔

”ارطالیں تم کس قسم کی عورت ہو۔ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر سوت لانا چاہتی ہو۔ میں سمجھتا ہوں تمہاری یہ گفتگو دو وجوہات یا دو علتوں کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ پہلی یہ کہ تم اپنے شوہر سے بیزار اور نالاں ہو اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تم چاہتی ہو تمہارے اوپر سوت آنے سے اس گھر میں روز دکھا فساد اور لڑائی جھگڑا ہو۔“

زین الدین کے ان الفاظ کے جواب میں کچھ دیر تک احتجاجی سے انداز میں ارطالیں اس کی طرف گھورتے ہوئے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

”جہاں تک اپنے شوہر سے تنگ اور بیزار ہونے کا تعلق ہے تو جس روز میرے ذہن میں ایسا خیال بھی پیدا ہوا وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

”آپ کے بغیر تو میں ایک لمحہ بھی نہیں جی سکتی۔ اگر کوئی مجھ سے یہ بھی کہہ دے کہ تمہیں تمہارے شوہر سے جدا کیا جا رہا ہے تو میں سمجھتی ہوں میری تو روح اسی وقت میرے جسم سے علیحدہ ہو کر رہ جائے گی۔ جہاں تک سوت لانے کا تعلق ہے تو سب سے ایسی نہیں ہے۔ وہ بہت اچھی لڑکی

ایک روز مفتی احمد بن قاسم اور بدر الدین دونوں میکمل اور سب سے کہیں گئے ہوئے تھے کہ زین الدین اپنے گھر کے محن میں اپنے بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس کے بیٹے کا نام بدر الدین نے اپنے باپ کے نام پر کبیر الدین رکھا تھا۔ ارطالیں اور زین الدین نے بخوشی اس نام کو قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ جس وقت زین الدین اپنے بیٹے کبیر الدین کے ساتھ اپنے محن میں کھیل رہا تھا مکان کے اندرونی حصے سے ارطالیں نکلی۔ کچھ دیر تک وہ مسکراتے ہوئے اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے شوہر اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر دونوں باپ بیٹا جب محن سے نکل کر اس کے پاس آئے تب ارطالیں دھیمے سے لہجے میں زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آج میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین سنجیدہ ہو گیا تھا کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو آؤ دیوان خانے میں بیٹھتے ہیں۔“ چنانچہ دونوں میاں بیوی دیوان خانے کی طرف ہوئے۔ ان کا بیٹا بھی جواب چلتے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ دیوان میں داخل ہو گیا تھا۔ دونوں میاں بیوی آنے سے سامنے نشستوں پر بیٹھ گئے پھر ارطالیں کی طرف دیکھتے ہوئے زین الدین بول اٹھا۔

”اب کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

ارطالیں نے اپنے گلابی خوبصورت ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کہنے لگی۔

”دراصل میں سب سے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ اس بیچاری کو بہت سزا مل چکی ہے آپ اب اس سے شادی کر لیں۔ وہ بیچاری کئی بار آپ سے معافی بھی مانگ چکی ہے۔ ٹھیک ہے نہ ہی شدت پسندی کی وجہ سے اس سے کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی تھیں جن کی اس نے آپ سے

ہے۔ پھر آپ کی رشتہ دار ہے۔ دراصل میں چاہتی ہوں اس کا گھر آباد ہو جائے۔ اللہ پاک نے مجھے بیٹا دیا ہے۔ اللہ مجھے اور اولاد سے بھی نوازے گا۔ میں چاہتی ہوں جس طرح میرا گھر آباد ہے اسی طرح اس کا بھی گھر آباد ہو اور وہ یہاں اپنے بچوں کے ساتھ ہمارے ساتھ خوش و خرم زندگی کی ابتداء کرے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد اراطلیس رکی۔ پھر بڑے غور اور کس قدر پیار سے زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں نے آج تک آپ سے کچھ نہیں مانگا۔ آپ سے کبھی کوئی ضد نہیں کی آپ کی خدمت کرنے میں بھی اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ کوئی کوتاہی نہ ہو۔ یوں سمجھیں کہ آپ کی بیوی کی حیثیت سے سب کو اس گھر میں لانا میری بڑی خواہشوں میں سے ایک ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد اراطلیس خاموش ہو گئی تھی۔ دوسری طرف زین الدین نے بھی کچھ سوچا کہنے لگا۔

”ارطالیس اس موضوع پر مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔ میرے خیال میں اب دونوں انھیں آج میں نے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ بھی ہوتا ہے۔ لہذا میں اپنی تیاری کو آخری شکل دے دوں۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر اراطلیس چونکنے کے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی دیوانے خانے سے نکلے۔ پھر اراطلیس زین الدین کے کوچ کی تیاریوں میں لگ گئی تھی۔ اسی روز عشاء کے بعد زین الدین اور عدنان بن ہاشم دونوں اپنا لشکر لے کر سلطان سے ملے۔ شدہ وقت کے مطابق ایڈیہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



ایڈیہ شہر سے کئی میل دور زین الدین اور عدنان بن ہاشم سلطان سے جا ملے تھے۔ اس طرح دونوں لشکر متحد ہو کر ایڈیہ شہر کی طرف بڑھے تھے جہاں تک ایڈیہ کا تعلق ہے تو اس کے لگ بھگ تین نام اور ہیں۔ اس کو الہا بھی لکھا گیا ہے۔ اس کا تیسرا نام عزاز بھی ہے اور اس کا چوتھا نام اعزاز ہے۔ مؤرخین بالخصوص یعقوب کا کہنا ہے کہ ایڈیہ حلب کے شمال میں ایک دن کے راستے پر ہے۔ اس کی آب ہوا عمدہ اور پانی میٹھا ہے۔ یہاں سانپ، بچھو وغیرہ حشرات الارض نہیں ہوتے اور اس مقام کی مٹی لے کر بچھو پر ڈال دیں تو وہ مر جاتا ہے۔

ابوالقداس شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ ایڈیہ شہر کا قلعہ بہت مضبوط اور مستحکم ہے۔ یہ حلب کے جنوب میں ذرا مغرب کی طرف ہٹا ہوا واقع ہے۔ نہایت سرسبز عمدہ اور خوبصورت اور خوشگوار ترین مقام ہے۔ اس کی مٹی سرخ ہے۔ یہاں کثرت سے کپاس پوتے ہیں۔ جو جہازوں میں بھر کر اندلس اور مغرب کے دوسرے شہروں کی طرف جاتی ہے۔ درختوں کے جھنڈوں سے یہ مقام سبز نظر آتا ہے۔

جس وقت سلطان اور زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر ایڈیہ شہر کے قریب گئے تب انہوں نے دیکھا نصرانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر شہر سے باہر مسلمانوں کا استقبال کرنے کیلئے سمندر کی موجوں کی طرح موجزن تھا۔ اس کی تعداد بھی سلطان اور زین الدین کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی اور پھر سلطان اور زین الدین کی آمد سے پہلے انہوں نے شہر سے نکل کر پڑاؤ کر لیا تھا۔ شاید انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ شہر سے باہر ہی مسلمانوں سے ٹکرائیں گے۔

دشمن کے سامنے جا کر سلطان نے بھی زین الدین، عدنان بن ہاشم اور دوسرے سالاروں کے ساتھ مل کر سب سے پہلے اپنے لشکر کی ترغیب کو آخری شکل دی اس کے بعد پڑاؤ قائم کیا گیا۔

بار برداری کے جانور لشکر گاہ سے پیچھے رکھے گئے۔ کیونکہ دشمن کے لشکری صفیں درست کرنے لگے تھے اور ان کے لشکر کے اندر بڑے بڑے طبل بھی زور زور سے بجنے لگے تھے۔ لہذا سلطان نے بھی اپنے لشکر کی تشکیل کو آخری شکل دے دی تھی۔ سلطان نے لشکر کو دو ہی حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا اور چند سرکردہ سالاروں کو اپنے نائب کے طور پر مقرر کیا جبکہ دوسرے حصے کی کمانڈری زین الدین کے پاس تھی اور عدنان بن ہاشم اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ حملہ آور ہونے کی ابتداء صلیبیوں کی طرف سے ہوئی اور سلطان اور زین الدین کے لشکر پر غلام کی ان گنت مسافٹوں میں فضا کی بے شمار قوتوں پت جھڑ کے اداس موسموں میں بے اثر کرتے بگولوں جلتے صحرا کے سناٹوں میں موت کی تمازت اور جسم و جان کی فصلیں گراتے کرب خیز تلاطم کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

سب سے پہلے سلطان نے جوابی کارروائی کی ابتداء کی۔ سلطان نے پہلے برق کے گہواروں میں کروٹیں لیتے طوفانوں اور بیابانوں کی دشتوں میں دلوں پر المنا کی کے انبار گاہ دینے والی تباہی کی آگ کے سے انداز میں بکیریں بلند کی تھیں پھر سلطان دشمن پر فضا کی تحریریں رقم کرتے سرخ تھلوں کے رقص قہرمانیت کی تاریک گہرائیوں میں تقدیس سے الجھتے انتہاب بدی کے متاشی گہگہاروں کے ضمیر پر ضرب لگاتے خشکین بے لگام تاثرات اور خونخوار وحشی قرونوں میں ارادوں کا سلب کر لینے والی موت کی لازوال قوت کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سلطان کے ساتھ ہی ساتھ زین الدین اور عدنان بن ہاشم بھی اپنے حصے کے لشکر کو حرکت میں لائے تھے۔ انہوں نے بھی پہلے گمشدہ تناظر کو تلاش کرتی مقل کی چیخ ویرانیوں قدرت کی تنبیہ بن کر صحرا سے اٹھنے والی آندھیوں کے سے انداز میں بکیریں بلند کیں پھر وہ بھی دشمن کے ایک پہلو پر وقت کی ان گنت الجھتی لہروں اور شور کرتے خونی لمحوں میں تھکی کے اندھے طوفانوں جسوں کا انگ انگ خون میں ڈبو دینے والی بے کراں آرزوؤں کے سرسام آنکھوں کو بے بصر کر دینے والے موت کی خاک اڑاتے سرخ لا دوں اور ہجرتوں کی قہرمانی اور عذابوں کے سلسلوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک ایڈیسہ شہر کے نواح میں دونوں لشکریوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ایڈیسہ کے نصرانی اور صلیبی لشکر نے ہپا ہونے کا ارادہ کر لیا اس لئے کہ سلطان نے

ایک طرف سے اور دوسری طرف سے زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے ان پر جان لیوا حملہ آور ہوتے ہوئے ان کی تعداد کو بڑی تیزی سے کم کرنا شروع کر دیا تھا اور نصرانی جس طرف بھی میدان جنگ کے اندر نگاہ دوڑاتے تھے انہیں اپنے ساتھیوں ہی کی لاشیں دکھائی دیتی تھیں۔

دوسری طرف جنگ سے پہلے سلطان زین الدین اور عدنان بن ہاشم یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ دشمن اگر شکست اٹھا کر شہر کے اندر داخل ہوتا ہے تو اسے شہر پناہ کا دروازہ بند نہ کرنے دیا جائے۔ اول تو اسے شہر میں داخل ہونے نہ دیا جائے اور اگر وہ شہر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے پیچھے پیچھے ہم بھی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں تاکہ شہر کو فتح کرنے میں مزید وقت نہ لگے۔

چنانچہ جس وقت نصرانی لشکر میں شکست اور ہپائی کے آثار پیدا ہو رہے تھے تب خود سلطان کے علاوہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم نے بھی اس کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ وہ محتاط ہو گئے تھے۔ اس کے بعد جو نجی صلیبی لشکر شکست اٹھا کر واپس بھاگا سلطان اور زین الدین بھی اپنے پورے لشکر کے ساتھ ان کے تعاقب میں لگ گئے اور ان کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ شہر پناہ کے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس طرح ایک بار پھر شہر کے اندر کھسکان کارن پڑا۔ اس رن کے دوران مزاحمت کرنے والوں کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا اور شہر پر قبضہ کر لیا گیا۔

اس شہر کی تسخیر اور فتح سے متعلق مؤرخین کچھ اس طرح لکھتے ہیں۔

ہجری پانچ سو اٹالیس میں سلطان ایڈیسہ الر ہایا اعزاز کی طرف متوجہ ہوا۔ ایڈیسہ ارض مشرق میں صلیبیوں کی پہلی ریاست کا مرکز تھا اور اس پر صلیبیوں کی ایک انتہائی طاقتور حکومت تھی۔

مذہبی تقدس کے لحاظ سے ایڈیسہ کو عیسائی دنیا میں پانچواں درجہ حاصل تھا۔ اس لئے کہ عیسائیوں کے دوسرے مقدس ترین شہر یروشلیم اٹلا کیہ روم اور قسطنطنیہ تھے۔

یہ شہر میسوپوٹیمیا یعنی الجزیرہ کی آنکھ سمجھا جاتا تھا اور صلیبیوں نے یہاں زبردست طاقت جمع کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اسے یروشلیم کے بادشاہ کی حمایت اور سرپرستی بھی حاصل تھی۔ موصل بغداد دیار بکر اور دوسرے نواحی مسلم علاقوں کیلئے یہ ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا۔

مسلمانوں کو اس کی جنگی اہمیت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اس شہر پر کئی بار حملے

کئے، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

سلطان عماد الدین آندھی اور طوفان کی طرح صلیبی ریاست کے سرحدی قلعوں کو روندتا ہوا آخراڈیسہ کے دروازوں کے نزدیک جا پہنچا۔ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ لکرانے سے پہلے سلطان نے انہیں پیغام بھیجا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ لیکن صلیبیوں نے سلطان کی فیاضانہ پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ چنانچہ شہر پر سلطان حملہ آور ہوا اور عیسائیوں کو اس نے شکست کی خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

چنانچہ سلطان کا لشکر شہر میں گھس گیا اور مدافعت کرتے صلیبیوں کو گاجرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ مسلمان لشکریوں کے دل جوش انتقام سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتے تھے۔ لیکن رحم دل عماد الدین نے حکم دیا کہ جو لوگ ہتھیار پھینک دیں ان کو کچھ نہ کہا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تمام قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا اور نصرانیوں کے گھروں سے لوٹا ہوا مال بھی انہیں واپس کر دیا۔

ایڈیسہ کی فتح سے تمام عیسائی دنیا میں ماتم برپا ہو گیا۔ ان کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ مسلمان صلیبی قہر اقتدار کے اس اہم ستون کو منہدم کرنے میں اس قدر جلد کامیاب ہو جائیں گے۔ عیسائی مورخ قلم کے حتی لکھتا ہے کہ ریاست یعنی ایڈیسہ سب سے پہلے قائم ہوئی تھی اور سب سے پہلے ختم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ واضح ہو گیا کہ صورتحال مسلمانوں کے حق میں پلٹ رہی ہے۔

علامہ ابن اثیر کے الفاظ میں ایڈیسہ کی فتح فتح الفتوح تھی۔ اس پر تمام عالم اسلام میں بے پناہ مسرت کا اظہار کیا گیا۔ شعراء نے تہنیتی قصائد لکھے اور علماء مشائخ نے عماد الدین کو محافظ اسلام اور مجاہد کبیر کے خطابات دیئے۔ یہاں تک کہ خلیفہ بغداد نے سلطان کا نام خطبوں میں داخل کرنے کا حکم دیا۔

ایڈیسہ کا عظم و نق درست کرنے وہاں کے لوگوں کیلئے عام معافی کا اعلان کرنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں قیام کر لیا تھا۔ گواڈیسہ شہر کے صلیبی حکمرانوں نے ماضی میں مسلمانوں پر ان گنت مظالم کئے تھے۔ آس پاس کی مسلمان بستیوں کا انہوں نے جینا حرام کر رکھا تھا لیکن سلطان نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اس نے سب کیلئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ چند روز

تک اس نے شہر ہی میں قیام کئے رکھا اور جس روز اس نے وہاں سے کوچ کرنا تھا اس روز اس نے شہر کی فصیل کے قریب اپنے سارے بڑے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ جب سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے تب مسلمان کچھ دیر سب کا جائزہ لیتا رہا، پھر زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

زین الدین میں چاہتا ہوں تم اور عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کو لے کر آنے والی شب کو اپنے مسکن کی طرف کوچ کر جاؤ۔ میں بھی لشکر کا ایک حصہ ایڈیسہ شہر کی حفاظت کیلئے چھوڑں گا اور خود باقی لشکر کو لے کر حلب کا رخ کروں گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، کچھ سوچا دو بارہ اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

”دیکھ بچے میں چاہتا ہوں کہ چند ماہ تک اپنے لشکریوں کو مکمل آرام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اس دوران میں تم سے برابر رابطہ رکھوں گا۔ میرے منبر تمہارے پاس آتے جاتے رہیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھیں گے کہ ایڈیسہ کی فتح کے دوسری صلیبی ریاستوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اگر انہوں نے زہر کو خاموشی سے پی لیا تو درست۔ اگر انہوں نے کوئی انتقامی کارروائی کرنے کی کوشش کی تو پھر ہم متحد ہو کر ان کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گے۔ میرے عزیز! میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ لشکریوں کو آرام دینے کے بعد ہم بیکار نہیں بیٹھیں، بلکہ ان صلیبیوں کے ساتھ حرکت میں آئیں اور یکے بعد دیگرے ان سے اپنے علاقے واپس لیتے ہوئے صلیبیوں کو اپنے علاقوں سے نکل جانے پر مجبور کرتے رہیں۔“ زین الدین کے علاوہ باقی سارے سالاروں نے بھی سلطان کی اس تجویز پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ طے شدہ منصوبے کے مطابق سلطان نے اپنے لشکر کا ایک حصہ ایڈیسہ شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور آنے والی شب کو سلطان باقی لشکر کے ساتھ حلب کی طرف جبکہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم اپنے مسکن کی طرف کوچ کر گئے تھے۔



رہٹ گیا۔ عماد الدین زمین پر سر کے بل گرنے سے بال بال بچ گیا۔ اسی وقت ایک امیر جو اس کے ہم رکاب تھا بلایا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔

وہ امیر گھوڑے کی باگ موڑ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور عماد الدین اپنی رہائش گاہ کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد امیر دربار میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی عماد الدین نے پوچھا۔
”کیا تیرے پاس کچھ ہے؟“

”اس نے کہا یہ ایک ہزار دینار لایا ہوں۔“

”عماد الدین نے حکم دیا کہ ان کو اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دو۔“ واقعہ یہ تھا کہ اس وقت سلطان عماد الدین کا ذاتی خزانہ بالکل خالی تھا۔ اس لئے وہ اپنے ماتحت امیر سے ایک ہزار دینار قرض لینے پر مجبور ہوا، لیکن ایسا قرض وہ بالعموم ایک یا دو دن کے بعد تار دیا کرتا تھا۔ سلطان کو رعایا کی فلاح اور علم و ہنر کی سرپرستی سے بھی بڑا شغف تھا۔ اس کا دربار اس زمانے کے علماء، فضلاء کا مامن و مستقر تھا۔ اہم ملکی عہدوں پر اس نے ایسے قابل اشخاص کو مقرر کر رکھا تھا کہ اس کے حسن انتظام اور مردم شناسی کی داد دینی پڑتی تھی۔

مشہور مؤرخ ابن خلکان لکھتا ہے کہ عماد الدین نے اپنا مشرف یعنی وزیر ابو ہریر محمد الجواد کو مقرر کیا تھا۔ وہ ایک نہایت دردمند اور علم دوست انسان تھا۔ اس نے نہ صرف عماد الدین کو علم و ہنر کی سرپرستی اور سلطنت کی آراستگی میں قابل قدر مدد دی بلکہ ذاتی طور پر بھی رفاه عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

اس نے ایک نہر کھدوائی تھی، جو بڑی دور سے عرفات تک پانی پہنچاتی تھی۔ علاوہ ازیں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حاجیوں کی سہولت کے لئے کئی عمارتیں بنائیں۔ مدینۃ النبی کی حفاظت کے لئے اس نے شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل بھی بنوائی اور ہر سال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اس قدر روپیہ، غلہ اور پارچات بھیجتا، جو ان مقدس شہروں کے غرباء اور مساکین کے لئے سال بھر کے لئے کافی ہوتے تھے۔ اس نے ایک رجسٹر رکھا ہوا تھا، جس میں بیواؤں، یتیموں، محتاجوں کے نام درج تھے۔ ان سب کو وہ باقاعدگی سے مالی امداد دیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ موصل میں جب قحط پڑا تو اس نے سب مال متاع خیرات کر دیا اور اس مصیبت کے وقت عماد الدین کے ساتھ مل کر ایسی مستعدی دکھائی کہ موصل میں کوئی بھوکا اور تنگ نہ رہا۔

حلب کی طرف جاتے ہوئے سلطان عماد الدین نے بیروج کے علاوہ نصرانیوں کے اور کوئی قلعہ بھی فتح کر ڈالے۔ یہاں تک کہ آخر میں اس نے قلعہ جبر کو فتح کر کے حلب کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ افسوس ایڈیسیہ کی عظیم الشان فتح کے بعد سلطان کو اس دنیائے آب و گل میں زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ وہ قلعہ جبر کا محاصرہ کیے پڑا تھا کہ رات کے وقت ایک اسماعیلی نے حملہ آور ہو کر اسے قتل کر دیا۔ جس وقت سلطان کو شہید کیا گیا۔ اس وقت سلطان کی عمر ساٹھ سے ستر برس کے درمیان تھی۔ اس المناک حادثے کی خبر عالم اسلام پر بجلی بن کر گری اور ہر طرف ماتم برپا ہو گیا۔ مسلمانوں کو جس قدر شدید صدمہ ہوا، عیسائیوں کو اسی قدر خوشی ہوئی۔ فرانسیسی مؤرخ لکھتا ہے کہ عماد الدین کی موت نے عیسائیوں کو حیات نو عطا کر دی۔ انہوں نے اس قدر مسرت کا اظہار کیا۔ گویا مسلمانوں کی تمام طاقت و فتنا ملیا میٹ ہو کر رہ گئی ہو۔

سلطان عماد الدین جو دوسرا اور غریب پروری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کے اسی وصف کی بدولت بعض مؤرخین نے اس کو ابوالجود کا خطاب دیا تھا۔

اس کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو نماز سے قبل ایک دینار سرخ خیرات کرتا تھا اور دوسرے دنوں اپنے معتبر ملازمین کے ذریعے بڑی بڑی رقوم غرباء، مساکین اور دوسرے مستحقین میں تقسیم کرتا رہتا تھا۔ اس کے دسترخوان پر دونوں وقت علماء، صالحاء، فضلاء اور قضاہ کی بہت بڑی تعداد ہوتی تھی۔ اس نے اپنے عمال کو بھی تاکید کر رکھی تھی کہ غرباء اور مساکین کا خاص خیال رکھیں اور اپنے علاقے میں کسی کو بھوکا نہ رہنے دیں۔

شہید عماد الدین اگر کسی ناگہانی خطرہ یا حادثے سے بچ جاتا تھا تو فوراً غرباء اور مساکین میں صدقہ تقسیم کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ شہر سے باہر جا رہا تھا کہ شہر کے راستے میں گھوڑے کا پاؤں

سلطان اپنی وسیع سلطنت کی نہایت مستعدی سے نگہداشت کرتا تھا۔ اس نے سلطنت کے گوشے گوشے میں وقائع نگار مقرر کر رکھے تھے، جو اس کو ہر قسم کی اچھی بری، بھلی خبریں روزانہ لکھ کر بھیجتے تھے۔ اس کے عمال اور امراء اس کی اجازت کے بغیر اپنے علاقے سے باہر کسی صورت میں نہیں جاسکتے تھے۔ عماد الدین اپنا یہ قول اکثر دہرایا کرتا تھا کہ ملک ایک باغ کی طرح ہے، جب تک باغبان اس کی آبپاشی اور حفاظت میں سرگرم رہے گا تو سرسبز شاداب رہے گا، جو نبی اس نے غفلت کی سارا باغ اجڑ کر رہ جائے گا۔

سلطان راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور احکام شریعت کی پابندی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا۔ وہ صوم و صلوة کو میدان جنگ میں بھی ترک نہ کرتا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں احکام شریعت سختی سے نافذ کر رکھے تھے۔ ہر شہر اور قصبے میں قاضی مقرر تھے، جو تمام مقدمات کا فیصلہ کتاب و سنت کے مطابق کرتے تھے۔ اس نے جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ قرار دے رکھا تھا اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ دین تھا اور اس کے نام لیواؤں کی سربلندی کے لئے صرف ہوتا تھا۔ مؤرخین نے اسے اپنے دور کا شجاع ترین مسلمان حکمران قرار دیا ہے۔



ارطالیس اور اس کا بیٹا دونوں اپنے مکان کے صحن میں لگی مسہری پر دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایسے میں مکان میں احمد بن قاسم اور بدر الدین داخل ہوئے۔ دونوں اداس اور افسردہ، بجھے بجھے تھے۔ گردنیں دونوں کی جھکی ہوئی تھیں۔ ان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے ارطالیس فکر مندی اور پریشانی میں مسہری سے اتر کر کھڑی ہوئی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے اس کا بیٹا بھی مسہری سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ احمد بن قاسم اور بدر الدین دونوں جب قریب گئے تب ارطالیس نے بڑی فکر مندی میں احمد بن قاسم کو مخاطب کیا۔

”عم! اخیریت تو ہے؟ میں دیکھتی ہوں آپ اور بدر الدین دونوں انتہا درجہ کے پریشان اور فکر مند ہیں۔“

اس پر چپ چاپ احمد بن قاسم نے دیوان خانے کا رخ کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔ اس کے پیچھے پیچھے بدر الدین بھی دیوان خانے کی طرف ہولیا۔ ارطالیس بھی اپنے بیٹے کو لے کر ان کے پیچھے پیچھے دیوان خانے میں داخل ہوئی۔ احمد بن قاسم ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ارطالیس نے اس کے سامنے بیٹھے ہوئے اس سے پوچھا۔

”عم! میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا؟“

اس موقع پر ارطالیس زیادہ پکھل کر رہ گئی تھی۔ اس لئے کہ اس نے دیکھا کہ احمد بن قاسم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ پھر بڑی مشکل سے بولا۔ ”سلطان عماد الدین کو شہید کر دیا گیا ہے۔“

یہ خبر سن کر ارطالیس چونک پڑی تھی۔ ایک دفعہ تو وہ اپنی جگہ پر اچھل پڑی تھی۔ اپنا ہاتھ سینے پر لے گئی، پھر بڑی پریشانی میں کہنے لگی۔

”عم! یہ کیسے ہوا؟“

اس پر احمد بن قاسم کہنے لگا۔

”سلطان نے جبرنام کے قلعے کا محاصرہ کیا تھا۔ رات کے وقت کوئی اسماعیلی رازداری سے

ان پر حملہ آور ہوا اور سلطان کو شہید کر دیا۔“

کچھ دیر تک گہری اور کاٹ کھانے والی خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ ارطالیس پھر بولی۔

”اس وقت زین الدین کہاں ہیں؟“ احمد بن قاسم سنبھلا، پھر کہنے لگا۔

”بیٹی زین الدین، عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق، قاضی ابوسعید اور دوسرے بہت سے سالار اس وقت کوہستانی سلسلے میں بیٹھ کر اسی موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اور وہیں قاصد نے آ کر زین الدین کو خبر دی تھی۔ میں اور بدر الدین تو تم سے یہ خبر کہنے کیلئے آئے ہیں، لیکن زین الدین اپنے سالاروں سے مشورہ کر رہا ہے۔ ساتھ ہی زین الدین نے اپنے کچھ مخبر بھی مقرر کر دیئے ہیں، جو قاتلوں کا پتا لگانے کی کوشش کریں گے اس لئے کہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے احمد قاسم چپ ہو گیا۔ اس لئے کہ دیوان خانے میں اسی لمحہ زین الدین داخل ہوا تھا اور اس کے ساتھ قاضی ابوسعید بھی تھے۔ آگے بڑھ کر زین الدین ارطالیس کے قریب بیٹھ گیا۔ قاضی ابوسعید، فضل بن احمد کے ساتھ ہو بیٹھے۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز پھر ارطالیس نے کیا۔ اپنے شوہر زین الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر! سلطان کی شہادت تو عالم اسلام کیلئے ایک بہت بڑا، بلکہ ناقابل تلافی نقصان ہے۔“

اس پر دکھ بھرے انداز میں زین الدین کہنے لگا۔

”یہ کام کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ جن اسماعیلیوں نے یہ کام کیا ہے وہ کہیں بھی چھپ جائیں، کہیں بھی پناہ لے لیں، لیکن وہ ہمارے انتقام سے بچ نہیں پائیں گے۔ میں نے اپنے کچھ ساتھی ان کا کھوج لگانے کیلئے مقرر کیے ہیں اور مجھے امید ہے کہ بہت جلد ہم انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ سلطان کے قاتلوں کو بچ کر بھاگنے نہیں دوں گا۔ بہت جلد ان کے سروں پر پتھر کران سے انتقام لوں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد زین الدین خاموش ہو گیا۔ وہ بڑا پریشان اور فکر مند تھا۔ ارطالیس

کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

”کھانا تیار ہے۔ آپ سب یہیں بیٹھیں میں کھانا لگاتی ہوں۔ پھر سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا

کھاتے ہیں۔“

ارطالیس باہر جانے لگی تو بدر الدین بھی کھانے کے برتن لگانے کے لئے اس کے ساتھ ہولیا

تھا۔



دن گزرتے رہے، پھر ایک روز جبکہ زین الدین، عدنان بن ہاشم اور فضل بن اسحاق، قاضی ابوسعید، احمد بن قاسم سب زین الدین کے دیوان خانے میں بیٹھے اہم موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ اس لئے کہ ان کے پاس خبریں پہنچ چکی تھیں کہ سلطان عماد الدین کے بعد اس کے عظیم بیٹے نور الدین نے صلیبیوں پر ضرب لگانے کے لئے کمانداری سنبھال لی ہے۔ تب سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور پھر سب اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

اس موقع پر بدر الدین جو زین الدین کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا، بھاگتا ہوا باہر نکلا اور کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں دستک کس نے دی ہے؟“

اس کے ساتھ وہ باہر نکلا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اپنے ساتھ وہ ان دو مخبروں کو لے کر آیا جنہیں زین الدین نے سلطان کے قاتلوں کو تلاش کرنے کیلئے مقرر کیا تھا۔ وہ دونوں جب دیوان خانے میں داخل ہوئے، تب انہیں دیکھ کر زین الدین چونکا۔ کسی قدر اطمینان کا اظہار کیا۔ عدنان بن ہاشم، فضل بن اسحاق، قاضی ابوسعید اور احمد بن قاسم بھی آنے والوں کی طرف تجسس بھرے انداز میں دیکھ رہے تھے۔ زین الدین نے آنے والے ان دونوں مخبروں کو اپنے پاس بٹھایا۔ پھر انہیں مخاطب کیا۔

”میرے عزیز ساتھ دو! اب کہو تم کیسی اور کس نوعیت کی خبریں لے کر آئے ہو؟“

اس پر آنے والوں میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

”امیر ہم سلطان کے قاتلوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں قلعہ جبر کے اندر ہی قیام کر رکھا ہے۔ یوں سمجھیں یہ قلعہ سارے اسماعیلی فداہیوں کا ہے اور یہیں

سے وہ ساری سازشیں اور قتل، خونریزی اور بربادی کے فیصلے کرتے ہیں اور یہیں پر ساری منصوبہ بندیوں کو آخری شکل دی جاتی ہے۔ جہاں تک ہم معلومات حاصل کر سکتے ہیں ان کے مطابق سلطان عماد الدین کو قتل کرنے کے بعد قلعہ جبر کے یہ اسماعیلی فدائی سات دن تک سلطان کے قتل پر خوشی کا جشن مناتے رہے۔

یہ خبر سن کر غصے اور غضبناکی میں زین الدین کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

”تم دونوں جا کر آرام کرو۔ اب میں جبر کے ان فدائیوں کو خوب بٹوں گا۔“

ان دونوں کے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ زین الدین نے فضل بن اسحاق کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”ابن اسحاق میرے بھائی! حسب سابق مسکن کی نگرانی اور دیکھ بھال میں تم ہی رہو گے۔ میں اور عدنان بن ہاشم آج رات کے کسی بھی حصے میں یہاں سے قلعہ جبر کی طرف کوچ کریں گے۔ میرے خداوند کو منظور ہوا تو میں اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجاؤں گا تا کہ آنے والے دور میں وہاں سے اٹھ کر کوئی فدائی مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔“

اس کے بعد زین الدین نے عدنان بن ہاشم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”ابن ہاشم میرے بھائی! اٹھو تم جا کر اپنی تیاری کو آخری شکل دو۔ میں اپنی تیاری کرتا ہوں۔ پھر یہاں سے کوچ کریں گے۔“ اس پر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور زین الدین کے ہاں سے نکل گئے تھے۔ دیوان خانے سے نکل کر زین الدین، بدر الدین اور احمد بن قاسم بیٹوں جب گھر کے دوسرے کمرے کی طرف گئے، تب زین الدین، ارطالیس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ارطالیس ایک انتہائی اہم مہم کے سلسلے میں مجھے آج رات کو کوچ کرنا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے زین الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے ارطالیس کہنے لگی۔

”میں درمیانی دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر سب کچھ سن چکی ہوں۔ آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابھی آپ کی تیاری کرواتی ہوں اور جب تک عدنان بھائی آپ تک آتے ہیں اس وقت تک آپ بھی تیار ہو چکے ہوں گے۔“

ارطالیس کے ان الفاظ کا جواب زین الدین دینا ہی چاہتا تھا کہ مکان میں میکل اور سبتہ

دونوں ماں بیٹی داخل ہوئی تھیں۔ دونوں زین الدین اور ارطالیس کے قریب ہوئیں۔ پھر میکل زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”زین الدین میرے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تم سلطان کے قاتلوں سے انتقام لینے کیلئے آج رات کوچ کر رہے ہو۔ مسکن میں بھی یہ خبر اب عام ہو چکی ہے۔ بیٹے کیا یہ درست ہے؟“ اس پر زین الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اماں آپ کا کہنا درست ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک یہاں سے کوچ کروں گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر سبتہ جو ابھی تک زین الدین کے پہلو ہی میں کھڑی تھی۔ کسی قدر اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ زین الدین نے بھی اس موقع پر ایک گہری نگاہ سبتہ پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

”سبتہ مجھے آج تم سے بھی بہت کچھ کہنا ہے۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر سبتہ چونکی تھی اور غور سے زین الدین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ منہ سے کچھ نہ بولی تھی۔ یہاں تک کہ زین الدین نے اسے مخاطب کیا۔

”سبتہ میرے اور تمہارے درمیان پہلے سے ایک رشتہ ہے، جسے خونی رشتہ کہا جاسکتا ہے۔ ارطالیس برابر مجھے انگیزت کرتی رہی ہے کہ سبتہ نے اگر شادی کرنی ہے تو آپ سے ورنہ وہ شادی نہیں کرے گی۔ سبتہ میں تمہاری دل شکنی نہیں چاہتا۔ میں تمہیں خوش، مطمئن اور پرسکون دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں میں اچھی خبر یہ سنا تا ہوں کہ جس مہم پر ابھی میں تھوڑی دیر تک روانہ ہو رہا ہوں اس مہم سے واپسی پر میں تم سے شادی کر لوں گا۔“

زین الدین کے ان الفاظ پر سبتہ کی خوشی کی کوئی انتہائی نہ تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور وہ باری باری عجیب سے انداز میں کبھی اپنی ماں، کبھی ارطالیس اور کبھی زین الدین کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ سنبھلی، پھر زین الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”امیر جو الفاظ اب آپ نے کہے ہیں یہ الفاظ میری زندگی کا سرمایہ بن کر رہیں گے۔ میرے بس میں ہو تو میں ان الفاظ کو سنہری حروف میں لکھ کر اپنے مسکن کی کسی نمایاں جگہ آویزاں کر دوں۔ میں آپ کی شکر گزار، آپ کی منوں ہوں کہ آخر آپ نے مجھ سے قطع تعلقی ختم کر دی اور مجھے اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔“

اس موقع پر میکمل کی بھی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ارطالیس بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ پھر ارطالیس سببہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”سببہ اب جو فیصلہ میں چاہتی تھی وہ ہو چکا۔ یوں جانو امیر کے ساتھ تمہارا رشتہ پکا ہو گیا۔ لہذا اسی رشتے کو سامنے رکھتے ہوئے میرے ساتھ آؤ دونوں مل کر امیر کی تیاری کرتے ہیں۔“

ارطالیس کے ان الفاظ پر سببہ خوش ہو گئی تھی۔ چنانچہ دونوں مل کر زین الدین کا ضروری سامان چڑے کی خرچینوں میں ڈالنے لگی تھیں۔ اتنی دیر تک زین الدین نے بھی اپنا جنگی لباس پہن لیا تھا۔ پھر باہر نکل کر اس نے گھوڑے پر زین ڈالی۔ سارا سامان گھوڑے کی زین سے باندھا۔ گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس نے سب سے خدا حافظ کہا اور باہر نکلا۔ رہائشی عمارتوں کے سامنے جو کھلا اور وسیع میدان تھا۔ وہاں عدنان بن ہاشم اپنے لشکر کے ساتھ بالکل تیار اور مستعد تھا۔ چنانچہ زین الدین کے وہاں پہنچتے ہی لشکر وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

قلعہ جبر والوں کو بھی خبر ہو گئی تھی۔ ان پر حملہ آور ہونے کے لئے کوئی لشکر بڑی تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے۔ لہذا انہوں نے بھی اپنی تیاری کو آخری شکل دے دی تھی۔ چنانچہ زین الدین اور عدنان بن ہاشم وہاں پہنچے، لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ زین الدین شاید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ پڑاؤ کرنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے پہلو میں کھڑے عدنان بن ہاشم کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

”عدنان بن ہاشم میرے بھائی! لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا تمہارے پاس رہے گا۔ تم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شہر پناہ کے جنوبی دروازے پر رہنا۔ میں آگے بڑھ کر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ فسیل پر چڑھوں گا اور دیکھوں گا کہ یہ فدا کی کیسے ہمیں فسیل پر چڑھنے نہیں دیتے۔ فسیل پر چڑھنے کے بعد شہر پناہ کا جنوبی دروازہ کھولا جائے گا اور دروازہ کھلتے ہی تم اپنے لشکر کے ساتھ اس شہر میں داخل ہو جانا۔ میری ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ جبر میں جس قدر فدا کی ہیں ان میں سے کسی کو یہاں سے بچ کر نہیں جانا چاہئے۔ سب کا قتل عام کرنا چاہئے اور یہ بات اپنے ہر لشکر کے کانوں تک بھی پہنچا دو۔“

عدنان بن ہاشم نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ عدنان بن ہاشم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ قلعہ جبر کے جنوبی دروازے کے سامنے جم گیا تھا، جبکہ

ڈھالوں کی آڑ اور اوٹ میں زین الدین اور اس کے لشکر آگے بڑھے۔ رسوں کی سیڑھیاں پھینکی گئیں اور پھر جن فدا کیوں نے بھی رسوں کی سیڑھوں کو نیچے کرنا چاہا زین الدین کے لشکریوں نے نیچے سے تیر اندازی کر کے انہیں چٹھلی کر دیا تھا۔ لہذا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فدا کی پیچھے ہٹ گئے اور زین الدین اور اس کے لشکر بڑی تیزی سے فسیل پر چڑھنا شروع ہو گئے تھے۔

فدا کیوں نے ایک بار بھر پور کوشش کی کہ دشمن کے وہ لشکر جو فسیل پر چڑھ آئے ہیں انہیں مار کر نیچے گرا دیں، لیکن زین الدین کے تربیت یافتہ لشکر چار چار، پانچ پانچ فدا کیوں پر بھی بھاری ثابت ہو رہے تھے۔ ان کا قلع قمع کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ فسیل کے اوپر فدا کیوں کو کاٹتے ہوئے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ زین الدین شہر پناہ کے جنوبی دروازے کے قریب آیا۔ وہاں سے وہ ایک دم یلغار کرتے ہوئے نیچے اترا نیچے جن فدا کیوں نے اس کی راہ روکنے کی کوشش کی۔ ان پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان کا قصہ پاک کر دیا گیا۔ پھر زین الدین کے کہنے پر اس کے کچھ لشکریوں نے شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی شہر کے اندر ایک یلغار مچ گئی تھی۔ کافی دیر تک زین الدین کے لشکر اور فدا کیوں کے درمیان گھمسان کارن پڑا۔ یہاں تک کہ قلعہ کے اندر جس قدر فدا کی تھے سب کا قصہ تمام کر دیا گیا تھا۔

اس حملے کے دوران زین الدین کے کافی آدمی کام آئے تھے۔ بہت سے زخمی ہوئے تھے۔ خود زین الدین بری طرح زخمی ہو گا تھا۔ فدا کیوں کے خاتمے کے بعد جس وقت عدنان بن ہاشم اپنے لشکر یوں کو ایک جگہ جمع کر رہا تھا۔ ایک لشکر بھاگا اس کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ہاشم آپ جلدی سے امیر کی طرف چلئے۔ امیر بری طرح زخمی ہیں۔ ان کے جسم پر ان گنت زخم آئے ہیں اور وہ ایک طرح سے بے سدھ سے پڑے ہوئے ہیں۔“

یہ الفاظ سن کر عدنان بن ہاشم چونک سا پڑا تھا۔ لہذا بھاگتا ہوا اس لشکر کے ساتھ ہولیا تھا۔ جب وہ فسیل کے قریب گیا۔ تب اس نے دیکھا فسیل کی سیڑھوں پر زین الدین لیٹا ہوا تھا۔ اس کا لباس خون سے تر تھا اور کئی چھوٹے سالار اور لشکر اس کے گرد جمع تھے اور اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس موقع پر عدنان بن ہاشم زین الدین کے قریب گیا۔ تب ہلکا سا تبسم زین

الدین کے چہرے پر نمودار ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے عدنان بن ہاشم کو اس نے اپنے قریب بلایا۔ پھر مدغم، نجف سی آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ہاشم میرے بھائی! میں وقت کی خاموش فضاؤں میں زندگی کے قید و بند سے آزاد ہو رہا ہوں۔ میرے عزیز! میرے بھائی! میرے بعد میری بیوی، بچے، بھتیجے اور لواحقین کا خیال رکھنا۔“

زین الدین کے یہ الفاظ سن کر عدنان بن ہاشم گھٹنوں کے بل ایک طرح سے گر گیا تھا۔ پھر رو دینے والی آواز میں کہنے لگا۔

”امیر خدا کے لئے ایسی گفتگو میرے ساتھ نہ کیجئے۔ ورنہ میں آپ سے پہلے اس جہان فانی سے کوچ کر جاؤں گا۔“ ابن ہاشم جب خاموش ہوا تب دوبارہ زین الدین کی نجف سی آواز سنائی دی۔

”ابن ہاشم میرے عزیز! میرے بھائی! سلطان کے قاتلوں سے انتقام مجھ پر فرض اور لازم تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو اس عالم فانی میں میری زیست کے سارے خواب ادھورے رہتے۔ تعبیریں بانجھ اور خنجر دہتیں اور میرے قلب و جگر کی تہوں میں پستیاں اور رسوائیاں بھر جاتیں۔ اس لئے کہ سلطان کے ساتھ میں نے ایک عرصہ گزارا۔ ابن ہاشم ایک روز سب نے یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔ اس بیانہ وقت میں صرف میرے اللہ کو فغان نہیں۔ وہی مکان کو لا مکاں، ستاروں کو کہکشاں، ذرے کو صحرا قطرے کو سمندر کرتا ہے۔“

”میرے عزیز بھائی! سلطان کے قاتلوں سے نبٹ کر اور ان کا خاتمہ کر کے میں نے بے حسی کا ظلم نہیں پھیلنے دیا۔ ورنہ لوگ مجھے طعنہ دیتے کہ میں نے اپنے محسن کے قاتلوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ سلطان مسلم امہ کے لئے صد اقتوں کا تراشا ہوا ستارہ، فوز مند کی جنبش اور سکھ کا بادل تھا۔ اگر میں سلطان کے قاتلوں سے انتقام نہ لیتا تو جب تک میں زندہ رہتا میں اپنے آپ کو مجرم اور بے ضمیر تصور کرتا اور اس کائنات میں یادوں کی بھگتی چاندنی ماہ و سال کی آشنائی میرا مذاق، میرا تسخیرا ذاتی۔ ابن ہاشم سلطان کوئی زردتوں سانا تو اس اور شاخ و گل سے محروم کوئی شجر بے سایہ تو نہیں تھا کہ کوئی اس کا انتقام لینے والا نہ اٹھے۔ دیکھو میں مطمئن اور آسودہ ہوں کہ میں نے اپنے محسن، اپنے مربی، اپنے سلطان کا انتقام لے لیا ہے۔ ابن ہاشم میرے مرنے کے بعد میری لاش کو مسکن میں لے جانا اور میرے مکان کے پیچھے جو کم بلندی کی پہاڑی ہے اس کے اوپر

مجھے دفن کر دینا۔ میں جانتا ہوں میرے بعد میری بیوی، میرا بچہ، میرا بھتیجا سارے.....“ اس سے آگے زین الدین کچھ نہ کہہ سکا۔ خاموش ہو گیا تاہم عدنان بن ہاشم نے اندازہ لگایا کہ اس پر نقاہت طاری ہو گئی ہے، کیونکہ اس کی سانس چل رہی تھی۔

پھر ایک دم عدنان بن ہاشم پریشان ہو گیا۔ اس لئے کہ زین الدین اونچے اونچے سانس لینے لگا تھا۔ ساتھ ہی کلمہ طیبہ پڑھنے لگا تھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد عدنان بن ہاشم نے دیکھا زین الدین دم توڑ چکا تھا۔



ایک روز ارطالیس، سبتہ، میکیل، احمد بن قاسم اور بدر الدین اور زین الدین کا بیٹا کبیر الدین سب اپنے مکان میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک مسکن کے اندر شور اٹھا کہ ان کا لشکر واپس آ رہا ہے۔ لہذا سب مکان سے باہر نکل آئے تھے کہ اپنے لشکر کا استقبال کر لیں۔ پھر مسکن کے اندر یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ امیر زین الدین اس جنگ میں کام آچکے ہیں۔ یہ خبر سن کر ارطالیس کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ سبتہ کے پاؤں ایسے ہو گئے تھے، جیسے ان کے ساتھ کسی نے منوں وزن باندھ کر رکھ دیا ہے۔ میکیل اداں تھی۔ احمد بن قاسم مرنے والا ہو گیا تھا اور بدر الدین بیچارہ پیلا ہو چکا تھا۔

اتنے میں لشکر مسکن میں داخل ہوا۔ آگے آگے زین الدین کی لاش تھی۔ ارطالیس بھاگتی ہوئی آگے بڑھی۔ قریب جا کر جب اسے پتا چلا کہ لاش اس کے شوہر زین الدین کی ہے۔ تب وہ اچانک بل کھا کر ایک پتھر پر گری۔ سبتہ، میکیل اور بدر الدین سب اس کی طرف لپکے۔ جب اسے بلایا تو انہوں نے دیکھا ارطالیس تو دم توڑ چکی تھی۔ ختم ہو چکی تھی۔

مسکن کے اندر ایک مشورہ مچ گیا تھا۔ ہر فرد، ہر دل اداں تھا، رو رہا تھا۔ اس لئے کہ زین الدین ان کا امیر اور محسن تھا۔ عصر کی نماز کے بعد زین الدین اور ارطالیس دونوں کو ان کے مکان کے پیچھے جو کم بلندی کی پہاڑی تھی، زین الدین کی خواہش کے مطابق انہیں وہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ زین الدین اور ارطالیس کو دفن کرنے کے بعد جب لوگ اس پہاڑی سے اتر کر اپنے گھروں کو چلے گئے، تب میکیل، سبتہ، بدر الدین اور کبیر الدین کو لے کر پہاڑی پر چڑھے اور دونوں قبروں کے پاس کھڑے ہو کر رو دھو کر دعا مانگنے لگے تھے۔ اس موقع پر اس پہاڑی کے

قریب جو برج تھا اس میں احمد بن قاسم بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ احمد بن قاسم کی بین کرتی آواز سنائی دی۔ وہ فوج گارہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔

”ہم تم سے اور تمہاری ذات کے اندر صفات سے محبت کرتے تھے۔ تو ساحلوں سے نا آشنا سمندر کی ایک لہر تھا۔ ہماری بصارتوں، ہمارے مقاصد کا نصف النہار تھا۔ تیری بولتی آنکھیں، تیرا جلال آگیاں چہرہ سورج کی شعاعوں سے رنگین یادوں کا ساتھ تھا۔ دشمن کی بے دینی اور ظلم کے سامنے تو ہمارا مستحکم قلعہ اور ناقابل تسخیر برج تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد احمد بن قاسم خاموش ہوا۔ وہ رو رہا تھا، ہچکیاں لے رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی آواز پھر سنائی دی۔

”تیری صورت میں ہمارے ہاتھوں میں دشمن کو درست کر دینے والا آہنی اور طلسمی عصا تھا۔ تیرے بعد ہماری کامیابیاں خاک، ہماری سرفرازیاں راکھ ہو جائیں گی کہ تو ہماری سرفروشی کی ایک کتاب، جائیداد کی ایک باب تھا۔ تیرے بعد سیاہ رات کے تاریک کفن میں ہم اپنے کپڑے چیتڑے کر کے دکھ بھرے رجز پڑھیں گے۔ تو ہمارے لئے پانی بھرے سحاب کے ٹکڑوں کی مانند تھا۔ تیرے بعد ابد کے مسافروں کی طرح ہم لئے لئے ہو کر رہ جائیں گے اور شکستوں کے غبار سے بچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی محفوظ خیمہ بھی نہ رہے گا۔“

احمد بن قاسم فوج گارہا تھا، جبکہ میکمل، سبتہ دونوں دعا مانگنے کے بعد بدر الدین اور کبیر الدین کو لے کر نیچے اترنے لگیں۔ اس موقع پر سبتہ بیچاری دھاڑیں مار کر رو رہی تھی۔ اچانک اسے کوئی خیال گزرا وہ کوہستانی سلسلے کی ڈھلان پر رک کر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اماں میں اب امیر زین الدین کی بیوہ ہوں۔ اس لئے کہ وہ مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ میں خوش قسمت ہوں میرے اب دو بیٹے ہیں۔ ایک بدر الدین دوسرا کبیر الدین۔ پھر سبتہ وہاں بیٹھ گئی اور بدر الدین اور کبیر الدین کو اپنے ساتھ لپٹا کر بری طرح ہچکیوں اور سسکیوں میں رونے لگی تھی۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ میکمل خود بھی رو رہی تھی۔ سبتہ کو ڈھارس بھی دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ دونوں سنبھلیں پھر سبتہ، کبیر الدین اور بدر الدین دونوں کو اپنے ساتھ لپٹائے کوہستانی سلسلے سے نیچے اتر رہی تھی۔